تذکرۃ الانبیاء علیہم السلام

تذکرہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم

حصہ دوم

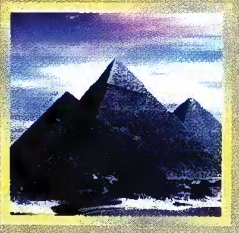

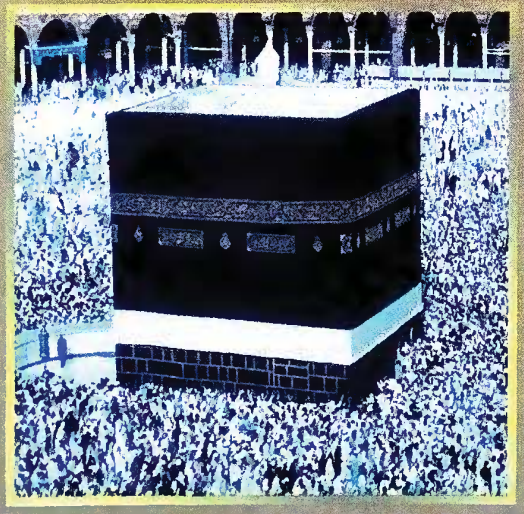

مرتبہ

مولانا قاری شریف احمد صاحب

خطیب جامع مسجد سٹی اسٹیشن، کراچی

مکتبہ شریفیہ

قاری شریف احمد اسٹریٹ، پاکستان چوک، کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ط (الآیۃ)

(مسلمانو) تمہارے لئے رسول اللہ کی حیات طیبہ بہترین نمونۂ عمل ہے"

أَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّينَ لَا نَبِيَّ بَعْدِي (مسلم شریف)

"میں خاتم النبیین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں"

تذکرۃ الانبیاء علیہم السلام

حصہ دوم

مسمّٰی بہ

تذکرہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم

مرتبہ:۔ قاری شریف احمد صاحب خطیب

ریلوے جامع مسجد سٹی اسٹیشن چندریگر روڈ۔ کراچی

جس میں ولادت نبوی ؐ سے قبل، ولادت کیوقت اور بعد میں پیش آنیوالے واقعات قبل از نبوت، بعد از نبوت مکی اور مدنی زندگی کے حالات تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں

ناشر

۸۶

بسم اللہ الرحمن الرحیم

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ (الآیۃ)

(تمہارے لئے تمہارے رسول اللہ (کی حیات طیبہ) بہترین نمونہ عمل ہے)

انا خاتم النبیین لا نبی بعدی (مسلم شریف)

(میں خاتم النبیین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں)

تذکرہ

خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم

حصہ دوم

تذکرۃ الانبیاء علیہم السلام

مرتبہ

قاری شریف احمد صاحب خطیب

ریلوے جامع مسجد سٹی اسٹیشن جنرل ریگرو ڈ کراچی

جس میں ولادت نبوی سے قبل ولادت کیوقت اور بعد میں پیش آنیوالے
واقعات قبل از نبوت بعد از نبوت مکی اور مدنی زندگی کے حالات تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں

مکتبہ شریفیہ پاکستان چوک کراچی

جملہ حقوقِ طباعت بحقِ ناشر محفوظ ہیں

اشاعتِ اول

محرم الحرام سنہ ۱۴۰۷ھ ـــــ مطابق ـــــ ستمبر سنہ ۱۹۸۶ء

نام کتاب ـــــ تذکرۂ خاتم الانبیاءؐ

نام مصنف

قاری شریف احمد صاحب، خطیب جامع مسجد سٹی اسٹیشن، چندریگر روڈ، کراچی

تعدادِ صفحات مع ضمیمہ ـــــ چار سو دس (۴۱۰)

مقدارِ طباعت ـــــ ایک ہزار (۱۰۰۰)

نام کاتب ـــــ سید دلشاد حسین کاظمی

طباعت

المحسن پرنٹرز، پاکستان چوک کراچی

ناشر

حافظ منیر احمد

ملنے کے پتے

مکتبہ رشیدیہ، اردو بازار، کراچی ۷۴۲۰۰

جامع مسجد، ریلوے سٹی اسٹیشن، آئی آئی چندریگر روڈ کراچی

ضمیمہ

خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ترسٹھ ۶۳ سالہ زندگی کا خلاصہ

مکی زندگی کے لیل و نہار ایک نظر میں

اس بابرکت تاریخ کی ابتداء ہم مشہور واقعۂ فیل سے کرتے ہیں، جو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے تقریباً ۵۰ دن پہلے پیش آیا،

- واقعۂ فیل:۔ ۱۷ محرم الحرام، مطابق سنہ ۵۷۰ء
- والد ماجد کا نام نامی:۔ حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب،
- والدۂ ماجدہ کا نام نامی:۔ حضرت آمنہ بنت وہب،
- وفاتِ عبداللہ:۔ شادی کی بہار دیکھنے سے پہلے ہی قبل ولادت النبیؐ مدینہ میں وفات پاگئے،
- ولادت پاک بحالتِ یتیمی:۔ ۹ ربیع الاول مطابق ۲۲ اپریل سنہ ۵۷۱ء (عام الفیل) بروز دوشنبہ (پیر) بوقت صبح صادق،
- عقیقہ اور نام نامی:۔ دادا عبدالمطلب نے ولادت سے ساتویں دن عقیقہ کیا، اور تمام قریش کی دعوت کی، اور نام نامی "محمدؐ" رکھا،
- رضاعت:۔ یعنی دودھ پلانے کے لئے عقیقہ وغیرہ سے فراغت کے بعد حلیمہ سعدیہؓ کے سپرد،
- شقِ صدر،
- دودھ چھڑانے کے وقت اَللّٰہُ اَکْبَرُ کَبِیْرًا، کلمے زبانِ مبارک سے ادا فرمانا،
- دودھ چھڑانے کے بعد آغوش والدۂ ماجدہ میں،
- وفات حضرت آمنہ:۔ جب آپؐ کی عمر چھ سال تھی،
- عبدالمطلب کی کفالت میں:۔
- عبدالمطلب کی وفات؛ جب آپؐ کی عمرِ مبارک آٹھ سال تھی،
- چچا ابوطالب کی کفالت میں:۔ جناب عبدالمطلب نے اپنی وفات سے پہلے اپنے بیٹے ابوطالب کو یہ

وصیت کی کہ میرا بچہ "محمد" میرے بیٹے عبداللہ کی نشانی ہے، یتیم ہے،
ماں کا سایہ بھی سر سے اُٹھ چکا ہے، اس لئے ان کا ہر طرح خیال رکھنا، ان
کے آرام کو اپنا آرام ان کی تکلیف کو اپنی تکلیف سمجھنا،

- شام کا پہلا سفر:۔ چچا ابوطالب کے ساتھ بعمر ۱۲ سال،
- دوسرا سفر بغرض تجارت:۔ بعمر ۲۵ سال، نسطورا راہب سے ملاقات، نبوت کی بشارت،
- حضرت خدیجہؓ سے نکاح، بعمر ۲۵ سال، جبکہ حضرت خدیجہؓ کی ۴۰ سال تھی،
- تعمیر کعبہ، حجرِ اسود کے مسئلہ پر جنگ کا خطرہ، حضورؐ کا مدبرانہ فیصلہ،
- قوم کی طرف سے "صادق" و "امین" کا خطاب، بعمر ۳۰ سال،
- حضرت علیؓ اور حضرت زیدؓ تربیت کے لئے آغوشِ نبوی میں،
- غارِ حرا میں خلوت نشینی؛ نبوت ملنے سے پہلے غارِ حرا میں عبادت و ریاضت کے لئے اعتکاف،

۱ سنہ نبوی:۔

- نبوت سے سرفرازی؛ ۱۷ رمضان المبارک مطابق ۶ اگست سنہ ۶۱۰ء یوم دوشنبہ (پیر) بعمر ۴۰ سال،
- نزولِ قرآن کی ابتداء؛ ۱۷ رمضان المبارک مطابق ۶ اگست سنہ ۶۱۰ء یوم دوشنبہ (پیر) بعمر ۴۰ سال،
- سب سے پہلی وحی؛ ۱۷ رمضان المبارک مطابق ۶ اگست سنہ ۶۱۰ء یوم دوشنبہ (پیر) بعمر ۴۰ سال،
- اللہ کے مقرب فرشتے حضرت جبرئیل علیہ السلام پہلی مرتبہ غارِ حرا میں نبوت ملنے کے وقت یہ آیتیں لیکر نازل ہوئے:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ۝

۲ ۳ سنہ نبوی:۔ نبوت ملنے کے بعد خفیہ تبلیغ کا سلسلہ

- سب سے پہلے ایمان لانے والی ہستیاں؛ حضرت ابوبکرؓ، حضرت خدیجہؓ، حضرت علیؓ،
- نماز کی ابتداء، اور وضو کی تعلیم،

۴ سنہ نبوی:۔

- علانیہ تبلیغ کا حکم،
- کوہِ صفا کا خطاب،
- ابولہب اور دوسرے کفار کی آپؐ سے بیہودہ حرکات،
- صفا پہاڑی کے خطاب سے مشرکین میں ہیجان،

- اسلامی تعلیمات کا سب سے پہلا مرکز "دارِ ارقم"
- قریش کا وفد ابو طالب کے پاس،
- آپؐ کو ایذا رسانی کے لئے کفار کی طرف سے مختلف کمیٹیاں،

۵ سنہ نبوی:-

- مسلمانوں کو ہجرتِ حبشہ کی اجازت،

۶ سنہ نبوی:-

- حضرت حمزہؓ اور حضرت عمرؓ کا اسلام قبول کرنا،

۷، ۸، ۹ سنہ نبوی:-

- مشرکین کی طرف سے حضورؐ کا بائیکاٹ، شعب ابی طالب میں تین سال نظر بندی
- معجزۂ شق القمر،

۱۰ سنہ نبوی:-

- عام الحزن، حضرت خدیجہؓ اور ابو طالب کی وفات،
- طائف کا تبلیغی سفر،
- طائف میں آپؐ کے ساتھ کفار کی بدتہذیبی،
- طائف سے واپسی پر وادیٔ نخلہ میں قیام، جنّات کا اسلام،

۱۱ سنہ نبوی:-

- مدینہ میں اسلام کی روشنی، چھ مدنی حضرات حلقہ بگوشِ اسلام

۱۲ سنہ نبوی:-

- معراج کا سفر، واقعۂ معراج کی تصدیق پر حضرت ابو بکرؓ کو "صدیق" کا لقب،
- بیعت عقبۂ اُولیٰ، بارہ ۱۲ مدنی حضرات کا قبولِ اسلام،

۱۳ سنہ نبوی:-

- بیعت عقبۂ ثانی، بہتر ۷۲ حضرات کا قبولِ اسلام،
- مشرکینِ مکہ کا آپؐ کے خلاف دار الندوہ میں خفیہ مشورہ،
- حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا فیصلہ،
- قریش کے خفیہ فیصلہ کی حضورؐ کو منجانب اللہ اطلاع، ہجرت کا حکم،

مدنی زندگی کے لیل و نہار کا خلاصہ

ایک نظر میں

- سفرِ ہجرت کا آغاز، ۲۷ صفر ۱۳ سنہ نبوی مطابق ۱۲ ستمبر ۶۲۱ء بروز پنجشنبہ (جمعرات)
- غارِ ثور کی طرف روانگی، ابوبکرؓ کی معیت میں ——— ۱۳ سنہ نبوی
- مشرکین کی جماعت میں کھلبلی ——— ۱۳ سنہ نبوی
- آپؐ کا تعاقب ——— ۱۳ سنہ نبوی
- کفار کی غار پر رسائی ——— ۱۳ سنہ نبوی
- ابوبکرؓ کی گھبراہٹ، نبیؐ کی طرف سے تسلی کی تلقین ——— ۱۳ سنہ نبوی
- کفار کی ناکامی ——— ۱۳ سنہ نبوی
- غارِ ثور سے مدینہ روانگی ——— ۱۳ سنہ نبوی
- اُمِّ معبدؓ کے خیمہ میں آرام ——— ۱۳ سنہ نبوی
- سراقہ کا آپؐ کا تعاقب کرتے ہوئے گھوڑے کا زمین میں دھنس جانا ——— ۱۳ سنہ نبوی
- مدینہ میں استقبال کی تیاریاں ——— ۱۳ سنہ نبوی
- سفرِ ہجرت ختم، مقامِ قبا میں ورود مسعود ——— ۱۳ سنہ نبوی
- مسجدِ قبا کا سنگِ بنیاد ——— ۱۳ سنہ نبوی
- قبا سے مدینہ روانگی، قبیلہ بنی سالم میں پہلا خطبۂ جمعہ اور نمازِ جمعہ ——— ۱۳ سنہ نبوی
- مدینہ میں ابوایوب انصاری کے ہاں قیام ——— ۱۳ سنہ نبوی
- ابوایوبؓ کون تھے؟ ——— ۱۳ سنہ نبوی

سنہ ہجری کے اعتبار سے مشہور واقعات

سنہ ۱ ہجری کے مشہور واقعات

① اسلامی سال سنہ ہجری کی ابتداء
② مسجد نبوی کی تعمیر
③ نماز ظہر، عصر، عشاء کی دو سے بڑھا کر چار رکعات
④ اذان کی مشروعیت
⑤ عبداللہ بن سلامؓ اور سلمان فارسیؓ کا قبولِ اسلام
⑥ مدینہ میں امن کمیٹی کا قیام
⑦ انصار و مہاجرین میں مواخاۃ (بھائی چارہ)
⑧ فرضیتِ صوم عاشوراء
⑨ فرضیتِ جہاد
⑩ حضرت عثمانؓ کا یہودی سے بیر رومہ خرید کر مسلمانوں کے لئے وقف کرنا،
⑪ حضرت عائشہؓ کی رخصتی بعمر ۹ سال

سنہ ۲ ہجری کے مشہور واقعات

① جنگِ بدر، (رمضان المبارک مطابق سنہ ۶۲۴ء)
مسلمانوں کی کفار سے سب سے پہلی اور حق و باطل میں فیصلہ کن جنگ،
مسلمانوں کی تعداد ۳۱۳
کفار کی تعداد ایک ہزار کے قریب
② تحویلِ قبلہ، یعنی بیت المقدس کی بجائے نماز میں خانہ کعبہ کی طرف رخ کرنا،
③ فرضیت صوم رمضان
④ وجوب صدقۃ الفطر اور نماز عید الفطر
⑤ وجوب نماز عید الاضحیٰ اور قربانی
⑥ وجوب احکاماتِ زکوٰۃ
⑦ حضرت فاطمہؓ کا حضرت علیؓ سے نکاح

سنہ ۳ ہجری کے مشہور واقعات

① جنگِ اُحد، شوال مطابق نومبر سنہ ۶۲۴ء
حضورؐ کا دندانِ مبارک شہید، حضرت حمزہؓ اور دوسرے صحابہ کرام کی شہادت،
② غزوۂ غطفان
③ حرمتِ شراب
④ اُم المؤمنین حضرت حفصہؓ کا عقد
⑤ اُم المؤمنین حضرت زینبؓ کا عقد
⑥ بنت النبیؐ حضرت اُم کلثومؓ کا حضرت عثمانؓ سے عقد

سنہ ۴ ہجری کے مشہور واقعات

① سیدنا حضرت حسینؓ کی ولادت
② اُم المؤمنین حضرت زینبؓ بنت خزیمہ المعروف اُم المساکین کا عقد اور آٹھ ماہ بعد انتقال،
③ اُم المؤمنین حضرت اُم سلمہؓ کا عقد،
④ مشہور صحابی زید بن ثابتؓ کو یہود کی عبرانی زبان سیکھنے کا حکم،

⑤ غزوۂ بنو نضیر اور غزوۂ بدر صغریٰ
⑥ واقعۂ رجیع اور بیر معونہ کا روح فرسا واقعہ

۴ھ ہجری کے چند مشہور واقعات

① پردہ کا شرعی حکم
② غزوۂ بنی المصطلق
③ واقعہ افک یعنی حضرت عائشہؓ پر بہتان حق تعالیٰ کی طرف سے صفائی
④ تیمم کی مشروعیت
⑤ غزوۂ خندق یا احزاب
⑥ خندق کو دیکھ کر کفار کی حیرانی
⑦ غزوۂ خندق کے موقع پر حضرت جابرؓ کی طرف سے دعوت اور تھوڑے سے کھانے میں برکت،

۶ھ ہجری کے اہم واقعات

① رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمرہ پر روانگی
② قریش کی گھبراہٹ و رکاوٹ
③ قریش کے نمائندہ عروہ بن مسعود ثقفی کے تأثرات
④ قریش کا حضرت عثمانؓ کو روک لینا، آپ کے قتل کی افواہ،
⑤ بیعتِ رضوان
⑥ صلحِ حدیبیہ
⑦ مسلمانوں کی فتح مبین
⑧ سربراہان عرب و عجم کو دعوتِ اسلام کے خطوط،

۷ھ ہجری کے مشہور واقعات

① غزوۂ خیبر، ماہ محرم ۷ھ مطابق ۶۲۸ء
② خیبر کے یہود کی حضورؐ کے خلاف سازش
③ بکری کے گوشت میں زہر ملا کر کھلانا
④ عمرۃ القضاء
⑤ خالد بن ولیدؓ، عمرو بن العاصؓ، عثمان بن ابی طلحہؓ کا اسلام قبول کرنا،

۸ھ ہجری کے اہم واقعات

① جنگِ موتہ:-
جمادی الاول ۸ھ مطابق ستمبر ۶۲۹ء
② فتح مکہ:-
رمضان المبارک ۸ھ مطابق جنوری ۶۳۰ء
③ ابوسفیان کا اسلام قبول کرنا
④ مکہ میں داخلہ سے پہلے دشمنوں کے لئے شرائطِ معافی کا اعلان،
⑤ کعبۃ اللہ کی بتوں کی نجاست سے صفائی،
⑥ مکہ معظمہ کے امیر اور حرم کعبہ کے لئے مؤذن کا تقرر
⑦ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فتح مکہ کے بعد مدینہ واپسی
⑧ جنگِ حنین:-
ماہ شوال ۸ھ مطابق فروری ۶۳۰ء
⑨ محاصرۂ طائف:-
ماہ شوال ۸ھ مطابق فروری ۶۳۰ء
⑩ صاحبزادہ حضرت ابراہیمؑ کی ولادت و وفات

سنہ ۹ ہجری کے اہم واقعات

① غزوۂ تبوک ، اکتوبر سنہ ۶۳۰ء
② مجاہدین تبوک کے لئے حضورؐ کی طرف سے چندہ کی اپیل،
③ جہاد کے لئے روانگی
④ قوم ثمود کی تباہ شدہ بستی کے پاس سے گذر
⑤ مسجد ضرار آگ کی نذر
⑥ تبوک سے واپسی مدینہ میں استقبال
⑦ غزوۂ تبوک میں شریک نہ ہونیوالے منافقین کی حیلہ سازیاں،
⑧ غزوۂ تبوک میں شریک نہ ہونے والے سچے مسلمانوں کی توبہ،
⑨ مشروعیتِ حج اور صدیق اکبرؓ کے ساتھ تین سو مسلمانوں کا حج کو جانا،
⑩ مشرکین کا حرم میں داخلہ بند کردینے کا اعلان
⑪ ننگے طواف کرنے کی ممانعت
⑫ عام الوفود، یعنی اسلام میں داخل ہونے کے لئے کفار کے وفود کا خدمتِ نبوی میں حاضر ہونا، وفد نجران کو مباہلہ کی دعوت

سنہ ۱۰ ہجری کے اہم واقعات

① حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابہ کی معیت میں حجۃ الوداع،
② میدانِ عرفات میں تاریخی خطبہ
③ تکمیلِ دین اور اتمامِ نعمت کی بشارت
④ آیت اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ کا نزول
⑤ ۱۰ ذی الحجہ کو منیٰ میں جمرۂ عقبیٰ کی رمی
⑥ رمی کے بعد اپنے دستِ مبارک سے ترسٹھ اونٹوں کی قربانی،
⑦ قربانی کے حلق پھر اسی دن یعنی ۱۰ ذی الحجہ کو مکہ معظمہ پہونچ کر طوافِ زیارت،
⑧ طوافِ زیارت کرکے منیٰ واپسی، ایامِ تشریق میں منیٰ میں قیام اور جمرات ثلثہ کی رمی،
⑨ ۱۳ ذی الحجہ کو منیٰ سے مکہ معظمہ واپسی
⑩ ۱۴ ذی الحجہ بروز بدھ طوافِ وداع فرماکر مدینہ واپسی کی تیاری،

سنہ ۱۱ ہجری

وفاتُ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

① سفرِ حج سے واپس مدینہ پہونچنے کے بعد ۲۸ صفر دردِ سر سے مرض الوفات کی ابتدا اور مرض کی شدت
② اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپؐ کو وفات کی اطلاع
③ حضرت ابوبکرؓ کو نماز پڑھانے کا حکم
④ صحابہ میں بے چینی
⑤ الوداعی خطبہ
⑥ صحابہ کو اپنی وفات کی خبر
⑦ انصار و مہاجرین کو ہدایات
⑧ مرض الوفات کی آخری شب
⑨ آپؐ کا آخری عمل مسواک

(۱۰) آخری وصیت
(۱۱) یوم وفات
(۱۲) حضرت جبرئیلؑ و عزرائیلؑ کی آمد
(۱۳) وفات کا لوگوں پر اثر
(۱۴) حضرت عمرؓ کی وارفتگی
(۱۵) حضرت ابوبکرؓ کی استقامت
(۱۶) مسلمانوں کے سامنے خطبۂ استقامت
(۱۷) مسئلۂ خلافت اور ثقیفۂ بنی ساعدہ
(۱۸) غسل کی تیاری اور غیبی ہدایت
(۱۹) غسل دینے والے حضرات
(۲۰) نمازِ جنازہ کس طرح پڑھی گئی؟
(۲۱) تدفین

یہ ہیں آپؐ کی تریسٹھ ۶۳ سالہ حیاتِ پاک کے چیدہ چیدہ واقعات جن کو ہم نے بیان کیا آسانی کے لئے میں نے اس تذکرہ کو مقدمہ اور چھ ابواب اور تتمہ پر تقسیم کر دیا ہے،

○ **باب اول:۔**
ولادتِ نبویؐ سے پہلے پیش آنے والے تاریخی واقعات،

○ **باب دوم:۔**
ولادتِ باسعادت کے متعلق بشارات

○ **باب سوم:۔**
ولادت باسعادت کے وقت پہلے پیش آنے والے واقعات،

○ **باب چہارم:۔**
ولادت باسعادت کے بعد قبل از نبوت پیش آنے واقعات،

○ **باب پنجم:۔**
نبوت کے بعد مکی زندگی کے واقعات،

○ **باب ششم:۔**
مدنی زندگی کے واقعات، ——— اور اس کے بعد تتمہ،

خداوند کریم سے دعاء ہے کہ اپنے فضل و کرم سے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک زندگی کے حالات پر اپنے فدا کارانہ جذبات قلمبند کرنے کی توفیق عطاء فرمائے اور میری نجات کا ذریعہ بنادے، آمین،

رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ وَیَسِّرْ لِیْ اَمْرِیْ،

قاری شریف احمد عفا اللہ عنہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین "تذکرۂ خاتم الانبیاءؐ"

حصہ دوم "تذکرۃ الانبیاءؐ"

نمبر	عنوانات	نمبر صفحہ
۱	مقدمہ	۱۷
۲	گلہائے عقیدت	۱۹
۳	خاتم الانبیاءؐ مجموعۂ کمالات تھے	
	باب اوّل	۲۴
۴	ولادتِ نبویؐ سے پہلے پیش آنیوالے چند اہم تاریخی واقعات	〃
۵	انسان اور نبوت کی ابتداء	۲۵
۶	دنیا کی تاریخ ایک نظر میں	〃
۷	اسلام سے پہلے حجاز اور دنیا کی حالتِ زار	۲۶
۸	تعمیرِ کعبہ اور دعاءِ ابراہیم علیہ السلام	۲۹
۹	اسمٰعیل علیہ السلام کی وفات کے بعد کعبہ کی تولیت پر جرہم کا قبضہ اور بے حرمتی	۳۰
۱۰	خاندانِ قریش	۳۱
۱۱	عبدالمطلب	〃
۱۲	خانۂ کعبہ اور مکہ عبدالمطلب کی تولیت میں	۳۲
۱۳	عبدالمطلب سے خواب میں زمزم کھودنے کا مطالبہ،	۳۲
۱۴	عبدالمطلب کی ایک بیٹا قربان کرنیکی نذر	۳۳
۱۵	خواب میں نذر پوری کرنے کا مطالبہ	〃
۱۶	قرعہ اندازی میں حضرت عبداللہ کا نام	〃
۱۷	حضرت عبداللہ کی بہادری کا ایک واقعہ	۳۴
۱۸	حضرت عبداللہ کی حضرت آمنہ سے شادی کی تیاری،	〃
۱۹	حضرت عبداللہ سے تمنائے نکاح رکھنے والی عورتوں کا انجام	۳۵
۲۰	وفات حضرت عبداللہ	〃
	باب دوم	۳۷
۲۱	ولادت باسعادت کے متعلق بشارات	〃
۲۲	اہلِ کتاب کا حضورؐ کے وسیلہ سے دعاء کرنا	۳۸
۲۳	عیسیٰ علیہ السلام کی زبانی بشارت	〃
۲۴	سلمان فارسیؓ کے ایمان لانے کا سبب	۳۹

نمبر شمار	عنوانات	نمبر صفحہ
۲۵	نجاشی کا واقعہ	۳۹
۲۶	ورقہ بن نوفل کی آپؐ کی امداد کے لئے تمنائے زندگی	۴۰
۲۷	ولادتِ پاک سے پہلے واقعۂ فیل	۴۱
۲۸	ابورغال غدار کا حشر	〃
۲۹	ابرہہ کا اہلِ مکہ کو پیغام	۴۲
۳۰	ابرہہ کو عبدالمطلب کا جواب	〃
۳۱	خدائی فوج ابابیل سے بیت اللہ کی حفاظت	۴۳
۳۲	واقعۂ فیل کب پیش آیا؟	۴۴
۳۳	ابرہہ کا عبرتناک انجام	〃
۳۴	واقعۂ فیل کے بعد عبدالمطلب اور قریش کے وقار میں اضافہ	۴۵
	باب سوم	۴۶
۳۵	ولادت سے پہلے اور ولادت کے وقت پیش آنے والے واقعات	〃
۳۶	ولادتِ پاک کے وقت عجائباتِ قدرت کا ظہور،	۴۷
۳۷	ولادتِ پاک کے وقت ایک یہودی کا شور	۴۸
۳۸	ولادت کے وقت ایک یہودی کا سوال	〃
۳۹	ایک یہودی آپؐ کا دیدار کرتے ہی بیہوش ہوگیا،	〃
۴۰	ولادت کے وقت کعبۃ اللہ کا جھک جانا	۴۹
۴۱	تاریخِ ولادت کے متعلق ضروری وضاحت	〃

نمبر شمار	عنوانات	نمبر صفحہ
۴۲	تاریخ ولادت باسعادت کے سلسلہ میں مختلف حضرات کی آراء	۵۰
۴۳	قاضی محمد سلیمان مصنف "رحمۃ للعالمینؐ" کی رائے،	〃
۴۴	مولانا حفظ الرحمٰن مصنف "قصص القرآن" کی رائے،	〃
۴۵	مولانا سید انور شاہ صاحب کشمیریؒ کی رائے،	۵۱
۴۶	علامہ شبلیؒ مصنف سیرۃ النبیؐ کی رائے	〃
۴۷	مولانا اکبر شاہ نجیب آبادیؒ مصنف "تاریخ اسلام" کی رائے	〃
۴۸	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی	〃
۴۹	عقیقہ اور قریش کی دعوت	۵۲
۵۰	قرآن مجید میں آپؐ کے اسمائے گرامی	۵۳
۵۱	کنیت	〃
۵۲	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا شرف و مجد	۵۴
۵۳	خاندانی شرف	〃
۵۴	انبیاء کی جماعت میں آپؐ کا شرف	۵۵
۵۵	سلسلۂ نسب	۵۶
۵۶	رضاعت اور اس زمانہ میں پیش آنے والے واقعات	۵۷
۵۷	حضرت حلیمہؓ کی خوش قسمتی	〃
۵۸	راستہ میں قدرت کے کرشمے	۵۸
۵۹	قحط سے نجات	〃

نمبر	عنوانات	نمبر صفحہ
۶۰	دودھ میں برکت	۵۸
۶۱	آپؐ کا اپنے پستان سے دودھ پینا	〃
۶۲	آپؐ کا نشوونما	۵۹
۶۳	دودھ چھڑانے کے وقت آپؐ کا پہلا کام	〃
۶۴	آپؐ پر ابر کا سایہ کرلینا	۶۰
۶۵	شقِ صدر، حلیمہ کی پریشانی	۶۱
۶۶	عبدالمطلب کی طرف سے حلیمہ کو انعام	۶۲
۶۷	واقعۂ شقِ صدر کی تعداد و حکمت	〃
۶۸	شقِ صدر کے متعلق ایک غلط فہمی کا ازالہ	〃
۶۹	حضرت آمنہ کی وفات	۶۴
۷۰	عبدالمطلب کی کفالت میں	〃
۷۱	آشوبِ چشم کا واقعہ	۶۵
۷۲	عبدالمطلب کی وفات	〃
۷۳	ابوطالب کی کفالت میں	۶۶
۷۴	بچپن کے چند ایمان افروز واقعات	〃
۷۵	ابوطالب کیساتھ شام کا پہلا سفر	۶۹
۷۶	بحیرا راہب سے ملاقات، نبوت کی بشارت	〃
۷۷	حربِ فجار	۷۱
۷۸	تجدید حلف الفضول	۷۲
۷۹	امن کمیٹی کا قیام	〃
۸۰	محمد رسول اللہؐ امین تاجر کی حیثیت میں	۷۳
۸۱	حضرت خدیجہؓ کی درخواست پر شام کا تجارتی سفر	۷۴
۸۲	نسطورا راہب سے ملاقات، نبوت کی بشارت	۷۵
۸۳	تاجر حضرات کے لئے سبق آموز واقعہ	۷۵
۸۴	آنحضرتؐ کا ایک خواب اور نکاح کا پیغام	۷۶
۸۵	نکاح	〃
۸۶	حضرت خدیجہؓ نے نکاح کی درخواست کیوں کی	۷۷
۸۷	حضور سرورِ انبیاءؐ نے چالیس سالہ بیوہ خاتون سے کیوں نکاح فرمایا؟	〃
۸۸	تعمیرِ کعبہ	۷۸
۸۹	حجرِ اسود کے مسئلہ پر جنگ کا خطرہ	〃
۹۰	حضورؐ کا مدبرانہ فیصلہ	〃
۹۱	قریش نے کعبۃ اللہ کو دوبارہ کیوں تعمیر کیا؟	〃
۹۲	تعمیرِ بیت اللہ میں احتیاط اور مشکلات	〃
۹۳	غیبی امداد	۷۹
۹۴	کعبۃ اللہ کے شہید کرنے میں دو پریشانیاں	〃
۹۵	کرشمۂ قدرت	〃
۹۶	حجرِ اسود نصب کرنے پر اختلاف	۸۰
۹۷	قوم کی طرف سے صادق و امین کا خطاب	〃
۹۸	حجرِ اسود کے متعلق مدبرانہ فیصلہ	۸۱
۹۹	کعبۃ اللہ جدید تعمیر کے بعد	〃
۱۰۰	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تمنا اور احتیاط	۸۲
۱۰۱	عبداللہ بن زبیرؓ کی تعمیر	〃
۱۰۲	حضرت علیؓ اور حضرت زیدؓ کی تربیت	۸۳
۱۰۳	خلاصۂ حیاتِ طیبہ قبل از نبوت	۸۴
۱۰۴	تمہیدِ نبوت	۸۵
۱۰۵	غارِ حرا کی خلوت	〃

نمبر شمار	عنوانات	نمبر صفحہ
۱۰۶	غارِ حراء کو کیوں منتخب فرمایا!	۸۶
	باب چہارم	۸۸
۱۰۷	آغازِ نبوت، نزولِ وحی، نزولِ قرآن	〃
۱۰۸	تاریخ نبوت و نزولِ قرآن	۹۱
۱۰۹	نبوت ملنے کے بعد	۹۲
۱۱۰	حضرت خدیجہؓ کی طرف سے دل جوئی و حوصلہ افزائی	〃
۱۱۱	ورقہ بن نوفل کے پاس	۹۳
۱۱۲	ورقہ کی تمنا	〃
۱۱۳	نزولِ وحی کی مزید تفصیلات	۹۴
۱۱۴	سب سے زیادہ وحی حضورؐ پر نازل ہوئی	〃
۱۱۵	نزولِ وحی کی کیفیت	〃
	باب پنجم!	۹۶
۱۱۶	سنہ ۱، ۲، ۳ نبوی کے اہم واقعات	〃
۱۱۷	سب سے پہلے ایمان لانیوالی ہستیاں	۹۷
۱۱۸	حضرت علیؓ کے اسلام لانے کا واقعہ	〃
۱۱۹	نماز کی ابتداء، وضو کی تعلیم	۹۸
۱۲۰	حضرت ابوبکرؓ کی کوششوں سے ایمان لانے والے حضرات،	۱۰۰
۱۲۱	ابتداءِ اسلام میں مسلمانوں کی کمزوری کا واقعہ حضرت ابوذرؓ کی زبانی،	〃

نمبر شمار	عنوانات	نمبر صفحہ
۱۲۲	صحابۂ کرام پر مشرکین کے مظالم	۱۰۱
۱۲۳	اسلام کے راستہ میں سب سے پہلے شہداء	۱۰۳
۱۲۴	غلاموں پر ناقابلِ بیان مظالم	〃
	سنہ ۴ نبوی	۱۰۵
۱۲۵	علانیہ تبلیغ کا حکم	〃
۱۲۶	قریبی رشتہ داروں کو تبلیغ کا حکم	〃
۱۲۷	کوہِ صفا کا خطاب	۱۰۶
۱۲۸	کفار اور ابولہب کی طرف سے بیہودہ حرکت	۱۰۷
۱۲۹	ابولہب اور اس کی بیوی کا عبرتناک انجام	۱۰۸
۱۳۰	عتیبہ بن ابولہب کا عبرتناک انجام	〃
۱۳۱	مشرکینِ مکہ میں ہیجان	۱۰۹
۱۳۲	صفا پہاڑی کے خطاب کا ردِ عمل	〃
۱۳۳	اسلامی تعلیم کا سب سے پہلا مرکز دارِ ارقم	〃
۱۳۴	قریش کا وفد ابوطالب کے پاس	۱۱۰
۱۳۵	وفد دوسری مرتبہ ابوطالب کے پاس	۱۱۱
۱۳۶	وفد تیسری مرتبہ ابوطالب کے پاس	〃
۱۳۷	ابوطالب کی حضورؐ سے درخواست	۱۱۲
۱۳۸	حضورؐ کا ابوطالب کو جواب	〃
۱۳۹	تبلیغی کام میں اور زیادہ انہماک	〃
۱۴۰	مشرکین کی مایوسی، ایذائیں پہنچانے کے لئے نئے منصوبے،	۱۱۳
۱۴۱	پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر مظالم کے لئے مختلف کمیٹیاں،	۱۱۴

نمبر شمار	عنوانات	نمبر صفحہ
۱۴۲	آنحضرتؐ کو ایذائیں پہونچانے کے چند واقعات	۱۱۵
۱۴۳	ابوجہل کی طرف سے ایذائیں	۱۱۶
۱۴۴	عقبہ بن معیط کی طرف سے ایذائیں	۱۱۷
۱۴۵	امیہ بن خلف کی طرف سے ایذائیں	〃
۱۴۶	زمانۂ حج سے پہلے کفار کا مشورہ	〃
	سنہ ۵ نبوی	۱۲۰
۱۴۷	پہلی ہجرتِ حبشہ کے مہاجرین حضرات	〃
۱۴۸	دوسری ہجرتِ حبشہ اور کفار کی ریشہ دوانیاں	۱۲۱
۱۴۹	مسلمانوں پر اعتراض اور مسلمانوں کا جواب	۱۲۲
۱۵۰	دربار نجاشی میں حضرت جعفرؓ کی باطل شکن تقریر	۱۲۳
۱۵۱	نجاشی کا اسلام قبول کرنا	۱۲۵
	سنہ ۶ نبوی	۱۲۶
۱۵۲	اسلام حضرت امیر حمزہؓ	〃
۱۵۳	اسلام حضرت عمر فاروقؓ	۱۲۸
	سنہ ۷، ۸، ۹ نبوی	۱۳۳
۱۵۴	شعبِ ابی طالب میں نظربندی	〃
۱۵۵	عہدنامہ بائیکاٹ لکھنے والے کو قدرت کی طرف سے سزا	۱۳۵
۱۵۶	عہدنامہ کا خاتمہ، کفار میں اختلاف	۱۳۵
۱۵۷	معجزۂ شق القمر	۱۳۷
۱۵۸	شق القمر کا مشاہدہ کرنیوالے حضرات کا بیان	۱۳۸
	سنہ ۱۰ نبوی	۱۴۰
۱۵۹	ابوطالب اور حضرت خدیجہؓ کی وفات	〃
۱۶۰	طائف کا تبلیغی سفر	۱۴۲
۱۶۱	اہلِ طائف کی طرف سے ایذارسانی	۱۴۳
۱۶۲	حضورؐ کی دعاء	〃
۱۶۳	فرشتوں کی حاضری	〃
۱۶۴	رحمۃ للعالمینؐ کا فرشتوں کو جواب	۱۴۴
۱۶۵	باغ کے مالکوں کے جذباتِ ہمدردی	〃
۱۶۶	باغ کے مالک کے ملازم عداس کا قبولِ اسلام	〃
۱۶۷	طائف سے واپسی	۱۴۵
۱۶۸	نخلہ میں قیام	〃
۱۶۹	جنات کا قرآن سنکر مسلمان ہونا	〃
	سنہ ۱۱ نبوی	۱۴۷
۱۷۰	یثرب (مدینہ) میں اسلام کی روشنی	〃
۱۷۱	قدرت کی طرف سے دستگیری	〃
۱۷۲	اہلِ یثرب پر اسلام پیش کرنا اور چھ حضرات کی اسلام قبول کرنے میں سبقت	۱۴۸
۱۷۳	اہلِ یثرب کو پیغمبر آخرالزماںؐ کی بعثت کی بشارت	۱۴۹

نمبر	عنوانات	نمبر صفحہ
	سنہ ۱۲ نبوی	۱۵۰
۱۷۴	معراج کا تحفہ	〃
۱۷۵	خلاصۂ معراج	۱۵۲
۱۷۶	معراج سے متعلق چند ضروری فائدے	〃
۱۷۷	معراج کی وجہ تسمیہ	۱۵۳
۱۷۸	معراج کا واقعہ کب پیش آیا؟	۱۵۴
۱۷۹	واقعۂ معراج کے راوی چند صحابۂ کرام کے نام،	〃
۱۸۰	معراج جسمانی ہوئی یا رُوحانی؟	〃
۱۸۱	معراج جسمانی کے قائل تابعین، فقہاء، محدثین و مفسرین،	۱۵۵
۱۸۲	مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک کے سفر کے مختصر حالات	۱۵۶
۱۸۳	شقِ صدر	〃
۱۸۴	شقِ صدر میں حکمت	〃
۱۸۵	براق پر سفر	۱۵۷
۱۸۶	مدینۂ منورہ، مدین، کوہ طور وغیرہ سے گذر	〃
۱۸۷	راستہ میں بوڑھے بڑھیا کا آواز دینا	〃
۱۸۸	اور بہت سے مناظرِ قدرت کا مشاہدہ	〃
۱۸۹	امام الانبیاء کی سواری بیت المقدس میں	۱۵۸
۱۹۰	انبیاءِ کرام کی طرف سے استقبالیہ تقریریں	۱۵۹
۱۹۱	امام الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کی جوابی تقریر	۱۶۰

نمبر	عنوانات	نمبر صفحہ
۱۹۲	سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی تمام انبیاءؑ کی طرف سے نمائندہ جوابی تقریر،	۱۶۰
۱۹۳	بیت المقدس سے اوپر کا سفر	۱۶۱
۱۹۴	پہلے آسمان پر ابوالبشر آدمؑ سے ملاقات	۱۶۲
۱۹۵	دوسرے آسمان پر یحییٰؑ و عیسیٰؑ سے ملاقات	〃
۱۹۶	تیسرے آسمان پر حضرت یوسفؑ سے ملاقات	۱۶۳
۱۹۷	چوتھے آسمان پر حضرت ادریسؑ سے ملاقات	〃
۱۹۸	پانچویں آسمان پر حضرت ہارونؑ سے ملاقات	〃
۱۹۹	چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰؑ سے ملاقات	〃
۲۰۰	ساتویں آسمان پر حضرت ابراہیمؑ سے ملاقات	۱۶۴
۲۰۱	سدرۃ المنتہیٰ کی طرف روانگی	〃
۲۰۲	جنت کا دیدار، دوزخ کا خوفناک منظر	〃
۲۰۳	ایک شبہ اور اس کا جواب	〃
۲۰۴	بیت المعمور کا مشاہدہ	۱۶۵
۲۰۵	اللہ تعالیٰ سے شرف ہمکلامی	〃
۲۰۶	دربارِ خداوندی میں نذرانۂ عقیدت	۱۶۶
۲۰۷	شبِ معراج میں شاہی عطیات	۱۶۷
۲۰۸	پچاس نمازوں کا تحفہ اور ان میں تخفیف	〃
۲۰۹	معراج کی صحیح یاد	۱۶۸
۲۱۰	امتِ محمدیہ کو خاتم الامت کا اعزاز	〃
۲۱۱	حضورؐ کی اپنے بعد آنے والے امتیوں سے تمنائے ملاقات،	〃
۲۱۲	معراج کے سفر سے واپسی	۱۶۹

نمبر شمار	عنوانات	نمبر صفحہ
۲۱۳	واقعۂ معراج ایک آزمائش ہے	۱۶۹
۲۱۴	مشرکینِ مکہ کی طرف سے دلیل کا مطالبہ	۱۷۰
۲۱۵	مشرکین کی طرف سے تکذیب	〃
۲۱۶	بیت المقدس کے متعلق کفار کے سوالات اور آپؐ کے جوابات	۱۷۱
۲۱۷	حضرت ابوبکرؓ کو "صدیق" کا خطاب	〃
۲۱۸	بیعتِ عقبۂ اُولیٰ	۱۷۳
۲۱۹	مصعب بن عمیرؓ کی اشاعتِ اسلام کے لئے جد و جہد اور اس کا نتیجہ،	۱۷۴
۲۲۰	سعد بن معاذؓ اور اُسید بن حضیرؓ کا قبولِ اسلام	〃
۲۲۱	حضرت اُسیدؓ کا اسلام قبول کرکے سعد بن معاذؓ کے پاس آنا	۱۷۵
۲۲۲	حضرت سعدؓ کے اسلام لانے کے بعد پورے قبیلہ کا اسلام قبول کرنا	۱۷۶
	سنہ ۱۳ نبوی	۱۷۷
۲۲۳	بیعت عقبۂ ثانیہ	〃
۲۲۴	حضرت عباسؓ کا اہلِ یثرب سے خطاب	۱۷۸
۲۲۵	اہلِ یثرب کا جواب	〃
۲۲۶	بیعت عقبۂ ثانیہ کے بعد قریش کی بوکھلاہٹ	۱۸۰
۲۲۷	مشرکینِ مکہ کا مسلمانوں پر تشدد	〃
۲۲۸	مسلمانوں کی ہجرت کا مکہ پر اثر	۱۸۱

باب ششم، تمہید ہجرت نبویؐ، ــــ واقعات بعد ہجرت

نمبر شمار	عنوانات	نمبر صفحہ
۲۲۹	تمہید ہجرت نبویؐ	۱۸۲
۲۳۰	مشرکینِ مکہ کا دار الندوہ میں خفیہ مشورہ	〃
۲۳۱	ابلیس مشرکین کی مجلس میں	〃
۲۳۲	آپؐ کے قتل کا فیصلہ	۱۸۴
۲۳۳	مشرکین کی تدبیر کے مقابلہ میں خدائی تدبیر	〃
۲۳۴	مشرکین کے خفیہ اجلاس کی پیغمبر خداؐ کو اطلاع،	〃
۲۳۵	حضرت ابوبکرؓ کو ہجرت کی اطلاع اور تیاری	۱۸۵
۲۳۶	حضرت ابوبکرؓ کی ہجرت اور ایک خواب	〃
۲۳۷	ہجرتِ مدینہ تاریخِ اسلام کا درخشاں باب ہے	۱۸۷
	سفرِ ہجرت کا آغاز،	
۲۳۸	غارِ ثور کی طرف روانگی	۱۸۹
۲۳۹	غارِ ثور کی صفائی	۱۹۰
۲۴۰	مشرکین کی طرف سے سو اونٹ کے انعام کا اعلان	۱۹۱
۲۴۱	مشرکین کی جماعت میں کھلبلی	〃
۲۴۲	آپؐ کا تعاقب	〃
۲۴۳	غارِ ثور تک کفار کی رسائی	〃
۲۴۴	نصرتِ خداوندی	〃
۲۴۵	حضرت ابوبکرؓ اور ان کے متعلقین کی واقعۂ ہجرت میں خدمات،	۱۹۲
۲۴۶	حضرت اسماءؓ اور حضرت عائشہؓ کی خدمات	۱۹۳
۲۴۷	حضرت عبداللہ بن ابی بکرؓ کی خدمات	〃
۲۴۸	حضرت عامر بن فہیرہ کی خدمات	〃
۲۴۹	عبداللہ بن اُریقط	۱۹۴
۲۵۰	کفار کی غار پر رسائی	〃
۲۵۱	نبیؐ کی طرف سے تسلی	〃

نمبر	عنوانات	جز صفحہ
۲۵۲	غارِ ثور سے مدینہ روانگی	۱۹۵
۲۵۳	اُمِّ معبد کے خیمہ میں آرام	〃
۲۵۴	خیمہ میں کھڑی ہوئی خشک بکری سے دودھ نکلنے کا معجزہ	۱۹۶
۲۵۵	پہاڑ کی چٹان کے سایہ میں آرام	〃
۲۵۶	سراقہ کا آپؐ کے تعاقب میں پہنچنا	۱۹۷
۲۵۷	پروانۂ امن کی درخواست	۱۹۸
۲۵۸	سراقہ کو بشارت	〃
۲۵۹	حضرت زبیر بن العوامؓ سے ملاقات	۱۹۹
۲۶۰	مدینہ میں استقبال کی تیاریاں	۲۰۰
۲۶۱	سفرِ ہجرت ختم	۲۰۱
۲۶۲	قبا میں قیام	〃
۲۶۳	مسجدِ قبا کا سنگِ بنیاد	۲۰۲
۲۶۴	قبا سے مدینہ روانگی	۲۰۳
۲۶۵	قبیلۂ بنی سالم میں پہلا خطبہ اور نمازِ جمعہ	〃
۲۶۶	ناقۂ مبارک کا حضرت ابوایوب انصاریؓ کے مکان کے سامنے بیٹھنا	۲۰۴
۲۶۷	حضرت ابوایوب انصاریؓ کی شخصیت اور انصارِ مدینہ کا تعارف	۲۰۵
	سنہ ۱ ہجری کے واقعات	۲۰۷
۲۶۸	ابتدا سنہ ہجری	۲۰۸
۲۶۹	حضرت عمرؓ کا صحابہ سے مشورہ	〃
۲۷۰	مسجدِ قبا، مسجدِ جمعہ میں پہلا خطبہ	۲۰۹
۲۷۱	تعمیرِ مسجدِ نبویؐ	۲۰۹
۲۷۲	ریاض الجنۃ اور ستونہائے رحمت	۲۱۱
۲۷۳	مسجدِ نبویؐ کا دینی مدرسہ "صفہ"	۲۱۴
۲۷۴	سرورِ عالمؐ کے رہائشی مکانات	۲۱۵
۲۷۵	نماز کی رکعات میں اضافہ	۲۱۶
۲۷۶	اذان کی اہمیت و فضیلت	〃
۲۷۷	اذان کی مشروعیت	۲۱۷
۲۷۸	فرضیت صوم عاشوراء	۲۱۸
۲۷۹	مدینہ کے نئے نئے مسائل اور ان کا حل	〃
۲۸۰	امن و امان	〃
۲۸۱	قریش کا رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی اور اہلِ مدینہ کو خط	۲۱۹
۲۸۲	قریش کا انصار کو دھمکی آمیز خط	〃
۲۸۳	مہاجرین و انصار میں رشتۂ مواخاۃ	〃
۲۸۴	مواخاۃ کے بعد انصار کا جذبۂ ایثار و ہمدردی	۲۲۳
۲۸۵	واقعۂ مواخات میں سبق	〃
۲۸۶	مہاجرین کی احتیاط	۲۲۴
۲۸۷	سلمان فارسیؓ کا اسلام	۲۲۵
۲۸۸	عبداللہ بن سلام کا اسلام	۲۲۸
۲۸۹	حضورؐ کا یہودِ مدینہ سے معاہدہ	۲۲۹
۲۹۰	معاہدہ کی خلاف ورزی یہود کی طرف سے	۲۳۰
	سنہ ۲ ہجری کے اہم واقعات	۲۳۲
۲۹۱	تحویلِ قبلہ	۲۳۴

نمبر شمار	عنوانات	نمبر صفحہ
۲۹۲	تحویلِ قبلہ اور اس کا مقصد	۲۳۵
۲۹۳	تحویلِ قبلہ پر یہود کا اعتراض اور مسلمانوں کا امتحان	۲۳۶
۲۹۴	مسجدِ قبلتین	۲۳۷
۲۹۵	فرضیت صیامِ رمضان	〃
۲۹۶	روزہ کا مقصد	۲۳۸
۲۹۷	صدقۃ الفطر، نمازِ عید الفطر، نمازِ عید الاضحیٰ، فرضیتِ زکوٰۃ، اور قربانی کی مشروعیت،	۲۳۹
۲۹۸	مشروعیتِ جہاد	۲۴۲
۲۹۹	جہاد کے مقدس نام پر دشمنانِ اسلام کا اعتراض اور اس کا جواب،	۲۴۳
۳۰۰	جہاد کس کو کہتے ہیں؟	۲۴۵
۳۰۱	غزوات و سرایا کی تعداد	۲۴۸
۳۰۲	جنگِ بدر	۲۴۹
۳۰۳	مشرکینِ مکہ کی تیاریاں	۲۵۰
۳۰۴	ابوجہل کی طرف سے تیاری	۲۵۱
۳۰۵	مسلمانوں میں تشویش اور حضورؐ کا صحابہ سے مشورہ	۲۵۲
۳۰۶	مجاہدین کی بدر کو روانگی	۲۵۴
۳۰۷	بدر میں مسلمانوں پر انعاماتِ خداوندی	۲۵۵
۳۰۸	مجاہدین کی صف بندی	۲۵۷
۳۰۹	حضرت سوادؓ کی دل میں چھپی ہوئی تمنا	〃
۳۱۰	سالارِ اعظمؐ کے لئے میدانِ جنگ میں سایہ	〃
۳۱۱	بارگاہِ ربّ العزت میں فریاد	۲۵۷
۳۱۲	میدانِ بدر میں انعاماتِ خداوندی	۲۵۸
۳۱۳	آغازِ جنگ	۲۶۱
۳۱۴	دو بھائیوں کا ابوجہل کو قتل کرنے کا جذبہ اور ابوجہل کا قتل	۲۶۲
۳۱۵	ابتدائی مقابلہ	〃
۳۱۶	ابوجہل کی لاش کی تلاش	۲۶۴
۳۱۷	ابوجہل کا حشر	〃
۳۱۸	اُمیہ بن خلف کا انجام	۲۶۵
۳۱۹	تعدادِ شہدائے بدر	〃
۳۲۰	واقعۂ بدر میں عبرت و موعظت	۲۶۶
	سنہ ۲ھ کے کچھ اور واقعات	〃
۳۲۱	حضرت رقیہؓ بنت النبیؐ کی وفات	〃
۳۲۲	حضرت فاطمہؓ کا حضرت علیؓ سے عقد	۲۶۷
	سنہ ۳ ہجری کے اہم واقعات	۲۶۸
۳۲۳	غزوۂ غطفان	〃
۳۲۴	دعثور کا قبولِ اسلام	〃
۳۲۵	کعب بن اشرف یہودی کا قتل	۲۶۹
۳۲۶	ابورافع یہودی کا قتل	۲۷۰
۳۲۷	غزوۂ اُحد	۲۷۱
۳۲۸	حضرت عباسؓ کا حضورؐ کو کفار کی تیاریوں کی اطلاع دینا	〃
۳۲۹	حضورؐ کا صحابہؓ سے مشورہ	۲۷۲

نمبر شمار	عنوانات	نمبر صفحہ
۳۳۰	مجاہدین کی احد کے لئے روانگی اور منافقین کی علیحدگی،	۲۷۳
۳۳۱	بچوں کا جذبۂ جہاد	〃
۳۳۲	مجاہدین کی صف بندی	〃
۳۳۳	جنگ کا آغاز، مسلمانوں کی فتح	〃
۳۳۴	مسلمانوں کے درہ سے ہٹ جانے سے جنگ کا پانسہ پلٹ گیا،	〃
۳۳۵	مشرکین کا مسلمانوں پر اچانک حملہ	〃
۳۳۶	رسول اللہؐ پر کفار کا حملہ	۲۷۴
۳۳۷	آپؐ کی شہادت کی افواہ اور مسلمانوں میں اضطراب،	〃
۳۳۸	معزز خواتین کی میدانِ اُحد کی طرف روانگی	〃
۳۳۹	شہادت کی افواہ پر انس بن النضرؓ کی کفار سے جنگ،	۲۷۵
۳۴۰	ابی بن خلف کا حشر	۲۷۶
۳۴۱	صحابۂ کرام کی جاں نثاری کے چند واقعات	〃
۳۴۲	حضرت ابو دُجانہؓ کی جاں نثاری	۲۷۸
۳۴۳	حضورؐ کے پاسبان صحابۂ کرام	〃
۳۴۴	نبی رحمتؐ کی دشمنوں کے حق میں دعاء	〃
۳۴۵	میدانِ اُحد میں مسلمانوں پر رحمتِ خداوندی	۲۷۹
۳۴۶	شہداء اور زخمیوں کی تلاش	۲۸۰
۳۴۷	سید الشہداء حضرت حمزہؓ کے ساتھ درندگی	〃
۳۴۸	وحشی قاتلِ حمزہؓ کا اسلام لانے کا واقعہ	۲۸۱
۳۴۹	حضرت حنظلہؓ غسیلِ ملائکہ کی شہادت	〃
۳۵۰	حضرت عمروؓ بن الجموح کی شہادت	۲۸۲
۳۵۱	حضرت قتادہؓ کی آنکھ کی پُتلی باہر نکل آنا اور حضورؐ کا واپس رکھ دینا،	۲۸۳
۳۵۲	شہداء کی تجہیز و تکفین	〃
۳۵۳	اسلام کی حقانیت اور شہداء کے زندہ ہونے کا ثبوت،	۲۸۴
۳۵۴	اسماءِ گرامی شہدائے اُحد	۲۸۵
۳۵۵	جنگِ اُحد سے سبق	۲۸۶
۳۵۶	شراب کی حرمت کا حکم	〃
۳۵۷	شراب چھڑانے کا حکیمانہ انداز	۲۸۷
۳۵۸	شراب کے استعمال کرنے کا وبال،	۲۸۹
	۳ھ ہجری کے کچھ اور واقعات	۲۹۰
۳۵۹	حضرت حفصہؓ کا عقد	〃
۳۶۰	حضرت زینبؓ کا عقد	〃
۳۶۱	بنت النبیؐ حضرت اُمِّ کلثومؓ کا حضرت عثمانؓ سے عقد،	〃
	۴ھ ہجری کے کچھ اہم واقعات	۲۹۱
۳۶۲	واقعۂ رجیع	〃
۳۶۳	حضرت عاصمؓ کی شہادت اور ان کے جسم کی دشمنوں سے حیرت انگیز طریقہ پر حفاظت	۲۹۲
۳۶۴	حضرت خبیبؓ اور حضرت زید بن دثنہؓ کفار کی قید میں،	۲۹۳

نمبر	عنوانات	نمبر صفحہ
۳۶۵	حضرت خبیبؓ کی شہادت	۲۹۳
۳۶۶	واقعۂ بیر معونہ	۲۹۴
۳۶۷	غزوۂ بنو نضیر	۲۹۵
۳۶۸	بنو نضیر کا محاصرہ اور جلاوطنی	〃
۳۶۹	غزوۂ بدر صغریٰ	۲۹۶
	۵ھ ہجری کے چند اہم واقعات	۲۹۷
۳۷۰	پردہ کا شرعی حکم	〃
۳۷۱	صحابۂ کرام کے ذریعہ کسی گھر سے کوئی چیز مانگنے کی تعلیم	۲۹۸
۳۷۲	مرد و عورت کو نگاہ نیچی رکھنے کا حکم	〃
۳۷۳	عورت غیر محرم سے پس پردہ کیسے بات کرے	۲۹۹
۳۷۴	پردہ میں ازواج مطہراتؓ کی احتیاط	۳۰۰
۳۷۵	ایک خاتون کی حضورؐ کی اقتدار میں نماز پڑھنے کی تمنا اور آپؐ کا جواب،	〃
۳۷۶	غزوۂ بنی المصطلق	۳۰۱
۳۷۷	واقعۂ افک	۳۰۲
۳۷۸	عبداللہ بن اُبی منافق	۳۰۳
۳۷۹	یتیم کی مشروعیت	۳۰۴
۳۸۰	غزوۂ خندق یا احزاب	〃
۳۸۱	خندق کس کے مشورہ سے کھودی گئی؟	۳۰۶
۳۸۳	حضرت جابرؓ کی طرف سے حضورؐ کی دعوت اور کھانے میں برکت	۳۰۷
۳۸۳	پتھر کی چٹان نہ ٹوٹنے پر صحابہ کی شکایت	〃

نمبر	عنوانات	نمبر صفحہ
۳۸۴	خندق کو دیکھ کر کفار کی حیرانی	۳۰۸
۳۸۵	خندق کہاں کھودی گئی تھی!	〃
۳۸۶	حضرت صفیہ کی بہادری	〃
۳۸۷	منافقین کی حیلہ سازیاں	۳۰۹
۳۸۸	قریش میں پھوٹ اور مایوسی کے بادل	〃
۳۸۹	مسلمانوں کی غیبی امداد	۳۱۰
	۶ھ ہجری کے چند اہم واقعات	۳۱۱
۳۹۰	عمرہ پر روانگی	〃
۳۹۱	قریش کی گھبراہٹ و رکاوٹ	〃
۳۹۲	حدیبیہ میں معجزہ کا ظہور	۳۱۲
۳۹۳	عروہ بن مسعود ثقفی کے تأثرات	〃
۳۹۴	صلح حدیبیہ	۳۱۳
۳۹۵	مسلمانوں کی فتح	۳۱۴
۳۹۶	شرائطِ صلح سے مسلمانوں کو صدمہ	۳۱۵
۳۹۷	حضرت عمرؓ کا اعترافِ بے ادبی	〃
۳۹۸	صلحِ حدیبیہ فتح مبین ہے	〃
۳۹۹	سربراہانِ عرب و عجم کو دعوتِ اسلام کے خطوط پر لگانے کی مُہر	۳۱۶
۴۰۰	قیصرِ روم ہرقل کے نام	۳۲۰
۴۰۱	قیصرِ رُوم کے ابوسفیان سے حضورؐ کے متعلق سوالات	۳۲۱
۴۰۲	خسرو پرویز کو نامۂ مبارک چاک کرنے کی سزا قدرت کی طرف سے،	۳۲۲

نمبر شمار	عنوانات	نمبر صفحہ
	۷ھ ہجری کے چند مشہور واقعات	۳۲۳
۴۰۳	غزوۂ خیبر	〃
۴۰۴	دشمن پر حملہ کرنے میں سنتِ نبویؐ	〃
۴۰۵	مرحب یہودی سے حضرت علیؓ کا مقابلہ	۳۲۵
۴۰۶	یہود کی طرف سے خیبر میں قیام کی درخواست	〃
۴۰۷	خیبر کے یہود کی حضورؐ کے خلاف سازش	〃
۴۰۸	عمرۃ القضاء کی تیاری	۳۲۶
۴۰۹	خالد بن ولیدؓ، عمرو بن العاصؓ، عثمان بن طلحہؓ حلقہ بگوشِ اسلام،	〃
۴۱۰	۷ھ ہجری کے کچھ اور واقعات	۳۲۷
	۸ھ ہجری کے اہم واقعات	۳۲۸
۴۱۱	جنگِ موتہ	〃
۴۱۲	فتح مکہ	۳۲۹
۴۱۳	قریش کی طرف سے معاہدۂ حدیبیہ کی خلاف ورزی،	〃
۴۱۴	قریش کا بنو خزاعہ پر حملہ	〃
۴۱۵	بنو خزاعہ کا وفد حضورؐ کی خدمت میں آپؐ کی طرف سے امداد کا وعدہ	۳۳۲
۴۱۶	قریش سے اتمامِ حجت	〃
۴۱۷	قریش کا وفد تجدیدِ معاہدہ کے لئے خدمتِ نبویؐ میں، ناکام واپسی	〃
۴۱۸	اُمِّ حبیبہؓ کا اپنے کافر باپ ابوسفیان کے ساتھ برتاؤ،	۳۳۳

نمبر شمار	عنوانات	نمبر صفحہ
۴۱۹	جہاد کی تیاری کا حکم	۳۳۴
۴۲۰	مدینہ سے لشکرِ اسلام کی روانگی	۳۳۵
۴۲۱	مرّ الظہران پر قیام	۳۳۶
۴۲۲	ابوسفیان کی تفتیش کے لئے روانگی	〃
۴۲۳	حضرت عباسؓ کو اہلِ مکہ کی طرف سے تشویش،	〃
۴۲۴	ابوسفیان کا اسلام قبول کرنا،	۳۳۷
۴۲۵	مکہ میں داخلہ سے پہلے شرائطِ معافی کا اعلان،	۳۳۸
۴۲۶	صحابۂ کرام کا داخلہ	〃
۴۲۷	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں کس طرح داخل ہوئے،	۳۳۹
۴۲۸	مسجدِ حرام میں داخلہ اور بُت شکنی	〃
۴۲۹	خانۂ کعبہ کے اندر سے بُتوں کی صفائی	۳۴۰
۴۳۰	عفوِ عام	۳۴۱
۴۳۱	مکہ کے قرب وجوار سے بتوں کو توڑ ڈالنے کا حکم،	۳۴۲
۴۳۲	حضورؐ کی طرف سے انصار کی دلداری	〃
۴۳۳	فتح مکہ کے بعد اسلام لانے والی چند ہستیاں،	۳۴۳
۴۳۴	مدینہ واپسی سے پہلے مکہ کا انتظام	〃
۴۳۵	امیرِ مکہ اور حرمِ کعبہ کے لئے مؤذن کا تقرر	〃
۴۳۶	جنگِ حُنین	۳۴۴
۴۳۷	دشمن کی طرف سے مسلمانوں پر تیروں کی بارش	۳۴۵

نمبر شمار	عنوانات	نمبر صفحہ
۴۳۸	مسلمانوں کی پریشانی	۳۴۵
۴۳۹	جنگ کا رُخ مسلمانوں کے حق میں	〃
۴۴۰	مالِ غنیمت	۳۴۶
۴۴۱	محاصرۂ طائف	〃
۴۴۲	مالِ غنیمت کی تقسیم	۳۴۷
۴۴۳	کفار کی قیدیوں کی واپسی کی درخواست	〃
	۸ھ کے کچھ اور واقعات	۳۴۸
۴۴۴	کفار کا فوج در فوج اسلام میں داخلہ	〃
۴۴۵	صاحبزادہ حضرت ابراہیمؓ کی ولادت باسعادت،	۳۴۹
	۹ھ کے چند مشہور واقعات	۳۵۰
۴۴۶	غزوۂ تبوک یا جیش العسرۃ	〃
۴۴۷	غزوۂ تبوک کیوں ہوا؟	۳۵۱
۴۴۸	حضورؐ کی مالداروں سے مجاہدین کے لئے چندہ کی اپیل،	〃
۴۴۹	جہاد کے لئے روانگی	۳۵۲
۴۵۰	حضورؐ کی دعاء سے بارش	〃
۴۵۱	اونٹنی گم ہوجانے پر ملنے کا پتہ	〃
۴۵۲	مسجدِ ضرار آگ کی نذر	۳۵۴
۴۵۳	مدینہ میں استقبال	۳۵۵
۴۵۴	غزوہ میں شرکت نہ کرنے والوں کی معذرت	۳۵۶
۴۵۵	حضرت کعب بن مالکؓ، ہلال بن اُمیہؓ، مرارۃ بن ربیعؓ کی توبہ	۳۵۷

نمبر شمار	عنوانات	نمبر صفحہ
۴۵۶	مشروعیتِ حج	۳۵۸
۴۵۷	مشرکین کا حرمِ پاک میں داخلہ بند	〃
۴۵۸	عام الوفود (وفود کی آمد کا سال)	۳۵۹
۴۵۹	وفدِ نجران	۳۶۰
۴۶۰	مباہلہ کی دعوت	〃
	۹ھ کے کچھ اور واقعات	۳۶۱
	سنہ ۱۰ ہجری	۳۶۲
۴۶۱	حجۃ الاسلام یا حجۃ الوداع	〃
۴۶۲	حضورؐ کی حج کے لئے روانگی	〃
۴۶۳	حجۃ الوداع پر الوداعی اور تاریخی خطبہ	۳۶۴
۴۶۴	تکمیلِ دین اور اتمامِ نعمت کی بشارت	۳۶۷
	سنہ ۱۱ ہجری	۳۷۱
۴۶۵	وفاتُ النبی صلی اللہ علیہ وسلم	〃
۴۶۶	حضورؐ کو وفات کی اطلاع	〃
۴۶۷	ماہِ رمضان میں دو دَور اور دو اعتکاف	۳۷۲
۴۶۸	مرض الوفات کی ابتداء اور شدت	۳۷۳
۴۶۹	حضرت فاطمہؓ کو وفات کی اطلاع	〃
۴۷۰	حضرت ابوبکرؓ کو نماز پڑھانے کا حکم	۳۷۴
۴۷۱	صحابہ میں بے چینی	〃
۴۷۲	زندگی کا آخری خطبہ	〃
۴۷۳	اپنی وفات کی خبر	۳۷۶
۴۷۴	حضرت ابوبکرؓ کی فضیلت	〃

نمبر شمار	عنوانات	نمبر صفحہ
۴۷۵	انصار و مہاجرین کو نصیحت و وصیت	۳۷۷
۴۷۶	جیشِ اُسامہؓ کے متعلق ہدایت	〃
۴۷۷	مرض الوفات میں کچھ اور ارشادات	〃
۴۷۸	صاحبزادی اور پھوپھی کو نیک کام کرنے کی ہدایت،	۳۷۸
۴۷۹	مرض الوفات کی آخری شب	〃
۴۸۰	آخری وصیت	۳۷۹
۴۸۱	آخری عمل	〃
۴۸۲	یومِ وفات	〃
۴۸۳	حضرت جبرئیلؑ و عزرائیلؑ کی آمد	۳۸۰
۴۸۴	وفات کا اثر، مدینہ میں اندھیرا	۳۸۲
۴۸۵	وفات سنکر لوگوں پر کیا گذری؟	۳۸۲
۴۸۶	حضرت عمرؓ کی وارفتگی	〃
۴۸۷	حضرت ابوبکرؓ کی آمد	〃
۴۸۸	صدیق اکبرؓ کی استقامت، خطبۂ استقامت	۳۸۳
۴۸۹	مسئلۂ خلافت اور ثقیفۂ بنی ساعدہ	۳۸۴
۴۹۰	غسل کی تیاری	〃
۴۹۱	غیبی ہدایت	〃
۴۹۲	غسل دینے والے حضرات	۳۸۶
۴۹۳	نمازِ جنازہ کیسے پڑھی گئی؟	〃
۴۹۴	تدفین	۳۸۷
	تتمہ	

فہرست تتمہ

یہ تتمہ تین فصلوں پر مشتمل ہے،

نمبر شمار	عنوانات	نمبر صفحہ
۴۹۵	فصل اول؛	۳۹۰
۴۹۶	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیۂ مبارک اور اخلاقِ حسنہ،	〃
۴۹۷	فصل دوم؛ آپؐ کے رشتہ دار	۳۹۲
۴۹۸	فصل سوم؛	۳۹۳
	اُمہات المؤمنینؓ اور اولاد	〃
۴۹۹	نقشہ معلومات نکاح، وفات، عمر،	۳۹۴
۵۰۰	مدفن، ازواج مطہراتؓ،	۳۹۷

مقدمہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ، وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ ۔

اَمَّا بَعْدُ:۔۔۔۔۔ قال اللہ تعالیٰ:۔۔۔۔۔ لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ ،

پیغمبرِ اسلام سید الانبیاء والمرسلین نبی آخر الزماں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کی اُمت کو یہ فخر حاصل ہے کہ آپؐ کی پاک زندگی کے حالات از اوّل تا آخر ایسے محفوظ ہیں کہ چودہ سو صدیاں گذر جانے کے باوجود بھی یہ معلوم ہوتا ہے جیسے یہ کل کے واقعات ہیں، برخلاف دوسرے پیغمبروں کے کہ اُن کے ماننے والوں اور اُن سے محبت کا دعویٰ کرنے والوں کے پاس اُن کے صحیح حالات محفوظ و موجود نہیں بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ ان مقدس ہستیوں کے صحیح اور ٹھیک حالات سے روشناس کرانے کا شرف بھی اسلام ہی کو حاصل ہے تو اس میں ذرا بھی مبالغہ نہیں، ورنہ اُن کے ماننے والوں نے تو اُن ہستیوں کے حالات کو مسخ کر کے افسانہ بنا دیا تھا، اور بعض پیغمبروں کی شان میں تو ایسی بیہودہ باتیں منسوب کر دیں کہ اُن کو پڑھکر اور سُنکر انسانیت شرما جاتی ہے، جیسا کہ "تذکرۃ الانبیاء" حصہ اول میں ہم بیان کر چکے ہیں، پیغمبروں کی بات تو بعد کی ہے، "توراۃ" و "انجیل" جو اللہ کی کتابیں ہیں اُن کے متعلق قرآن کریم نے ان قوموں کی حرکتوں کا پردہ فاش کرتے ہوئے فرمایا:

فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ یَکْتُبُوْنَ الْکِتٰبَ بِاَیْدِیْھِمْ ثُمَّ یَقُوْلُوْنَ ھٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ ، (پ۱، ع۸)	"سو بڑی خرابی ہے اُن کے لئے جو تحریف کر کے اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھتے ہیں، پھر لوگوں سے کہتے ہیں یہ اسی طرح خدا کے پاس سے نازل ہوئی ہے"

کہیں ارشاد فرمایا:

یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِہٖ ، (پ۶، ع۷)	"کلامِ الٰہی کو اس کے حقیقی مواقع سے بدل دیتے ہیں"

یعنی خدا کے کلام میں تحریف کرتے ہیں، کبھی اس کے الفاظ میں، کبھی معنی میں، کبھی تلاوت میں، حتیٰ کہ تحریف کرتے کرتے ان کتابوں کا یہ حال بنا دیا کہ اصل کتاب کا نام ہی نام رہ گیا،

مذکورہ آیات سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جب اس قوم نے اللہ کی کتابوں کو اپنی خواہشات کے مطابق تحریف و تبدیل سے نہیں چھوڑا تو انبیاءؑ کی شان میں تو جو چاہیں کہہ اور کر سکتے ہیں، قرآن کریم نے ان کی انبیاءِ کرام کے ساتھ گستاخیوں کا بھی ان الفاظ میں ذکر فرمایا ہے:

وَیَقْتُلُوْنَ الْاَنْبِیَآءَ بِغَیْرِ حَقٍّ (پ۲، ع۳)	"اور ناحق جانتے ہوئے پیغمبروں کو قتل کر دیا کرتے تھے"

یہ شرف اللہ کی آخری کتاب "قرآن مجید" کو حاصل ہے، کہ وہ اپنے نزول کے وقت سے آج تک اُسی طرح محفوظ ہے جیسا نزول کے وقت تھا، اور ان شاء اللہ قیامت تک محفوظ رہے گا، آج بھی دشمنانِ اسلام کو قرآن کریم کے محفوظ اور اللہ کا کلام ہونے کا اعتراف ہے، چنانچہ سر ولیم میور لکھتا ہے:

"جہاں تک ہماری معلومات ہے دنیا بھر میں ایک کتاب بھی ایسی نہیں جو قرآن کی طرح بارہ صدیوں تک ہر قسم کی تحریف سے پاک رہی ہو"۔ (تاریخ قرآن ص ۶۱)

قرآن مجید اللہ کی آخری کتاب ہے، جو اُس نے اپنے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی، اور اس کی حفاظت اللہ تعالیٰ نے اس لئے اپنے ذمہ لی کیونکہ آپ کی نبوت قیامت تک ہے اس لئے قیامت تک قرآن کریم بھی محفوظ رہے گا، کیونکہ آپ قرآن کریم کا مجسم نمونہ تھے، آپ کی حیاتِ پاک کو امت کے لئے قیامت تک اُسوہ اور باعثِ نجات بنانا تھا، اسی کو فرمایا گیا:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ط (پ ۲۱، ع ۱۹)	(مسلمانو!) تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ کی (حیات طیبہ) میں بہترین نمونۂ عمل ہے۔

اس لئے آپ کی حیاتِ پاک کی ہر واقعہ کو محفوظ رکھا، تاکہ بعد میں آنے والے اس پر عمل پیرا ہو کر فلاح دارین حاصل کر سکیں،

مختصر یہ ہے کہ جس طرح قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہدایت ہے اور دنیا کی کم و بیش ہر زبان میں اس کے اتنے ترجمے اور تفاسیر لکھی جا چکی ہیں کہ شمار سے باہر ہیں، اسی طرح جس ہستی یعنی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن نازل ہوا ان کی سیرت مقدسہ اور حیات طیبہ پر بھی اتنی چھوٹی بڑی کتابیں لکھی جا چکی ہیں، کہ اُن کا بھی شمار نہیں، اور یہ سلسلے انشاء اللہ قیامت تک چلتے رہیں گے، اور خدا جانے کتنے خوش قسمت حضرات قرآن پاک کی تفسیر اور پیغمبرِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ پاک لکھ کر اسلام اور خاتم الانبیاءؐ کے جاں نثاروں کی صف میں شامل ہوتے رہیں گے،

اس تذکرہ میں آپ کی تریسٹھ سالہ حیاتِ طیبہ کے چیدہ چیدہ واقعات پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے، کیا عجب ہے کہ کاتبُ الحروف کا بھی "تذکرۂ خاتم الانبیاءؐ" لکھ کر ان جاں نثاروں کے خدام میں ہی شمار ہو جائے، اور یہی تذکرہ میری نجات کا بہانہ بن جائے،

وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ ط عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ۝

شریف احمد غفرلہٗ

گلہائے عقیدت

جس طرح قرآن مجید فرقان حمید اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب کی جامعیت کے متعلق کسی نے کہا ہے ؎

جمیع العلم فی القرآن ÷ لکن تقاصر عنہ افہام الرجال

اسی طرح پیغمبر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی خدا کی تمام مخلوق میں سب سے زیادہ افضل سب سے زیادہ بزرگ ہے، اور نہ صرف افضل و بزرگ بلکہ آپ تمام انبیاء کرام کے کمالات کا مجموعہ ہیں، دنیا کے تمام انسان مل کر بھی اگر آپ کی تعریف و توصیف کریں تب بھی آپ کا حق ادا نہ ہوگا، اور انسان یہ کہنے پر مجبور ہوگا ؎

لا یمکن الثناء کما کان حقہٗ ÷ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

آپ کا ذکر اور تعریف و توصیف باعث برکت بھی ہے اور موجب اجر و ثواب بھی، پھر یہ کہ اس تعریف و توصیف سے آپ کو کوئی فائدہ نہیں بلکہ ہمارا ہی فائدہ ہے ؎

خدا در انتظار حمد ما نیست ÷ محمدؐ چشم بر راہ ثنا نیست

یعنی اللہ تعالیٰ اس انتظار میں نہیں کہ ہم اس کی تعریف کریں اور نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا انتظار کہ ہم آپ کی تعریف کریں، کسی کے تعریف کرنے سے آپ کی شان بڑھ نہیں جاتی، نہ کرنے سے مرتبہ کم نہیں ہو جاتا بلکہ اگر کوئی بدقسمت گستاخی کرتا ہے تو اپنی ہی عاقبت برباد کرتا ہے،

ہمارا یہ کہنا کہ آپ مجموعۂ کمالات ہیں محبت و عقیدت کی بنا پر نہیں بلکہ حقیقت پر مبنی ہے، جیسا کہ فارسی کے اس شعر میں اس کی تصویر کھینچی گئی ہے ؎

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری ÷ آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

اس سلسلہ میں ہم چند مثالیں پیش کرتے ہیں جن سے اندازہ ہوگا کہ آپ واقعۃً مجموعۂ کمالات تھے:

(۱) آپ سے پہلے انبیاء کی نبوت وقتی ہوتی تھی، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت عام اور تا قیامت جاری رہے گی، بلکہ آپ سے تعلق حشر میں بھی کام آئے گا، جیسا کہ قرآن کریم میں صاف موجود ہے:

● قُلْ یٰٓاَیُّہَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ | "اے پیغمبر آپ فرما دیجئے اے انسانو! میں تم سب کی

اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا۔ (پ۹، ع۱۰)	طرف اس کا رسول ہو کر آیا ہوں۔"
● وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا۔ (پ۲۲، ع۹)	"اور اے پیغمبرؐ ہم نے آپ کو تمام لوگوں کیواسطے بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔"
● حضرت حسنؓ سے ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں: اَنَا رَسُوْلُ مَنْ اَدْرَکَکَ حَیًّا وَّمَنْ یُّوْلَدُ بَعْدِیْ، (کنز العمال)	"یعنی میں اس کا بھی رسول ہوں جو مجھ کو زندہ پائے اور اس شخص کا بھی رسول ہوں جو میری وفات کے بعد پیدا ہو۔"

② آپ نہ صرف یہ کہ نبی ہیں بلکہ امام الانبیاء بھی ہیں، جیسا کہ معراج کے وقت بیت المقدس میں آپ نے تمام انبیاء کی امامت فرمائی (حدیثِ معراج میں اس کی تفصیل بیان کی گئی ہے)

③ اور انبیاء نے اپنے اوپر کسی انعام کی وجہ سے کسی وقت کی نماز متعین کر لی، مثلاً:۔

● سیدنا آدم علیہ السلام نے فجر کے وقت دو رکعت نماز شکریہ ادا کی، جب آپ بہشت سے دنیا میں بھیجے گئے تو اندھیری رات تھی، جب دن کی روشنی نظر آئی تو آپ نے یہ دو رکعتیں پڑھیں:

● اسی طرح سیدنا ابراہیم علیہ السلام جب اسمٰعیل علیہ السلام کی قربانی پیش کرنے کی جد وجہد سے فارغ ہوئے تو اس وقت سورج ڈھل چکا تھا، اس امتحان میں کامیاب ہونے کی خوشی میں آپ نے چار رکعتیں بطور شکریہ ادا کیں، یہ ظہر کا وقت تھا،

● اسی طرح سیدنا یونس علیہ السلام کو مچھلی نے جب پیٹ سے باہر نکالا تو آپ نے بطور شکریہ چار رکعت ادا فرمائیں تو عصر کا وقت تھا،

● اسی طرح مغرب کی نماز کے وقت عیسیٰ علیہ السلام نے تین رکعت بطور شکریہ ادا کیں،

● ایسے ہی موسیٰ علیہ السلام ایک دن کئی غموں میں گھرے رہے، دریائے نیل سے بنی اسرائیل کو لے کر پار ہونے کا غم، فرعونؔ اور اس کے لشکر کے تعاقب کا فکر، فرعونؔ اور اس کی قوم کا غرق، ان غموں سے نجات پانے کی خوشی میں آپ نے عشاء کے وقت چار رکعت نماز بطور شکریہ پڑھیں،

لیکن ہمارے آقا و مولیٰ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کا شرف عطاء فرمایا گیا اور اسی سفر میں آپ کو پانچ نمازوں کا تحفہ دیا گیا، اور ساتھ ہی یہ بشارت بھی دی ھی خمس بخمسین (نسائی) یہ پانچ نمازیں ثواب میں پچاس نمازوں کے برابر ہیں،

④ آپ کے حسن و جمال کے متعلق ایک صحابی جابر بن سمرہؓ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ چاندنی رات میں کبھی چاندنی رات کو دیکھتا اور کبھی آپؐ کے چہرۂ انور کو تو مجھے آپؐ چاند سے زیادہ حسین نظر آتے تھے (ترمذی شریف)

(۵) اسی طرح حضرت ابوہریرہؓ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ حسین کوئی نہیں دیکھا، اور یوں معلوم ہوتا تھا جیسے آفتاب چمک رہا ہے، (نشر الطیب؛ مولانا تھانویؒ)
(یہ ہم نے حسنِ یوسف کی تشریح میں عرض کیا، اب دمِ عیسیٰ کے متعلق بھی پڑھ لیجئے:۔

(۶) معاذ بن عفراءؓ ایک صحابی کا بیان ہے کہ میری بیوی برص کی بیماری میں گرفتار تھی، میں نے حضور سرورِ عالم سے عرض کیا، آپؐ نے اپنا عصاءِ مبارک اُن پر پھیر دیا، فوراً اُن کو اس موذی مرض سے نجات مل گئی، (اجنبی عورت ہونے کی وجہ سے آپؐ نے ہاتھ کا کام عصاء سے لیا)،
بخاری شریف کی روایت ہے کہ آپ کی خدمت میں اگر کوئی عورت اسلام پر بیعت کے لئے حاضر ہوتی تو اس وقت بھی آپؐ کسی عورت کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر بیعت نہیں کیا کرتے تھے بلکہ زبانی کفر سے توبہ کرا کر کلمہ پڑھا دیا کرتے تھے،

(۷) غزوۂ احد کا واقعہ ہے کہ حضرت قتادہؓ کی آنکھ باہر نکل آئی، آپ اپنی آنکھ ہتھیلی پر لئے ہوئے حاضرِ خدمت ہوئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک میں لے کر دعاء پڑھ کر آنکھ کو اس کی جگہ رکھ دیا، حضرت قتادہؓ کا بیان ہے اس کے بعد میری یہ آنکھ پہلے سے بھی زیادہ اچھی ہو گئی، (سیرت رسولِ کریمؐ؛ مولانا سیوہارویؒ)

(۸) انہی حضرت قتادہؓ کا بیان ہے ایک مرتبہ ہم عشاء کی نماز پڑھکر مسجد نبویؐ سے گھر جانے لگے، تو ایک تو اندھیری رات، مزید گرج چمک کے ساتھ سخت بارش، چلتے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چھڑی عطاء فرمائی، حضرت قتادہؓ وہ چھڑی لے کر چل دیئے، جو اندھیرے میں روشن رہ کر ان کی رہنمائی کرتی رہی،

(۹) حضرت علیؓ کا واقعہ آشوبِ چشم (آنکھیں دُکھنے) کا واقعہ تو مشہور ہی ہے، کہ غزوۂ خیبر کے موقع پر آپ کی آنکھیں اتنی سخت دُکھ رہی تھیں کہ آپ بہت بے چین تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلایا گیا، آپؐ نے ان کی دونوں آنکھوں میں اپنا لعابِ دہن لگایا، اس کے لگاتے ہی آنکھیں اچھی ہو گئیں، پھر آپ ہی کے ہاتھ پر خدا نے خیبر فتح کرایا اور "فاتحِ خیبر" کہلائے،

(۱۰) موسیٰ علیہ السلام کے متعلق قرآن مجید میں ہے کہ بنی اسرائیل کو پانی کی ضرورت پیش آئی تو آپکو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ملا کہ اپنا عصاء پتھر پر ماریں، آپنے عصاء مارا تو پتھر سے بارہ چشمے جاری ہو گئے، ہمارے سرکارؐ کے متعلق ہے کہ حدیبیہ (جس کو آجکل شمسیہ کہتے ہیں) مقام پر پانی ختم ہو گیا، صحابۂ کرام نے شکایت کی، حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں ہم نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا کہ آپؐ کے ہاتھوں کی انگلیوں سے پانی اس طرح نکل رہا تھا جیسے چشمہ سے پانی اُبل رہا ہو، اس پانی سے پندرہ سو آدمیوں نے اپنی ضروریات پوری کیں، اور اگر ایک لاکھ آدمی بھی ہوتے تو پانی میں کمی نہ آتی، (بخاری و مسلم)

(۱۱) اسی قسم کا ایک اور واقعہ حدیث میں آیا ہے کہ ایک سفر میں عصر کا وقت آگیا، پانی نایاب، آپؐ نے وضو کا برتن منگایا، اس میں آپؐ نے اپنا دستِ مبارک رکھا، حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ ہم لوگوں نے دیکھا آپؐ کی انگلیوں سے پانی ایسے نکل رہا تھا جیسے کسی چشمہ سے، اس پانی سے تین سو سے زیادہ آدمیوں نے وضو کیا اور پینے کے لئے بھی رکھ لیا، (بخاری، مسلم)

(۱۲) اسی طرح غزوۂ خندق کے وقت کا ایک واقعہ حضرت جابرؓ اپنے ساتھ گذرا ہوا بیان کرتے ہیں کہ تقریباً دو سیر آٹا اور ایک بکری کا بچہ تھا، مجاہدین کھا کھا کر جا رہے تھے، مگر خدا کی قسم سالن اور روٹیوں میں کوئی کمی نہ آئی تھی، اور ایک ہزار مجاہدین کے کھا لینے کے بعد سالن روٹی اُسی طرح تھے، اور ان میں آپؐ کی دعا کی برکت سے ذرہ بھر کمی نہیں آئی،

اس قسم کے واقعات حضرت انسؓ، حضرت ابوایوب انصاریؓ سے بھی کھانے میں برکت کے حدیث میں بیان کئے گئے ہیں،

(۱۳) مدینہ منورہ کی مسجد نبویؐ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم شروع میں کھجور کے تنہ کے سہارے کھڑے ہو کر خطبہ دیا کرتے تھے، اس کے بعد آپؐ کے لئے لکڑی کا منبر بنوا دیا گیا، آپؐ اس منبر پر خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے، ابھی آپؐ نے خطبہ شروع ہی کیا تھا کہ لوگوں کی آنکھوں نے عجیب نظارہ دیکھا، کہ کھجور کا تنہ اس طرح سسکیاں لے کر رو رہا ہے جیسے کسی کے فراق میں کوئی روتا ہے، پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر سے اُتر کر اس کو تھپکی دی، آپؐ کا دستِ مبارک لگتے ہی اس کو قرار آگیا، اس کے بعد آپؐ نے صحابہؓ کو بتلایا کہ یہ حنانہ اس لئے رو رہا تھا کہ اس کے سہارے جو ذکر اللہ ہوتا تھا آج وہ اس سے محروم ہو گیا،

یہ واقعہ بہت مشہور ہے، مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں اس حنانہ کی جگہ ایک ستون "اسطوانۂ حنانہ" کے نام سے بنا ہوا ہے، ہم نے اس کو اپنی کتاب "معین الحجاج" میں تفصیل سے بیان کیا ہے،

(۱۴) ایک مرتبہ آپؐ حضرت انسؓ کے گھر پر آرام کے لئے لیٹ گئے، آپؐ کے جسم مبارک سے پسینہ بہنا شروع ہو گیا، حضرت انسؓ کی والدہ نے اس پسینہ کو ایک شیشی میں جمع کرنا شروع کر دیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انسؓ کی والدہ سے دریافت کیا، یہ کیوں جمع کر رہی ہو؟ تو انھوں نے جواب دیا ہم اس کو اپنی خوشبو میں شامل کریں گے،

(۱۵) بعض روایتوں میں یہ بھی ہے کہ آپ جس راستہ سے گذرتے تھے بعد میں کوئی آدمی اُدھر سے گذرتا تو فوراً سمجھ جاتا کہ اِدھر سے سرکارؐ گذرے ہیں،

اس قسم کے اور بے شمار واقعات احادیث میں آئے ہیں جنھیں پڑھ کر آدمی یہ کہنے پر مجبور ہوتا ہے کہ آپؐ

مجموعۂ کمالات تھے، اِن کمالات کے باوجود آپؐ فرماتے ہیں:

(۱۶) اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَلَا فَخْرَ وَبِیَدِیْ لِوَآءُ الْحَمْدِ وَلَا فَخْرَ وَمَا مِنْ نَّبِیٍّ یَوْمَئِذٍ اٰدَمُ فَمَنْ سِوَاهُ اِلَّا تَحْتَ لِوَآءِیْ وَاَنَا اَوَّلُ مَنْ تَنْشَقُّ عَنْهُ الْاَرْضُ وَلَا فَخْرَ۔ (ترمذی)

"قیامت کے دن میں تمام اولادِ آدم کا سردار ہوں گا اور یہ کوئی فخر کی بات نہیں اور حمد و ثنا کا جھنڈا میرے ہاتھ میں ہوگا اور یہ بھی کوئی فخر کی بات نہیں اس دن آدمؑ اور انکے علاوہ تمام رسول میرے جھنڈے کے نیچے ہونگے، اور میں سب سے پہلا شخص ہوں جو زمین پھٹکر (قبر سے) باہر آؤں گا، اور یہ کوئی فخر کی بات نہیں"

اِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ كُنْتُ اِمَامَ النَّبِيِّيْنَ وَخَطِيْبَهُمْ وَصَاحِبَ شَفَاعَتِهِمْ غَيْرَ فَخْرٍ۔ (ترمذی)

"میں قیامت کے دن تمام انبیاء کا امام ہوگا اور میں ہی انکا خطیب اور شفاعت کرنے والا ہوں گا، اور یہ کوئی فخر کی بات نہیں"

اب ہم اس گلہائے عقیدت کو مختصر کرکے ایک حدیث پر ختم کرتے ہیں جس سے اندازہ ہوگا کہ آپؐ کو اللہ تعالیٰ نے دیگر انبیاءِ کرام کے مقابلہ میں کتنی فضیلت و خصوصیت عطاء فرمائی تھی!

(۱۷) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فُضِّلْتُ عَلَى الْاَنْبِيَآءِ بِسِتٍّ، اُعْطِيْتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ وَاُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ وَجُعِلَتْ لِيَ الْاَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُوْرًا وَاُرْسِلْتُ اِلَى الْخَلْقِ كَآفَّةً وَخُتِمَ بِيَ النَّبِيُّوْنَ۔ (رواہ مسلم)

"حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مجھ کو اللہ تعالیٰ نے پہلے نبیوں پر چھ باتوں میں فضیلت عطاء فرمائی ہے، مجھ کو جوامع الکلم عطاء فرمائے ہیں، اور دشمنوں کے مقابلہ میں مجھے رُعب دبدبہ بخشا ہے، میری امت کے لئے (میری وجہ سے) مالِ غنیمت کو حلال قرار دیا ہے، زمین کا ہر حصہ (ہر جگہ) مسجد اور پاک قرار دیدیا گیا، مجھ کو تمام مخلوق کیلئے نبی بنا کر بھیجا، اور نبوت و رسالت کا سلسلہ مجھ پر ختم کردیا گیا، (یعنی میرے بعد قیامت تک اور کوئی نبی نہیں آئے گا)

یہ خصوصیات جو ہم نے گلہائے عقیدت کے زیرِ عنوان بیان کیں یہ آپ کے کمالات کی ذرا سی جھلک ہے، اس حدیث ابوہریرہؓ میں جن چھ خصوصیات کا ذکر ہے ان میں ہر خصوصیت پر مستقل کتاب لکھی جاسکتی ہے،

یَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

گلہائے عقیدت کے بعد "خاتم الانبیاء" صلی اللہ علیہ وسلم کی ترسٹھ سالہ زندگی کا خلاصہ ملاحظہ فرمائیے:۔

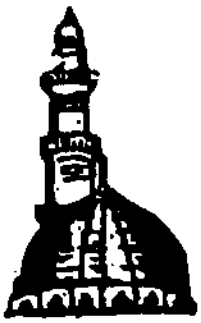

(۱)

بابِ اوّل

ولادتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے پیش آنے والے

چند اہم تاریخی واقعات

اس عنوان کے تحت چند ایسے واقعات بیان کئے گئے ہیں جو بہت اہم اور حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے خاص تعلق رکھتے ہیں، ان کی اہمیت کا اندازہ مندرجہ ذیل مختصر فہرست سے کیا جا سکتا ہے:-

(۱) انسانیت اور نبوت کی ابتداء
(۲) دنیا کی تاریخ ایک نظر میں
(۳) اسلام سے قبل حجاز اور دنیا کی حالتِ زار
(۴) تعمیرِ کعبہ اور دعاءِ ابراہیمؑ
(۵) کعبۃ اللہ کی امامت کے لئے اسمٰعیل کا تقرر
(۶) اسمٰعیلؑ کی وفات کے بعد کعبۃ اللہ کی تولیت پر جرہم قبیلہ کا قبضہ
(۷) قبیلۂ جرہم کے ہاتھوں کعبہ کی بے حرمتی
(۸) خاندانِ قریش، بنو ہاشم، عبد المطلب
(۹) خانۂ کعبہ اور مکہ مکرمہ عبد المطلب کی تولیت میں،
(۱۰) عبد المطلب کے خواب میں زمزم کھولنے کا مطالبہ اور تائید غیبی،
(۱۱) کھدائی پر زمزم کا ظاہر ہونا
(۱۲) عبد المطلب کی ایک بیٹا راہِ خدا میں قربان کرنے کی نذر،
(۱۳) قرعہ اندازی میں اولاد میں سے حضرت عبد اللہ کا نام،
(۱۴) حضرت عبد اللہ کی بہادری کا ایک واقعہ
(۱۵) حضرت عبد اللہ کی بہادری اور تائید غیبی دیکھ کر حضرت آمنہ کے والد وہب کی عبد المطلب سے نکاح کی درخواست،
(۱۶) عبد المطلب کی منظوری اور حضرت عبد اللہ کا نکاح
(۱۷) وفاتِ عبد اللہ

ولادتِ نبویؐ سے پہلے ہونیوالے چند واقعات

انسانیت اور نبوت کی ابتداء

جب دنیا کی ابتداء ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے انسان ابوالبشر سیدنا آدم علیہ السلام کو پیدا فرما کر ان کو نبوت کے منصب سے سرفراز فرمایا تاکہ خلقِ خدا کو اچھی اور نیک باتوں کی تلقین کریں، اور بُری باتوں سے روکیں انبیاء کا یہ سلسلہ سید الانبیاء جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم کر دیا گیا، چنانچہ آپ نے ارشاد فرمایا،

خُتِمَ بِیَ النَّبِیُّوْنَ (مسلم) ——— "مجھ پر سلسلۂ نبوت ختم کر دیا گیا"

آپؐ اللہ کے آخری نبی ہیں، اور آپؐ کی نبوت قیامت تک جاری ہے، آپؐ کے بعد نبوت کا دروازہ بند کر دیا گیا آپؐ کے بعد جو نبوت کا دعویٰ کرے وہ کذاب اور دجال ہے،

آپؐ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّهٗ سَیَکُوْنُ فِیْ اُمَّتِیْ کَذَّابُوْنَ ثَلٰثُوْنَ کُلُّهُمْ یَزْعَمُ اَنَّهٗ نَبِیٌّ، وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ، (مسلم شریف)

"بلاشبہ میری امت میں تیس بڑے کذاب اور دجال ظاہر ہوں گے، اور ہر ایک یہ خیال کرے گا کہ میں نبی ہوں، حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں"

دنیا کی تاریخ ایک نظر میں

مورخین نے مختلف انبیاء کرام کے درمیان مدتِ فصل اس طرح بیان کی ہے:-

(۱) ولادت باسعادت حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان ۵۷۱ سال
(۲) حضرت عیسیٰ علیہ السلام ——— " حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درمیان ۱۶۱۷ سال
(۳) حضرت موسیٰ علیہ السلام ——— " حضرت ابراہیم علیہ السلام کے درمیان ۵۴۵ سال
(۴) حضرت ابراہیم علیہ السلام ——— " طوفانِ نوح کے درمیان فصل ۱۰۸۱ سال
(۵) طوفانِ نوح علیہ السلام ——— " ابوالبشر آدم علیہ السلام کے درمیان ۲۲۴۲ سال

اس حساب سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے لے کر ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام تک چھ ہزار ایک سو پچپن (۱۶۵۵) سال کی مدت ہوتی ہے، (نورۃ البصر فی سیرۃ خیر البشرؐ)

اسلام سے پہلے حجاز اور دنیا کی حالتِ زار

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسلام سے قبل سرزمینِ حجاز اور دنیا کی حالتِ زار کا مختصر سا بیان کر دیا جائے، تاکہ یہ اندازہ ہو جائے کہ دنیا کی اصلاح کے لئے نبی کی کتنی ضرورت تھی!

○ "تذکرۂ عیسیٰ علیہ السلام" میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور بنی اسرائیل کے آخری نبی عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان پانچ سو اکہتر سال کا فصل ہے، اس عرصہ میں سرزمینِ حجاز کی خصوصاً اور پوری دنیا کی حالت عموماً اتنی ابتر ہو چکی تھی کہ انسانیت کا نام ہی نام رہ گیا تھا، ورنہ کام ایسے تھے کہ ان سے انسانیت بھی شرما جائے،

○ بے حیائی، بے غیرتی، بے حجابی اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ اجنبی عورت مرد ایک دوسرے کے سامنے ننگے بدن غسل کرنے میں کسی قسم کی شرم و جھجک محسوس نہیں کرتے تھے، چوری، ڈکیتی، زناکاری، رات دن کا مشغلہ تھا، دشمن کا کلیجہ نکال کر چبا لینا، آنکھیں پھوڑ دینا، زبان کاٹ دینا، غرض اس قسم کی دل ہلا دینے والی خرابیاں ان لوگوں میں رچ بس گئی تھیں، کہ اُن کو سُنکر انسان کا دل کانپ اُٹھتا ہے،

○ اگر کسی قبیلہ سے جنگ چھڑ جاتی تو سالوں چلتی رہتی تھی، اور ایک دوسرے کا ناحق خون بہاتے رہتے تھے، اور منت مانتے تھے کہ اگر ہم غالب آ گئے تو دشمن کی سر کی کھوپڑی میں شراب پئیں گے، غرض یہ کیفیت تھی ؎

فسادوں میں کٹتا تھا اُن کا زمانہ ؛ نہ تھا کوئی قانون کا تازیانہ

○ انسان کو اپنی اولاد سے جتنی محبت ہوتی ہے اس سے ہر صاحبِ اولاد اور صاحبِ دل واقف ہے، مگر وہ لوگ اتنے بے رحم اور سنگ دل واقع ہوئے تھے کہ گڑھا کھود کر اپنی بیٹیوں کو اپنے ہاتھ سے زندہ دفن کر دیا کرتے تھے، کہ کل جوان ہونے کے بعد میری بیٹی دوسرے کے گھر کی زینت بنے گی، یا شادی بیاہ میں خرچ کرنا پڑیگا، اور ہم غریب ہو جائیں گے، قرآن کریم میں فرمایا گیا:

وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ۝ (پ ۱۴، ع ۱۳)	اور جب اُن میں سے کسی کو بیٹی کے پیدا ہونے کی خبر دی جاتی ہے تو اس کا چہرہ مارے رنج کے کالا پڑ جاتا ہے اور دل ہی دل میں گھٹتا رہتا ہے،

کفار اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کرتے اور یہ کہا کرتے تھے کہ ملائکہ معاذ اللہ خدا کی بیٹیاں ہیں، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ جو ہستی جملہ عیوب سے منزہ اور پاک ہے اس پر فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں ہونے کا عیب لگاتے ہیں اور خود اُن عیب لگانے والوں کی کیفیت یہ ہے کہ اپنے گھر میں بیٹی پیدا ہونے کی خبر سے

بخار چڑھ جاتا ہے،

ان عیوب کے باوجود اس کے مدعی تھے کہ ہم ابراہیم علیہ السلام کے پیروکار ہیں، اندازہ کیجئے کہ ابراہیم علیہ السلام کی پیروکاری کے مدعی اور کیفیت یہ کہ حج ایسی مقدس عبادت اور خانۂ کعبہ کا طواف کتنا باعث اجر وثواب ہے، مگر مشرکینِ مکہ نے اس عبادت کی یہ حالت بنا رکھی تھی کہ خدا کے گھر کا مادرزاد ننگے طواف کیا کرتے تھے، حد یہ ہے کہ کعبۃ اللہ جو ابراہیم علیہ السلام نے بحکم خداوندی تعمیر کیا تھا اس میں تین سو ساٹھ بت بنا کر رکھ چھوڑے تھے اور سال کے ہر دن کا جدا جدا خدا بنایا ہوا تھا، نعوذ باللہ من ذٰلک،

پھر کمال کی بات یہ ہے کہ ان شرکیہ باتوں کو امام الموحدین سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی طرف منسوب کرتے تھے جن کی تردید اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں فرمائی،

مَا كَانَ إِبْرٰهِيمُ يَهُودِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيفًا مُّسْلِمًا ط وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ (پ۳، ع ۴)

"اور نہ تھے ابراہیم (علیہ السلام) یہودی اور نہ تھے نصرانی لیکن تھے حنیف یعنی سب جھوٹے مذہبوں سے بیزار اور حکمبردار اور نہ تھے مشرک"

یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کا ایک ایک لمحہ بتلاتا ہے کہ وہ ہمہ تن اسلام اور تسلیم ورضا کے مجسم پیکر تھے، اُن کو یہودی یا نصرانی بتلانا سراسر بہتان ہے، حالی مرحوم نے اس زمانہ کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے ؎

وہ دنیا میں گھر سب سے پہلا خدا کا ؎ خلیلؑ ایک معمار تھا جس بنا کا
ازل میں مشیت نے تھا جس کو تاکا ؎ کہ اِس گھر سے اُبلے گا چشمہ ہُدیٰ کا
وہ تیرتھ تھا اِک بت پرستوں کا ؎ جہاں نام حق کا نہ تھا کوئی جویا

یہ ناگفتہ بہ حالات تو سرزمینِ حجاز کے تھے، اب قرآن کریم کے الفاظ میں دنیا کے حالات پر بھی نظر ڈال لیجئے،

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۝ (پ۲۱، ع ۸)

"خشکی اور تری میں ان لوگوں کے ہاتھوں کی کمائی کے باعث ہلاکت وتباہی پھیل گئی ہے تاکہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ان کے بعض اعمال کی سزا کا مزہ چکھادے تاکہ وہ باز آجائیں"

انسانوں کی بدکاریوں کی وجہ سے خشکی اور تری میں خرابی پھیلنا گو ہمیشہ ہوتا رہا اور ہوتا رہے گا، لیکن جس خوفناک عموم وشمول کے ساتھ بعثتِ محمدی سے پہلے یہ تاریک گھٹا مشرق ومغرب اور بر وبحر پر چھا گئی تھی، دنیا کی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی، یورپ کے محققین نے اس زمانہ کی تاریک حالت کا جو نقشہ کھینچا ہے اس کے دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ غیر مسلم مؤرخ بھی اس مشہور ومعروف صداقت پر کوئی حرف گیری نہیں کرسکے (دیکھو دائرۃ المعارف فرید وجدی مادہ حمد) (فوائد عثمانی)

تعمیرِ کعبہ اور دُعاءِ ابراہیم علیہ السلام

آدم علیہ السلام کی اولاد میں نوح علیہ السلام بڑے اور مشہور پیغمبر ہوئے ہیں، جن کو "آدم ثانی" بھی کہتے ہیں، نوح علیہ السلام کے سلسلہ میں بڑے پیغمبر ابراہیم علیہ السلام ہوئے، آپ کے دو بیٹے ہوئے، بڑے بیٹے کا نام اسمٰعیل علیہ السلام اور چھوٹے بیٹے کا نام اسحٰق علیہ السلام ہے،

مکہ معظمہ میں جس جگہ خانہ کعبہ بنا ہوا ہے یہ اللہ کا گھر ہے، آج سے تقریباً چھ ہزار سال پہلے یہ وحشتناک جنگل و بیابان تھا، جہاں نہ کوئی آدم تھا نہ آدم زاد، نہ چرند و پرند، غرض کوئی چیز بھی اس جنگل میں قابلِ ذکر نہ تھی، اسی لئے ابراہیم علیہ السلام نے اس لق و دق جنگل و بیابان کو وَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ فرمایا، اس وادی کی تاریخ بڑی قدیم ہے، اس کو بیان کرنا ہمارا مقصد نہیں، بلکہ اس میں واقع خانۂ کعبہ کی تاریخ اشارۃً بیان کرنا ہے،

بیت اللہ یعنی خانۂ کعبہ کی تاریخ تقریباً اتنی ہی قدیم ہے جتنی دنیا کی تاریخ، یہ قدیم گھر طوفانِ نوح کے وقت زمین کے برابر ہو گیا تھا، اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا کہ اس مقدس گھر کو دوبارہ تعمیر کرایا جائے تو ابراہیم علیہ السلام کو حکم ہوا کہ اس جنگل و بیابان میں اپنی زوجہ حضرت ہاجرہ اور ان کے ساتھ شیر خوار بچہ اسمٰعیل علیہ السلام کو چھوڑ دیں، آپ نے حکمِ خداوندی کی تعمیل میں جب ماں بیٹوں کو یہاں چھوڑا ہے تو اس وقت زندگی گزارنے کے لئے کوئی چیز بھی نہ تھی، ابراہیم علیہ السلام حضرت ہاجرہؓ کو کچھ کھجوریں اور ایک مشکیزہ میں پانی دے کر خدا کے بھروسہ پر چھوڑ کر چل دیئے، چند دن بھی نہ گزرے تھے کہ کھجوریں اور پانی ختم ہو گیا، اور بھوک پیاس کی شدت سے ماں بیٹوں کی حالت غیر ہونے لگی، اپنے سے زیادہ اپنے پھول سے بیٹے اسمٰعیلؑ کا غم اور فکر زیادہ تھا، اسی پریشانی کے عالم میں آپ نے پانی کی تلاش شروع کی، سامنے ایک پہاڑی "صفا" نظر آئی، وہاں دوڑتی ہوئی پانی دیکھنے گئیں، مگر وہاں پانی نام کو بھی نہ تھا، مایوسی کے عالم میں سامنے دوسری پہاڑی "مروہ" پر نظر پڑی، وہاں دوڑی ہوئی گئیں، وہاں بھی ناکامی ہوئی، جتنی دیر ہوتی جاتی تھی بے قراری بڑھتی جاتی تھی، ان دونوں پہاڑیوں پر سات مرتبہ آئیں گئیں، ساتواں چکر تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی بے قراری کو سکون میں بدل دیا، اور آپ کی نگاہوں نے قدرت کا عجیب کرشمہ دیکھا، کہ ایک فرشتہ کے اشارہ سے شیر خوار بچہ کی ایڑیوں کے نیچے پانی ابل رہا ہے، چشمۂ زمزم کا نمودار ہونا تھا کہ جنگل میں منگل اور چہل پہل ہونی شروع ہوئی، اور سب سے پہلے قبیلۂ جرہم نے حضرت ہاجرہؓ سے اجازت لے کر ڈیرے ڈال دیئے، زمزم کا نمودار ہونا ہی مکہ کی آبادی کا سبب بنا،

جب اسمٰعیل علیہ السلام کی عمر ۳۰ سال کی ہو گئی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ابراہیم علیہ السلام کو حکم ہوا کہ اے گھر یعنی بیت اللہ کو دوبارہ پرانی بنیادوں پر تعمیر کرو، آپ نے اپنے نورِ نظر حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو ساتھ لیکر اس کو تعمیر کیا جس کی تفصیل ہم "تذکرۂ ابراہیمؑ" حصہ اول میں بیان کر چکے ہیں،

جیسا کہ ابھی بیان کیا گیا کہ ابراہیم علیہ السلام کے دو بیٹے تھے، حضرت ہاجرہ سے بڑے بیٹے اسمٰعیل علیہ السلام اور حضرت سارہ سے چھوٹے بیٹے اسحٰق علیہ السلام، ان میں سے چھوٹے بیٹے یعنی اسحٰق علیہ السلام کو ملکِ شام میں آباد کیا، اسحٰق علیہ السلام کے مشہور بیٹے یعقوب علیہ السلام ہوئے، ان کا دوسرا نام اسرائیل بھی ہے، اور قوم بنی اسرائیل کا سلسلہ آپ ہی سے چلا ہے، بنی اسرائیل میں بہت سے انبیاء ہوئے، مثلاً یوسف علیہ السلام، ہارون علیہ السلام، داؤد علیہ السلام، سلیمان علیہ السلام، ایوب علیہ السلام، یحییٰ علیہ السلام، عیسیٰ علیہ السلام،

بڑے بیٹے اسمٰعیل علیہ السلام کو خانۂ کعبہ کی تعمیر مکمل ہونے کے بعد ابراہیم علیہ السلام نے خانۂ کعبہ کا امام و متولی بنا دیا اور خود شام واپس چلے گئے،

حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد میں نبوت کا تاج پہننے والے صرف سید الانبیاء والمرسلین محبوب رب العالمین جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہستی ہے، یا یوں کہہ لیجئے کہ نبوت کا سلسلہ ختم ہو کر بنی اسرائیل سے بنی اسمٰعیل میں منتقل ہو گیا،

تعمیر بیت اللہ اور دعاءِ ابراہیمؑ:

تعمیر بیت اللہ کے متعلق ہم حصۂ اوّل کے "تذکرۂ ابراہیمؑ" میں کافی تفصیل سے بیان کر چکے ہیں، شائقین حضرات اس کتاب کے حصۂ اول کا صفحہ ۱۷۷ ملاحظہ فرمائیں، پھر بھی اس مقام کی مناسبت سے مختصر سا بیان کیا جاتا ہے،

قرآن کریم میں تعمیر بیت اللہ کے متعلق فرمایا گیا،

وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمٰعِیْلُ ؕ	"اور جب ابراہیمؑ خانۂ کعبہ کی بنیادیں اونچی کر رہے تھے اور ان کے ساتھ اسمٰعیلؑ بھی"

یہ آیتِ کریمہ پارہ نمبر ۱ رکوع ۱۵ کی ہے، اس رکوع میں ابراہیم علیہ السلام کی کئی دعاؤں کا ذکر ہے

- ایک دعاء تو آپ نے فرمائی: "پروردگار! میں نے آپ کے حکم کی تعمیل میں اپنی بیوی اور لختِ جگر اسمٰعیلؑ کو اس جنگل و بیابان میں چھوڑ دیا ہے، اب آپ اس کو امن و امان والا شہر بنا دیں"
- ایک دعاء یہ فرمائی: "یہاں (مکہ) کے باشندوں کو ایسا مطمئن کر دیں کہ ان کو روزی کا غم نہ ہو"
- اور یہاں کے باشندوں کو پھل فروٹ کی روزی تک بھی آسانی سے ملتی رہے"

اللہ تعالیٰ نے یہ سب دعائیں ایسی قبول فرمائیں کہ حج اور عمرہ پر جانے والے لاکھوں حضرات اُن کی قبولیت کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرتے ہیں، اور ایسا بے موسم پھل فروٹ ملتا ہے کہ ہم اپنے ملک میں نہیں دیکھتے،

جب ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام تعمیر بیت اللہ کر رہے تھے تو یہ دعاء بھی کرتے جاتے تھے:

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ	"اے ہمارے پروردگار! ہماری یہ خدمت قبول فرما

الْعَلِيْمُ ۝	بیشک تو سننے والا اور جاننے والا ہے۔

یعنی آپ کے گھر کی جو تعمیر ہم کر رہے ہیں یہ خدمت قبول فرمالیں،

اور دعاؤں کے علاوہ ایک اہم دعا آپ نے یہ فرمائی:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ (پ۱، ع ۱۵)	"اے ہمارے پروردگار! ان لوگوں میں ایک ایسا رسول مبعوث فرما جو انہی میں سے ہو، وہ رسول تیری آیتیں اُن کے روبرو تلاوت کیا کرے اور ان کو کتاب اور دانائی کی باتیں سکھایا کرے اور ان کو پاک صاف بنائے، بلاشبہ تو ہی ہے بہت زبردست بڑی حکمت والا۔"

تمام مفسرین نے لکھا ہے کہ اس آیت میں ابراہیم علیہ السلام نے جس پیغمبر کے لئے دعاء فرمائی ہے وہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے،

چنانچہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ارشاد فرمایا:

دَعْوَةُ اَبِيْ اِبْرَاهِيْمَ وَبُشْرٰى عِيْسٰى، (احمد، ابن کثیر)	"میں اپنے باپ ابراہیمؑ کی دعاء اور عیسیٰؑ کی بشارت کا مظہر ہوں۔"

ہوئی پہلوئے آمنہ سے ہویدا ؎ دعائے خلیلؑ و نوید مسیحاؑ

اس حدیث میں قرآن پاک کی ان دونوں آیتوں کی طرف اشارہ ہے: (۱) رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ الخ اور (۲) يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ الخ،

اسمٰعیل علیہ السلام کی وفات کے بعد کعبۃ اللہ کی تولیت پر جرہم کا قبضہ

جرہم کے ہاتھوں کعبہ کی بے حرمتی؛

جو ڈر اور خدشہ حضرت ہاجرہؓ نے زمزم کے ظاہر ہونے پر قبیلۂ جرہم کو وہاں رہنے کی اجازت دیتے وقت ظاہر کیا تھا وہی سامنے آیا، مگر اسمٰعیل علیہ السلام کی وفات کے بعد، جس کی تفصیل "تاریخ اسلام" تصنیف مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھیؒ اور "رحمۃ للعالمینؐ" جلد دوم اور "سیرۃ محمد رسول اللہؐ" میں مولانا سید محمد میاں صاحب رحمہ اللہ نے بیان کی ہے، ہم اس کو مختصراً اپنے الفاظ میں بیان کرتے ہیں،

اسمٰعیل علیہ السلام کی وفات کے بعد تولیت آپ کی اولاد میں نسلاً بعد نسلٍ منتقل ہوتی رہی، قبیلۂ جرہم جو چشمۂ زمزم نمودار ہونے پر حضرت ہاجرہؓ سے اجازت لے کر وہاں مقیم ہو گیا تھا اگرچہ اس سے حضرت اسمٰعیلؑ کا

ننھیالی رشتہ قائم ہوگیا تھا، اس کے باوجود اولاد اسمٰعیل سے چپقلش چلتی رہتی تھی، جو بڑھتے بڑھتے اقتدار کی جنگ میں تبدیل ہوگئی، اولادِ اسمٰعیل ماشاء اللہ اتنی بڑھ چکی تھی کہ مکہ شہر چھوٹا ہونے کی وجہ سے اِدھر اُدھر باہر رہنے لگی، جس کی وجہ سے اُن کی مرکزی قوت کمزور پڑ گئی، اور خانۂ کعبہ کی تولیت پر قبیلۂ جرہم کا قبضہ ہوگیا، اور سلسلہ در سلسلہ اب جرہم کی تولیت چلتی رہی، آخر میں اسی قبیلہ کے ایک شخص عمرو بن حارث کی حکومت قائم ہوگئی، یہ شخص بڑا سفاک اور بڑا ہی بدچلن تھا، قبیلہ جرہم کے لوگ اول تو خانۂ کعبہ کی تولیت ہاتھ میں آجانے سے مغرور ہوگئے تھے، اور من مانی شروع کردی تھی، اب عمرو بن حارث کے برسر اقتدار آجانے سے اور سرکشی پر اُتر آئے، اور خانۂ کعبہ کے لئے دور دراز سے لوگ جو تحفے تحائف اور ہدایا بھیجا کرتے تھے، یا زیارت کو آنے والے پیش کیا کرتے تھے، یہ لوگ اُن کو اپنی ملکیت سمجھکر ان میں بے جا تصرف کرنے لگے،

ان لوگوں کی اس حرکت سے لوگوں میں ہیجان پیدا ہوگیا، اور یہ ہیجان اتنا بڑھا کہ لوگوں نے جرہم کے بچہ بچہ کو قتل کردینے اور پورے قبیلہ کو نیست و نابود کردینے کا فیصلہ کرلیا، مثل مشہور ہے چور کے پاؤں نہیں ہوتے اس شورش سے پورے قبیلہ کے پاؤں اُکھڑ گئے، اور جانیں بچانے کے لئے ملکِ یمن بھاگ جانے کا پروگرام بنالیا، جب بھاگنے لگے تو عمرو بن حارث نے حجر اسود کو اُکھاڑ ڈالا، اور بدحواسی کے عالم میں خانۂ کعبہ میں رکھی ہوئی قیمتی اشیاء کو "چاہ زمزم" میں پھینک کر مٹی سے بھر کر زمین کے برابر کردیا،

خاندان قریش؛

جیسا کہ ہم بیان کرچکے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام کے دو بیٹے تھے، بڑے بیٹے کا نام اسمٰعیلؑ اور چھوٹے بیٹے کا نام اسحٰقؑ تھا، آپ نے خانۂ کعبہ کی تعمیر مکمل کرلینے کے بعد بڑے بیٹے اسمٰعیلؑ کو اس کا امام اور متولی بنادیا خدا نے کیا اسمٰعیلؑ کا خاندان بڑھتا اور پھلتا پھولتا رہا، کچھ مدت گذرنے کے بعد اس خاندان کے کئی قبیلے ہوگئے، ان قبیلوں میں خاندانِ قریش مشہور اور معزز تھا، یہ قبیلہ بھی کئی کنبوں میں پھیل گیا تھا، ان میں ایک خاندان اور قبیلہ بنی ہاشم تھا، اس خاندان کے ایک معزز اور نامور شخص کا نام ہاشم تھا، بنو ہاشم انہی کی اولاد ہیں،

عبدالمطلب؛

ہاشم نے اپنی شادی یثرب (مدینہ) میں قبیلۂ بنی نجار میں کی تھی، ہاشم کے اس شادی سے ایک لڑکا پیدا ہوا، اس لڑکے کا اصل نام شیبہ تھا، مگر وہ عبدالمطلب کے نام سے مشہور ہوا، یہی عبدالمطلب آگے چل کر بڑے مشہور ہوئے، اور اللہ تعالیٰ نے اُن سے ایسے کام لئے کہ ان کا نام مشہور ہی ہوتا رہا، اور ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا ہوئے، آپ خاندانِ قریش کے بہت معزز اور ممتاز سردار تھے،

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا شرف ہم نے آگے تیسرے باب میں صفحہ ۵۵ پر بیان کیا ہے،

خانۂ کعبہ اور مکّہ مکرمہ عبدالمطلب کی تولیت میں

جب بنی جرہم بھاگ گئے تو اب کافی عرصہ گذرنے کے بعد کعبۃ اللہ اور مکہ مکرمہ کی تولیت جناب عبدالمطلب کے پاس آئی، گویا اسمٰعیل علیہ السلام کے خاندان میں تولیت واپس آگئی، کیونکہ دعاءِ ابراہیمی کی قبولیت اور نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا زمانہ قریب آتا جارہا تھا،

اب ہم چند ایسے واقعات کا بیان کرتے ہیں جن کو پڑھکر اندازہ ہوگا کہ عبدالمطلب کس پایہ کی شخصیت تھے،

خواب میں زمزم کھودنے کا مطالبہ اور تائیدِ غیبی؛

ایک شب کا واقعہ ہے کہ جناب عبدالمطلب سوئے ہوئے تھے، اچانک آپ کو ایک خواب نظر آیا، کہ کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے: "اے عبدالمطلب! اپنے جدامجد کی یادگار "زمزم" جس کو عمرو بن حارث نے زمین کے برابر کرکے بے نشان کردیا ہے، اسے کھولو" یہ خواب نظر آتے ہی عبدالمطلب کا سکون ختم ہوگیا، اور اس جستجو میں لگ گئے کہ "زمزم" کس جگہ تھا؟ چونکہ اس کو بند ہوئے تقریباً پانچسو[۵۰۰] سال گذر گئے تھے، اس لئے اب ایسا کوئی واقف بھی نہ تھا جو اس کی جگہ بتلاسکے، اس لئے جناب عبدالمطلب کا پریشان ہونا قدرتی بات تھی، آخر یہ سوچ کر کہ جب مجھے خواب میں حکم ہوا ہے تو خواب میں ہی جگہ بتلادی جائے گی، دوسری شب کو اسی جگہ سوگئے، چنانچہ غیب سے ایک آواز کانوں میں آئی کہ آصاف و نائلہ دونوں بتوں کے درمیان "چاہ زمزم" کی جگہ ہے، اور اس کی پہچان یہ ہے کہ صبح تم جب سوکر اٹھو تو تم کو اس جگہ ایک کوا ٹھونگیں مارتا ہوا نظر آئے گا،

کھدائی پر "زمزم" نمودار ہوگیا؛

جب آپ کو خواب میں جانور کے ذریعہ "زمزم" کی جگہ متعین کرکے بتلادی گئی تو آپ کو یقین ہوگیا کہ یہ خواب منشاءِ خداوندی ہے، اس لئے علی الصباح آپ اپنے اکلوتے بیٹے حارث کو ساتھ لے کر کھدائی کے لئے تیار ہوکر چل دیئے ہر چند قریش اس مہم میں بڑی رکاوٹیں ڈالتے رہے، مگر عبدالمطلب نے کسی کی نہ سُنی، اور باپ بیٹے اس کام میں لگ گئے،

اگرچہ تھوڑی سی زمین کھودتے ہی سونے کے تحفے[۵۲] تحائف نظر آنے لگ گئے تھے پھر بھی تین[۳] دن لگ گئے، ویسے ان اشیاء کے نظر آنے سے عبدالمطلب کا حوصلہ بڑھ گیا اور خدا جانے کتنی خوشی ہوئی ہوگی، اس کے بعد "زمزم" بھی ظاہر ہوگیا، اس کامیابی پر وہی لوگ جو آپ کو منع کررہے تھے مبارکبادیں پیش کرنے لگے، اس کارنامہ پر ہر طرف آپ کا شہرہ ہوگیا،

---

[۵۰] سیرت مبارکہ محمد رسول اللہؐ ص ۷۹،

[۵۲] ان تحفوں کی تفصیل تلواریں، سونے کی تختیاں، سونے کے ہرن بیان کی گئی ہے (سیرت مبارکہ محمد رسول اللہؐ ص ۷۹)

عبدالمطلب کی دس بیٹے پیدا ہونے پر ایک بیٹا قربان کرنے کی نذر؛

آپ نے اس خوشی میں نذر مان لی کہ اگر میرے دس بیٹے ہوئے اور خیر سے جوان ہو کر میرے قوت بازو بنے تو ان میں سے ایک بیٹے کو اللہ کے نام پر قربان کروں گا، خدا نے آپ کی یہ مراد پوری فرمائی اور یکے بعد دیگرے دس بیٹے پیدا ہوئے، اور سب کے سب جوانی کو پہنچے، اُن میں سے پانچ مشہور بیٹوں کے نام یہ ہیں:۔ عباسؓ، حمزہؓ، عبداللہ (والد ماجد حضور صلی اللہ علیہ وسلم) ابوطالبؓ، ابولہبؓ، اللہ تعالیٰ نے تو آپ کی مراد پوری فرمادی، لیکن آپ اپنی نذر پوری کرنی بھول گئے،

خواب میں نذر پوری کرنے کا مطالبہ؛

ایک شب عبدالمطلب سوئے ہوئے تھے کہ خواب میں آپ نے یہ آواز سُنی، "اے عبدالمطلب! اپنی نذر پوری کرو" اس کے بعد آپ کی آنکھ کھل گئی، خواب کے باوجود آپ کو اپنی منت یاد نہیں آئی، پھر بھی ایک دنبہ آپ نے راہِ خدا میں مساکین کو کھلادیا، دوسری رات کو پھر وہی خواب نظر آیا، اس مرتبہ آپ نے گائے ذبح کر کے مساکین کو کھلادی، تیسری رات میں پھر وہی خواب نظر آیا، اس مرتبہ آپ نے اونٹ ذبح کر کے غربا اور مساکین کو کھلا دیا،

آخر کئی بار خواب میں نذر پوری کرنے کے مطالبہ پر آپ نے اپنے ایک بیٹے کو قربان کرنے کا فیصلہ کر لیا، اس فیصلہ کے بعد اب دوسرا مسئلہ یہ کھڑا ہو گیا کہ دس بیٹوں میں سے کس کو قربانی کے لئے پیش کیا جائے، تو اس کا فیصلہ قرعہ اندازی پر رکھا گیا،

قرعہ اندازی میں حضرت عبداللہ کا نام؛

جب قرعہ اندازی کی گئی تو اس میں حضرت عبداللہ کا نام نکلا، آپ کا نام نکلنے کے بعد عبدالمطلب ان کو قربانی کے لئے لیکر چلے، تو حضرت عبداللہ کی بہنوں نے شور مچادیا، اور عبدالمطلب کے دوست احباب بھی آڑے آئے، بڑی مشکل سے یہ طے پایا کہ حضرت عبداللہ کے فدیہ میں اونٹ ذبح کر دیئے جائیں، اور قرعہ اندازی کی یہ صورت مقرر ہوئی کہ پہلی مرتبہ دس اونٹ اور حضرت عبداللہ کے ناموں کا قرعہ ڈالا جائے، اگر اونٹوں کے نام پر قرعہ نہ نکلے تو دس اونٹ اور بڑھا دیئے جائیں، اور جب تک اونٹوں کا نام قرعہ میں نہ نکلے ہر دفعہ میں دس اونٹ بڑھاتے رہیں، آخر میں سو اونٹ اور حضرت عبداللہ کے نام پر قرعہ ڈالا گیا، تو اونٹوں کے نام نکلا، جس کی عبدالمطلب نے فوراً تعمیل کی، اور سو اونٹ جناب عبدالمطلب نے صفا مروہ کے درمیان ذبح کر دیئے،

سیرت نگار لکھتے ہیں کہ جب جناب عبدالمطلب نے حضرت عبداللہ کو قربان کرنے کا فیصلہ کر لیا تو جناب عبداللہ کی جوانی اور خوب صورتی پر ہر شخص عشعش کرتا تھا اور ہر بیٹی کا باپ اپنا داماد بنانے کی تمنا کیا کرتا تھا جب لوگوں کو اُن کے قربان کرنے کا پتہ چلا تو سارے مکہ میں ہلچل مچ گئی، اور ان لوگوں نے جدوجہد شروع کی کہ کسی صورت

آپ کی جان بچ جائے، آخر مغیرہ نام کے ایک بااثر شخص نے عبدالمطلب کو مشورہ دیا کہ کسی کاہن سے مل کر اس کا بدل معلوم کریں، اس وقت یثرب میں ایک کاہنہ تھی، عبدالمطلب نے جاکر سارا معاملہ اس کو سنایا، اس نے پوچھا آپ لوگوں کے ہاں ایک آدمی کے قتل کی دیت کتنی ہے؟ عبدالمطلب نے بتلایا ایک جان کا بدلہ دس اونٹ، یہ سنکر اس نے یہ طریقہ بتلایا جو ابھی بیان کیا گیا، جب سو اونٹوں کے نام پر قرعہ نکل آیا تو اطمینان کے لئے تین مرتبہ پھر قرعہ اندازی کی، تینوں دفعہ میں اونٹوں کے نام پر قرعہ نکلا تب آپ نے سو اونٹ ذبح کئے،

حضرت عبداللہ کی بہادری کا ایک واقعہ؛

حضرت عبداللہ بڑے خوب صورت، بڑے شجاع تھے، اور آپ کی پیشانی نور محمدی کی وجہ سے بڑی روشن نظر آتی تھی، ایسی روشن کہ لوگ آپ کے رخ زیبا کو دیکھ کر تمنا کیا کرتے تھے کہ میں اپنی بیٹی آپ کے نکاح میں دیدوں، بہرحال جب آپ کا قرعہ میں نام نکل آیا تو آپ نے اس کو اپنی خوش قسمتی سمجھا، اور آپ نے بغیر کسی خوف کے اپنے والد سے قربان کردینے کا مطالبہ کیا، یہ آپ کی بہادری کی بات تھی، ورنہ آج کے زمانہ میں کون ایسا ہے کہ اپنی جان قربان کردے،

○ اہل کتاب نے حضرت عبداللہ میں بعض ایسی علامات دیکھ لی تھیں جن سے پتہ چلتا تھا کہ پیغمبر آخر الزماں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی صلب سے پیدا ہوں گے، جس کی وجہ سے وہ لوگ ہر وقت اس فکر میں رہتے تھے کہ کسی طرح آپ کو ختم کردیا جائے، تاکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں تشریف ہی نہ لائیں، (یعنی پیدا ہی نہ ہوں)،

○ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ اہل کتاب کی ایک جماعت ہاتھوں میں تلواریں لئے ہوئے حضرت عبداللہ کے قتل کے ارادہ سے نکلی، اور آپ کو ایک جنگل میں..... شکار کھیلتے ہوئے چاروں طرف سے گھیر لیا، اتفاق سے اسی جنگل میں حضرت آمنہ کے والد وہب بن مناف بھی گئے ہوئے تھے، وہب نے قدرت کا عجیب نظارہ یہ دیکھا کہ چند سوار آئے اور اہل کتاب کے اس گروہ کو عبداللہ کے پاس سے مار مار کر بھگا دیا، اور وہ سب جان بچا کر بھاگے،

جناب عبداللہ کی حضرت آمنہ سے شادی کی تیاری؛

عبدالمطلب جب قربانی کی اس رسم سے فارغ ہوگئے تو آپ کو اب فکر ہوئی کہ اپنے بیٹے عبداللہ کی شادی کے فرض سے بھی سبکدوش ہوجاؤں، مکہ کا ہر بیٹی والا باپ اور ہر لڑکی آپ سے نسبت کو اپنی خوش قسمتی سمجھتے تھے لیکن عبدالمطلب نے مکہ میں قبیلہ بنی زہرہ کے ایک خوش قسمت شخص جناب وہب کے پاس پیغام بھیجا، جو جنگل میں شکار کے وقت آپ کی بہادری کے جوہر دیکھ چکے تھے، اور اسی واقعہ سے وہب جناب عبداللہ کے گرویدہ ہوگئے تھے، ان کی صاحبزادی حضرت آمنہؓ حسن وجمال اور شرافت کا پیکر تھی، ایسی لڑکی مکہ بھر میں نہ تھی،

وہب نے اپنے اور اپنی بیٹی "آمنہ" کے لئے باعثِ رحمت سمجھا اور فوراً منظور کر لیا، منظوری کے بعد جناب عبدالمطلب اپنے بیٹے جناب عبداللہ کو نکاح کے لئے لے گئے، اور نکاح کے فرض سے سبکدوش ہو گئے، نکاح کے وقت جناب عبداللہ کی عمر مبارک سترہ سال تھی،

○ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ عبدالمطلب جب اپنے صاحبزادہ عبداللہ کو نکاح کے لئے لیکر چلے تو راستہ میں ایک کاہنہ کے قریب سے گذر ہوا، جو یہودی ہو گئی تھی، اور کتب سابقہ پڑھی ہوئی تھی، اس نے عبداللہ کے چہرہ میں نورِ نبوت دیکھا تو عبداللہ کو اپنی طرف بلایا، مگر آپ نے انکار کر دیا،

جناب عبداللہ سے تمنائے نکاح رکھنے والی عورتوں کا انجام؛

○ نکاح ہو جانے کے بعد جو عورتیں آپ سے نکاح کی خواہش مند تھیں نور محمدیؐ رحم آمنہ میں منتقل ہونے کے بعد ان عورتوں پر جو کچھ گذری وہ خدا ہی جانتا ہے، بہت سی عورتیں یہ صدمہ برداشت نہ کر سکیں، اور دل ہی دل میں تمنا لئے ہوئے دنیا سے کوچ کر گئیں، مصنف تاریخ اسلام مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھیؒ نے ایسی عورتوں کی تعداد دو سو لکھی ہے، (تذکرِ رسولؐ)

وفاتِ عبداللہ؛

○ عام طور پر اہلِ مکہ تجارتی سلسلہ میں ملک شام آتے جاتے رہتے تھے، جناب عبداللہ بھی شادی کے بعد ایک قافلہ کے ساتھ شام گئے، وہاں سے واپس آتے ہوئے راستہ میں بیمار ہو گئے، بیماری کے دوران اپنی ننھیال (یثرب) مدینہ منورہ میں رُک گئے، عبدالمطلب کو کیا خبر تھی کہ میرے بیٹے کا یہ سفر ایسا ہے جس سے واپس لوٹنا نصیب نہ ہوگا، حضرت عبداللہ بھی اپنی شادی کی بہار نہ دیکھ سکے، اور یثرب میں ہی وقت اجل آپہنچا، وہیں خدا کو پیارے ہو گئے، جب جناب عبداللہ کو واپس پہنچنے میں دیر لگی اور کانوں نے اُن کی وفات کی خبر سُنی تو عبدالمطلب نے اپنے بڑے بیٹے حارث کو خیر خبر لینے کے لئے بھیجا، یثرب پہنچ کر معلوم ہوا کہ عبداللہ کے انتقال کو تو کافی دن گذر گئے،

وفات کے وقت آپ کی عمر ۲۵ سال تھی، بعض حضرات نے ۲۸، ۳۰، اور تیس سال بھی بیان کی ہے، مگر ہمارے نزدیک ۱۸ سال کا قول قوی معلوم ہوتا ہے، کیونکہ نکاح کے وقت آپ کی عمر ۱۷ سال تھی، اور آپ نکاح کے کچھ ہی دن بعد تجارتی سفر پر شام چلے گئے تھے،

اٹھارہ سال کا قول اس لئے بھی قوی معلوم ہوتا ہے کہ جب آپ نکاح کے لئے تشریف لے جا رہے تھے تو راستہ میں جو یہودی عورت فاطمہ بنت مرحوم توراۃ و انجیل کی تعلیمات سے واقف تھی اور کاہنہ بھی تھی، اس نے آپ کے چہرۂ مبارک پر انوارِ نبوت دیکھ کر اپنی طرف بلایا، اور سو اونٹ نذر کرنے کی پیش کش کی، تو حضرت عبداللہ نے انکار کر دیا، (یہ روایت حضرت ابن عباسؓ کے حوالہ سے جناب عبداللہ کی شادی کی تیاری کے ضمن میں گذر چکی ہے)

حضرت عبداللہ حضرت آمنہ سے نکاح کر کے تین دن بعد واپس ہوئے تو اسی فاطمہ نے حضرت عبداللہ سے دریافت کیا کہ تم تین دن پہلے کہاں گئے تھے؟

آپ نے حضرت آمنہ سے نکاح کا بتلایا، اس نے یہ سُنکر کہا، بخدا میں کوئی بدکار عورت نہیں، صرف آپ کے چہرہ پر انوار نبوت دیکھ کر میری تمنا ہوئی کہ یہ نور میرے اندر منتقل ہو جائے۔

اس تشریح سے یہ فیصلہ بآسانی کیا جا سکتا ہے کہ وہ نورِ نبوت حضرت آمنہ میں منتقل ہونے کے بعد کتنی مدت آپ کے پیٹ میں رہا؟ جبکہ اصحاب سیر نے یہاں تک لکھدیا ہے کہ حضرت عبداللہ آپؐ کی ولادت پاک سے دو مہینے پہلے وفات پا گئے تھے، اور آپؐ شکمِ آمنہ سے یتیم پیدا ہوئے تھے، جس کی طرف قرآن پاک میں ان الفاظ میں اشارہ کیا گیا ہے:

اَلَمْ یَجِدْكَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی،
"کیا اللہ نے آپؐ کو یتیم نہیں پایا پھر ٹھکانا دیا"

پہلا باب ختم ہوا۔

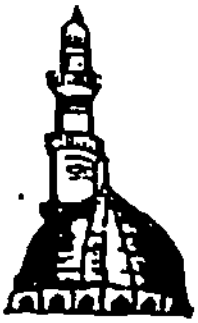

(۲)

باب دوم

ولادت باسعادت کے متعلق بشارات کے بیان میں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادتِ باسعادت کے متعلق قرآن کریم نے بتلایا کہ توراۃ وانجیل میں آپؐ کے متعلق اتنی صاف اور واضح بشارتیں موجود تھیں کہ آپؐ کے علاوہ کسی اور پر صادق ہی نہیں آتیں، ارشاد ہے:

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ ؛ (پ۹، ع ۹)	"وہ لوگ جو اس نبی امی رسولؐ کی پیروی کرتے ہیں جس کی صفات کو یہ لوگ توراۃ وانجیل میں جو اُن کے پاس موجود ہیں لکھا ہوا پاتے ہیں" (کشف الرحمٰن)

اگرچہ توراۃ وانجیل کے ماننے والوں نے اب تو ان کو اتنا مسخ کر دیا ہے کہ نام ہی نام رہ گیا ہے، پھر بھی اپنے ارادوں میں یہ قوم کامیاب نہیں ہوئی، اور آپ کے متعلق بشارتیں موجود رہ گئیں،

○ تفصیل بقدر آن میں ہے:

"توراۃ کی طرح عہد نامہ جدید اناجیل میں بھی تحریف لفظی ومعنوی کے باوجود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے متعلق بشارات ملتی ہیں" (جلد چہارم)

قرآن کریم میں فرمایا گیا:

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ؛ (پ۲، ع ۱)	"جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس رسولؐ کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں"

○ تفاسیر میں منقول ہے کہ جب کسی نصرانی سے مسلمان ہونے کے بعد یہ سوال کیا جاتا کہ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت تم کو فی الواقع اولاد کی سی ہی معرفت حاصل تھی تو انھوں نے جواب دیا بلکہ اپنی اولاد سے بھی بڑھکر، کیونکہ اپنی اولاد کا یقین تو ہم کو صرف ایک عورت یعنی اس کی والدہ کے بیان پر ہوتا ہے، جس کی دیانت اور صداقت میں شبہ کی گنجائش نکل سکتی ہے، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت تو ہم کو اُن صحفِ سماویہ کے ذریعہ

حاصل تھی جس میں شک و تردد کی کوئی گنجائش نہیں ہو سکتی۔ (ترجمان السنۃ جلد چہارم)

○ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ قبیلہ بنو نضیر اور بنو قریظہ کے علماء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے آپ کا حلیہ مبارک اور آپ کی تمام علامات بیان کیا کرتے تھے، حتیٰ کہ جب سُرخ رنگ کا ستارہ طلوع ہوا تو بتلایا کہ یہ آپ کے ظہور کی علامت ہے، یقیناً آپ اللہ کے (سچے) نبی ہیں، اور آپ کے بعد اور کوئی نبی نہیں ہوگا، آپ کا اسم مبارک "احمد" اور آپ کی ہجرت گاہ کا نام "یثرب" ہے، مگر جب آپ مدینہ تشریف لائے تو ان ہی یہود نے آپ پر حسد کیا اور آپ کا انکار کیا اور کافر بن گئے،

○ اہلِ کتاب کا حضورؐ کا وسیلہ دے کر دُعا کرنا؛

تورات و انجیل کی بشارات کی وجہ سے یہود آپ کی آمد کی بے قراری سے منتظر تھے، چنانچہ حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ قبیلہ غطفان اور یہود میں آپ کی بعثت سے پہلے جنگ ہوئی، تو خیبر کے یہودی اپنی کامیابی کے لئے یوں دعا مانگتے تھے:

"خدایا! ہم تجھ سے اس نبی اُمّی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا واسطہ دے کر دعا مانگتے ہیں جن کے متعلق تو نے فرمایا ہے کہ وہ آخر الزماں ہوں گے کہ تو ہم کو فتح و نصرت عطا فرما۔" (ذکر رسولؐ)

قرآن کریم میں ان لوگوں کے دعائیں کرنے کا ان الفاظ میں بیان فرمایا گیا ہے:

وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهٖ (پ۱، ع ۱۱)	"حالانکہ پہلے (یہود) کافروں کے خلاف فتح کی دعا کیا کرتے تھے، پھر جب وہ ان کی جانی پہچانی چیز آگئی تو اس کا انکار کر دیا۔"

○ عیسیٰ علیہ السلام کی زبانی بشارت؛

بنی اسرائیل کے آخری نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں، آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کے متعلق بشارت ان الفاظ میں سُنائی:

وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ (پ۲۸، ع ۹)	"اور میں ایک ایسے رسول کی بشارت دیتا ہوں جو میرے بعد تشریف لائیں گے اور ان کا نام احمد ہوگا۔"

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اس بشارت میں فرمایا یَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي، "بعدی" سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے بعد مبعوث ہوں گے، میرے اور آپ کے درمیان اور کوئی نبی نہیں آئے گا، چنانچہ تاریخ بتلاتی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام سے پانچسو اکہتر سال بعد آپ کی ولادت باسعادت ہوئی، اس درمیان میں اور

کوئی نبی نہیں آیا،

○ سلمان فارسیؓ کے ایمان لانے کا سبب؛

سلمان فارسیؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور صحابی ہیں، فارس کے رہنے والے ہیں، مجوسی باپ کے اکلوتے بیٹے ہیں، دینِ حق کی تلاش میں ملکِ شام ایک راہب کے پاس پہنچے، اس کے انتقال کے بعد شہر موصل دوسرے راہب کے پاس پہونچے، موصل کے راہب کے انتقال کے بعد نصیبین ایک اور پادری کے پاس پہونچے، نصیبین کے راہب نے اپنی وفات سے پہلے ایک اور راہب کا پتہ دیا، عموریہ پہونچ کر اس راہب کے پاس بھی زیادہ دن رہنے کا موقع نہ ملا جب اس کا اخیر وقت آیا تو آپ نے اس سے پوچھا اب کس راہب کے پاس جاؤں؟ تو اس نے حضرت سلمانؓ کو جواب دیا، اب میرے علم میں ایسا کوئی راہب نہیں جس کے پاس جانے کا میں تمہیں مشورہ دوں، بس اب تم نبی آخر الزماں (صلی اللہ علیہ وسلم) کا انتظار کرو، ان کے تشریف لانے کا زمانہ قریب ہے، وہ دینِ ابراہیمی لیکر تشریف لائیں گے، وہ عرب میں ظاہر ہوں گے، اور ایسے شہر کی طرف ہجرت کریں گے جس کے دونوں طرف پتھریلی زمین ہوگی، اور وہاں کھجوروں کے باغ ہوں گے،

اس راہب نے آپؐ کی آمد کی بشارت دی اور دم نکل گیا، اور سلمان فارسی آزاد باپ کے بیٹے آزاد ہوتے ہوئے غلام بن کر مشقتیں برداشت کرتے ہوئے مدینہ پہنچ گئے، اور غلامی کی زندگی بادلِ ناخواستہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کے انتظار میں ہنسی خوشی گذارتے رہے، اور آپؐ کی ہجرت کے بعد مشرف باسلام ہوئے، اس واقعہ کو ہم نے مختصراً بیان کیا ہے، جس سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ آپؐ کی آمد کا یقین اہلِ کتاب کے رہبان کو بھی تھا، کیونکہ اُن کے راہب کی وصیت پر آپ مدینہ طیبہ پہنچے،

○ شاہ نجاشی کا واقعہ؛

ابتداء اسلام کا واقعہ ہے کہ مشرکینِ مکہ نے مسلمانوں پر ظلم وستم کے اتنے پہاڑ توڑے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مسلمانوں کی تکلیف دیکھی نہ گئی، اس لئے آپؐ نے مظلوم مسلمانوں سے فرمایا اگر کسی ملک میں تمہیں امن سے رہنے کی جگہ ملے تو مکہ چھوڑ کر وہاں چلے جاؤ، اس کے بعد پندرہ کے قریب مسلمان ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے، یہ واقعہ ماہ رجب ۵ نبوی مطابق ۶۱۵ء کا ہے، حبشہ کے بادشاہ کا لقب "نجاشی" تھا، اور مذہبًا عیسائی تھا، تورات وانجیل کی بہت معلومات رکھتا تھا، مشرکینِ مکہ نے حبشہ جاکر مسلمانوں کے خلاف نجاشی کے خوب کان بھرے، اور بڑی کوشش کی کہ کسی طرح مسلمانوں کو اپنے ملک سے نکال دے، مگر نجاشی نے مشرکین کا مطالبہ ماننے سے انکار کر دیا، اور مسلمانوں کو بلا کر ان سے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کچھ سوالات کئے، مسلمانوں کے نمائندہ حضرت جعفر طیارؓ نے پوری حقیقت بتلائی، (یہ حضرت جعفر طیارؓ اور نجاشی کی تفصیلی گفتگو ہجرت حبشہ میں مفصل ہے)

اس کے بعد نجاشی کی فرمائش پر قرآن کریم کی سورہ مریم کی چند آیتیں تلاوت کیں، نجاشی ادب کے ساتھ گردن جھکائے سنتا رہا، اور اس کے بعد تمام مقربین کی آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑی بندھ گئی، قرآن کریم میں اسی واقعہ کا ذکر ان الفاظ کیا گیا ہے:

وَإِذَا سَمِعُوا مَا أُنْزِلَ إِلَى الرَّسُولِ تَرَى أَعْيُنَهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوا مِنَ الْحَقِّ يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ ۝

(پ ۷، ع ۱)

"اور جب وہ اُس (قرآن) کو سنتے ہیں جو نازل ہوا، (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) پر تو آپ اُن کی آنکھوں سے آنسو بہتے ہوئے دیکھتے ہیں اس وجہ سے انھوں نے حق بات کو پہچان لیا، کہتے ہیں اے ہمارے رب ہم مسلمان ہوگئے تو ہم کو بھی تصدیق کرنے والوں کے ساتھ لکھ دے"

حضرت جعفرؓ تلاوت سے فارغ ہوئے تو نجاشی نے فوراً اُن کے ہاتھ پر اسلام قبول کرلیا، یہی نجاشی تھا جس کے انتقال پر اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو بذریعہ وحی مطلع فرمایا، اور آپؐ نے اس کے جنازہ کی نماز پڑھی، علماء نے لکھا ہے کہ نمازِ جنازہ کے وقت اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے لئے درمیان سے تمام حجابات ہٹا دیئے تھے، اور جنازہ سامنے تھا، جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ اور منفرد واقعہ تھا،

○ ورقہ بن نوفل کی آپؐ کی امداد کے لئے تمنائے زندگی:

اللہ تعالیٰ نے جب آپؐ کو نبوت سے سرفراز فرمایا اور آپؐ غارِ حرا سے مکان پر تشریف لائے تو اپنی زوجہ محترمہ اُم المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کو اپنے ساتھ گذرا ہوا واقعہ سنایا، ام المؤمنینؓ آپؐ کو اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں، ورقہ تورآۃ وانجیل کے بڑے ماہر اور عالم تھے، اور عبرانی زبان بھی خوب جانتے تھے، حضرت خدیجہؓ نے کہا اپنے بھتیجے کی بات سنئے! ورقہ نے کہا، جناب کیا بات ہے؟ آپؐ نے جبرئیلؑ کے دبانے اور اِقْرَأْ کہنے کا پورا واقعہ سنایا، ورقہ نے پوری بات سُنکر عرض کیا:

"یہ وہی ناموس ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے پاس بھیجا تھا، کاش! اس وقت میں جوان ہوتا اور زندہ رہتا، جب آپؐ کی قوم آپؐ کو مکہ سے نکالے گی" (بخاری باب کیف کان بدء الوحی)

ورقہ سے یہ الفاظ سُنکر آپؐ نے تعجب سے پوچھا، کیا مجھ کو میری قوم نکال دے گی؟ ورقہ نے جواب دیا، جی ہاں!

پھر ورقہ نے کہا:

"جب بھی کوئی اس چیز کو لے کر آیا جو آپؐ کو اللہ نے عطاء کی ہے (قرآن) تو لوگ اس کے دشمن ہوتے رہے ہیں، اُس زمانہ میں اگر میں زندہ رہا تو آپ کی بھرپور مدد کروں گا" (بخاری باب کیف کان بدء الوحی)

لیکن ورقہ کی عمر نے وفا نہ کی اور کچھ دنوں بعد انتقال ہوگیا،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے متعلق بشارات کا باب بڑا وسیع ہے، مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحؒ نے اپنی تصنیف "سیرت المصطفیٰ" جلد سوم میں صفحہ ۴۵۳ سے ۴۶۵ تک بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے،

ہم چند بشارات پر اکتفار کرتے ہیں، اگر کوئی آپؐ پر ایمان لاتا ہے تو اس کا اپنا فائدہ ہے، نہیں لاتا تو آپ کی شان میں کوئی کمی نہیں آتی،

آفتاب آمد دلیلِ آفتاب

بشارات کے بعد مشہور تاریخی واقعہ فیل جو آپ کی ولادتِ پاک سے پچاس یا پچپن دن پہلے پیش آیا بیان کیا جاتا ہے

ولادتِ پاک سے پہلے واقعہ فیل

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے تقریباً پچاس روز پہلے ایک محیر العقول واقعہ پیش آیا جس سال یہ واقعہ پیش آیا اس سال کو اہلِ عرب اور مؤرخین "عام الفیل" کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی سورۂ فیل میں اس واقعہ کو بیان فرمایا ہے،

اس واقعہ کا پس منظر یوں بیان کیا گیا ہے کہ حبشہ کے بادشاہ کی طرف سے یمن میں ایک گورنر ابرہہ نام کا مقرر تھا، اس نے خانۂ کعبہ کی مقبولیت دیکھ کر اس کی مخالفت میں ایک عالی شان گرجا بنایا جس میں طرح طرح کے تکلفات اور راحت و آرام کے تمام سامان رکھے، تاکہ لوگ اس کی طرف متوجہ ہوں، اور خانۂ کعبہ کی عظمت لوگوں کے دلوں سے کم ہو جائے، عربوں کو قدرتی طور پر خانۂ کعبہ سے اُنس اور محبت تھی، اس لئے ابرہہ کی یہ گستاخی ان سے برداشت نہ ہو سکی، چنانچہ ایک عرب غصہ میں آکر اس گرجا میں بول و براز کر آیا، اتفاق کی بات کہ اس واقعہ کے بعد ایک عرب قافلہ نے رات گذارنے کے لئے اس گرجا کے قریب قیام کیا، قافلہ نے وہاں اپنی کسی ضرورت سے آگ جلائی، تیز ہوا کی وجہ سے آگ کی ایک چنگاری اُڑ کر گرجا میں جا گری وہ گرجا تھوڑی سی دیر میں جل کر راکھ کا ڈھیر بن گیا، جس کی وجہ سے ابرہہ غصہ میں آگ بگولا ہو گیا، اور قسم کھائی کہ جب تک (معاذ اللہ) خانۂ کعبہ کی اینٹ سے اینٹ نہ بجادوں گا چین سے نہ بیٹھوں گا، چنانچہ وہ جوش میں فوج اور ہاتھیوں[1] کو لے کر خانۂ کعبہ کی طرف روانہ ہو گیا، اور راستہ میں جس نے بھی مزاحمت کی اس کو شکست دے کر آگے بڑھتا رہا، جب طائف کے قریب پہنچا تو اہل طائف نے جان بچانے کے لئے مکہ معظمہ کا راستہ بتانے کے لئے ابورغال نامی شخص کو ساتھ کر دیا،

ابورغال غدار کا حشر:

ابورغال ابرہہ کو راستہ بتلا رہا تھا کہ مکہ پہنچنے سے پہلے ہی مُغمّس[2] مقام پر اس کا دم نکل گیا، عربوں نے اس کی

---

[1] ہاتھیوں کی تعداد تیرہ تھی (محمد رسول اللہ ص۹۲) [2] یہ مکہ معظمہ سے چار میل کے فاصلہ پر طائف کے راستہ میں ایک مقام تھا (سیرت محمد رسول اللہ ص۹۲)

قبر پر خوب پتھر مارے اور آج تک اس غدار کی قبر پر گذرتے ہوئے لوگ پتھر برساتے ہیں،

ابرہہ کا اہلِ مکہ کو پیغام:

مُغمَّس مقام پر اہلِ مکہ اور قریش کے اونٹ چر رہے تھے، ابرہہ کے فوجیوں نے اونٹ پکڑ لئے، ان میں دو سو اونٹ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جدامجد عبدالمطلب کے بھی تھے، آپ خاندانِ قریش کے سردار اور کعبۃ اللہ کے متولی تھے ابرہہ نے پیغام بھیجا کہ ہم اس نیت سے زبردست فوج اور بڑے خونخوار ہاتھی لے کر آئے ہیں، ہمارا مقصد خانہ کعبہ کو مسمار کرنا (گرانا) ہے، اگر اہلِ مکہ نے ہمارے اس کام میں رکاوٹ نہ ڈالی تو ہم کچھ نہ کہیں گے، ابرہہ کا آدمی جب یہ پیغام لے کر مکہ پہنچا تو اہلِ مکہ نے جواب دیا کہ ہمارے سردار عبدالمطلب ہیں اُن سے بات کرو، ابرہہ کا آدمی عبدالمطلب سے ملا اور پیغام پہنچایا،

ابرہہ کو عبدالمطلب کا جواب:

آپ نے جواب دیا ہم بھی ابرہہ سے لڑنے کا ارادہ نہیں رکھتے، نہ ہمارے پاس اتنی طاقت ہے کہ ہم جنگ کریں ابرہہ کے ایلچی نے عبدالمطلب سے یہ بات کہی، پھر تو آپ کا اور ہمارا کوئی جھگڑا ہی نہیں، بہتر ہو کہ میں آپ کی ابرہہ سے ملاقات کرا دوں، آپ ملاقات کے لئے فوراً چل دیئے، ابرہہ کے پاس پہنچے تو وہ آپؐ کے چہرہ پر نظر پڑتے ہی ایسا مرعوب ہوا کہ اپنی مسند سے اُتر کر نیچے کھڑا ہو گیا، اور ترجمان کے ذریعہ دریافت کیا ــــــ "آپ کیا چاہتے ہیں؟" آپ نے جواب دیا میں کچھ نہیں چاہتا، میرے تو اونٹ دیدیئے جائیں، جو تیرے آدمی پکڑ کر لے آئے ہیں، ابرہہ کو تعجب ہوا اور کہنے لگا:

عبدالمطلب! میں تو آپ سے عقیدت رکھتا تھا، مگر آپ کے اونٹوں کے مطالبہ سے وہ عقیدت ختم ہو گئی، آپ نے اونٹوں کا تو مطالبہ کر دیا اور کعبہ جو تمہارے عقیدہ کے مطابق مقدس اور خدا کا گھر ہے اس کا ذکر فکر بھی نہیں، جس کو مسمار کرنے کے لئے ہمارے یہ ہاتھی اور فوج آئی ہے،

عبدالمطلب نے جواب دیا: میں اونٹوں کا مالک ہوں، اس لئے مجھے ان کی فکر ہے، رہا بیت اللہ تو اس کا میں مالک نہیں، اس کا مالک (خدا) اس کی خود حفاظت کرے گا، ابرہہ نے ان کے جواب سے اندازہ کر لیا کہ عبدالمطلب ہمارے ارادہ (حملہ) میں رکاوٹ نہیں بنیں گے، اس لئے اس نے آپ کے اونٹ واپس کر دیئے، آپ نے وہ اونٹ کاٹ کر تمام اہلِ مکہ کو کھلا دیئے،

اس کے بعد آپ اپنے چند ساتھیوں کو لے کر خانہ کعبہ میں آئے اور باب کعبہ پر کھڑے ہو کر خوب دعائیں مانگیں، اور کہا:

"خدایا! ہم بڑے کمزور ہیں، ہم میں ابرہہ کی فوجوں سے مقابلہ کی طاقت و ہمت نہیں، خدایا! اپنے گھر کی آپ ہی غیب سے حفاظت کرنے والے ہیں"

اور چند اشعار پڑھے، ان میں سے دو شعر یہ تھے:

يَارَبِّ لَا أَرْجُوْا لَهُمْ سِوَاكَا ؛ يَارَبِّ فَامْنَعْ مِنْهُمْ حِمَاكَا
إِنَّ عَدُوَّ الْبَيْتِ مَنْ عَادَاكَا ؛ إِمْنَعْهُمْ أَنْ يَخْرِبُوْا فِنَاكَا

"یعنی اے میرے رب تیرے سوا اس لشکر کے مقابلہ کی مجھے کسی سے امید نہیں، الٰہی! تو ان دشمنوں سے اپنے گھر کو بچالے، اس گھر کا دشمن وہی ہے جو تیرا دشمن ہے، اگر یہ تیرے گھر کے صحن کو ویران بنائیں تو ان کو اس حرکت سے باز رکھ۔"

خدائی فوج چڑیوں کے ذریعہ بیت اللہ کی حفاظت:

عبد المطلب دعاء سے فارغ ہوئے اور اپنی قوم سے کہا: تم سب اپنے اہل وعیال کو لے کر پہاڑوں اور حفاظت کی جگہ چلے جاؤ اور خدا کی قدرت کا مشاہدہ کرو کہ غیب سے اپنے گھر کی کیسے حفاظت کرتا ہے،

چنانچہ ادھر ابرہہ نے اپنے ہاتھیوں اور فوجیوں کو خانہ کعبہ کی طرف بڑھنے کا اشارہ کیا اُدھر جدہ کی طرف سے چڑیوں کی خدائی فوج حرکت میں آگئی، ہر ایک کی چونچ اور پنجوں میں کنکریاں تھیں، اور پلک جھپکنے بھی نہ پائی تھی کہ ان کنکریوں سے ابرہہ کی فوج پر بمباری شروع کردی، جس پر وہ کنکری پڑی اس کو سانس لینے کی بھی مہلت نہ ملی، اور ان کنکریوں نے بندوق کی گولی سے بھی زیادہ کام کیا، گولی فوجی کے سر پر گرتی چیرتی ہوئی زمین پر گرتی اور زمین میں گھس جاتی، فوجیوں کی لاشیں جب زمین پر گرنی شروع ہوئیں تو ہاتھی بھاگنے لگے،

ابرہہ کے ہاتھی کا نام محمود تھا، اس نے اس پر سوار ہو کر خانہ کعبہ کی طرف بڑھنے کا ارادہ کیا تو ہاتھی وہیں بیٹھ گیا بہت مارا پیٹا، مگر وہ وہاں سے نہیں ہلا، آخر مجبور ہو کر اس کا یمن کی طرف رُخ کیا، تو فوراً چلنے لگا، پھر دوسری طرف رُخ کیا تو اُدھر بھی چلنے لگا، شام کی طرف رُخ موڑا تو اُدھر بھی چل دیا، اس کے بعد پھر مکہ کی طرف چلانا چاہا تو پھر بیٹھ گیا،

دراصل یہ عذاب خداوندی تھا جو اللہ تعالیٰ نے ابابیل کی شکل میں ابرہہ اور اس کی فوجوں پر بھیجا تھا، قرآن پاک کے پارۂ عمّ کی سورۂ فیل میں اسی واقعہ کا بیان کیا گیا ہے،

أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحٰبِ الْفِيْلِ ۝ أَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ ۝ وَّأَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا أَبَابِيْلَ ۝ تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ۝ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّأْكُوْلٍ ۝	(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آپ کو معلوم نہیں کہ آپ کے رب نے ہاتھی والوں کیا معاملہ کیا؟ کیا ان کی تدبیر کو سرتاپا غلط نہیں کردیا؟ اور ان پر غول کے غول پرندے بھیجے، جو ان لوگوں پر پتھر کی کنکریاں پھینکتے تھے، سو اللہ تعالیٰ نے ان کو کھائے ہوئے بھوسے کی طرح کردیا۔

یہ واقعہ جس جگہ پیش آیا اس کو "وادی محسر" کہتے ہیں جو مزدلفہ سے ملا ہوا ایک میدان ہے، یہاں سے حاجی لوگوں

کو تیزی سے نکلنے کا حکم ہے،

اس جگہ علامت بنا کر لکھ دیا گیا ہے کہ اس وادی سے جلدی نکلو، مزدلفہ، منیٰ، اور عرفات کے درمیان ایک میدان ہے، حاجی ۹ ذی الحجہ کو حج سے فارغ ہو کر جب واپس لوٹتے ہیں تو مزدلفہ ہی میں رات کو قیام کرتے ہیں اور یہاں مغرب و عشاء ایک ساتھ پڑھتے ہیں، یعنی پہلے مغرب پڑھتے ہیں، مغرب کی نماز کا سلام پھیر کر عشاء پڑھتے ہیں،

واقعۂ فیل کب پیش آیا؟

مصنف "رحمۃ للعالمین" لکھتے ہیں: اصحاب فیل کا حملہ مکہ معظمہ پر محرم کی ۷ تاریخ کو ہوا تھا..... یہ واقعہ پیدائش نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پچاس دن پہلے کا ہے، وہ اس طرح کہ محرم کے ۱۳ دن صفر کے ۲۹ دن اور ربیع الاول کے ۸ دن، اس طرح سب ملا کر ۵۰ دن ہوئے،

اس حساب کے مطابق ولادت پاک ۹ ربیع الاوّل کو ہوئی،

اللہ تعالیٰ نے اپنے گھر کی حفاظت جس حیرت انگیز طریقہ پر ایک چھوٹے سے جانور کے ذریعہ کرائی یہ تاریخ میں پہلا اور انوکھا واقعہ تھا، عبدالمطلب اور اہل مکہ نے اس پر جتنی بھی خوشی منائی وہ کم تھی،

ایک تاریخی روایت یہ بھی ہے کہ جناب عبدالمطلب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی والدۂ ماجدہ حضرت آمنہ کو دعاء کے وقت اپنے ساتھ خانۂ کعبہ میں لے گئے، اور دعا کی: یارب البیت! میری بہو کے پیٹ میں جو بچہ امانت ہے اس کی برکت سے ابرہہ اور اس کی فوج سے اپنے گھر کو بچالے،

ہوسکتا ہے اس طرح دعاء مانگی ہو، کیونکہ اس واقعہ کے پچاس دن بعد تو آپؐ کی ولادت ہو ہی گئی تھی، اور ایام حمل میں حضرت آمنہ بڑے اچھے اچھے خواب دیکھتی تھیں، خوابوں کے علاوہ محیر العقول واقعات بھی آپ کے ساتھ گزرتے تھے، ان باتوں کی وجہ سے عبدالمطلب کو بھی اندازہ ہو گیا تھا کہ میری بہو کے پیٹ سے کوئی ہونہار بچہ پیدا ہوگا،

ابرہہ کا عبرتناک انجام:

فوجیوں کا جو حشر ہوا وہ آپ نے پڑھ لیا، اب ابرہہ کا انجام پڑھئے: معارف القرآن میں ہے:

"ابرہہ کو چونکہ سخت سزا دینی تھی یہ فوراً ہلاک نہیں ہوا، مگر اس کے جسم میں ایسا زہر سرایت کر گیا کہ اس کا ایک ایک جوڑ گل سڑ کر گرنے لگا، اسی حال میں اس کو واپس یمن لایا گیا، دارالحکومت صنعاء پہونچ کر اس کا سارا بدن ٹکڑے ٹکڑے ہو کر بہ گیا اور مر گیا، ابرہہ کے ہاتھی محمود کے ساتھ دو ہاتھی باقی یہیں مکہ مکرمہ میں رہ گئے، مگر وہ دونوں اندھے اور اپاہج ہو گئے تھے، محمد بن اسحٰق نے حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ میں نے اُن دونوں کو اس حالت میں دیکھا ہے کہ وہ اندھے

اور اپاہج تھے، اور حضرت صدیقہ عائشہؓ کی بہن اسماءؓ نے فرمایا کہ میں نے دونوں اپاہج اندھوں کو بھیک مانگتے ہوئے دیکھا ہے۔" (معارف القرآن جلد ہشتم)

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِی الْاَبْصَارِ ۝

"بیشک اس (واقعہ) میں اہلِ بصیرت کیلئے بڑا سبق ہے"

واقعۂ فیل کے بعد عبدالمطلب اور قریش کے وقار میں اضافہ؛

اس محیر العقول واقعہ کا اثر یہ ہوا کہ لوگوں کے دلوں میں خانۂ کعبہ اور اس کے ساتھ عبدالمطلب اور آپ کی قوم قریش کے وقار میں اضافہ ہوگیا، اور لوگ سمجھنے لگے کہ یہ لوگ واقعی مقبول بارگاہ ہیں، جو اللہ کے گھر کی خدمت کا نتیجہ ہے، اور مکہ معظمہ سے باہر اگر کسی جگہ جاتے تو وہاں کے باشندے بھی اُن کی عزت کرتے

○ روایت ہے کہ جب ابرہہ مکہ پر چڑھائی کے ارادہ سے چلا تو عبدالمطلب قریش کے چند آدمیوں کو لیکر جبلِ ثبیر پر چڑھے تو اس وقت نور مبارک عبدالمطلب کی پیشانی میں گول نور بطور ہلال (گول چاند کی طرح) نمودار ہوکر خوب روشن ہوا، یہاں تک کہ اس کی شعاع خانۂ کعبہ پر پڑی، عبدالمطلب نے یہ بات دیکھ کر اپنے ساتھی قریش سے کہا: چلو یہ نور جو اس طرح میری پیشانی میں چمکا ہے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ہم غالب رہیں گے (نشر الطیب)

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّمَنْ یُّؤْمِنُوْنَ ۝

"بیشک اس (واقعہ) میں ایمان والوں کیلئے بڑی نشانی ہے"

دوسرا باب ختم ہوا،

(۳)

باب سوم

ولادت سے پہلے اور ولادت کے وقت پیش آنیوالے واقعات

اگرچہ ہمارے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ابھی ولادت نہیں ہوئی تھی مگر اپنی والدہ ماجدہ کے شکم میں آچکے تھے، حضرت آمنہ بیان کرتی ہیں میرے پیٹ میں آتے ہی مجھے بڑے اچھے اچھے خواب نظر آنے لگے تھے، چنانچہ آپ فرماتی ہیں:

① "بخدا! میں نے اپنے سے زیادہ ہلکا پھلکا حمل نہ کسی عورت کا دیکھا نہ سنا، اور میرا یہ حمل بہت برکتوں والا تھا زمانۂ حمل میں دوسری عورتوں کی طرح میرے پیٹ میں درد، مروڑ، ریاح یا اسی قسم کی کوئی تکلیف نہیں ہوئی"

(نشر الطیب)

② بعض روایات میں ہے کہ بی بی آمنہ فرماتی ہیں کہ مجھے اپنے حمل کی خبر نہ تھی، ایک رات مجھ سے خواب میں کسی نے کہا کہ بی بی تمھیں کچھ خبر ہے کہ تمھارے حمل میں سارے جہاں کے سردار اس امت کے نبی تشریف رکھتے ہیں، اس دن سے بی بی آمنہ کو اپنے حمل کا یقین ہوا، (احسن المواعظ)

③ فرماتی ہیں: جب آپؐ میرے پیٹ میں آئے تو ایک رات کی بات ہے کچھ جاگتی تھی اور کچھ سوتی تھی یکایک ایک اجنبی آواز میرے کانوں میں آئی:

"اے آمنہ! تیرے پیٹ میں امت کا سردار ہے جب وہ پیدا ہو تو ان کا نام محمدؐ رکھنا،

اور یوں کہنا اُعِیْذُہٗ بِالْوَاحِدِ مِنْ شَرِّ کُلِّ حَاسِدٍ، (ابن ہشام)

④ آپ کی ولادتِ پاک سے پہلے قریش سخت تنگی اور قحط کا شکار تھے، لیکن شکمِ آمنہ میں ہی آتے خدا نے کیا مکہ کی زمین سرسبز و شاداب ہونی شروع ہوگئی، قریش نے اسی وجہ سے اس سال کا نام "فراخی و مسرت کا سال" رکھا،

⑤ اس کے علاوہ زمانۂ حمل میں بی بی آمنہ کی یہ کیفیت تھی کہ چلتے وقت اگر کوئی سخت پتھر پاؤں کے نیچے آجاتا تو خود بخود نرم ہو جاتا..... چلتے وقت اگر دھوپ تیز ہوتی تو ابر آکر سایہ کر لیتا، کنوئیں یا کسی اور جگہ سے پانی لیتے وقت خود بخود پانی اونچا اور قریب ہو جاتا، اس قسم کے خلاف عادت واقعات کو دیکھ کر حضرت آمنہ کو یقین ہو گیا تھا کہ میرے پیدا ہونیوالا

بچہ بڑا بابرکت اور صاحبِ نصیب ہوگا (ذکرِ رسولؐ)

○ حضرت آمنہ کا بیان ہے کہ حمل کے زمانہ میں میں نے ایک نور دیکھا جس سے شام کے علاقہ بصریٰ کے محلات جگمگا اُٹھے، (مسند احمد، ابن ہشام وغیرہ)

ولادتِ پاک کے وقت عجائباتِ قدرت کا ظہور؛

○ آخر اس ظہورِ قدسی کے ظہور کی ساعتِ سعید اور مبارک وقت آہی گیا جس کی بشارت انبیائے کرام دیتے دیتے دنیا سے رخصت ہوگئے، جس کے لئے ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام نے تعمیرِ بیت اللہ کے وقت دُعا مانگی تھی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام بشارت دیتے دیتے آسمان پر اُٹھالئے گئے، اور ماہ ربیع الاول کو پیر کے دن صبح صادق کے وقت دونوں جہان کے سردار امام الانبیاء آقائے نامدار حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں تشریف لے آئے ؎

بصد انداز یکتائی بغایت شانِ زیبائی
امیں بن کر امانت آمنہ کے گود میں آئی

○ آپؐ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ کا بیان ہے کہ آپؐ کی ولادت کے وقت آسمان کے ستارے جُھکے پڑتے تھے، اور مجھے اندیشہ ہوتا تھا کہ کہیں ٹوٹ کر میرے اوپر نہ گر پڑیں،

○ آپ کا یہ بھی بیان ہے کہ مجھے اپنے بدن سے ایک نور جدا ہوتا ہوا نظر آیا، جس سے سارا گھر روشن ہوگیا، اور وہ نور آسمان کی طرف چڑھا اور مشرق و مغرب کے درمیان پھیل گیا، جس کی روشنی سے بصریٰ و دمشق کے محل مجھکو نظر آنے لگے،

فائدہ:۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آپؐ کی نبوت دور دور تک پھیل جائے گی، اور یہ علاقے اسلام کے زیرِ نگیں ہوں گے،

○ آپؐ کی ولادتِ پاک کے وقت بُت اوندھے مُنہ گرنے لگے، قریش کا ایک بُت تھا کہ وہ اس کی پرستش کے لئے ہر سال عید منایا کرتے تھے وہ بُت بھی مُنہ کے بل گر پڑا، قریش نے اپنے بُت کی جب یہ حالت دیکھی تو بڑا صدمہ ہوا، اس کے بعد مضبوطی کے ساتھ اس طرح کھڑا کر دیا کہ گرے نہیں، اس کے بعد اُسی بُت سے ایک آواز نکلی جس سے آپکی ولادتِ پاک کی اطلاع اور رسالت کا اقرار سنا،

○ حضرت عروہؓ روایت بیان کرتے ہیں کہ قریش کی ایک جماعت جن میں ورقہ بن نوفل اور زید بن عمر نفیل بھی شامل تھے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی شب کو اپنے بُت خانہ میں گئے، تو وہاں کیا دیکھتے ہیں کہ بڑا بُت اوندھے مُنہ پڑا ہوا ہے، ان لوگوں کو بہت تکلیف ہوئی، آخر اس کو اٹھا کر سیدھا کیا، وہ پھر گر پڑا، اسی طرح تین مرتبہ سیدھا کیا، تینوں مرتبہ گر گیا، عثمان بن حویرث بھی اس وقت وہاں موجود تھے، وہ کہنے لگے آج ضرور کوئی نئی بات ہے جس کی وجہ سے یہ بُت گرے جاتا ہے، بُت کے اندر سے خدا کی قدرت سے آواز نکلی، کہ آج ایک فرزند

پیدا ہوا ہے جس کے نور سے مشرق سے مغرب کے میدان تک روشن ہو گئے، اور روئے زمین کے بُت اُن کی تعظیم کے لئے سربسجود ہو گئے، دنیا بھر کے بادشاہوں کے دل اُن کے رُعب سے دہل گئے، شاہ فارس کی آگ بجھ گئی، اور اس کو بڑا صدمہ ہوا، کاہن غیب کی خبریں بتانے والوں کے پاس اُن کے جنات آنے بند ہو گئے۔ (خصائص کبریٰ)

○ حضرت آمنہ فرماتی ہیں جب آپ میرے پیٹ سے باہر آگئے، یعنی ولادتِ پاک ہو گئی تو میں نے اپنے نورِ نظر پر نگاہ ڈالی تو آپ انگلی آسمان کی طرف اٹھائے ہوئے سربسجود ہیں، اور آپ کے چہرہ سے نور کی شعاعیں چھوٹ رہی ہیں، اور بدن سے خوشبو مہک رہی ہے، اور زبانِ مبارک سے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ طجاری ہے (تاریخ اسلام)

○ فاطمہ بنت عبداللہ (والدہ عثمان بن ابی العاص) سے روایت ہے کہ جب آپ کی ولادت شریف کا وقت قریب آیا تو میں نے خانۂ کعبہ کو دیکھا نور سے معمور ہو گیا اور ستارے زمین سے اتنے قریب آگئے کہ مجھ کو گمان ہونے لگا کہ مجھ پر گر پڑیں گے، (بیہقی)

آپ قدرتی طور پر ناف بریدہ اور مختون پیدا ہوئے تھے (بیہقی)

ولادت کے وقت ایک یہودی کا شور!

○ حسّان بن ثابت رضی اللہ عنہ آپ کی ولادت کے وقت سات آٹھ سال کے تھے وہ بیان کرتے ہیں اُس وقت مجھے اتنا شعور تھا کہ بات کو سمجھ لیتا تھا، ایک دن ایک یہودی نے صبح کے وقت چیخنا چلّانا شروع کر دیا، اور کہہ رہا ہے: "اے یہودیو! اِدھر آؤ، میری بات سنو" اس کی آواز پر یہودی اور بہت سے لوگ جمع ہو گئے، لوگ اس سے کہنے لگے، تجھے کیا ہو گیا؟ کیوں چیخ رہا ہے؟ وہ کہنے لگا، اے گروہِ یہود! احمدِ مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ستارہ آج طلوع ہوا ہے وہ آج کی شب پیدا ہوں گے (ابن ہشام)

ولادت کے وقت ایک یہودی کا سوال؛

○ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں جس دن آپ کی ولادت پاک ہوئی اسی دن مکہ میں ایک یہودی نے دریافت کیا، اے قریشیو! کیا آج کی شب میں تمہارے خاندان میں کوئی لڑکا پیدا ہوا ہے؟ لوگوں نے جواب دیا ہمیں معلوم نہیں، وہ کہنے لگا، معلوم کرو، کیونکہ آج کی شب میں اس امت کا نبی پیدا ہوا ہے، اور ان کے نبی ہونے کی پہچان یہ ہے کہ اُن کے دونوں کاندھوں کے درمیان مہرِ نبوت ہے، قریشی اس یہودی سے یہ بات سُنکر پتہ چلانے کے لئے سارے مکہ میں پھیل گئے، تلاش کرتے کرتے پتہ چلا کہ عبداللہ بن عبدالمطلب کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا ہے۔

(ترجمان السنۃ)

ایک یہودی آپ کا دیدار کرتے ہی بیہوش ہو کر گر پڑا!

○ پتہ چل جانے کے بعد وہ یہودی حضرت آمنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور درخواست کی کہ مجھے اپنے بچہ کا دیدار

کرادیں، آپنے اس کی خواہش پر دیدار کرادیا، وہ آپؐ کو دیکھتے ہی غش کھاکر گر پڑا، پھر ہوش میں آنے کے بعد کہنے لگا:

"ہائے افسوس! نبوت کی نعمت بنی اسرائیل سے رخصت ہوئی، اور اے گروہ قریش! سن لو! تم کو اس نبی کے ذریعہ بڑی عزت اور غلبہ حاصل ہوگا، اور آپؐ کی دعوت (نبوت) مشرق سے مغرب تک ساری دنیا میں پھیل جائے گی،" (ترجمان السنہ ج ۴)

ولادت پاک کے وقت کعبۃ اللہ کا جھک کر سیدھا ہوجانا:

○ آپؐ کی ولادت کے وقت عبدالمطلب کعبۃ اللہ میں تھے، اُن کی آنکھوں نے عجیب حیرت انگیز واقعہ دیکھا کہ دفعۃً خانۂ کعبہ کی دیواریں جھکیں پھر خود بخود سیدھی ہوگئیں، جب یہ حیرت انگیز واقعہ دیکھا تو اُسی وقت اپنے بیٹے عبداللہ کی نشانی جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادتِ باسعادت کی خوش خبری کانوں میں پڑی،

(مزید تفصیل آگے آرہی ہے)

ولادتِ باسعادت کے متعلق ضروری وضاحت

●مہینہ ●دن ●تاریخ ●سنہ

آپؐ کی ولادتِ پاک کے سلسلہ میں تین باتیں قابلِ غور ہیں:-

① ولادت باسعادت کس مہینہ میں ہوئی؟ ② کس دن ہوئی؟ ③ کس تاریخ کو ہوئی؟

مورخین اور اہلِ سیر پہلی دو باتوں میں متفق ہیں کہ آپؐ کی ولادت ماہ ربیع الاوّل میں پیر کے دن ہوئی،

○ حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ آپؐ کی ولادت پیر کے دن ہوئی، اور پیر ہی کے دن ہجرت کے وقت مدینہ منورہ میں داخل ہوئے، پیر کے دن ہی آپؐ کو نبوت عطاء ہوئی، اور پیر ہی کے دن وفات ہوئی،

○ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیر کے دن روزہ رکھنے کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا اُس دن میری ولادت ہوئی، اور اسی دن مجھ کو نبوت عطاء ہوئی، (مسلم)

البتہ تیسری بات یعنی تاریخ ولادت میں اہلِ سیر اور ماہرینِ فلکیات کا اختلاف ہے، یہ بات سب واقفین کو معلوم ہے اور ہم بھی "تذکرۂ عیسیٰ علیہ السلام، حصہ اول" میں بیان کرچکے ہیں کہ سیدنا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان پانچسو اکہتر (۵۷۱) سال کا فصل ہے، عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے آخری نبی ہیں، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خَاتَمُ الْاَنْبِیَاءِ ہیں، یعنی آپؐ پر انبیاء کا سلسلہ ختم ہوگیا، اور آپؐ اللہ کے آخری نبی ہیں، آپؐ کی نبوت تاقیامت جاری ہے، اور آپؐ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا، اس ۵۷۱ سال کے طویل عرصہ میں جہالت اور ہر برائی شباب کو پہنچ چکی تھی، آج ہمارے زمانہ میں ایک ملک میں چاند میں اختلاف ہوتا رہتا ہے جبکہ اس کا اہتمام

رویتِ ہلال کمیٹیاں کرتی ہیں، وہ ترقی کا دور نہیں تھا، اس لئے تاریخِ ولادت میں اختلاف ہوجانا کوئی قابلِ تعجب بات نہیں!

اس وضاحت کے بعد تاریخ ولادت سے متعلق مختلف حضرات کی آراء بیان کی جاتی ہیں،

تاریخ ولادتِ باسعادت کے سلسلہ میں

مختلف حضرات کی آراء

① قاضی محمد سلیمان منصور پوری رحمہ اللہ؛

"ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم موسم بہار میں دوشنبہ (پیر) کے دن ۹ ربیع الاول ۱ھ عام الفیل مطابق ۲۲ اپریل ۵۷۱ء مطابق یکم جیٹھ بکرمی کو مکہ مکرمہ میں بعد از صبح صادق و قبل از طلوعِ نیرِ عالم تاب پیدا ہوئے، حضورؐ اپنے والدین کے اکلوتے بیٹے تھے" (رحمۃ للعالمینؐ)

② دوسری جگہ لکھتے ہیں:۔

"اصحابِ فیل کا حملہ مکہ معظمہ پر، ۱ محرم کو ہوا تھا، یہ واقعہ پیدائشِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پچاس دن پہلے کا ہے، وہ اس طرح کہ محرم کے ۲۳ دن، صفر کے ۲۹ دن اور ربیع الاول کے ۸ دن، اس طرح سب ملا کر ۵۰ دن ہوئے، اس حساب کے مطابق ولادتِ پاک ۹ ربیع الاول کو ہوئی" (ایضاً)

③ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی رحمہ اللہ؛

"آپ کی ولادت ربیع الاول کے مہینہ میں دوشنبہ (پیر) کے دن صبح صادق کے وقت ہوئی، لیکن اہلِ سیر و تاریخ اس باب میں مختلف الرائے ہیں کہ ربیع الاول کی کون سی تاریخ تھی؟ عوام میں تو مشہور قول یہ ہے کہ ۱۲ ربیع الاول تھی، اور بعض کمزور روایتیں اس کی پشت پر ہیں۔ ——— اور اکثر علماء ۸ ربیع الاول کہتے ہیں، لیکن صحیح اور مستند قول یہ ہے کہ ۹ ربیع الاول تاریخ ولادت ہے، اور مشاہیرِ تاریخ و حدیث اور جلیل القدر ائمۂ دین اسی تاریخ کو صحیح اور اثبت کہتے ہیں، چنانچہ حمیدی، عقیل، یونس بن یزید، ابن عبداللہ، ابن حزم، محمد بن موسیٰ خوارزمی، ابو الخطاب، ابن دحیہ، ابن تیمیہ، ابن قیم، ابن کثیر، ابن حجر عسقلانی، شیخ بدر الدین عینی جیسے مقتدر علماء کی یہی رائے ہے،

اس کے بعد لکھتے ہیں:۔

④ "محمود پاشا فلکی جو قسطنطنیہ کا مشہور ہیئت داں اور منجم گذرا ہے اس نے علمِ ہیئت کے مطابق ایک زائچہ اس غرض سے مرتب کیا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے اپنے زمانہ تک کے کسوف و خسوف (سورج گرہن و چاند گرہن) کا صحیح حساب معلوم کرے، پوری تحقیق کے ساتھ یہ ثابت کیا ہے

کہ سن باسعادت میں کسی حساب سے بھی دوشنبہ (پیر) کا دن ۱۲ ربیع الاول کو نہیں آتا، بلکہ ۹ ربیع الاول کو آتا ہے، اس لئے بہ لحاظ قوت وصحتِ روایات اور باعتبار حساب ہیئت ونجوم ولادتِ مبارک کی مستند تاریخ ۹ ربیع الاوّل ہے"

⑤ حضرت مولانا سید انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ؛

کے متعلق ہے کہ آپ نے علامہ محمود فلکی کی تحقیق کو تسلیم کیا ہے، (سیرۃ مبارکہ از مولانا محمد میاں صاحب رحمہ اللہ)

⑥ علامہ شبلی نعمانی رحمہ اللہ؛

"تاریخ ولادت کے متعلق مصر کے مشہور ہیئت داں عالم محمود پاشا فلکی نے ایک رسالہ لکھا ہے جس میں انھوں نے دلائل ریاضی سے ثابت کیا ہے کہ آپ کی ولادت ۹ ربیع الاول روز دوشنبہ مطابق ۲۲ اپریل سنہ ۵۷۱ء ہوئی تھی۔ (سیرۃ النبیؐ جلد دوم)

⑦ مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی رحمہ اللہ؛

"۹ ربیع الاول سنہ ۱ عام الفیل مطابق سنہ ۴۲ جلوس کسریٰ نوشیرواں مطابق ۲۲ اپریل سنہ ۵۷۱ء بروز دوشنبہ بعد از صبح صادق اور قبل از طلوع آفتاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے"

(تاریخ اسلام اول)

جیسا کہ ہم نے عرض کیا آپ کی ولادتِ پاک کے سلسلہ میں یمنّ باتوں میں سے دو پر اتفاق ہے، یعنی مہینہ اور دن میں اتفاق ہے، البتہ تاریخ میں اختلاف ہے، یہ اختلاف حسابی اعتبار سے ہے اس پر کسی مسئلہ کا دار ومدار نہیں، یہ حلال وحرام کا مسئلہ نہیں، اس لئے اس پر زور دینا ضروری اور لازمی نہیں، ہمارے ملک کی اکثریت ۱۲ ربیع الاول کو یوم ولادت مانتی ہے، مہینہ اور دن میں تو سب کا اتفاق ہے، تاریخ کے اختلاف کا کوئی اثر کسی حکم پر اثر انداز نہیں ہوتا،

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نامِ نامی؛

جیسا کہ صفحہ ۴۶ پر بیان کیا جا چکا ہے کہ حضرت آمنہ کو خواب میں بشارت دی گئی کہ جب تمہارے ہاں بچہ پیدا ہو تو اس کا نام مُحَمَّدٌ رکھنا،

○ اسی طرح سیرۃ ابن ہشام میں ہے کہ دادا عبدالمطلب کو بھی اسی نام کی بشارت ہوئی تھی، ——————

آپ کے خواب کی تفصیل اس طرح بیان کی گئی ہے کہ عبدالمطلب کی پشت سے ایک زنجیر نکلی، اس زنجیر کا ایک حصہ آسمان میں اور ایک حصہ زمین میں اور ایک حصہ مشرق کی جانب دوسرا حصہ مغرب کی طرف ہے، کچھ دیر بعد وہ زنجیر درخت کی شکل میں تبدیل ہو گئی، جس کے ہر پتہ پر ایک نور ایسا چمک رہا ہے جو آفتاب کے نور سے ہزاروں درجے بڑھا ہوا ہے، اس درخت کی شاخوں کو قریش کے کچھ لوگ بھی پکڑے ہوئے ہیں، اور قریش میں سے کچھ لوگ اس درخت کو کاٹنا

چاہتے ہیں، یہ لوگ جب اس درخت کو کاٹنے کے لئے قریب آنا چاہتے ہیں تو ایک حسین وجمیل لڑکا ان کو دور ہٹا دیتا ہے، اس خواب کی تعبیر عبدالمطلب کو یہ بتلائی گئی کہ تمہاری نسل میں ایک ایسا لڑکا پیدا ہوگا جس کا مشرق سے لے کر مغرب تک کے لوگ اتباع کریں گے، اور آسمان وزمین کے لوگ اس کی حمد وتوصیف کریں گے، اس خواب کی بناء پر عبدالمطلب نے آپ کا نام نامی "مُحَمَّدٌ" رکھا (صلی اللہ علیہ وسلم)

○ آپ کی ولادت کے وقت عبدالمطلب حرم کعبہ میں تھے، آپ کو اطلاع کرائی گئی، آپ حرم سے گھر آئے، پوتے کو دیکھ کر خدا کا شکر ادا کیا، کہ میرے بیٹے کی نشانی پیدا ہوئی، گود میں لے کر پیار کیا، اس کے بعد حرم پاک میں لے گئے، اور گود میں لئے ہوئے طواف بیت اللہ کیا، اس کے بعد نام نامی "مُحَمَّدٌ" رکھا،

○ آپ نے ارشاد فرمایا: "زمین میں میرا نام "مُحَمَّدٌ" اور آسمان میں "اَحْمَدُ" ہے، اسی طرح توریت میں "مُحَمَّدٌ" اور انجیل میں "اَحْمَدُ" ہے، (صلی اللہ علیہ وسلم)

مُحَمَّدٌ کے معنی ہیں "جس کی بار بار اور بہت تعریف کی جائے"

اَحْمَدُ کے معنی ہیں "جو سب سے زیادہ تعریف کرنے والا ہو"

عقیقہ اور قریش کی دعوت:

دادا نے ساتویں دن عقیقہ کیا، اور تمام قریش کی دعوت کی، کھانا کھانے کے بعد لوگوں نے دریافت کیا، آپ نے اپنے نونہال کا نام کیا رکھا ہے؟ آپ نے جواب دیا: میں نے اپنے بچہ کا نام مُحَمَّدٌ رکھا ہے، یہ نام سنکر لوگوں کو تعجب ہوا، اور عبدالمطلب سے کہا، آپ نے اپنے خاندان کی روایت اور روش چھوڑ کر یہ نام کیوں رکھا؟ تو اس پر آپ نے جواب دیا: میری آرزو یہ ہے کہ میرے بچہ کی ساری دنیا میں تعریف کی جائے،

"مُحَمَّدٌ" نام رکھنے پر ایک لطیفہ:

مصنف سیرۃ مبارکہ نے بحوالہ البدایۃ والنہایۃ ایک لطیفہ لکھا ہے:

عرب میں ان ناموں کا رواج نہ تھا، مگر کاہنوں، نجومیوں اور کتب سابقہ (توراۃ وانجیل) کی بشارتیں اتنی عام ہو چکی تھیں کہ لوگ اُن کی وجہ سے ہر وقت آپؐ کی بعثت کے انتظار میں رہتے تھے، اس تمنا اور آرزو میں کہ یہ نعمت ہمارے گھرانے میں آجائے، کچھ لوگوں نے اپنے ہاں لڑکا پیدا ہونے کے بعد اس کا نام "محمد" رکھ لیا تھا، لیکن "اَحْمَدُ" کسی نے نہیں رکھا، اور یہ نام نرالا ہی رہا،

ایں سعادت بزور بازو نیست

تانہ بخشد خدائے بخشندہ؛

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَآءُ ط

قرآن مجید میں آپؐ کے نام نامی؛

قرآن کریم میں آپؐ کا "مُحَمَّدٌ" اور "اَحْمَدُ" دونوں نام آئے ہیں، ناموں کے علاوہ پارہ چھبیس میں ایک سورت کا نام بھی "سورۃ مُحَمَّدٌ" ہے، اسی سورت میں فرمایا گیا:

وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ ——— (سورۃ محمد، رکوع ۱، پارہ ۲۶)

اور پارہ اٹھائیس کی سورہ "صف" میں بشارت عیسیٰ کا بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا: یَاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ ؕ

ان کے علاوہ آپؐ کی بہت سی صفات اور القاب بھی قرآن مجید فرقان حمید میں آئے ہیں، مثلاً:۔

(۱) شَاهِدٌ	(۲) شَهِيْدٌ	(۳) بَشِيْرٌ	(۴) مُبَشِّرٌ
(۵) شَفِيْعٌ	(۶) مُشَفَّعٌ	(۷) صَادِقٌ	(۸) مَصْدُوْقٌ
(۹) نَذِيْرٌ	(۱۰) مُنْذِرٌ	(۱۱) اَمِيْنٌ	(۱۲) سِرَاجٌ
(۱۳) مُنِيْرٌ	(۱۴) مُذَكِّرٌ	(۱۵) مُزَّمِّلٌ	(۱۶) مُدَّثِّرٌ
(۱۷) هَادِيْ	(۱۸) مَاحِيْ	(۱۹) عَاقِبٌ	(۲۰) فَاتِحٌ
(۲۱) حَاشِرٌ	(۲۲) طٰهٰ	(۲۳) يٰسٓ	(۲۴) طٰسٓ
(۲۵) مُصْطَفٰى	(۲۶) مُرْتَضٰى	(۲۷) مُجْتَبٰى	(۲۸) عَزِيْزٌ
(۲۹) مُبِيْنٌ	(۳۰) حَامِدٌ	(۳۱) مَحْمُوْدٌ	(۳۲) قَاسِمٌ
———	(۳۳) رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ	(۳۴) رَحْمَةٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ	———

کُنیت؛

آپؐ کی دو کنیت ہیں: ایک ابوالقاسم، دوسری ابوابراہیم، ——— مگر ابوالقاسم زیادہ مشہور ہے، آپؐ کی اولاد میں سب سے بڑے صاحبزادے حضرت قاسمؓ تھے، ان ہی کے نام سے آپؐ کی کنیت ابوالقاسم ہے، حضرت قاسمؓ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے قبل از نبوت پیدا ہوئے، بعض روایات کے مطابق آپ دو سال کی عمر میں وفات پاگئے،

اور ہجرت مدینہ کے بعد ایک صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ ماریہ قبطیہؓ سے پیدا ہوئے، اُن کے نام سے آپؐ کی کنیت ابوابراہیم ہے،

آپؐ کے نام نامی کنیت وغیرہ کے بعد آئندہ صفحہ سے آپؐ کا شرف و مجد پڑھئے؛

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا شرف و مجد

خاندانی شرف؛

اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو ایسا شرف بخشا ہے جو نہ صرف یہ کہ خاندانی ہے بلکہ انبیائے کرام کی جماعت میں بھی آپؐ منفرد مقام کے مالک ہیں، اور قیامت کے دن بھی آپؐ منفرد شرف و مقام کے مالک ہوں گے جیسا کہ اس عنوان کے ضمن میں بیان کردہ احادیث سے واضح ہو رہا ہے،

○ حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں نکاح سے پیدا ہوا ہوں بدکاری سے پیدا نہیں ہوا، آدم علیہ السلام سے لے کر میرے والدین تک زمانۂ جاہلیت میں جو بے اعتدالیاں ہوا کرتی تھیں میرے آباء و امہات سب ان برائیوں سے پاک صاف رہے، اور اُس زمانہ کے دستور کے مطابق باقاعدہ نکاح کے ساتھ شادیاں ہوئیں، (نشر الطیب)

یہ احتیاط قدرت کی طرف سے اس لئے کرائی گئی کہ وہ گوہرِ یکتا جو صلبِ عبداللہ سے رحمِ آمنہ میں منتقل ہونے والا تھا ایسا پاک صاف اور بے داغ ہو کہ بڑے سے بڑا دشمن بھی انگشت نمائی نہ کر سکے، چنانچہ تاریخ اٹھا کر دیکھ لیں مشرکینِ مکہ نے نبی بننے کے بعد جادوگر، مجنون اور معاذ اللہ کیا کیا کہا، لیکن کسی کو آپؐ کی پاکدامنی و شرافت پر لب کشائی کی جرأت نہیں ہوئی،

○ آپؐ نے ارشاد فرمایا:

"میں محمدؐ ہوں، عبداللہ کا بیٹا، اور عبدالمطلب کا پوتا، اللہ تعالیٰ نے جب مخلوق کو پیدا فرمایا تو مجھکو اچھے گروہ میں بنایا، پھر عرب میں کئی قبیلے بنائے، اور مجھکو سب سے اچھے قبیلہ قریش میں پیدا کیا، پھر قریش میں کئی خاندان بنائے اور مجھ کو سب سے اچھے خاندان یعنی بنو ہاشم میں پیدا کیا، پس میں ذاتی طور پر بھی سب سے اچھا ہوں اور خاندان میں بھی سب سے اچھا ہوں" (مشکوٰۃ)

○ مسلم شریف کی حدیث میں ہے:

اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰی کِنَانَۃَ مِنْ وُلْدِ اِسْمٰعِیْلَ وَاصْطَفٰی قُرَیْشًا مِنْ کِنَانَۃَ وَاصْطَفٰی مِنْ قُرَیْشٍ بَنِیْ هَاشِمٍ وَاصْطَفَانِیْ مِنْ بَنِیْ هَاشِمٍ (مسلم شریف)	"خدا نے اولادِ اسمٰعیلؑ میں سے کنانہ کو اور کنانہ میں سے قریش کو اور قریش میں بنی ہاشم کو اور بنی ہاشم میں مجھ کو شرف و اعزاز بخشا"

انبیاء کی جماعت میں شرف؟

حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں چند صحابہ (مسجد نبویؐ میں ایک جگہ) بیٹھے ہوئے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے، آپؐ جب صحابہ کے قریب آگئے تو ان کی گفتگو سُنی، کوئی تعجب سے کہہ رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنایا ہے، کوئی کہہ رہا تھا موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور پر بلاکر براہِ راست گفتگو فرمائی، کسی نے کہا عیسیٰ علیہ السلام کو کلمۃ اللہ اور روح اللہ ہونے کا شرف بخشا، کوئی کہہ رہا تھا اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو صفی اللہ کے لقب سے نوازا، آپؐ نے (صحابہ سے) فرمایا میں نے تمہاری ساری گفتگو سُنی اور تمہارے تعجب کو دیکھا، اور کوئی شبہ نہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ تھے جیسا کہ تم کہہ رہے تھے، اور اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کو شرفِ ہمکلامی حاصل ہوا تھا اور اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کلمۃ اللہ اور روح اللہ کے لقب سے نوازے گئے تھے،

لیکن تم کو یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ میں حبیب اللہ ہوں، اور یہ فخر کی بات نہیں ہے، اور قیامت میں حمد و ثناء کا جھنڈا میرے ہی ہاتھ میں ہوگا، آدم علیہ السلام اور ان کے سوا ساری مخلوق اُس جھنڈے کے نیچے ہوگی، اور یہ فخر کی بات نہیں، اور قیامت میں سب سے پہلا مخلوق کی شفاعت کرنے والا رسول میں ہوں اور سب سے پہلے جس کی شفاعت قبول ہوگی وہ رسول بھی میں ہی ہوں، اور یہ فخر کی بات نہیں، جنت کے دروازہ کی کُنڈی جو سب سے پہلے کھٹکھٹائے گا وہ رسول بھی میں ہی ہوں، اللہ تعالیٰ سب سے پہلے میرے لئے جنت کو کھولے گا اور مجھے داخل کرے گا،

آپؐ نے ان تمام انعاماتِ خداوندی کا ذکر فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا:

"میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک گذری ہوئی مخلوق اور آئندہ آنے والی تمام مخلوق میں سب سے زیادہ معزز و مکرم ہوں، اور اس میں فخر کا کوئی شائبہ نہیں،، (ترمذی، دارمی)

ان احادیث سے آپؐ کا نہ صرف خاندانی شرف معلوم ہو رہا ہے بلکہ دوسرے انبیاء کے مقابلہ میں آپؐ کا قربِ خداوندی اور شرف صاف طور پر معلوم ہو رہا ہے، لیکن ان انعامات کے باوجود آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ میں ان پر فخر، غرور یا تکبر نہیں کرتا،

(آپؐ کا سلسلۂ نسب اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

○

سلسلۂ نسب

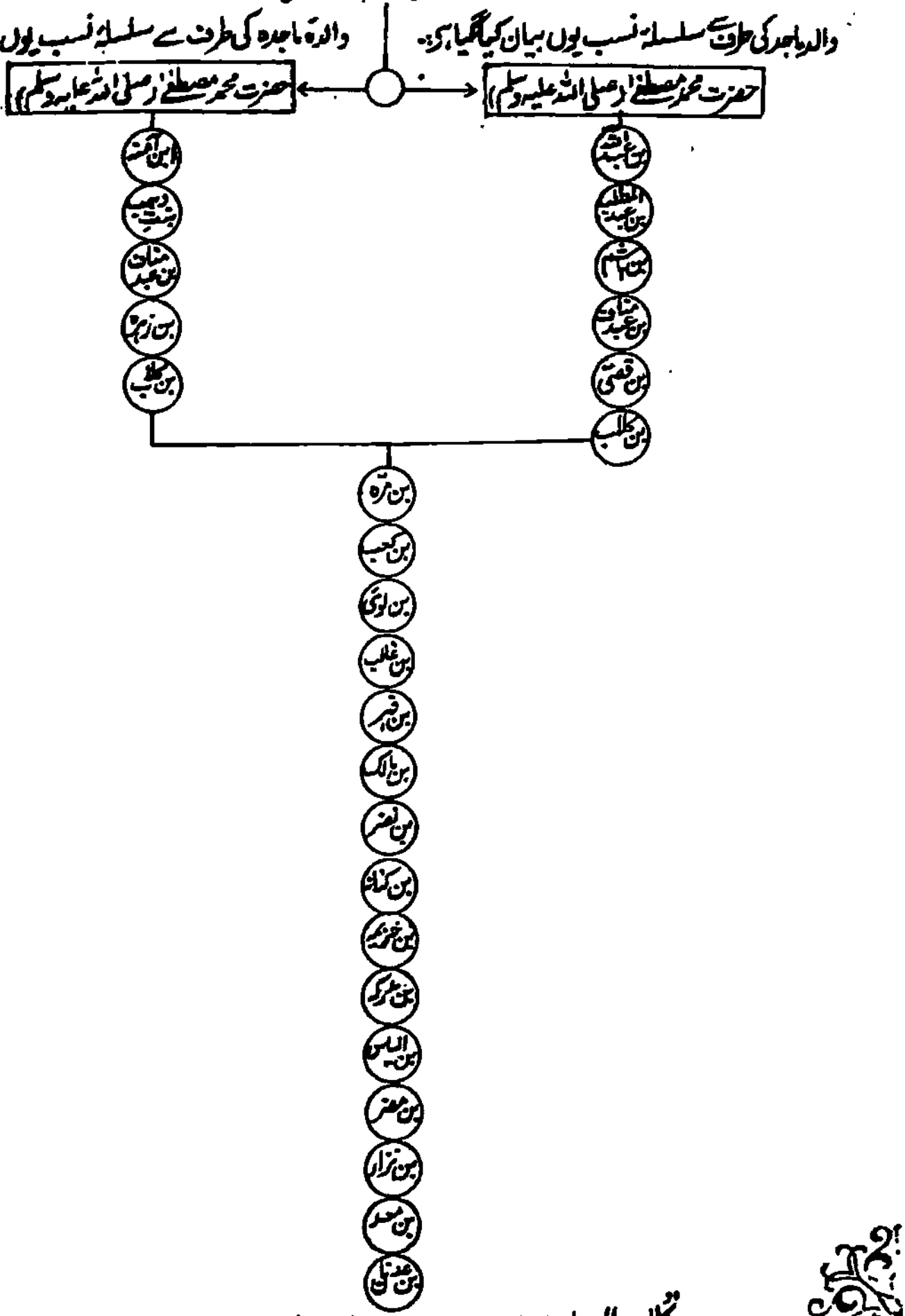

"کلاب" پر مادری اور پدری دونوں سلسلے مل جاتے ہیں۔

رضاعت اور اُس زمانہ میں پیش آنے والے واقعات

مکہ معظمہ اور شرفائے عرب میں یہ رواج تھا کہ بچہ پیدا ہونے کے بعد دیہات کی عورتوں کے سپرد کر دیا کرتے تھے، اس میں ایک فائدہ تو یہ تھا کہ بچہ صحت مند اور طاقت ور ہو جاتا تھا، کیونکہ شہر کے مقابلہ میں قصبات و دیہات کی آب و ہوا اچھی ہوتی ہے،

دوسرے دیہات میں رہنے والوں میں شہریوں جیسی نزاکت نہیں ہوتی، وہ تکلیف اٹھانے، مشقت برداشت کرنے میں شرم اور عار محسوس نہیں کرتے، عبدالمطلب اور بی بی آمنہ نے اسی دستور اور رسم و رواج کے مطابق آپ کو کسی دودھ پلانے والی دایہ کے سپرد کرنے کا ارادہ کیا، ولادت باسعادت کے بعد چند روز تو آپ کی والدہ حضرت آمنہ نے دودھ پلایا، پھر چند روز ابولہب کی آزاد کردہ باندی ثوبیہ نے دودھ پلایا، ثوبیہ ابولہب کی باندی تھی، جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت پاک کی خوش خبری سنائی تو ابولہب نے ان کو آزاد کر دیا،

دودھ پلانے والی عورتیں آسودہ گھرانے کے بچے تلاش کر کے لے جاتی تھیں، کیونکہ اُن سے انعام و اکرام خوب ملتا تھا، ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ یتیم پیدا ہوئے تھے، اس لئے ہر دایہ سوچتی تھی کہ یتیم بچہ کے ہاں سے کیا انعام ملے گا، اس لئے ہر عورت آپ کی یتیمی کا شکر چھوڑ جاتی تھی،

حضرت حلیمہؓ کی خوش قسمتی؛

قبیلہ بنی سعد کی ایک غریب اور کمزور خاتون تھیں، دائی حلیمہ، ان کی قسمت کا ستارہ چمکا اور ہر طرف سے مایوس ہو کر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا میں اس دُرِّ یتیم کی خدمت کے لئے اپنے آپ کو پیش کرتی ہوں،

دائی حلیمہ کا بیان ہے میں طائف سے قبیلہ بنی سعد کی عورتوں کے ساتھ بچہ کی تلاش میں مکہ معظمہ آئی تو میری گود میں ایک بچہ تھا، لیکن میرا دودھ اتنا کم ہوتا تھا، کہ اس بچہ کا بھی پیٹ نہ بھرتا تھا، بھوک کی وجہ سے رات بھر چیختا چلاتا رہتا تھا، اس کے رونے اور شور مچانے کی وجہ سے رات کی نیند تک اُڑ جاتی تھی، ہمارے پاس ایک اونٹنی تھی اس کے بھی دودھ اتنا کم ہوتا تھا جو نہ ہونے کے برابر تھا، میں جس سواری (خچر) پر سوار ہو کر طائف سے مکہ آئی تھی وہ اتنی دُبلی اور کمزور تھی کہ چلنے میں سب سے پیچھے رہتی تھی، اس لئے میرے ساتھی بھی تنگ آ گئے تھے،

جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ شکمِ مادر سے ہی یتیم پیدا ہوئے تھے اس وجہ سے آپ کی یتیمی کا شکر ہر دایہ چھوڑ کر چلی جاتی تھی، دائی حلیمہ فرماتی ہیں میرے چونکہ دودھ پہلے ہی کم تھا اس لئے مجھے کوئی بچہ نہ ملا، آخر مجبور ہو کر میں نے اپنے شوہر سے کہا کہ خالی ہاتھ جانے میں تو ذرا سُبکی اور بے عزتی ہے ایسی صورت میں تو یہی بہتر

ہے کہ اس یتیم بچہ کو لے آؤں، شوہر نے کہا، بہت اچھا خیال ہے، لے آؤ، اللہ برکت دے گا، شوہر سے مشورہ کے بعد حضرت حلیمہ آپؐ کو اپنی قیامگاہ پر لے آئیں،

حضرت حلیمہ کا آپؐ کو لیکر مکہ سے رخصت ہونا اور راستہ میں قدرت کے کرشمے ؛

○ جب حضرت حلیمہ مکہ معظمہ سے آپ کو لے کر چلیں تو آپؐ کو گود میں لے کر اپنی کمزور و نحیف سواری پر بیٹھ گئیں، بیٹھتے ہی قدرت کا کرشمہ کیا دیکھتی ہیں کہ وہ سواری جو گرتی پڑتی آئی تھی اتنی تیز ہو گئی کہ تمام تیز رفتار سواریوں کو پیچھے چھوڑ دیا، بی بی حلیمہ کے ساتھ جو عورتیں طائف سے آئی تھیں وہ سب تعجب سے پوچھتی تھیں، اری حلیمہ! کیا یہ وہی مرجیل سواری ہے جس پر سوار ہو کر تو ہماری ساتھ مکہ آئی تھی، اب اس میں اتنی طاقت کہاں سے آگئی؟ حلیمہ نے جواب دیا ؎

حلیمہ نے کہا واللہ! میں بھی ہوں بہت حیراں
نظر آتا ہے مجھکو ہاشمی لڑکا بہت ذی شاں

قحط سے نجات ؛

○ حلیمہ جب گھر پہنچیں تو سارا شہر قحط کی زد میں تھا سارے جانور چارہ نہ ہونے کی وجہ سے پریشان اور دودھ سے خالی تھے، مگر آپؐ کے گھر پہنچتے ہی حلیمہ کی ساری بکریوں نے بھرپور دودھ دینا شروع کر دیا، اور شام کو روزانہ چراگاہ سے سارا ریوڑ دودھ بھرا اور شکم سیر ہو کر آتا، اور دوسرے لوگوں کی بکریاں خالی پیٹ اور دودھ سے خالی آتیں، یہ سب آپؐ کے وجود باجود کی برکت تھی، ورنہ بکریاں بکریاں سب یکساں تھیں،

دودھ میں برکت ؛

○ حضرت حلیمہ ادھر آپؐ کو اپنی قیامگاہ پر لائیں ادھر برکتوں کا دروازہ کھل گیا، اور ان کے نصیب جاگ گئے ؎

پلایا دودھ جب اس طفل کو تو ہو گئی حیراں
کہ چھاتی بن گئی تھی دودھ کی اک نہر بے پایاں

دائی حلیمہ بیان کرتی ہیں میں نے جب آپؐ کو دودھ پلانا شروع کیا تو اتنا دودھ اترا کہ آپؐ نے اور آپؐ کے دودھ شریک بھائی نے خوب پیٹ بھر کر دودھ پیا، حضرت حلیمہؓ کے شوہر نے اونٹنی کو جا کر دیکھا تو اس کے تھنوں میں خوب دودھ بھرا ہوا پایا، اور اس کے تھنوں سے دودھ نکال کر سب نے خوب پیا، اور ساری رات آرام کی نیند سوئے، حلیمہ کے شوہر یہ حالات دیکھ کر کہنے لگے:

"اے حلیمہ! تُو تو بڑے برکت والے بچہ کو لائی ہے"

آپؐ کا داہنے پستان سے دودھ پینا:

○ حضرت حلیمہؓ فرماتی ہیں میرے پہلے ہی دودھ کم تھا، میں نے آپؐ کو گود میں اٹھا کر داہنا پستان منہ میں دیا،

پستان مُنہ میں دیتے ہی دودھ باہر ٹپکنے لگا، آپؐ نے پیٹ بھر کر دودھ پی لیا، میں نے بایاں پستان مُنہ میں دینا چاہا تو آپؐ نے مُنہ پھیر لیا، کیونکہ اس سے آپؐ کے دودھ شریک بھائی عبداللہ دودھ پیتے تھے۔

اس واقعہ سے دو سبق ملتے ہیں:

پہلا سبق:۔ آپؐ کے داہنی طرف کے پستان سے دودھ پینے سے یہ سبق ملتا ہے کہ آپؐ کو ہر اچھے کام کی ابتداء داہنی طرف سے پسند تھی، مثلاً کھانا کھانا، پانی پینا، جُوتہ پہننا، مسجد میں داخلہ کے وقت اندر داہنا پاؤں رکھنا وغیرہ،

دوسرا سبق:۔ یہ ملتا ہے کہ جس کا حق ہو اس کے حق کو نہ لینا، یعنی حقدار کو اس کا حق دیدینا، چنانچہ حضرت حلیمہ ہمیشہ فخر کے طور پر کہا کرتی تھیں کہ میرے ہونہار اور منصف مزاج "محمدؐ" نے کبھی بائیں پستان سے دودھ نہیں پیا،

○ آپؐ نے کبھی بستر پر بول وبراز نہیں کیا اور نہ گھٹنوں سے اوپر ستر کھلا، دودھ پینے کے زمانہ میں بچہ کو کچھ خبر نہیں ہوتی، وہ معصوم ہیں اور تقریباً سبھی بچے بستر پر پیشاب پاخانہ کردیتے ہیں، اور بچہ کی ماں بہنیں صاف کرنے میں گھن نہیں کرتے، نہ تھکتے اور بُرا مانتے ہیں، مگر حضرت حلیمہ فرماتی ہیں میرے بچہ "محمدؐ" نے بستر پر کبھی بول وبراز نہیں کیا، اور ہمیں کبھی اس کا موقع نہیں ملا کہ آپؐ کے بستر کو پاک کریں،

○ اس سے بھی زیادہ تعجب اور حیرت کی بات دائی حلیمہ یہ بیان کرتی ہیں کہ اس عمر میں آپؐ کا ستر کبھی نہ کھُلتا، اگر کپڑا کبھی گھٹنوں سے اُوپر ہوجاتا تو فرشتے فوراً ڈھک دیا کرتے تھے،

○ اسی طرح حضرت حلیمہؓ فرماتی ہیں جس جھولے میں آپؐ آرام فرمایا کرتے تھے جب وہ ہلنا بند ہوجاتا تو فرشتے اس کو ہلا دیا کرتے تھے: (ذکرِ رسولؐ)

آپؐ کا نشو ونما؛

○ جیسا کہ سب جانتے ہیں کہ یتیم بچہ کمزور ہوتا ہے، کیونکہ ایسے بچہ کی دیکھ بھال کم ہوتی ہے، مگر ہمارے سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ اس کے برعکس تھا، حضرت حلیمہؓ بیان کرتی ہیں کہ آپؐ کا نشو ونما عام بچوں کی طرح نہ تھا، بلکہ جتنے بچے ایک سال میں بڑھتے ہیں آپؐ ایک دن میں بڑھتے تھے، آپؐ جب دو ماہ کے ہوگئے تو اشارہ سے بائیں کرنے لگے، اور تیسرے مہینے گھٹنوں چلنے لگے، چوتھے ماہ اُٹھ کر اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے لگے، پانچویں مہینے دیوار کے سہارے کھڑے ہوکر قدم اٹھانے لگے، چھٹے مہینے اور طاقت آئی تو چلنے لگے، ساتویں مہینے تیزی سے چلنے لگے، آٹھ مہینے کے جب ہوگئے تو دوڑ کر چلنے لگے، نویں مہینے آپؐ میں بولنے کی صلاحیت پیدا ہونے لگی (تاریخ اسلام مختصراً)

دودھ چھڑانے کے وقت آپؐ کا پہلا کام؛

○ شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ نے اپنی مشہور تصنیف "ماثبت بالسنۃ" میں لکھا ہے کہ

جب حضرت حلیمہؓ نے آپؐ کا دودھ چھڑایا تو آپؐ نے ان فصیح و بلیغ کلموں میں خدا کی حمد و ثنا کی:

اَللّٰہُ اَکْبَرُ کَبِیْرًا وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ کَثِیْرًا وَسُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ بُکْرَۃً وَّاَصِیْلًا	اللہ تعالیٰ سب سے بڑا ہے، اور تمام تعریفیں زیادہ سے زیادہ اسی کے لئے ہیں، اور میں صبح و شام اللہ کی تسبیح و پاکیزگی بیان کرتا ہوں۔

غور کریں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کلمے دودھ چھوڑنے کے وقت ادا کئے ہمارے زمانہ میں عام آدمی بھی مشکل سے ادا کرتا ہے، ـــــ یہی الفاظ بیہقی اور ابن عساکر نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کئے ہیں،

آپؐ پر ابر کا سایہ کر لینا؛

○ جب آپؐ کا دودھ چھڑا دیا گیا تو آپؐ دو برس کے ہو گئے تھے، عام طور پر ایسا ہوتا ہے اس عمر میں بچے گھر کے باہر یا دروازہ پر کھڑے ہو جاتے ہیں، کچھ بچے گلی کوچوں میں کھیلنے بھی لگتے ہیں، مگر پہلے زمانہ میں کھیل بھی شریفانہ طرز کے ہوتے تھے، بڑوں کا ادب و لحاظ بھی ہوتا تھا، اور یہ تو ہمارے زمانہ کے بچپن کی بات ہے کہ اپنے بڑوں کو دیکھکر بچے اِدھر اُدھر ہو جایا کرتے تھے، آجکل کی طرح نہیں کہ بڑوں کو خود بچ کر چلنا پڑتا ہے،

بہرحال یہ بات درمیان میں سبق حاصل کرنے کے لئے لکھدی گئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا دم بھرنے والے آپؐ کے حالات پڑھ کر اپنے بچوں کو تربیت دیں،

چنانچہ آپؐ کی یہ تاریخ ہے کہ کبھی بچوں کے ساتھ نہیں کھیلے، گھر سے باہر اگر کبھی دُور چلے گئے تو حضرت حلیمہؓ گھبرا جاتی تھیں، ایک مرتبہ آپ دودھ شریک بہن شیماؓ کے ساتھ دوپہر کے وقت بکریوں کے ریوڑ کی طرف چلے گئے، حضرت حلیمہؓ فوراً تلاش کے لئے نکلیں، تو آپ بہن کے ساتھ ملے، مائی حلیمہ نے اپنی بیٹی شیماؓ سے کہا، تو آپؐ کو ایسی تپتی دھوپ میں کیوں لے آئی! بیٹی نے جواب دیا، اماں! میں نے عجیب ماجرا دیکھا کہ ایک ابر کا ٹکڑا آپؐ کے سر پر آکر رُکا اور دھوپ میں سایہ کئے رہا، جب آپ رُک جاتے وہ بھی رُک جاتا، آپ ٹھہرتے وہ بھی ٹھہر جاتا، (ذکر رسولؐ)

دُودھ چھڑانے اور حضرت آمنہؓ کے سپرد کرنیکے بعد دُوبارہ حلیمہؓ کے سپرد؛

○ جب آپ کا دودھ چھڑا دیا گیا تو قاعدہ کے مطابق والدہ ماجدہ کے سپرد کرنا ضروری تھا لیکن جو برکات حضرت حلیمہؓ نے آپ کے لانے کے بعد دیکھیں ایک تو اس وجہ سے پھر آپؐ کی بائیں دیکھ دیکھ کر دل نہیں چاہتا تھا کہ آپؐ کو حضرت آمنہ کے سپرد کر آئیں، مگر بادل ناخواستہ مکہ معظمہ لے گئیں، وہاں پہونچ کر معلوم ہوا کہ یہاں تو طاعون کی وبا پھیلی ہوئی ہے، اس لئے حضرت حلیمہؓ کو واپس لانے کا موقع مل گیا، اُدھر آپؐ کی والدہ ماجدہ نے بھی مناسب سمجھا کہ ابھی میں اپنے بچہ کو واپس بھیجدوں، چنانچہ مائی حلیمہ خوشی خوشی اپنے گھر واپس لے آئیں،

شق صدر، حلیمہ کی پریشانی:

○ ابھی کچھ دن گذرے کہ حضرت حلیمہ آپؐ کو وبا کی وجہ سے واپس لے آئی تھیں کہ اچانک ایک پریشان کن واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پیش آگیا، جو صرف حلیمہ کے لئے پریشان کن تھا، اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے: آپ اپنے رضاعی شریک بھائی کے ساتھ بکریوں کے ریوڑ میں تھے کہ یکایک آپ کا بھائی ہانپتا کانپتا دوڑتا ہوا آیا اور کہنے لگا کہ امی میرے قریشی بھائی کو دو آدمیوں نے لٹا کر سینہ چاک کر دیا، یہ وحشتناک خبر سنکر حلیمہ کے ہوش وحواس جاتے رہے، اور پریشانی کے عالم میں اپنے شوہر حارث کے پاس روتی ہوئی آئیں، پاؤں کہیں رکھتی تھیں اور پڑتا کہیں تھا، ہونٹ خشک، چہرے پر ہوائیاں، غرض بُرا حال، اور کبھی کہتیں ہائے افسوس! میں تو لُٹ گئی، میری ساری محنت برباد ہوگئی، سارے کئے کرائے پر پانی پھر گیا، اب مکہ جاکر میں حضرت آمنہ اور عبد المطلب کو کیا جواب دوں گی؟ اور اُن کے سامنے کیسے مُنہ دکھاؤں گی؟

غرض جوں توں کر کے گرتی پڑتی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہونچیں تو آپؐ کو دیکھ کر جان میں جان آئی، لیکن آپؐ ایک طرف کو خاموش کھڑے ہوئے ہیں اور چہرے کا رنگ بدلا ہوا ہے، حلیمہؓ نے آپؐ کو گلے لگایا، پیار کیا، اس کے بعد پوچھا، بیٹا! کیا بات ہوئی؟

آپؐ نے گذرا ہوا واقعہ سُنایا، کہ دو شخص سفید کپڑے پہنے ہوئے آئے اور مجھے لٹا کر میرا سینہ چاک کیا، اور اس میں سے کوئی چیز نکال کر سینہ پھر سی دیا،

اس واقعہ سے حضرت حلیمہ بڑی گھبرا گئیں، مزید اُنکے شوہر کہنے لگے کہ اس بچہ پر آسیب کا اثر معلوم ہوتا ہے، حلیمہ کی گھبراہٹ میں اور اضافہ ہوگیا، اُس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک چار سال کی ہو چکی تھی، اس واقعہ کی وجہ سے حلیمہ اتنی گھبرا گئیں کہ آپ کو فوراً حضرت آمنہ کے سپرد کرنے پہنچ گئیں، حضرت آمنہ بڑی سمجھدار خاتون تھیں اتنی جلدی واپس لے آنے پر از راہِ تعجب حلیمہ سے پوچھا:

اے حلیمہ! تُو تو میرے بچہ کو بڑے شوق سے لے گئی تھی اب اتنی جلدی واپس کیوں لے آئی؟ حلیمہ نے جواب دیا، اب خدا کے فضل وکرم سے آپؐ ہوشیار ہوگئے ہیں، اور اب میری خدمت کی ضرورت نہیں رہی، اس لئے میں آپ کے بچہ کو لے آئی ہوں، پہلے لائی تھی تو وبا کا عذر تھا،

حضرت آمنہ نے کہا نہیں، یہ بات صحیح نہیں، بلکہ کچھ اور بات ہے، تم واقعی سچ سچ بتاؤ، اس کے بعد حضرت حلیمہ نے شق صدر کا واقعہ بتایا، جس سے حضرت آمنہ نے یہ نتیجہ نکالا کہ حلیمہ کو میرے بچہ پر کسی اثر کا شبہ ہے، اس لئے آپؐ نے کہا، اے حلیمہ! بخدا میرے بچہ پر کسی شیطان وغیرہ کا اثر نہیں، اور میرا بیٹا بڑی شان کا مالک ہونے والا ہے، اور فرمایا: کہ شیطان کا میرے بچہ کے پاس سے گذر بھی نہیں ہوسکتا، کیونکہ اس پر خدا کا سایہ ہے، (سیرۃ ابن ہشام)

حلیمہ کو عبدالمطلب کی طرف سے انعام ؛

جب حلیمہ نے آپؐ کو حضرت آمنہ کے سپرد کرنے کے بعد واپسی کی اجازت چاہی تو عبدالمطلب نے حق خدمت کے طور پر ایک ہزار اونٹ اور پچاس رطل سونا دے کر نہایت عزت کے ساتھ رخصت کیا، اس کے بعد آپؐ اپنی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ کے زیر سایہ تربیت پاتے رہے، اُمِّ ایمن جو حضرت عبداللہ نے اپنی وفات کے وقت ترکہ میں چھوڑی تھی وہ بھی آپؐ کی خدمت اور نگہداشت کرتی رہتیں، (تاریخ اسلام)

واقعۂ شقِ صدر، تعداد و حکمت ؛

شقِ صدر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کا اہم واقعہ ہے، اور آپؐ کی پاک زندگی میں چار مرتبہ پیش آیا ہے :-

پہلی مرتبہ :- بچپن میں، جبکہ آپؐ دائی حلیمہ کے ہاں رہتے تھے، اُس وقت آپؐ کی عمر مبارک تقریباً چار سال تھی،

دوسری مرتبہ :- دس سال کی عمر میں،

تیسری مرتبہ :- غارِ حرا میں نبوت ملنے کے وقت،

چوتھی مرتبہ :- معراج کے سفر پر تشریف لے جانے کے وقت،

شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ نے سورۂ اَلَمْ نَشْرَحْ کی تفسیر میں مندرجہ بالا چار مرتبہ شقِ صدر بیان کیا ہے، اور ہر مرتبہ کے شقِ صدر کی علٰحدہ علٰحدہ حکمت بیان کی ہے، اس کو ہم نے اپنے رسالے "ذکرِ رسولؐ" میں بیان کیا ہے،

ویسے اس جگہ کی مناسبت سے اتنا بیان کر دینا ضروری ہے کہ پہلا شقِ صدر جو چار سال کی عمر میں ہوا اس کی حکمت و مصلحت یہ تھی کہ بچپن کے زمانہ میں بچوں میں جو شرارت کا مادّہ ہوتا ہے آپؐ کا آپریشن کر کے اس کو نکال باہر کیا جائے، روایات میں ہے یہ آپریشن اللہ تعالیٰ کے دو مقرب فرشتوں جبرئیل و میکائیل علیہما السلام کے ذریعہ کرایا گیا،

شقِ صدر کے متعلق ایک غلط فہمی کا ازالہ ؛

آجکل سائنس کا دور اور زور ہے، لوگ نبی کی بات کے مقابلہ میں (معاذ اللہ) سائنسدانوں کی بات بلاچون و چرا مان لیتے ہیں، بلکہ نبی کی بات میں پس و پیش کرتے ہیں، چنانچہ اس قسم کے لوگ کہتے ہیں کہ آپؐ کو شرحِ صدر ہوا تھا شقِ صدر نہیں ہوا تھا، حالانکہ شقِ صدر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص الخاص معجزات میں سے ہے، اور شرحِ صدر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ ابوبکرؓ و عمرؓ کے زمانہ سے لے کر آج تک بھی علماء،

صلحاء، اولیاء اللہ، بزرگانِ دین کو بھی ہوتا رہتا ہے، اس سلسلہ میں ہم صحیح مسلم شریف کی ایک حدیث کا خلاصہ پیش کرتے ہیں جس سے شقِ صدر اور شرح صدر کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے، اس حدیث کے راوی حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:۔

جبرئیل علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اس وقت آپؐ بچوں کے ساتھ کھیل تماشہ دیکھنے میں مشغول تھے، حضرت جبرئیلؑ نے آپؐ کو پکڑ کر چت لٹا دیا، اور قلبِ مبارک چیر کر اس میں سے جمے ہوئے خون کا ایک ٹکڑا نکال کر پھینک دیا، اس کے بعد آپؐ کے قلبِ مبارک کو آبِ زمزم سے دھو کر پھر اسی جگہ رکھ کر سی دیا، بچے آپؐ کی دودھ پلانے والی (حلیمہ) کے پاس دوڑے ہوئے آئے اور اطلاع دی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر دیا، یہ سنکر آپ کو دیکھنے کے لئے (حلیمہ) نکلیں تو آپؐ سہمے ہوئے کھڑے تھے، حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ میں ہمیشہ اُس سلائی کا نشان آپؐ کے سینۂ مبارک پر دیکھا کرتا تھا، غور کریں جب سینہ چاک کر کے سیا تب ہی تو سلائی کا نشان تھا)،

اس حدیث سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ واقعی آپؐ کا شقِ صدر کیا گیا تھا شرحِ صدر نہیں، صاحبِ سیرۃ المصطفیٰؐ لکھتے ہیں:۔

"بہرحال فرشتوں نے آپؐ کا سینۂ مبارک چاک کر کے اس میں سے ایک یا دو ٹکڑے جمے ہوئے خون کے نکالے اور کہا یہ شیطان کا حصہ ہے، پھر شکم اور قلب کو طشت میں رکھ کر دھویا، بعد ازاں قلب کو اپنی جگہ پر رکھ کر سینہ پر ٹانکے لگائے اور دونوں شانوں کے درمیان ایک مُہر لگا دی"

مُہر لگانے کی وجہ؛

جس طرح شقِ صدر سے قلب کا اندرونی حصہ خطِ شیطان سے پاک کر دیا گیا، اسی طرح دونوں شانوں کے درمیان قلب کے مقابل بائیں جانب ایک مُہر لگا دی گئی تاکہ قلب شیطان کے وسوسوں اور بیرونی حملوں سے محفوظ ہو جائے اس لئے کہ شیطان اسی جگہ سے وسوسے ڈالتا ہے، عمر بن عبدالعزیزؒ سے منقول ہے کہ کسی شخص نے حق جل شانہٗ سے درخواست کی کہ اے رب العالمین! مجھ کو شیطان کے وسوسے ڈالنے کا راستہ دکھلا کہ وہ کس راہ سے آکر آدمی کے دل میں وسوسے ڈالتا ہے؟ تو منجانب اللہ دو شانوں کے درمیانی جگہ جو قلب کے مقابل بائیں جانب ہے وہ دکھلائی گئی، کہ شیطان اس راہ سے آتا ہے، اور جب بندہ اللہ کا ذکر کرتا ہے تو فوراً پیچھے ہٹ جاتا ہے، گویا شقِ صدر کے بعد مُہر لگا کر شیطان کے وسوسے ڈالنے کا راستہ بند کر دیا گیا، (سیرۃ المصطفیٰؐ)

○ حضرت آمنہ کی وفات؛

ابھی آپؐ کو حلیمہ کے پاس سے آئے ہوئے دو سال ہی ہوئے تھے کہ آپؐ کی والدہ ماجدہ مدینہ طیبہ میں حضرت عبداللہ کی ننھیال بنی نجار تشریف لے گئیں، جہاں حضرت عبداللہ آپؐ کی ولادت سے پہلے وفات پا گئے تھے، وہاں کچھ عرصہ قیام کر کے واپس مکہ معظمہ لوٹ رہی تھیں، کہ راستہ میں بیمار ہو گئیں اور ایک جگہ "ابواء" پہونچکر وفات پا گئیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آنکھ کھولنے یعنی ولادت کے بعد باپ کا سایہ تو دیکھا ہی نہ تھا، اور آپؐ نے یتیمی کی حالت میں آنکھ کھولی تھی، اب والدہ کی شفقت و محبت سے بھی محروم ہو گئے، (سیرۃ ابن ہشام)

حضرت آمنہ کا سن وفات ۵۷۶ء بیان کیا گیا ہے، اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک چھ سال تھی، اس چھ سال کی عمر میں آپؐ صرف دو سال اور کچھ دن والدۂ ماجدہ کے زیر سایہ رہے، (سیرۃ رسولؐ)

اس سفر میں آپؐ کے ساتھ آپؐ کی دایہ اُم ایمن بھی تھیں، وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ لائیں، اور آپؐ کے دادا عبدالمطلب کے سپرد کر دیا، عبدالمطلب اپنے لختِ جگر حضرت عبداللہ کی جواں مرگ موت کے صدمہ سے پہلے ہی بے حال رہتے تھے، اب جناب عبداللہ کی زوجہ یعنی عبدالمطلب کی بہو حضرت آمنہ بھی داغِ مفارقت دے گئیں، اور ایک مرتبہ حضرت عبداللہ کی وفات کا صدمہ پھر تازہ ہو گیا، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۝

○ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی والدہ کے انتقال کے وقت کی باتیں ہجرت کے بعد تک ایسی یاد تھیں جیسے کل کی بات ہو، چنانچہ ہجرت کر کے جب آپؐ مدینہ منورہ پہنچ گئے (تقریباً ۵ سال بعد) تو آپؐ بتلایا کرتے تھے کہ میری والدہ ماجدہ یہاں ٹھہری تھیں اور یہودی مجھے آ آ کر دیکھتے تھے، آپؐ نے یہ بھی بتلایا کہ بنی نجار کے محلہ میں ایک بادری تھی میں اس میں تیرنے کی مشق کیا کرتا تھا (سیرۃ مبارکہ ج ۱ ص ۱۸)

○ عبدالمطلب کی کفالت میں؛

جناب عبدالمطلب کو دو صدموں نے آگھیرا، ایک صدمہ بیٹے کی وفات کا، دوسرا صدمہ بہو کی وفات کا، اب دونوں کی زندہ نشانی اور یادگار دلِ بے قرار کا قرار دُرِّ یتیم جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی محبت و شفقت کا مرکز بن گئے، اور آپؐ کی دل و جان سے خدمت کر کے اپنے زخم خوردہ دل کو تسکین دیتے رہتے تھے، آپؐ کو ہمیشہ ساتھ رکھتے، مسجدِ حرام جاتے تو اپنے ساتھ لے جاتے اور ایک طرف سایہ میں آپؐ کے لئے فرش بچھوا دیتے اور اس پر کسی کو بیٹھنے کی اجازت نہیں ہوتی تھی، خواہ اس پر آپ بیٹھے ہوں یا فرش خالی پڑا ہو،

البتہ عبدالمطلب کی طرف سے اپنی اولاد کو اتنی اجازت تھی کہ بچھے ہوئے فرش کے اردگرد بیٹھ جائیں، غرض یہ کہ دادا آپؐ کی بڑی نگہداشت کرتے، اور کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے دیتے تھے، اور فرماتے میرے بچے کے دل پر میل تک نہ آئے نہ آپؐ کے شیشۂ دل کو ٹھیس پہنچے،

○ آشوبِ چشم کا واقعہ :

ایک مرتبہ آپؐ کی آنکھیں دُکھنے آگئیں، عبدالمطلب نے بہت علاج کیا مگر ذرہ برابر بھی افاقہ نہیں ہوا، آخر آپ کو ایک راہب کے پاس لے گئے، وہ اپنے گرجا میں دروازہ بند کئے بیٹھا تھا عبدالمطلب نے دروازہ کھٹکھٹایا، مگر راہب نے کوئی اثر نہ لیا اور دروازہ بند کئے بیٹھا رہا، چند ہی منٹ گذرے تھے کہ سخت زلزلہ آیا اور راہب بدحواس ہوکر دوڑتا ہوا دروازہ کی طرف آیا، باہر نکلنے کے لئے دروازہ کھولا تو دیکھا، عبدالمطلب ایک نورانی صورت بچہ کو لئے باہر کھڑے ہیں، دادا پوتے پر نظر پڑتے ہی سمجھ گیا یہ زلزلہ کا جھٹکا صرف اس نورانی صورت بچہ کی وجہ سے تھا، میں نے چونکہ عبدالمطلب کی دستک پر توجہ نہ دی اس لئے قدرت کی طرف سے یہ جھٹکا لگا،

راہب نے آمد کا مقصد پوچھا تو آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں دُکھنے کا بتلایا، راہب نے جواب دیا:

بزرگوار! اس بچہ کا علاج اللہ تعالیٰ نے ان کے لعابِ دہن میں رکھا ہے، آپ وہ ان کی آنکھوں میں لگائیں، لعاب لگاتے ہی آنکھیں اچھی ہوگئیں،

جنگِ خیبر کے موقع پر حضرت علیؓ کی آنکھیں دُکھ رہی تھیں، آپؐ نے اُن کی آنکھوں میں اپنا لعابِ دہن لگایا فوراً آرام ہوگیا، اور خیبر فتح کرکے فاتحِ خیبر کہلائے،

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہجرت کی شب میں جب غارِ ثور میں سانپ نے کاٹ لیا تھا تب بھی آپؐ نے اپنا لعابِ دہن لگایا تھا گویا لعاب تریاق تھا، وہی لعاب راہب نے آنکھوں میں لگانے کے لئے بتایا،

○ عبدالمطلب کی وفات :

ایک تو عبدالمطلب صدموں پر صدموں کی وجہ سے دن بہ دن کمزور ہوتے جارہے تھے پھر عمر کا بھی تقاضا تھا، آپ اتنے بیمار ہوئے کہ زندگی سے مایوسی ہوگئی، بار بار آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف حسرت بھری نگاہوں سے دیکھتے اور اس تصور سے کہ میرے بعد میرے بچہ کا کیا ہوگا؟ والدین کا سایہ پہلے ہی نہیں اور میں بھی تھوڑی دیر کا مہمان ہوں، رہ رہ کر یہ خیال ستاتا تھا،

پھر آپ کو خیال آیا اور اپنے بیٹے ابوطالب کو جو حضورؐ کے والد ماجد حضرت عبداللہ کے حقیقی بھائی اور آپؐ کے چچا تھے اپنے پاس بُلایا اور اُن کو وصیت کی:

"اے میرے بیٹے ابوطالب! دیکھ، میرا بچہ جو تیرا بھتیجا ہے اِس نے باپ کی صورت نہیں دیکھی، ماں کی تربیت بھی برائے نام نصیب ہوئی ہے، اس لئے میں اس کو تیرے سپرد کرتا ہوں، اس دُرِّ یتیم کا ہر طرح سے خیال رکھنا"

یہ وصیت کرچکے تو ایک سرد آہ مُنہ سے نکلی اور اپنے لختِ جگر کو آخری مرتبہ نگاہ اٹھاکر دیکھا اور آنکھیں

بند ہوگئیں، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۰

عبد المطلب کی وفات میں اختلاف ہے کہ آپ کی کتنی عمر میں وفات ہوئی، لیکن اکثر حضرات کی رائے یہ ہے کہ ایک سو بیس سال کی عمر میں وفات پائی، واللہ اعلم بالصواب،

وفات کے بعد جب جنازہ اُٹھایا گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جنازہ کے ساتھ روتے ہوئے چل رہے تھے آپ سے کسی نے دریافت کیا کہ آپ کو اپنے دادا عبد المطلب کی وفات یاد ہے؟ آپ نے جواب دیا، ہاں بالکل یاد ہے، اُس وقت میری عمر آٹھ سال تھی (سیرۃ ابن ہشام)

○ ابوطالب کی کفالت میں، بعمر ۸ سال؛

ابوطالب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے والد اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے، ابوطالب کے والد جناب عبد المطلب بڑے جہاں دیدہ اور تجربہ کار شخص تھے، آپ چونکہ چراغِ سحری تھے اس لئے ہر وقت فکر مند رہتے، کہ میرے بعد میرے بچے "محمدؐ" صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا ہوگا؟

اس لئے خدا نے آپ کے ذہن میں یہ بات ڈالی کہ حضرت عبد اللہ اور ابوطالب دونوں میرے بیٹے اور دونوں ایک ہی ماں سے پیدا شدہ اور حقیقی بھائی ہیں، اس لئے ابوطالب اپنے بھتیجے کا پورا پورا خیال رکھیں گے، چنانچہ اُن کا یہ خیال بالکل صحیح ثابت ہوا، اور یہ حقیقت ہے کہ ابوطالب نے آپ کی خدمت کا حق ادا کر دیا، اپنی اولاد سے زیادہ عزیز رکھا، آپ کی تکلیف کو اپنی تکلیف آپ کی راحت کو اپنی راحت سمجھا، ہمیشہ اپنے ساتھ کھلایا، اپنے پاس سُلایا اور آٹھ سال کی عمر سے لیکر نبوت کے ملنے کے دس سال بعد تک تقریباً چالیس سال دل وجان سے خدمت کرتے رہے، اس چالیس سالہ دور کے حالات میں سے پہلے چند واقعات ایمان میں تازگی پیدا کرنے کے لئے بچپن کے پیش کئے جاتے ہیں،

بچپن کے چند ایمان افروز واقعات

(۱) ابوطالب کا معمول تھا کہ آپ اور اپنے بچوں کو ایک دسترخوان پر بٹھلا کر اپنے ساتھ کھانا کھلایا کرتے تھے، ابوطالب کے بچے تو عام بچوں کی طرح چھینا جھپٹی شروع کر دیتے، مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاموش بیٹھے رہتے، اور بچوں کی طرح آپ اس قسم کی حرکت نہ کرتے، کبھی ایسا بھی ہوتا کہ آپ کے حصہ میں کچھ نہ آتا، چھینا جھپٹی ہی میں سب ختم ہو جاتا، آخر ابوطالب نے آپ کا کھانا الگ کر دیا، مگر یہ بات آپ کی فطرت کے خلاف تھی، اس لئے آپ نے الگ کھانے سے انکار کر دیا سب کے ساتھ ہی کھاتے اور اپنے نفس سے زیادہ دوسروں کو ترجیح دیتے، بلکہ اُن کو کھاتا دیکھ کر خوش ہوتے، ایسا بھی ہوتا کہ اپنے آگے سے اُٹھا کر ان کو دیدیتے،

(۲) ابوطالب کو ایک تجربہ یہ بھی ہوا تھا کہ جب آپ ساتھ کھاتے تو کھانے میں برکت ہوتی، تھوڑے سے کھانے میں

سب کا پیٹ بھر جاتا، اگر کسی وجہ سے آپ ساتھ نہ کھاتے تو ابوطالب کا بیان ہے کہ میرے سب بچے بھوکے رہ جاتے اور کھانا کھانے کے باوجود کسی کا پیٹ نہ بھرتا، (بدایہ ونہایہ)

یعنی پیٹ نہ بھرنا بے برکتی کی وجہ سے ہوتا، حضورؐ کا ساتھ کھانا برکت کا سبب ہوتا،

(۳) اس چھوٹی عمر میں آپ ہر وقت صاف ستھرے رہتے، ابوطالب کے بچے صبح سو کر اُٹھتے تو کسی کی آنکھوں میں چیپڑ لگے ہوتے، کسی کی ناک گندی، اور آپ کا منہ ایسا صاف جیسے کسی نے ابھی دھویا ہو، دانت موتی کی طرح چمکتے ہوئے، چہرۂ مبارک روشن چاند سا چمکتا ہوا، آنکھیں جیسے کسی نے سُرمہ ڈالا ہو، یہ سب کمالات منجانب اللہ تھے،

(سیرۃ مبارکہ)

(۴) مکہ معظمہ میں سخت قحط پڑا ہوا تھا، قریش ایک وفد لے کر ابوطالب کے پاس پہنچے، اور درخواست کی، آپ خدا سے بارش کی دُعا کریں، ابوطالب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر حرم شریف پہنچے، اور آپ کی پشت خانۂ کعبہ کی دیوار سے لگادی، پھر آپ نے اپنی انگشتِ شہادت آسمان کی طرف اٹھائی، انگلی اٹھاتے ہی آسمان پر ابر نمودار ہوا اور ایسا برسا کہ جل تھل ہو گیا، (مواہب لدنیہ)

(۵) آپ کے زمانہ میں باوجودیکہ لوگ کفر وشرک کی دلدل میں پھنسے ہوئے تھے، مگر پھر بھی سنیما، ریڈیو، ٹیلی ویژن، وی سی آر جیسی ایمان سوز بلاؤں سے دُور کا بھی واسطہ نہ تھا، البتہ شادی بیاہ کے مواقع پر ناچ رنگ کی محفلیں منعقد ہوتی تھیں، بچے، بڑے بوڑھے تک ان محفلوں میں شریک ہوا کرتے تھے، حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ایک واقعہ خود بیان فرمایا کہ جس زمانہ میں میں بکریاں چرایا کرتا تھا اس زمانہ میں میرا بھی دل چاہا کہ رات کو کہیں جاکر کہانیاں سنوں، آپ نے ایک بکریاں چرانے والے ساتھی سے کہا ذرا میری بکریوں کا خیال رکھنا، میں شہر (مکہ) میں جاکر کہانیاں سُن آؤں، اُس کے بعد آپ شہر آگئے، آپ فرماتے ہیں میں راستہ میں چلا جارہا تھا کہ میرے کانوں میں گانے بجانے کی آواز آئی، میں نے دریافت کیا یہ آواز کیسی ہے؟ معلوم ہوا کسی شخص کے ہاں شادی ہے، میں گانا سننے کے ارادہ سے وہاں جاکر بیٹھ گیا، بیٹھتے ہی میری کیفیت یہ ہوئی کہ مجھ پر نیند کا اتنا غلبہ ہوا کہ میں وہیں سو گیا، اور رات بھر سوتا رہا، جب سورج کی شعاعیں مجھ پر پڑیں تو نیند سے بیدار ہوا، اُٹھ کر دیکھا تو گانے بجانے کی محفل ختم ہو چکی تھی، اور وہاں سناٹا پڑا تھا، میں گھبرا کر اپنی بکریوں کے ریوڑ پر گیا، ساتھی نے پوچھا کیا سُنکر آئے؟ آپ نے گذرا ہوا سارا واقعہ سُنایا،

(۶) ایک روایت یہ ہے کہ کچھ نوجوان رات کو بیٹھ کر قصے کہانیوں میں وقت گذارتے، آپ نے بھی رات کو وہاں جانے کا ارادہ کیا تو آپ کو ایسی نیند آئی کہ صبح کو آنکھ کھُلی،

تاریخ میں آپ کے اس قسم کے صرف یہی دو واقعے ملتے ہیں، لیکن ان کو پڑھ کر ہر آدمی اندازہ کر سکتا ہے کہ آپ کے سر پر خدا کا ہاتھ تھا جو غلط راہ پر چلنے نہیں دیتا تھا،

⑦ آپؐ کی عمر مبارک دس سال کے قریب تھی، کہ پہاڑوں پر زبردست بارش کی وجہ سے مکہ معظمہ سیلاب میں گھر گیا، اور کعبۃ اللہ کو بھی سخت نقصان پہنچا، کعبۃ اللہ نشیب میں ہونے کی وجہ سے اب بھی ایسا ہوجاتا ہے، ۱۳۸۸ھ کا واقعہ ہے کہ ایسی طوفانی بارش ہوئی، پینتالیس ۴۵ گھنٹہ تک حرم شریف میں پانی بھرا رہا، تریپن ۵۳ گھنٹہ لوگ طواف نہ کرسکے، مقام ابراہیم، چاہ زمزم سب زیر آب تھے، (درمیان میں یہ بات اس لئے آگئی کہ کعبۃ اللہ نشیب میں ہونے کی وجہ سے سیلاب کی زد میں آجاتا ہے) تو جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک دس سال تھی اس وقت بھی سیلاب کی وجہ سے کعبۃ اللہ کو نقصان پہنچا تھا، مشرکین مکہ نے ہمت کرکے مرمت کا کام شروع کیا، اور ہر شخص اپنی ہمت وطاقت کے مطابق لکڑی پتھر اٹھا اٹھا کر لا رہا تھا، آپؐ یہ سب کام اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے، آپؐ سے رہا نہ گیا، اور سوچا میں اس نیک کام سے کیوں محروم رہوں؟ آپؐ نے بھی پتھر اٹھا کر لانے شروع کردیئے،

⑧ سرزمین حجاز میں کوئی حکومت تو تھی نہیں کہ کچھ ترقی ہو، اس لئے وہاں سنگ تراشی کا ماہر بھی کوئی نہ تھا جس کی وجہ سے کعبۃ اللہ میں لگائے جانے والے پتھر یکساں نہ تھے، اور سخت پتھر تھے، پھر دس سال کی عمر ہی کیا ہوتی ہے! پتھر اٹھا کر لانا بڑے اور طاقت ور آدمی کا کام ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمت وطاقت سے زیادہ کام کرنے کی وجہ سے سانس پھول گیا، آپؐ کے چچا حضرت عباسؓ کی بھتیجے پر نگاہ پڑی، تو محبت اور آپؐ کی کمزوری کی وجہ سے خیال آیا کہ معصوم بچہ کے جسم پر خراش نہ آجائے، آپؐ کا تہبند کھول کر گردن پر رکھدیا، اس زمانہ میں شرم وحیا بڑوں کے پاس سے بھی نہ گذرتی تھی، پھر آپؐ تو بچے تھے، اتنی عمر میں بچہ کا بغیر تہبند باندھے پھرنا عیب کی بات بھی نہ تھی، مگر آپؐ سے برداشت نہ ہوا، اور بیہوش ہوکر زمین پر گر پڑے، ہوش آتے ہی آپؐ نے فرمایا، میرا تہبند، میرا تہبند، یہ سنکر چچا نے فوراً تہبند باندھ دیا، (فتح الملہم ص ۳۸۳ ج ۱، سیرۃ ابن ہشام)

⑨ آپؐ کے کان میں ایک آواز آئی "یَا مُحَمَّدُ عَوْرَتَكَ" اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنا ستر چھپاؤ، آپؐ نے ارشاد فرمایا "اَلْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْاِيْمَانِ" (حیا، ایمان کا جزء اور حصہ ہے) (بخاری)

⑩ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ میں آپؐ کی بیوی تھی، اس کے باوجود آپؐ نے میرا سارا جسم کبھی نہیں دیکھا، غور کریں کہ شوہر کے لئے اپنی زوجہ کے علاوہ اور کسی کا جسم دیکھنا شرعاً جائز نہیں، اس کے باوجود آپؐ کا اپنی زوجہ کا جسم نہ دیکھنا حیا کی بات ہے، ایک حدیث میں ہے،

اِذَا لَمْ تَسْتَحْيِ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ، (بخاری، مسلم)	جب آدمی میں شرم وحیا نہ رہے تو جو چاہے کرے۔

جس شخص میں حیا ہو تو حیا کا خاصہ یہ ہے کہ گناہوں سے بچاتی ہے، آجکل اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ مسلمانوں میں کتنی حیا ہے!

شرک و بُت پرستی سے نفرت ؛

مشرکینِ مکہ خانۂ کعبہ کا طواف کیا کرتے تھے، بعض ایسے بھی تھے جو برہنہ (ننگے ہو کر) طواف کیا کرتے تھے اور اس ناجائز فعل کی یہ تاویل کیا کرتے تھے کہ معلوم نہیں ہمارے جسم کے کپڑے حلال کمائی کے ہیں یا حرام کے، اس لئے ہم اللہ کے گھر کا برہنہ طواف کرتے ہیں، وہاں (طواف کی جگہ) دو بُت رکھے ہوئے تھے، ایک اساف دوسرا نائلہ، اُن کی بھی پوجا کیا کرتے تھے، اور طواف کے وقت بوسہ بھی دیا کرتے تھے، برکت حاصل کرنے کے لئے اُن پر ہاتھ بھی پھیرا کرتے تھے، یہ دونوں بُت مرد و عورت کے مجسمے تھے، جن کے متعلق روایت ہے کہ انھوں نے کعبۃ اللہ میں فحش حرکت کی تھی اس کی سزا قدرت کی طرف سے یہ ملی کہ دونوں مسخ ہو کر پتھر کے مجسمے بنا دیئے گئے،

○ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لاڈلے غلام زید بن حارثہؓ نے اپنے بیٹے کو یہ واقعہ سنایا کہ ایک مرتبہ بچپن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ میں طواف کر رہا تھا، چکر لگاتے لگاتے جب میں اساف اور نائلہ کے پاس پہنچا تو میں نے ارادہ کیا ان کو چھولوں، مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرما دیا، دوسرے چکر میں میں نے چھو ہی لیا، مگر آپ کی جیسی ہی مجھ پر نظر پڑی آپ نے ڈانٹا، اور فرمایا میں نے تمہیں منع کر دیا تھا، پھر بھی نہیں مانے، (سیرۃ مبارکہ بحوالہ بدایہ و نہایہ)

یہ واقعہ نبوت سے پہلے کا ہے جس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ آپ نہ صرف یہ کہ خود شرک و بُت پرستی سے دور رہتے تھے بلکہ دوسروں کو بھی روکتے تھے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ابوطالب کے ساتھ

مُلکِ شام کا پہلا سفر (بعمر ۱۲ سال)

جناب ابوطالب پہلے تو آپ کو کم عمری اور سفر میں تکلیف کے خیال سے بیرونی سفر میں ساتھ نہیں لے جاتے تھے، خیر سے جب آپ کی عمر مبارک بارہ سال کی ہو گئی تو ابوطالب نے کاروباری سلسلہ میں ملکِ شام جانے کا ارادہ کیا، تو آپ نے کہا، چچا! میں بھی آپ کے ساتھ چلوں گا، آپ چونکہ ہر وقت چچا کے ساتھ رہا کرتے تھے، چچا بھی آپ کے آرام و آسائش کا پورا پورا خیال رکھتے تھے، اور ذرہ برابر آپ کے دل پر میل نہیں آنے دیتے تھے، آپ نے بھتیجے کی دل شکنی گوارا نہ کی، اور اپنے ساتھ شام لے گئے، چچا کے ساتھ جانے سے آپ کو بہت کچھ تجربہ ہوا،

○ اس سفر کی تفصیل ابوموسیٰ اشعریؓ یوں بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ابوطالب ملکِ شام کے ارادہ سے نکلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس سفر میں آپ کے ساتھ تھے،

بحیرا راہب سے ملاقات، نبوت کی بشارت ؛

فرماتے ہیں جب یہ قافلہ بحیرا کے پاس پہنچا جو اُس وقت نصاریٰ کا بڑا درویش تھا، (اور اس کا نام جرجیس تھا)

تو قافلہ والوں نے یہاں اونٹوں کے کجاوے کھول دیئے (یعنی ٹھیر گئے) اس سے پہلے جب کبھی اس طرف سے کوئی قافلہ گزرتا تو یہ راہب کبھی کسی کے پاس نہ آتا اور نہ اُن کی طرف کوئی توجہ کرتا، اس مرتبہ وہ خلافِ معمول اپنے عبادت خانہ سے نکل کر ان قافلہ والوں کے پاس آیا، لوگ ابھی اپنے کجاوے کھولنے میں مشغول تھے یہ راہب قافلہ کے اندر گھس کر کچھ تلاش کرنے لگا، حتیٰ کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ پکڑ لیا، اور کہنے لگا کہ یہ شخص ہیں جو تمام جہانوں کے سردار ہیں، یہ وہ ہیں جو سارے جہانوں کے پروردگار کے رسول ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے،

اس پر قریش کے مشائخ نے پوچھا تم کو یہ باتیں کیسے معلوم ہوئیں؟ تو اس نے جواب دیا تم لوگ اس گھاٹی کے قریب پہنچے تو نہ کوئی درخت ایسا رہا اور نہ کوئی پتھر جو سرنگوں نہ ہو گیا ہو، اور جمادات و نباتات نبی کے علاوہ کسی اور کے لئے سرنگوں نہیں ہوا کرتے، اور ان کو تو میں ایک اور خاص علامت سے بھی پہچانتا ہوں، یعنی مُہرِ نبوت،

اس کے بعد وہ راہب واپس چلا گیا، اور اس نے قافلہ والوں کے لئے کھانے کا انتظام کیا، جب وہ کھانا لے کر آیا تو اس وقت آپؐ اونٹ چرانے نکل گئے تھے، اُس راہب نے کہا کسی کو آپؐ کے پاس بھیج کر بُلا لیں، آپؐ تشریف لائے تو آپؐ کے اوپر ایک بادل سایہ کئے ہوئے تھا، جب آپؐ لوگوں کے بالکل قریب آ گئے تو سب لوگ آپؐ سے پہلے درخت کے سایہ میں جا چکے تھے، جب آپؐ آ کر بیٹھے تو درخت کا سایہ آپؐ کی طرف جھک گیا، اس راہب نے کہا دیکھو! ذرا درخت کے سایہ کو دیکھو، کیسا آپؐ کی طرف جھک گیا ہے،

ابھی یہ راہب ابوطالب سے کھڑا ہوا یہ اصرار کر ہی رہا تھا کہ آپ (محمدؐ) کو اپنے ہمراہ روم نہ لے جائیں، کیونکہ وہ لوگ اگر آپؐ کو دیکھ پائیں گے تو آپؐ کی خاص علامت کی وجہ سے آپؐ کو پہچان جائیں گے، اور آپؐ کے قتل کے درپے ہو جائیں گے،

اس راہب نے جو رُخ پھیرا تو کیا دیکھتا ہے کہ سات آدمی روم سے آ رہے ہیں، راہب نے ان کا استقبال کیا، اور پوچھا آپ لوگ کیوں آئے ہیں؟ انھوں نے کہا اس لئے کہ وہ نبیؐ اسی مہینہ میں اپنے وطن سے باہر نکلنے والا ہے، اور کوئی راستہ ایسا نہیں رہا جس پر لوگ (ان کی تلاش کے لئے) نہ بھیجے گئے ہوں، اور ہم کو اطلاع ملی ہے کہ وہ نبیؐ اسی راستہ پر آ رہے ہیں، راہب نے کہا: ذرا بتاؤ تو سہی جس بات کا اللہ تعالیٰ ارادہ کر چکا ہو کہ وہ پوری کر دے پھر کون ایسا ہے جو اس کو ٹال سکتا ہو؟ یہ سنکر وہ لوگ اُس کی بات مان گئے، اور کچھ دن اس کے یہاں قیام پذیر رہے،

- اس کے بعد راہب نے ابوطالب سے دریافت کیا کہ یہ بچہ تمہارا کیا لگتا ہے، یعنی اس سے تمہارا کیا رشتہ ہے؟
- ابوطالب نے جواب دیا: یہ میرا بیٹا ہے،
- بحیرا نے ابوطالب کا جواب سُنکر گردن ہلا کر انکار کیا اور کہنے لگا یہ ناممکن ہے کہ اس بچہ کا باپ زندہ ہو،
- ابوطالب کو بحیرا کے انکار پر تعجب ہوا، پھر بتلایا یہ میرے بھائی عبداللہ کا بیٹا ہے،
- راہب نے ابوطالب سے دریافت کیا: ان کے والد کہاں ہیں؟

ابوطالب نے جواب دیا، یہ بچہ ابھی پیدا بھی نہ ہوا تھا کہ والد کا انتقال ہوگیا تھا، راہب نے ابوطالب کے جواب کی تصدیق کی اور کہا تم ٹھیک کہتے ہو، پھر راہب نے والدہ کے متعلق معلوم کیا تو بتلایا گیا کہ والدہ کا بھی انتقال ہوگیا ہے تو راہب نے اس کی بھی تصدیق کی۔

حَرْبِ فجّار:

جنگ وجدال، قتل وقتال اہل عرب کی عادت ثانیہ بنی ہوئی تھی، ذرا ذرا سی بات پر تلواریں میان سے نکل آتی تھیں اور جاہلانہ باتوں پر جنگ چھڑ جاتی تھی، جو سالہا سال چلتی رہتی تھی، اُن کی حالت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ:

○ ایک شخص کا اونٹ کسی کے کھیت میں گھس گیا، کھیت والے نے اونٹ کو مار ا پیٹا، کھیت کی مالک عورت تھی، اونٹ کے مالک نے اس کو مار ا پیٹا، چھاتیاں کاٹ لیں، اس بات پر چالیس سال لڑائی چلتی رہی جس میں تقریباً ستر آدمی قتل ہوئے۔

○ اسی طرح گھوڑ دوڑ میں کسی کا گھوڑا آگے ہوگیا یا کسی نے گھوڑے کے ایڑ لگادی جس سے وہ بدک گیا، اتنی سی بات کو بہانہ بنا کر میدانِ جنگ بنا دیا جاتا تھا، حالی مرحوم نے اس کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے ؎

وہ بکر اور تغلب کی باہم لڑائی ÷ صدی جس میں آدھی انھوں نے گنوائی
قبیلوں کی کردی تھی جس نے صفائی + تھی اک آگ ہر سو عرب میں لگائی
نہ جھگڑا کوئی مُلک و دولت کا تھا وہ
کرشمہ اک ان کی جہالت کا تھا وہ

الغرض اسی قسم کی لڑائیاں ان کے ہاں روزمرہ کا کھیل تھا، اسی قسم کی ایک لڑائی قبیلہ قریش اور قبیلہ قیس کے درمیان ہوئی، یہ دونوں قبیلے لڑنے مرنے کے لئے میدان میں آکر ایک دوسرے کے مقابل صف آرا ہوگئے، اس لڑائی میں قریش کی کمان حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زبیر بن عبدالمطلب کے ہاتھ میں تھی، اس لئے اُن کی وجہ سے حضورؐ بھی اس جنگ میں شریک ہوئے، مگر عملی طور پر آپؐ جنگ سے علیحدہ رہے، صرف چچا کو بچاؤ کے لئے تیر اُٹھا اُٹھا کر دے رہے تھے، نہ آپؐ نے کسی کو قتل کیا اور نہ کسی پر ہاتھ اُٹھایا، اس جنگ کے وقت آپؐ کی عمر پندرہ یا بیس سال تھی، جیسا کہ اسلام میں ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب یہ چار مہینے "اشہر حرم" کہلاتے ہیں، اسی طرح زمانہ جاہلیت میں بھی یہ مہینے حرمت والے سمجھے جاتے تھے، اور اُن میں قتل وقتال، جنگ وجدال نہیں کیا کرتے تھے، ——— مگر "حَرْبِ فجّار" کے وقت اس اصول کو بالائے طاق رکھ دیا گیا اور قریش وقیس نے خوب دل کھول کر ذیقعدہ کے مہینہ میں جنگ کی، اسی لئے اس کا نام "حَرْبِ فجّار" یعنی گناہ کی جنگ رکھ دیا گیا، اس جنگ میں قریش کامیاب ہوئے اور ایک صلحنامہ کے ذریعہ یہ جنگ بند ہوئی، (ابن ہشام)

تجدید حلف الفضول؛

حربِ فجار کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بہت اثر ہوا جس کی وجہ سے آپؐ ہر وقت اس فکر میں رہتے تھے کہ کوئی صورت ایسی ہو کہ اہلِ عرب سے ناحق جنگ وجدال کی تباہ اور برباد کن رسم ختم ہو، کوئی طاقتور کسی غریب کو نہ ستائے، اور مظلوم کو ظالم کے ظلم سے نجات ملے،

کسی زمانہ میں تین ایسے شخصوں نے جن کے نام کے شروع میں فضل تھا اس قسم کے کمزور لوگوں کی امداد کے لئے ایک معاہدہ کیا تھا، جس کا نام "حلف الفضول" رکھا تھا، یہ تین شخص فضلؓ بن فضالہ، فضلؓ بن وداعہ، فضیلؓ بن حارث تھے، اسی مناسبت سے اس کا نام "حلف الفضول" پڑ گیا،

حضور صلی اللہ علیہ وسلم برابر امن وامان کے لئے بے چین رہتے تھے، اور اس کی کوشش بھی فرماتے رہتے تھے، آخر آپؐ کی کوشش بار آور ثابت ہوئی، اور مکہ کے بڑے بڑے قبائل. بنو ہاشم، بنو مطلب، زہرہ ابن کلاب وغیرہ قبائل کے دل میں خیال آیا کہ حلف فضول کی طرح کوئی معاہدہ ہونا چاہیے تاکہ خلقِ خدا کو اطمینان کا سانس لینے کا موقع ملے، چنانچہ ان قبائل کے سربراہ عبداللہ بن جدعان کے مکان پر جمع ہوئے، اور ایک امن کمیٹی قائم کی، جس میں حلف الفضول کے معاہدہ کی تجدید کی گئی،

امن کمیٹی کا قیام؛

اس کمیٹی کے مندرجہ ذیل مقاصد مقرر کئے گئے:۔

① ملک سے بدامنی ختم کرنے کے لئے جد وجہد

② مسافروں کی حفاظت،

③ غرباء کی امداد کرنا،

④ زیردست (کمزور) کو زبردست اور طاقت ور آدمی کے ظلم وستم سے نجات دلانا،

اس کمیٹی کے ہر ممبر سے عہد لیا جاتا تھا کہ ان مقاصد کے لئے کام کرنا ہوگا،

کمیٹی کا قیام اور حلف الفضول کے معاہدہ کی تجدید یہ سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جذبۂ صادق اور جد وجہد کا نتیجہ تھا،

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

امین تاجر کی حیثیت میں:

جیسا کہ ہم صفحہ ۶۹ پر بیان کر چکے ہیں کہ بارہ سال کی عمر میں آپؐ اپنے چچا ابو طالب کے ساتھ شام کے تجارتی سفر پر تشریف لے گئے، تو آپ کو کافی تجربہ ہوا جس سے فائدہ اٹھا کر آپؐ نے مکہ معظمہ میں تجارت شروع کر دی، آپؐ کا کاروبار بڑا ستھرا، دیانت و امانت سے بھرپور ہوتا تھا، اور جو شخص آپؐ سے ایک مرتبہ معاملہ کر لیتا وہ آپؐ کا مداح اور گرویدہ ہو جاتا تھا تجارت میں حسنِ اخلاق، دیانت و امانت، راست بازی کامیابی کے گُر ہیں، ان اوصافِ حمیدہ کی وجہ سے کچھ ہی دنوں میں آپؐ کا اتنا شہرہ ہو گیا کہ لوگ آپؐ کو "مُحَمَّدٌ" کی بجائے "اَمِیْنٌ وَصَادِقٌ" کے لقب سے یاد کرنے لگے، مکہ کے بڑے بڑے تاجر جو آپؐ کے مقابلہ میں مالدار بھی تھے اور تجربہ کار بھی وہ سب پیچھے رہ گئے،

اس سلسلہ میں تاجر حضرات کے لئے یہ نکتہ یاد رکھنے کا ہے کہ تاجر کے لئے خریدار کو گرویدہ بنانے کے لئے یہ ضروری ہے کہ کسی سے سختی سے بات نہ کرے، بلکہ خندہ پیشانی اور نرمی سے پیش آئے، اب ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تجارت کے چند واقعات پیش کرتے ہیں:۔

① قیس بن سائب بن عویمرؓ صحابی آپؐ کے شریکِ تجارت تھے، وہ آپؐ کے بڑے مداح تھے، اور کہا کرتے تھے کہ مُحَمَّدٌ صلی اللہ علیہ وسلم جب نبی نہیں بنائے گئے تھے یعنی زمانۂ جاہلیت میں میرے شریک تھے، آپؐ بڑے اچھے ساتھی، بڑے اچھے شریک تھے، کبھی سخت بات نہ کہتے، نہ جھگڑا اور حجت کیا کرتے تھے، (سیرۃ مبارکہ ج ۱ ص ۲۳)

② عبداللہ بن ابی الحمصاء حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی سودے کی بات کر رہا تھا، اسی دوران اسے کوئی کام یاد آ گیا، حضورؐ سے کہنے لگا ذرا ٹھہریئے میں ابھی آیا، عبداللہ یہ کہکر چلا گیا، ایک دن گذرا، دوسرا دن گذرا، حتیٰ کہ تیسرے دن اسے خیال آیا کہ میں "محمد" صلی اللہ علیہ وسلم سے کہہ کر آیا تھا "میں ابھی آیا" اور دل میں یہ خیال کیا اب تو آپؐ انتظار کر کے گھر چلے گئے ہوں گے، آپؐ کے گھر جا کر معلوم کیا تو آپؐ نہ ملے، پھر جس جگہ آپؐ سے یہ کہہ کر گیا تھا "میں ابھی آیا" جا کر دیکھا تو آپؐ وہیں انتظار کر رہے ہیں، عبداللہ سے آپؐ نے صرف اتنا فرمایا "میں تین دن سے تمہارا یہیں پر انتظار کر رہا ہوں"

(سیرۃ مبارکہ و سیرۃ النبیؐ، ج ۱ بحوالہ ابو داؤد)

③ ایک اور صحابی قیس بن سائب مخزومیؓ آپؐ کے شریکِ تجارت تھے، وہ بھی آپؐ کے حسنِ معاملہ کی تعریف کیا کرتے تھے، اُن کے ساتھ تجارت آپؐ مکہ معظمہ میں کیا کرتے تھے، تاکہ میرے چچا پر میرا بار نہ پڑے،

حضرت خدیجہ کی درخواست پر شام کا تجارتی سفر

بعمرہ ۲۵ سال

● نسطورا راہب سے ملاقات ● نبوت کی بشارت ●

تجارت میں امانت و دیانت کی وجہ سے مکہ کا ہر فرد آپ کا مداح تھا، اور مکہ کا ہر فرد آپ کا نام لینا بے ادبی سمجھتا تھا اس کے بجائے "امین وصادق" کے لقب سے یاد کیا کرتے تھے، خدیجہ بنت خویلد مکہ کی بڑی مالدار خاتون تھیں، انکی مالداری کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ جتنا مالِ تجارت تمام قریش کا ہوتا تھا اُن سب کی برابر صرف حضرت خدیجہؓ کا ہوتا تھا، (ابن سعد)

اکثر تاجر اُن کا مال شام، یمن، بحرین، افریقہ وغیرہ فروخت کرنے لے جایا کرتے تھے، لیکن اتنی مالدار ہونے کے ساتھ بیوگی کی زخم خوردہ تھیں، اور بیوہ بھی دو مرتبہ کی، کوئی آدمی آپ کو ایسا نہ ملتا تھا جس کو کاروبار میں شریک کریں، بہت سے لوگوں نے نکاح کے پیغام بھیجے مگر آپ نے کسی کا پیغام منظور نہ کیا، آپ کی پاکدامنی کی وجہ سے زمانۂ جہالت میں لوگ "خدیجۂ طاہرہ" کہکر بولا کرتے تھے، آپ نے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دیانت و امانت کا شہرہ سُنا تو آپؐ کی خدمت میں از خود پیغام بھیجا کہ میرا مال شام فروخت کے لئے لے جایئے، اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ میرا ایک غلام "میسرہ" اس سفر میں آپؐ کا ہاتھ بٹانے کے لئے خادم کی حیثیت سے ساتھ رہے گا، میسرہ کو ساتھ بھیجنے سے ایک بڑا مقصد یہ تھا کہ اس کے ذریعہ آپؐ کے حالات بھی معلوم ہوں گے، کیونکہ آپؐ کا شہرہ سُنکر خدیجہؓ حیران تھیں کہ ایسا بچہ جس نے عالمِ یتیمی میں آنکھ کھولی پھر چھ سال کی عمر میں ماں کا سایہ بھی سر سے اُٹھ گیا، آٹھ سال کی عمر تھی کہ دادا عبدالمطلب بھی داغ مفارقت دے گئے، ایسا بے سہارا بچہ جوان ہوکر ایسی شہرت کا مالک بن گیا کہ ہر شخص نام لینے کی بجائے "امین وصادق" کہہ کر یاد کرتا ہے، ایسی شہرت تو ماں باپ کے سایہ والے بچوں کی بھی میں نے نہیں دیکھی،

○ ابوطالب ایک تو کثیر العیال تھے، پھر مالدار بھی زیادہ نہ تھے، مزید حجاج بیت اللہ کی خدمت و مہمان نوازی کا بار، اس لئے آپؐ کی حساس طبیعت نے چچا پر بوجھ بنے رہنا مناسب نہ سمجھا، اور حضرت خدیجہؓ کی شام مال لے جانے کی درخواست منظور فرمالی، اور پچیس ۲۵ سال کی عمر میں آپؐ ان کا مال لے کر شام تشریف لے گئے، پہلی مرتبہ بارہ ۱۲ سال کی عمر میں آپؐ چچا کے ساتھ تشریف لے گئے تھے، اس سے آپؐ کو بڑا تجربہ ہوا تھا، اب ۲۵ سال کی عمر میں وہی تجربہ کام آیا،

نسطورا راہب کی آپؐ سے ملاقات :

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سفر میں ایک درخت کے نیچے قیام فرمایا، اس کے قریب نسطورا راہب (پادری) کا عبادت خانہ تھا، اس نے اپنے عبادت خانہ سے دیکھا اور میسرہ سے پوچھا یہ کون شخص ہیں ؟ میسرہ نے جواب دیا: یہ خاندانِ قریش کے ایک ممتاز فرد ہیں سدا ہنسنے کہا، میں نے یہ بات اس لئے دریافت کی کہ اس درخت کے نیچے سوائے نبی کے اور کوئی نہیں ٹھیرا، اس کے بعد وہ آپؐ کی شکل وصورت کو دیکھتا پھر اپنی کتب سماویہ سے ملاتا، اس کے بعد کہنے لگا، نبی آخر الزماں کی جو علامات ہماری کتابوں میں لکھی ہیں وہ سب اس نوجوان میں موجود ہیں، اس لئے میں تمھیں بتلاتا ہوں کہ یہ عنقریب خداوند تعالیٰ کی طرف سے نبی بنائے جائیں گے، یہ سفر آپ کا ایسا کامیاب رہا کہ اس کے بعد آپؐ چند روز میں مال فروخت کر کے بدلہ میں دوسرا مال خرید کر واپس مکہ معظمہ تشریف لے آئے،

تاجر حضرات کے لئے سبق آموز واقعہ :

شام کے اس تجارتی سفر میں کسی بات پر آپؐ سے ایک خریدار نے کہا: اَحْلِفْ بِاللَّاتِ وَالْعُزّٰی کہ "آپ لات وعزیٰ (بتوں) کی قسم کھائیں" آپؐ نے جواب دیا "خدا کی قسم! میں ہرگز ہرگز ان بتوں کی قسم نہ کھاؤں گا" اس شخص کو بڑا تعجب ہوا کہ اس زمانہ میں ایسا نوجوان تاجر؟

اس کے بعد اس نے میسرہ سے آپؐ کی بڑی تعریف کی، اور کہنے لگا، اس دورِ الحاد وشرک میں مجھے اس نوجوان کی یہ قسم بڑی عجیب معلوم ہوتی ہے، پھر کہنے لگا: "واللہ! یہ وہی (نبی) معلوم ہوتے ہیں جن کے متعلق ہمارے علماء اپنی کتابوں میں لکھا ہوا پاتے ہیں" (ذکرِ رسولؐ)

اس زمانہ کے تاجر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پختگی اور غیر اللہ کی قسم نہ کھانے سے سبق حاصل کریں، مزید سبق آموز بات یہ ہے کہ آپ کا یہ واقعہ زمانۂ نبوت سے پہلے کا ہے، جبکہ ہم مسلمان آپؐ کے اُمتی کہلانے والے تاجر صبح سے شام تک نہ معلوم کتنی جھوٹی سچی قسمیں کھاتے ہیں، مزید چوری سینہ زوری یہ کہ اس کو عیب سمجھنے کی بجائے ہنر اور کمال سمجھتے ہیں،

بہرحال جب آپؐ شام کے اس سفر سے مکہ معظمہ واپس لوٹے تو دوپہر کا وقت تھا، فرشتے آپؐ پر سایہ کئے ہوئے تھے، حضرت خدیجہؓ اپنے مکان کے بالاخانہ سے یہ منظر دیکھ رہی تھیں، آپؐ نے تمام مال خدیجہؓ کے سپرد کیا، اس مال سے آپؐ نے اتنا منافع لاکر دیا، جس کا حضرت خدیجہؓ کو گمان بھی نہ تھا،

بعض تاریخی روایات میں ہے کہ جتنا نفع حضرت خدیجہؓ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہوا اتنا چالیس سال میں نہیں ہوا تھا، روانگی کے وقت منافع میں نصفا نصفی طے ہوا تھا، حضرت خدیجہؓ نے نصف سے بھی زیادہ پیش کیا، آپؐ نے وہ تمام منافع اپنے چچا ابوطالب کو پیش کر دیا، یہ آپؐ کی سعادت مندی کی بات تھی

آج کے اس دور میں حقیقی اولاد اپنے باپ کا بھی خیال نہیں کرتی،

حضرت خدیجہؓ کا ایک خواب اور نکاح کا پیغام؛

مصنف تاریخ اسلام مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی رحمہ اللہ نے حضرت خدیجہؓ کا ایک خواب بیان کیا ہے کہ جب ان کے شوہر ابوہالہ کا انتقال ہوگیا تو ایک شب کو خواب دیکھا کہ آسمان پر ایک روشنی پیدا ہوئی، پھر وہ روشنی آسمان سے اتر کر میرے گھر میں اتر آئی، اور اس سے تمام گھر روشن ہوگیا، حتیٰ کہ مکہ کا کوئی گھر بھی اس روشنی سے خالی نہ رہا،

حضرت خدیجہؓ کی جب آنکھ کھلی تو اس کی تعبیر اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل سے پوچھی جو توراۃ کے زبردست عالم تھے ورقہ نے اس خواب کی یہ تعبیر دی کہ تم نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آنے والی ہو،

خواب کے علاوہ حضرت خدیجہؓ برابر آپؐ کی تعریفیں سن رہی تھیں، اب شام کی تجارت سے اس کا مزید یقین ہوگیا پھر میسرہ نے اس سفر کے حالات بتلائے، نسطورا راہب کی بشارت کا واقعہ سنایا، ادھر شام سے واپسی پر جب آپؐ مکہ معظمہ میں داخل ہو رہے تھے تو فرشتوں کو سایہ کئے ہوئے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا، ادھر ورقہ بن نوفل جو رشتہ میں حضرت خدیجہؓ کے چچازاد بھائی اور مذہب عیسوی کے بڑے عالم تھے، ان سے آپؐ کے واقعات وحالات کا ذکر کیا، تو ورقہ نے جواب دیا: "اے خدیجہؓ! جو باتیں تو نے بیان کیں اگر یہ صحیح ہیں تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس امت کے نبی ہیں، کیونکہ ہمارے ہاں آسمانی کتابوں میں ہے کہ اس امت میں ایک نبی ہونے والا ہے، اور اس کا زمانہ یہی ہے،

حضرت خدیجہؓ بڑی سمجھدار خاتون تھیں، یہ موقع غنیمت جانا، اور فوراً آپ کے پاس پیغام بھیجدیا، کہ میں آپؐ کی زوجیت میں داخل ہونے کا شرف حاصل کرنا چاہتی ہوں اگر میری درخواست منظور ہوجائے تو زہے قسمت، (ابن ہشام)

نکاح؛

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا جناب ابوطالب سے مشورہ کرکے پیغام نکاح منظور فرمالیا، اور نکاح کی تاریخ مقرر ہوگئی، مقررہ تاریخ پر آپ ابوطالب اور دوسرے چچا حضرت حمزہؓ اور کچھ بڑے لوگوں کو لے کر حضرت خدیجہؓ کے مکان پر پہونچ گئے، چچا ابوطالب نے اس زمانہ کے دستور کے مطابق خطبۂ نکاح پڑھا، اور مہر پانچسو درہم مقرر ہوا، نکاح کے وقت حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک پچیس سال اور حضرت خدیجہؓ کی چالیس سال تھی اور دو مرتبہ کی بیوہ، گویا یہ اُن کا تیسرا نکاح تھا، آپ کے پہلے شوہر کا نام ابوہالہ یا ہند تھا، اور دوسرے شوہر کا نام عتیق بن عائذ تھا، دونوں شوہروں کا طبعی موت سے انتقال ہوا، جب تک حضرت خدیجہؓ زندہ رہیں آپؐ نے دوسرا نکاح نہیں کیا، اور ایک صاحبزادہ حضرت ابراہیمؓ کے علاوہ تمام اولاد حضرت خدیجہؓ سے ہوئی، نکاح

کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کم و بیش اٹھائیس سال حضرت خدیجہؓ کے ساتھ گذارے پندرہ سال نبوت سے پہلے اور تیرہ سال نبوت کے بعد،

حضرت خدیجہؓ نے نکاح کی درخواست کیوں کی؟

اس موقع پر یہ سوال ذہن میں آتا ہے کہ حضرت خدیجہؓ نے آپؐ سے نکاح کی درخواست کن وجوہ کی بناء پر کی؟ جبکہ مکہ کے بڑے بڑے رؤسا آپؐ سے نکاح کے خواہشمند تھے، اور آپؐ نے ان سب کی درخواستیں رد کر دی تھیں تو غور کرنے سے اس درخواست کی کئی وجوہ سامنے آتی ہیں مثلاً:۔

(۱) آپؐ کا خواب اور ورقہ بن نوفل کی طرف سے تعبیر،
(۲) آپؐ کا حسنِ اخلاق،
(۳) شرافت و بزرگی،
(۴) امانت و دیانت کی وجہ سے لوگوں کی کا امین و صادق کا لقب سے یاد کرنا،
(۵) وہ اوصافِ حمیدہ جن کا مشاہدہ میسرہ نے شام کے سفر میں کیا اور واپس آکر حضرت خدیجہؓ سے بیان کئے،
(۶) اسی سفر میں نسطور راہب کی نبوت کے متعلق بشارت،
(۷) تجارت میں برکت،
(۸) شام کے سفر سے واپسی پر مکہ میں داخل ہوتے وقت آپؐ کے اوپر ابر کا سایہ بچشم خود مشاہدہ کرنا،

گویا ان اوصافِ حمیدہ کی وجہ سے حضرت خدیجہؓ کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ آپؐ کی غلامی سے میری عاقبت درست ہو جائے گی، اور نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میرے لئے باعثِ صد افتخار ہوگی، ورنہ دولت تو آپ کے پاس بہت تھی، اسی مصلحت کے پیش نظر آپ نے از خود پیغامِ نکاح بھیجا،

حضور سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے چالیس سالہ بیوہ خاتون سے کیوں نکاح فرمایا؟

ہمارے زمانہ کے مسلمان بیوہ عورت سے نکاح اچھی نگاہ سے نہیں دیکھتے، بلکہ بہت سے لوگ تو معیوب سمجھتے ہیں، غور کرنے کا مقام ہے کہ آپؐ پچیس سالہ نوجوان اور زوجہ چالیس سالہ اور دو دفعہ کی بیوگی کی زخم خوردہ ایسی خاتون سے آپؐ نے نکاح کیوں فرمایا؟ کیا آپؐ کے لئے مکہ کی سرزمین پر ایک نوجوان لڑکی بھی نہ تھی؟ تو واقعہ یہ ہے آپؐ کے لئے ایک نہیں دو نہیں، زبان ہلاتے ہی بے شمار اچھی سے اچھی لڑکیاں مہیا ہو سکتی تھیں اور مکہ کی سرزمین میں آپؐ کے لئے کوئی کمی نہ تھی، جیسا کہ مشرکینِ مکہ کا جناب ابوطالب کی خدمت میں یہ کہنا

اپنے بھتیجے کو ہمارے بتوں کی بُرائی کرنے سے روک دو، ہم ان کا مطالبہ پورا کرنے کو تیار ہیں،

اس واقعہ کا تفصیلی بیان آگے صفحہ ۱۱۰ پر بیان کیا گیا ہے، مختصر یہ ہے کہ آپؐ نے دنیا والوں کو یہ دکھلا دیا کہ نکاح سے میرا مقصد خواہشاتِ نفسانی کا دلدادہ اور پرستار بننا نہیں، اگر ایسا ہوتا تو پھر چالیس سالہ خاتون کے بجائے کسی دوشیزہ سے نکاح کرتا،

● تعمیرِ کعبہ ● حجرِ اسود کے مسئلہ پر جنگ کا خطرہ ● حضورؐ کا مدبرانہ فیصلہ ●

کعبۃ اللہ جس کو "خانۂ کعبہ"، "بیت اللہ"، "بیت العتیق" کہتے ہیں، اس کے متعلق ہم اسی کتاب کے حصہ اول کے "تذکرۂ آدمؑ" اور "تذکرۂ ابراہیمؑ" میں تفصیل سے بیان کر چکے ہیں،

یہاں اشارۃً اتنا دوبارہ بیان کئے دیتے ہیں کہ سب سے پہلے اس کی تعمیر بحکم خداوندی سب سے پہلے انسان اور نبی ابوالبشر سیدنا آدم علیہ السلام نے اپنے ہاتھوں سے کی، یہ تعمیر طوفانِ نوح تک باقی رہی اور طوفان کے وقت ختم ہوگئی، پھر سیدنا ابراہیم خلیل اللہ کو اللہ کی طرف سے از سرِ نو اس کی تعمیر کا حکم ہوا، آپ نے اپنے صاحبزادے سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام کو ساتھ ملا کر اس کی تعمیر کی،

قریش نے کعبۃ اللہ کو دوبارہ تعمیر کرنے کا فیصلہ کیوں کیا؟

کفار نے یہ فیصلہ کئی وجوہ سے کیا،

پہلی وجہ تو یہ تھی کہ خانۂ کعبہ پر چھت نہ تھی، جس کی وجہ سے خدا کا یہ مقدس گھر غیر محفوظ تھا، اس میں رکھے ہوئے زر و مال اِدھر اُدھر ہو جاتے تھے، بعض ایسے لوگ بھی تھے کہ وہاں سے کوئی چیز اٹھا کر لے جاتے تھے، جیسا کہ صاحبِ سیرۃ مبارکہ نے جلد اول کے صفحہ ۹۴ کے حاشیہ پر بحوالہ کتاب المعارف لابن قتیبہ لکھا ہے کہ ابولہب نے سونے کا ہرن چرا لیا تھا، غور کریں اتنا بڑا آدمی اور خدا کے گھر میں چوری!

دوسرے دیواریں بھی نیچی یعنی ۵ فٹ اونچی تھیں، پھر ایک حادثہ یہ پیش آیا کہ کوئی عورت آگ سلگا رہی تھی اس کی چنگاری اُڑ کر خانہ کعبہ کے پردہ پر جا گری، اور پردے جل کر راکھ ہو گئے، دیواریں شق ہو گئیں،

مزید اس پر یہ اضافہ اور ہو گیا کہ ایک سیلاب کا ریلا آ گیا، جس کے صدمہ سے رہی سہی دیواریں بھی بالکل ہی ہل گئیں، ان وجوہ سے کفار نے بیت اللہ کی دوبارہ تعمیر کا فیصلہ کیا،

تعمیرِ بیت اللہ میں احتیاط اور مشکلات:

تعمیر کا فیصلہ کرنے والے اگرچہ کفارِ قریش تھے، مگر خدا کے گھر کی عظمت اور احترام پھر بھی اُن کے دل میں تھا اس لئے اس فیصلہ کے ساتھ یہ پابندی بھی لگا دی کہ اس میں حلال پیسہ لگایا جائے، چوری، چکیتی، ڈکیتی، غصب، غبن

یا اور کسی ناجائز کمائی کا پیسہ خدا کے اس مقدس گھر میں ہرگز ہرگز نہ لگایا جائے (ابن سعد)

اس تعمیر کے کام میں دو چیزوں کی ضرورت تھی، رقم اور تعمیراتی سامان، یہ دونوں چیزیں ان لوگوں کے پاس نہ ہونے کے برابر تھیں صرف جذبہ تھا،

غیبی امداد؛

قریش اسی فکر میں تھے کہ تعمیر کا کام کیسے شروع کیا جائے؟ سامان کہاں سے لایا جائے کہ غیبی امداد کے آثار نظر آئے اور ایک بحری تجارتی جہاز سمندری طوفان کی موجوں سے ٹکراتا ہوا جدہ کی بندرگاہ پر پہونچ گیا، اور طوفان کی وجہ سے ٹوٹ پھوٹ کر برابر ہوگیا، اس میں لکڑی اور لوہا کافی تھا، ولید بن مغیرہ کو معلوم ہوا فوراً جدہ جاکر تمام سامان بڑا سستا خرید لیا،

اس جہاز کے کپتان کا نام "باقوم" تھا، وہ فنِ تعمیر سے واقف تھا، ولید بن مغیرہ اس سے معاہدہ کرکے اپنے ساتھ لے آئے، تاکہ وہ اپنی زیرِ نگرانی نقشہ کے مطابق بیت اللہ کی تعمیر کرادے،

کعبۃ اللہ کے شہید کرنے میں دو پریشانیاں؛

تعمیر کے جب تمام انتظامات ہوگئے تو سب سے بڑی پریشانی یہ پیش آئی کہ حرم محترم میں ایک گڑھا یا کنواں تھا جس کے اندر خانۂ کعبہ کی نذر و نیاز قبولیت کی نیت پر ڈال دی جاتی تھی، اس کنویں میں ایک خونخوار اژدہا رہتا تھا، جو روزانہ صبح کو کنویں سے نکل کر خانۂ کعبہ کی دیوار پر آکر بیٹھ جاتا تھا، اور جو کوئی اس کے پاس سے گذرتا اسی پر پھن اُٹھاتا اور منہ پھاڑ کر اس پر حملہ آور ہوتا، اس لئے کسی کی ہمت نہ ہوتی کہ خانۂ کعبہ کے پاس جائے،

کرشمۂ قدرت؛

ایک روز وہی اژدہا حسبِ عادت صبح کو دیوار پر بیٹھا تھا، اور لوگ اس کو دیکھ کر خوف زدہ اور.... سہمے ہوئے تھے، کہ غیب سے ایک پرندہ اڑتا ہوا آیا، اور اژدھے کو اپنے پنجوں میں دبا کر لے گیا، تب جاکر لوگوں نے اطمینان کا سانس لیا، اس حیران کن واقعہ کا ہر جگہ چرچا ہوگیا، اس سے لوگوں نے یہ نتیجہ نکالا کہ اللہ تعالیٰ کو اپنا گھر دوبارہ بنوانا منظور ہے، اسی لئے اژدہے کے خوف سے ہمیں نجات ملی ہے، اور اس میں خانۂ کعبہ تعمیر کرنے کی طرف اشارہ ہے،

اس کے باوجود کسی آدمی کی اتنی ہمت نہیں ہوتی تھی کہ اللہ کے محترم گھر پر چڑھے یا دیوار پر کھڑا ہوکر

پھاوڑا چلائے، ایک دوسرے سے کہتا یہ بے ادبی مجھ سے نہیں ہوتی، تو یہ کام کر، آخر ہمت کرکے ابو وہب بن عمر نامی شخص نے بیت اللہ کا ایک پتھر اکھاڑ کر زمین پر ڈالنا چاہا مگر کامیاب نہ ہوا اور وہ پتھر اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر پھر اپنی جگہ جاکر واپس ایسے چپک گیا، جیسے کسی نے ہاتھ سے چھین کر وہاں پہنچا دیا، لوگ پہلے ہی ہمت توڑے ہوئے تھے، اس واقعہ سے پھر ڈر گئے، اور ہر ایک کے ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی کہ خدا کے اس مقدس گھر کا تعمیر کرنا ہر آدمی کا کام نہیں،

آخر ولید بن مغیرہ جو جدہ سے ٹوٹے ہوئے جہاز کا سامان لایا تھا اس نے ہمت کی اور یہ کہتے ہوئے کہ:۔

اللھم لا نرید الا الخیر" یا اللہ سوائے خیر کے، ہماری اور کوئی نیت نہیں، خانہ کعبہ کی دیوار پر چڑھ گیا اس کے بعد ولید نے سب سے پہلے "رکن یمانی" کے قریب پھاوڑا چلایا اور خانہ کعبہ کو شہید کرنا شروع کر دیا، ساری رات اہل مکہ اس انتظار میں رہے کہ دیکھو ولید پر کوئی آسمانی عذاب آتا ہے یا نہیں، صبح ہوئی تو لوگوں نے دیکھا وہ تو ہنستا ہوا خوش خوش پھاوڑا لئے کعبہ کی طرف چلا آرہا ہے، اس کے بعد تو سب کی ہمتیں بڑھ گئیں، اور سب نے مل کر خانہ کعبہ کو بنیادوں تک شہید کر دیا، کعبۃ اللہ کے شہید کرنے میں دو پریشانیوں سے لے کر یہاں تک مولانا میرٹھی نے اپنی کتاب تاریخ اسلام میں بیان کیا ہے جس کو میں نے اس عنوان کی مناسبت سے الفاظ میں معمولی تبدیلی کر کے یہاں درج کر دیا ہے،

خانہ کعبہ کو شہید کر کے اتنی گہری کھدائی کی کہ ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ کی بنیادیں نظر آنے لگیں، اس کے بعد خانہ کعبہ کے چاروں طرف کے حصے الگ الگ قبیلوں میں تقسیم کر دیئے کہ ہر قبیلہ اپنا اپنا حصہ تعمیر کرے۔ اس سے ایک فائدہ تو یہ ہوا کہ ہر قبیلہ کو تعمیر کی سعادت حاصل ہو گئی، دوسرے کسی کو شکوہ و شکایت کا بھی موقع نہ رہا، تقسیم کے مطابق ہر قبیلہ نے اپنے اپنے حصہ کی تعمیر شروع کر دی،

حجر اسود نصب کرنے پر اختلاف،

جب تعمیر اتنی اونچی ہو گئی جہاں اب حجر اسود لگا ہوا ہے تو اس کے لگانے پر اختلاف اٹھ کھڑا ہوا، چونکہ یہ متبرک اور جنتی پتھر ہے اس لئے ہر قبیلہ اس پر بضد تھا کہ اس کے نصب کرنے کی سعادت ہم حاصل کریں، یہ اختلاف اتنا بڑھا کہ لوگ مرنے مارنے کے لئے تیار ہو گئے، حتیٰ کہ تلواریں میانوں سے نکلنی شروع ہو گئیں، اور برتن میں خون بھر کر اس میں ہاتھ ڈبو کر قسم کھا کر کہا کہ جو بھی حجر اسود کو ہاتھ لگائے گا ہم اس سے جنگ کریں گے، اس جھگڑے کی وجہ سے کئی دن تعمیر کا سلسلہ بھی بند رہا،

آخر خدا نے کیا اس جھگڑے کے ختم ہونے کی ایک صورت ہوئی، قریش کے ایک معمر شخص امیہ بن مغیرہ نے یہ تجویز پیش کی کہ کل پر اس جھگڑے کو چھوڑ دو اور کل صبح سویرے سب سے پہلے جو شخص "باب بنی شیبہ" سے داخل ہو اس کو اس جھگڑے کا ثالث مقرر کیا جائے وہ جو فیصلہ کرے اس کا فیصلہ ہر قبیلہ تسلیم کرے،

قوم کی طرف سے "صادق و امین" کا خطاب،

اس جھگڑے کا تصفیہ پیغمبر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس ہاتھوں مقدر تھا، ہر شخص اس سوچ میں تھا کہ دیکھئے کل کون خوش نصیب "باب بنی شیبہ" سے داخل ہو کر اس قضیہ کا فیصلہ کرتا ہے، ہر شخص کی نگاہیں اس طرف لگی ہوئی تھیں کہ پیغمبر عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس دروازہ سے داخل ہوئے، آپ کو دیکھ کر لوگوں نے نعرہ بلند کیا:

○ جَآءَ مُحَمَّدٌ ○ جَآءَ الْاَمِیْنُ ○ جَآءَ الصَّادِقُ ○

آپ کے تشریف لانے پر سب لوگوں نے حجر اسود کا مسئلہ تصفیہ کے لئے خدمت میں پیش کیا اور عرض کیا:

آپ جو فیصلہ فرمائیں گے ہم سب اس پر سر تسلیم خم کر دیں گے۔

حجر اسود کے متعلق مدبرانہ فیصلہ:

آپ نے سب لوگوں کی باتیں سنکر ایک چادر منگائی اور اس کو بچھا کر اپنے دست مبارک سے اس میں حجر اسود رکھا، اس کے بعد آپ نے فرمایا ہر قبیلہ اپنے سردار کو اپنا وکیل بنا دے۔ اس کے بعد آپ نے ان سرداروں سے فرمایا، اس چادر کے سرے پکڑ کر سب اوپر اٹھاؤ، آپ کے حکم پر سب سرداروں نے عمل کیا، جب پتھر نصب کرنے کی جگہ پہنچ گیا تو چادر میں سے آپ نے اپنے دست مبارک سے اٹھا کر اس جگہ رکھ دیا، جہاں اب لگا ہوا ہے، آپ کے اس مدبرانہ فیصلہ سے خانہ جنگی کا خطرہ ختم ہو گیا، اور تمام حاضرین نے آپ کے اس مدبرانہ فیصلہ پر صدائے تحسین بلند کی، اہل مکہ پہلے بھی آپ کو صادق و امین کے القاب سے یاد کیا کرتے تھے، اس فیصلہ کے بعد مجمع عام میں رؤسا اور شرفاء مکہ نے متفقہ طور پر آپ کو یہ خطاب دیدیا اور آپ کی عزت و وقار اور بڑھ گیا (ابن ہشام)

اس کے بعد جب آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی بنا دیئے گئے تو بعض بدقسمت لوگوں نے آپ کی نبوت کو نہ مانا مگر "صادق و امین" زندگی بھر مانتے رہے،

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

"شاہنامۂ اسلام" میں اس منظر کا نقشہ ان الفاظ میں پیش کیا گیا ہے ؎

نبوت میں ہاتھ بھرنا، لڑنے مرنے کی قسم کھانا ؛ گھٹاؤں کی طرح غصہ کے طوفانوں سے ٹکرانا
وہ ضد وہ ضد اپنوں کا سراسر غیر ہو جانا ؛ مگر خیر الامین کا آکے وجہ خیر ہو جانا
وہ چادر کا بچھانا اس پہ رکھنا سنگ اسود کا ؛ یہ زندہ معجزہ قبل نبوت تھا محمدؐ کا

کعبۃ اللہ تعمیر جدید کے بعد:

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ بیت اللہ کی تعمیر میں جائز اور حلال مال لگانے کا فیصلہ کیا گیا، اس فیصلہ پر پوری طرح عمل کیا گیا مگر اس احتیاط کا نتیجہ یہ ہوا کہ رقم کم رہ گئی جس کی وجہ سے کعبۃ اللہ ابراہیمی بنیاد پر تعمیر نہ ہو سکا، اور ایک جانب کا حصہ جس طرف میزاب رحمت یعنی خانہ کعبہ کا پرنالہ ہے، اس کو باہر چھوڑنا پڑا اس حصہ کو حطیم کہتے ہیں، اور پہچان کے لئے اس طرف قدآدم اونچی منڈیر بنا دی گئی ہے، سامنے نقشہ میں دیکھئے:۔

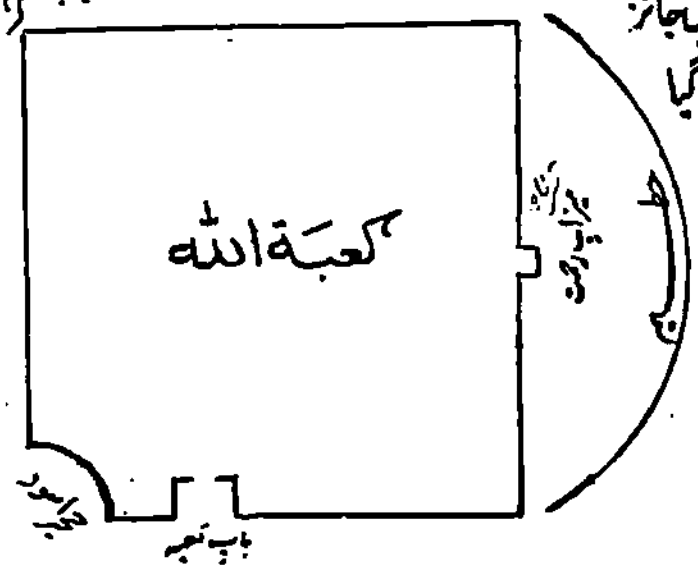

حطیم خانہ کعبہ کے اندر کا حصہ ہے، اسی لئے جو آدمی امام کی اقتداء میں نماز پڑھے، اس کو یہاں نماز نہیں پڑھنی چاہئے، کیونکہ امام باہر ہوتا ہے اور حطیم میں نماز پڑھنے والا امام سے آگے ہو جائے گا، البتہ اگر کمزور آدمی ہو یا کسی مجبوری کی وجہ سے اندر داخل کی سعادت حاصل نہ کر سکے تو ایسا آدمی حطیم میں نوافل پڑھ لے تو ایسا ہے جیسے اس نے خانہ کعبہ کے اندر نماز پڑھی،

دوسری تبدیلی قریش نے یہ کی کعبۃ اللہ کے دروازہ کو اتنا اونچا کر دیا کہ کوئی شخص ان کی اجازت اور مرضی کے بغیر اندر داخل نہ ہو سکے اور داخل ہونے کے لئے ایک سیڑھی کی ضرورت پڑتی ہے، جیسا کہ اب سیڑھی سے اندر داخل ہوتے ہیں، اسی لئے طواف کرنیوالے کو حکم ہے کہ طواف میں حطیم کو شامل کرلے، یعنی حطیم کے باہر سے طواف کرے،

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمنا اور احتیاط،

ایک مرتبہ آپؐ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے فرمایا کہ موجودہ تعمیر بناء ابراہیمی کے مطابق نہیں، اور دروازہ کی چوکھٹ بھی کلید (کنجی) برداروں نے دنیوی غرض کی بناء پر سطح زمین سے بلند کر دی ہے، جو بناء ابراہیمی کے وقت نہ تھی، تو حضرت عائشہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) پھر آپؐ اس کو بناء ابراہیمی کے مطابق کیوں نہیں کر دیتے؟

آپؐ نے فرمایا: اے عائشہؓ! اگر تیری قوم نئی نئی مسلمان نہ ہوئی ہوتی یعنی نومسلم نہ ہوتی تو ضرور میں ایسا کرتا، میں دروازہ بھی نیچا کرا دیتا، اور اس کے بالمقابل ایک دروازہ اور کھلوا دیتا کہ آنے جانے میں آسانی ہو،

یعنی تیری قوم بوجہ جدید الاسلام اور نومسلم ہونیکے یہ کہے گی کہ یہ نبیؐ خدا کا مقدس گھر بھی بناتے ہیں اور خود ہی گراتے ہیں، گویا اس مصلحت سے خانہ کعبہ کو بناء ابراہیمی کے مطابق کرنے میں احتیاط برتی،

عبداللہ بن زبیرؓ کی تعمیر؛

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تمنا سے عبداللہ بن زبیرؓ پوری طرح واقف تھے، کیونکہ یہ ام المومنین حضرت عائشہؓ کے بھانجے تھے، آپ نے اپنے زمانۂ خلافت میں بیت اللہ کی تعمیر کرائی تو حضورؐ کی تمنا کے مطابق کر دیا، حطیم کو بھی بیت اللہ میں شامل کر دیا، دروازہ بھی نیچے کرا دیا، اور اس کے بالمقابل ایک دروازہ اور کھلوا دیا، عبداللہ ابن زبیر کی یہ تعمیر ۶۴ھ میں ہوئی اور دس سال باقی رہی،

مختصر یہ جب حجاج بن یوسف کا دور آیا تو اس نے عبداللہ بن زبیرؓ کو شہید کرا دیا، اور خدا کا مقدس گھر بھی اس کے ظلم و ستم سے محفوظ نہ رہا، اور حکم دیا عبداللہ بن زبیرؓ کی تعمیر کو مسمار کر کے قریش کی بنیادوں پر دوبارہ لوٹا دو، یہ ۷۳ھ کا واقعہ ہے،

ہارون رشید عباسی نے اپنے زمانۂ خلافت میں امام مالک رحمہ اللہ سے دریافت کیا کہ کیا میں موجودہ خانۂ کعبہ کی عمارت کو شہید کر کے عبداللہ بن زبیرؓ کی تعمیر کے مطابق جو بناء ابراہیمی اور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے منشاء کے مطابق تھی دوبارہ تعمیر کرا دوں؟ تو امام مالکؒ نے یہ کہکر منع فرما دیا، اب اسی حالت پر

رہنے دو ورنہ تمہارے بعد ہر آنے والا بادشاہ حجاج کی طرح کرے گا،

امام صاحبؒ کے اس مشورہ یا فتوے پر غور کریں کہ کتنا مدبرانہ تھا اور ہارون رشیدؒ کو دیکھئے کہ آپ کے فتوے پر کیسے عمل کیا، اگر ایسا نہ کرتا تو ہر آنے والا صاحب اقتدار خداوند کریم کے مقدس گھر کو اپنی طاقت اور حکمرانی کا مظاہرہ کرنے کا شغل بنا لیتا،

حضرت علیؓ اور حضرت زیدؓ کی تربیت:

○ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ جناب ابوطالب کثیر العیال (زیادہ اولاد والے) تھے، اور مال دار بھی نہ تھے، حجاج بیت اللہ کی وجہ سے اخراجات کا بار بھی زیادہ رہتا تھا، جس کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فکر رہتا تھا کہ اپنے چچا کا کچھ بوجھ ہلکا کر دوں اور میں اُن پر زیادہ بار نہ بنوں، اسی لئے آپؐ تجارت کیا کرتے تھے، اور اسی لئے حضرت خدیجہؓ کا مالِ تجارت لیکر شام تشریف لے گئے تھے، اور نفع کی رقم جو آپؐ کے حصہ میں آئی تھی وہ سب چچا کے خدمت میں پیش کر دی تھی،

○ ایک مرتبہ مکہ معظمہ میں اتنا زبردست قحط پڑا کہ لوگ بلبلا اُٹھے، ابوطالب بھی پریشان ہو گئے، آپؐ سے یہ پریشانی دیکھی نہ گئی، آپ کے چچا حضرت عباسؓ آسودہ تھے، اس لئے ان سے کہا چچا ابوطالب کے ایک بیٹے کو آپ متبنّیٰ بنا لیں، اور ایک کو میں لے لیتا ہوں، آپکے فرمانے پر حضرت عباسؓ نے حضرت جعفرؓ کو لے لیا، اور حضرت علیؓ کو آپؐ نے لے لیا، اُس وقت اُن کی عمر پانچ سال تھی، چونکہ آپکے تمام لڑکے جو حضرت خدیجہؓ سے پیدا ہوئے تھے وہ بچپن میں ہی فوت ہو گئے تھے، اس لئے طبیعت پر ان کا اثر رہتا تھا، حضرت علیؓ کو تربیت میں لے لینے سے ذرا تسلّی رہتی تھی، یہ واقعہ تعمیرِ کعبہ کے بعد کا ہے،

○ اسی طرح زید بن حارث ایک عیسائی خاندان کے لڑکے تھے کسی بردہ فروش نے اُن کو پکڑ کر غلام بنا کر فروخت کر دیا، حضرت خدیجہؓ کے چچازاد بھائی حکیم بن حزام نے انھیں خرید کر حضرت خدیجہؓ کی نذر کر دیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہؓ سے مانگ کر ان کو آزاد کر دیا، کچھ دنوں بعد حضرت زیدؓ کے باپ حارث اور ان کے چچا کعب کو پتہ چلا کہ ہمارا بچہ زید مکہ معظمہ میں کسی کے پاس غلام بنا ہوا ہے، یہ سنکر دونوں مکہ آئے اور پتہ چلا کہ زید حضورؐ کے پاس ہیں، دونوں نے آپؐ سے درخواست کی کہ زید کو آزاد فرما کر ہمارے حوالہ کر دیں، آپؐ نے حضرت زیدؓ کو بلا کر دریافت کیا تم ان دونوں کو پہچانتے ہو؟ انھوں نے جواب دیا یہ میرے باپ اور چچا ہیں، آپؐ نے فرمایا یہ دونوں تمھیں لینے آئے ہیں، میری طرف سے تم آزاد ہو، جانا چاہو تو چلے جاؤ، انھوں نے جواب دیا، میں آپ سے بالکل جُدا ہونا نہیں چاہتا، زید کے باپ حارث کو غصہ آگیا، اور کہنے لگا تو غلامی کو آزادی سے ترجیح دیتا ہے، زید بولے جی ہاں! میں نے محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں وہ بات دیکھی ہے جو تم میں بلکہ کسی میں بھی نہیں دیکھی، حضورؐ

صلی اللہ علیہ وسلم زید کے اس جواب کے بعد اُن کو فوراً خانۂ کعبہ میں لیگئے، اور اعلان فرمایا: لوگو! سُن لو اور گواہ رہو کہ آج میں زید کو آزاد کرتا ہوں اور یہ میرا بیٹا ہے، زید کے والد اور چچا اس اعلان کو سنکر بڑے خوش ہوئے، اور ان کو آپ کی خدمت میں چھوڑ کر چلے گئے، اس کے بعد سے لوگ ان کو زید بن محمد کہنے لگے۔

یہ واقعہ بھی نبوت سے پہلے کا ہے، جس سے آپ کی بچوں پر شفقت و محبت کا اندازہ ہوتا ہے، دونوں واقعے تاریخ اسلام مولانا میر محمدیؒ اور اکبر شاہ صاحب نجیب آبادیؒ سے ماخوذ ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی خلقِ خدا پر شفقت و رحم دلی کو ان الفاظ میں ذکر فرمایا ہے،

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ

(پ ۱۱، ع ۵)

"تمہارے پاس آیا ہے رسول تم ہی میں کا، اس پر تمہاری تکلیف شاق گذرتی ہے، حریص ہے تمہاری بھلائی پر اہل ایمان پر بے حد شفیق و مہربان ہے"

یہ دو واقعات قبل از نبوت بطور نمونہ پیش کئے گئے ان کے علاوہ اور بھی بہت سے واقعات ہیں، نبوت کے بعد آپؐ کی شفقت و محبت اور بھی بڑھ گئی تھی،

خلاصۂ حیاتِ طیبہ قبل از نبوت ؐ

استاذی مولانا سید بدر عالم صاحب مہاجر مدنی رحمہ اللہ نے نبوت سے پہلی زندگی کا مختصر الفاظ میں خلاصہ پیش کیا ہے، میں بھی آپ کے حالات قبل از نبوت اس خلاصہ پر ختم کرتا ہوں:

آپؐ جوان ہوئے تو اس طرح پر اللہ تعالیٰ آپ کی نگرانی فرماتا، آپؐ کی حفاظت رکھتا تھا، اور جاہلیت کی تمام ناشائستہ حرکتوں سے آپؐ کو دور رکھتا تھا، یہاں تک کہ آپؐ اپنے عین دورِ شباب میں بہ لحاظ مروت سب سے افضل، اخلاق میں سب سے بہتر، پڑوسی کی رعایت سب سے زیادہ رکھنے والے، حلم و بردباری میں سب سے بڑھکر، گفتگو میں سب سے زیادہ راستباز، امانتداری میں سب سے زیادہ امانتدار، تمام فحش باتوں اور ان تمام بداخلاقیوں سے جو انسان کے لئے بدنما داغ ہوں، کوسوں دور تھے اور ان ہی اوصافِ حسنہ کی وجہ سے آپؐ کی قوم میں آپؐ کا لقب "امین" تھا، یہ سب کچھ اس لئے تھا کہ اللہ تعالیٰ کو آپؐ کی رسالت کے منصب جلیل سے نوازنا منظور تھا،

(ذکر رسول بحوالہ ترجمان السنۃ جلد سوم صفحہ ۳۷۲، طبع انڈیا)

الحمد للہ قبل از نبوت کے حالات ختم ہوئے

تمہیدِ نبوت

غارِ حرا کی خلوت :

مکہ معظمہ سے تقریباً تین میل کے فاصلہ پر منیٰ جاتے ہوئے بائیں طرف ایک پہاڑ کا نام حرا ہے۔ اس کو آجکل جبل نور کہتے ہیں، یہ پہاڑ آس پاس کے پہاڑوں سے بالکل ممتاز نظر آتا ہے، اس میں چار گز لانبا اور پونے دو گز چوڑا ایک غار ہے، اسی کو غارِ حرا کہتے ہیں، اس پر چڑھتے وقت آدمی کو ہوش و حواس اور توازن برقرار رکھنا پڑتا ہے، ورنہ ہوا اوپر پہنچنے سے پہلے نیچے پھینک دے گی، تین میل کی چڑھائی چونکہ پہاڑ کی چڑھائی ہے اس لئے تین میل بھی تین میل کے برابر معلوم ہوتے ہیں، اس پر چڑھنا ہر آدمی کا کام نہیں، بس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے ایسی قوت بخشی تھی کہ آپ وہاں جاکر کئی کئی دن مراقبہ اور ذکر و فکر میں مصروف رہتے تھے،

شادی کے بعد آپؐ گھر کے تفکرات سے تو بالکل بے فکر ہو گئے تھے، اور یہ ذمہ داریاں آپؐ کی رفیقۂ حیات ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ نے خود سنبھال لی تھیں، آپؐ کے لئے کئی کئی دن کا ستو اور پانی ساتھ کر دیا کرتی تھیں، کبھی آپؐ واپس نہ آتے، تو ام المؤمنین خود حرا جاکر دے آتیں،

نبوت ملنے سے چھ ماہ پہلے آپؐ کو بڑے اچھے اچھے اور عجیب عجیب خواب نظر آنے لگے، جو نبوت کی تمہید تھے، رات کو جو خواب دیکھتے صبح کو اس کی تعبیر سامنے ہوتی،

● اور یہ کیفیت تو عام تھی کہ نبوت ملنے سے پہلے شجر و حجر حتیٰ کہ بتوں سے آپؐ کی نبوت اور اللہ کا رسول ہونے کی بشارات لوگ سنا کرتے تھے،

صحیح مسلم میں حضرت جابر بن سمرہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا،

اِنِّیْ لَاَعْرِفُ حَجَرًا بِمَکَّۃَ کَانَ یُسَلِّمُ عَلَیَّ قَبْلَ اَنْ اُبْعَثَ اِنِّیْ لَاَعْرِفُہٗ الْاٰنَ	"مکہ کے اس پتھر کو میں خوب پہچانتا ہوں جو بعثت سے پہلے مجھے سلام کیا کرتا تھا، بیشک میں اس کو اب بھی پہچانتا ہوں،"

سیرۃ ابن ہشام میں ہے، غارِ حرا سے اتر کر آپ جب نیچے آتے تو کسی گھاٹی یا وادی سے آپؐ گذرتے تو وہاں کے شجر و حجر بآواز بلند پڑھتے، اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ آپؐ کے کانوں میں جب یہ آواز آتی تو ادھر ادھر مڑ کر دیکھتے

تو سوائے شجر و حجر کے کوئی نظر نہ آتا،

● حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہونے کی ابتداء سچے خوابوں کے نظر آنے سے ہوئی، آپ رات کو جو خواب دیکھتے وہ صبح صادق کی روشنی کی طرح صاف صاف ظاہر ہو جاتا، اس کے بعد آپ تنہائی اور خلوت کو پسند کرنے لگے، چنانچہ آپ غارِ حرا میں تنہا رہا کرتے، اور کئی کئی شب عبادت میں مصروف رہا کرتے تھے، اور اس عرصہ کے لئے کھانے پینے کا توشہ ساتھ لے جایا کرتے تھے، جب ختم ہو جاتا پھر آکر لے جاتے، اور کبھی حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا خود پہونچا آتیں، (ایک خاتون کا جبلِ نور پر چڑھ کر غارِ حرا میں کھانا پہنچانا یہ مجاہدہ اور ہمت و عقیدت کی بات ہے، ورنہ ہمارے زمانہ کا مرد تو چڑھنے سے پہلے دس مرتبہ سوچے گا اس کے بعد شاید ہمت کرے)،

دو اہم سوال اور ان کے جوابات:

(۱) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غارِ حرا کو کیوں منتخب فرمایا؟

(۲) نبوت ملنے سے پہلے آپ کس ملت پر عبادت کیا کرتے تھے؟

ان دونوں سوالوں کے جواب نمبردار پیش خدمت ہیں،

① آپ کا مکہ معظمہ کے دوسرے پہاڑوں کو چھوڑ کر غارِ حرا کو اختیار کرنا، اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ اس زمانہ میں یہاں سے بیت اللہ شریف بالکل صاف نظر آتا تھا[۱] جس پر ہر وقت تجلیاتِ خداوندی کا نزول ہوتا رہتا ہے، حدیث پاک میں ارشاد ہے کہ: اللہ جل شانہ کی بیت اللہ پر ہر روز ایک سو بیس رحمتیں نازل ہوتی ہیں، ان میں سے بیس صرف بیت اللہ کو دیکھنے والوں پر نازل ہوتی ہیں،

② دوسری وجہ یہ ہے کہ اس غار میں آپ سے پہلے بھی بعض انبیاء نے اعتکاف کیا ہے،

③ تیسری وجہ یہ ہے کہ عبادت میں سکون کی ضرورت ہوتی ہے، غارِ حرا آبادی سے دور ہے، اس لئے شور و غل نام کو بھی نہیں، یہ غار چھوٹے حجرہ کی شکل کا ہے، جس میں ایک آدمی فراخی سے اور دو آدمی تنگی سے نماز پڑھ سکتے ہیں، قدرتی طور پر مسقف (چھت والا) ہے، پانی اور بَولے کے طوفان سے بالکل محفوظ ہے،

④ چوتھی وجہ یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب کبھی کبھی اس غار میں اعتکاف کرتے تھے،

بہرحال وجہ کچھ بھی ہو لیکن ایمان داری کی بات یہ ہے کہ وہ جگہ ہی ایسی ہے کہ اگر ایک شخص کے سامنے اس کا نقشہ ہو تو یہ کہنے پر مجبور ہوگا کہ اس پر چڑھنا اور قیام کرنا حق تعالیٰ سے رابطہ قائم کرنے کے لئے ایسی ہی پرسکون جگہ کی ضرورت تھی، اسی لئے آپ نے اس غار کو عبادت خداوندی کے لئے منتخب فرمایا،

---

[۱] اب مکہ معظمہ میں اونچی اونچی عمارتیں بن جانے کی وجہ سے نظر نہیں آتا،

آپؐ غارِ حرا میں عبادت کس ملت پر فرماتے تھے؟ اس میں علما کے کئی قول ہیں، بعض کہتے ہیں آپؐ دینِ موسوی پر عبادت کرتے تھے، بعض کہتے ہیں دینِ عیسوی پر، بعض حضرات کی رائے ہے کہ آپؐ کو جیسے الہام ہوتا ویسے کرتے، بعض حضرات کہتے ہیں آپؐ صرف ذکر و فکر اور مراقبہ فرمایا کرتے تھے، لیکن اقرب یہ ہے کہ آپؐ کی عبادت دینِ ابراہیمی کے طریقہ پر ہوا کرتی تھی، کیونکہ دینِ محمدی دینِ ابراہیمی ہی کی تفصیل کرتا ہے،

مذکورہ بالا دونوں سوالوں کے جوابات ہم نے اپنی یادداشت تقاریر درس بخاری سے بیان کئے ہیں جو حضرت للاستاذ مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ کے درس کے وقت قلمبند کی تھی،

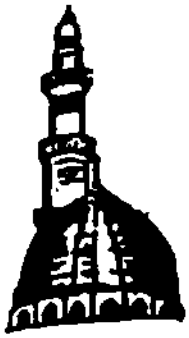

(۴)

بابِ چہارم

- آغازِ نبوت
- نزولِ وحی
- ابتداءِ نزولِ قرآن

آغازِ نبوت:

جیسا کہ ابھی بیان کیا گیا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں سب سے پہلے پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی ابتداء اچھے خوابوں سے ہوئی، حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

اَوَّلُ مَا بُدِئَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنَ الْوَحْیِ الرُّؤْیَا الصَّالِحَۃُ فِی النَّوْمِ۔ (بخاری)	"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے شروع میں اچھے خوابوں سے وحی کا سلسلہ شروع ہوا"

حضرات علماء اور محدثین رحمہم اللہ نے لکھا ہے کہ اچھے اور سچے خواب جو آپؐ نبوت ملنے سے پہلے دیکھا کرتے تھے یہ بھی نبوت کا جزو ہیں، اس لئے آپؐ سے پہلے اور انبیاء علیہم السلام کو بھی نبوت ملنے سے پہلے اسی قسم کے خواب دکھائے جاتے تھے،

نزولِ وحی:

خدا نے کیا وہ وقت سعید آیا جس کی تورات و انجیل میں پیشین گوئی کی گئی تھی، جس کے لئے ابراہیم علیہ السلام نے تعمیرِ کعبہ کے وقت دعائیں کی تھیں، موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام بشارت دیتے ہوئے چلے گئے۔

آپؐ کی عمر مبارک چالیس سال یا اس سے کچھ زائد ہو چکی تھی، آپ حسبِ معمول ماہ رمضان المبارک کی بابرکت راتوں میں غارِ حرا کی پُرسکون فضاؤں میں اعتکاف میں بیٹھے یادِ خدا میں محو تھے کہ ستائیسویں رمضان المبارک مطابق ۱۰ اگست سنہ ۶۱۰ بروز پیر اللہ کے برگزیدہ اور مقدس فرشتے جبرئیل امین علیہ السلام نے حاضرِ خدمت ہو کر سلامی پیش کی، ..... اس کے بعد عرض کیا، اِقْرَأْ "(اے محمدؐ) پڑھئے" چونکہ آپ نے اس چالیس

سالانہ زندگی میں کسی انسان سے پڑھا نہ تھا، اسی لئے آپؐ کو اُمّی کہا جاتا ہے، اس لئے آپؐ نے جواب دیا "مَآ اَنَا بِقَارِئٍ" کہ "پڑھا ہوا نہیں ہوں" گویا آپ کا یہ جواب حقیقتِ حال کے مطابق تھا،

آپؐ فرماتے ہیں، میرے اس جواب پر جبرئیلؑ نے مجھے پکڑ کر اتنا زور سے بھینچا کہ میری قوت جواب دے گئی، پھر مجھے چھوڑ کر کہا: اِقْرَأْ، پھر میں نے وہی جواب دیا کہ "میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں"، جبرئیل علیہ السلام نے تیسری مرتبہ زور سے پھر بھینچا اور چھوڑ کر کہا: "اِقْرَأْ"

اس کے بعد آپؐ نے جبرئیلؑ سے کہا: "بتاؤ کیا پڑھوں؟ اس کے بعد مندرجہ ذیل پانچ آیتیں پڑھوائیں:

① اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ② خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝

اے پیغمبرؐ آپ اپنے اس رب کا نام لیکر پڑھئے جس نے پیدا کیا ——— جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا،

③ اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ④ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝

آپ قرآن پڑھئے اور آپ کا رب بڑا کریم ہے ——— جس نے قلم کے ذریعہ تعلیم دی،

⑤ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝

اس نے انسانوں کو ان چیزوں کی تعلیم دی ——— جن کو وہ جانتا نہ تھا ———

اب آپؐ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی بنا دیئے گئے، اور نبوت کے ساتھ نزولِ قرآن کا سلسلہ شروع ہو گیا،

دبوچنے کا مقصد:

جبرئیل علیہ السلام نے آپؐ کو تین مرتبہ کیوں دبوچا؟ تو اس کا مقصد یہ تھا کہ آپؐ میں وحیِ الٰہی کی برداشت کی صلاحیت پیدا ہو جائے، کیونکہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جس کی عظمت کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ

"اگر ہم اُتارتے قرآن کو ایک پہاڑ پر تو تُو دیکھ لیتا کہ وہ دب جاتا، پھٹ جاتا اللہ کے ڈر سے"

قرآن کریم کی تاثیر اس قدر زبردست اور قوی ہے کہ اگر وہ پہاڑ جیسی سخت چیز پر نازل کیا جاتا اور اس میں سمجھ کا مادہ ہوتا تو وہ بھی اس کلام کی عظمت سے دب جاتا، اور خوف کی وجہ سے پھٹ جاتا اور ریزہ ریزہ ہو جاتا،

الغرض یہ کہ پہلی وحی میں ان آیات کے نزول اور جبرئیل علیہ السلام کے دبوچنے کے بعد آپؐ کی عجیب کیفیت ہو گئی، اور آپ کا سینۂ مبارک علم لدنی کا مخزن بن گیا، اور ذرا سی دیر میں سب کچھ پڑھ سیکھ گئے، اور دنیا آج اسی نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کردہ علوم سے خوشہ چینی کر رہی ہے، اور کرتی رہے گی، علوم میں سے علوم نکل رہے ہیں اور نکلتے رہیں گے، اس کے باوجود عقل انسانی ان علوم کے اسرار و رموز پوری طرح سمجھنے سے عاجز و

بے بس نظر آتی ہے،

اللہ تعالیٰ نے اپنے اس انعام کا ان الفاظ میں ذکر فرمایا ہے:

وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ۚ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا ۝ (پ۵، ع ۱۴)

"اور آپ کو وہ باتیں سکھائیں جو آپ خود نہیں جان سکتے تھے، اور اللہ تعالیٰ کا آپ پر بڑا فضل ہے"

مختصر یہ کہ قرآن کریم کی تاثیر اس قدر زبردست اور قوی ہے کہ اگر وہ پہاڑ جیسی سخت چیز پر اتارا جاتا اور اس میں سمجھ کا مادہ ہوتا تو وہ بھی اس کلام پاک کی عظمت کے سامنے دب جاتا، اور خوف کی وجہ سے پھٹ کر ریزہ ریزہ ہو جاتا، جبرئیل علیہ السلام کا آپ کو دبوچنا اس وجہ سے تھا کہ آپ وحی کے بوجھ کے متحمل ہو سکیں،

● حدیث میں اس قسم کے بعض واقعات حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام کے ساتھ بھی مذکور ہیں، چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنے سینہ مبارک سے چمٹا کر یہ دعا دی، اَللّٰهُمَّ عَلِّمْهُ الْكِتَابَ، (بخاری شریف) "یا اللہ اس کو اپنی کتاب (قرآن) کا علم عطا فرما،

● اسی طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے متعلق ہے کہ جب وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ننگی تلوار لئے ہوئے کفر کی حالت میں پہنچے تو آپ نے ان کے کرتہ کا دامن پکڑ کر جھٹکا دیتے ہوئے فرمایا: "اے عمرؓ! کب تک کفار کی مجلس کی زینت بنے رہو گے"، تو ان میں ایسا انقلاب آیا کہ کلمہ پڑھکر حلقہ بگوش اسلام ہو گئے، جس کی تفصیل آگے عمرؓ کے اسلام میں صفحہ ۱۲۶ پر بیان کی گئی ہے،

● ایک اور واقعہ ابو محذورہ صحابی کا ہے کہ ۸ھ میں فتح مکہ کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم حنین تشریف لیگئے اس وقت ابو محذورہؓ نوجوان تھے، اور دائرۂ اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کا وقت آنے پر اذان کا حکم دیا، ابو محذورہ کو کافر ہونے کی وجہ سے نہ صرف اذان سے بلکہ اذان پڑھنے والے تک سے نفرت تھی، اذان شروع ہوتے ہی انھوں نے مذاق اڑانا اور اس کی نقل اُتارنی شروع کر دی، ان کی نقل اتارنے کی آواز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہونچ گئی، آپ نے ان کو بلوا بھیجا، اور دریافت فرمایا کہ اذان کی نقل کون کر رہا تھا، ابو محذورہ کے ساتھیوں نے ان کی طرف اشارہ کر دیا، آپ نے فرمایا: کھڑے ہو، اور پھر اذان پڑھو، ابو محذورہ کا بیان ہے آپ نے جس اذان پڑھنے کا مجھے حکم دیا تھا اس سے زیادہ مکروہ اور مبغوض میرے لئے اور کوئی چیز نہ تھی، یعنی میرا دل (معاذ اللہ) آپ کی نفرت اور بغض سے بھرا ہوا تھا، لیکن میں مجبور اور بے بس تھا، اس لئے ناچار حکم کی تعمیل کے لئے کھڑا ہو گیا، جب اذان ختم کر چکا تو آپ نے مجھے ایک تھیلی عنایت فرمائی، جس میں کچھ چاندی تھی، اور میرے سر کے اگلے حصہ پر آپ نے اپنا دست مبارک رکھا، اور پھر میرے چہرہ اور سامنے سینہ کے حصہ پر پھر قلب و جگر پر پھر نیچے ناف کی جگہ تک پھیرا، پھر مجھے یوں دعا دی: بَارَكَ اللّٰهُ فِيكَ وَبَارَكَ اللّٰهُ عَلَيْكَ،

"اللہ تعالیٰ تیرے اندر برکت دے، اور تجھ پر برکت نازل فرمائے"۔ ابو محذورہ کا بیان ہے حضورؐ کی اس دعاء اور دستِ مبارک کی برکت سے میرا دل کفر و نفرت کی لعنت سے پاک ہو گیا، اور ایمان و محبت کی دولت مجھے حاصل ہو گئی۔

(معارف الحدیث جلد ۳)

تاریخ نبوت و نزول قرآن:

نزولِ قرآن اور نبوت ملنے کی تاریخ ایک ہی ہے، بعض حضرات نے ۸ ربیع الاول لیکن اکثر حضرات نے ۱۷ رمضان المبارک بیان کی ہے، جیسا کہ ہم صفحہ ۸۸ پر بیان کر چکے ہیں، اور رمضان المبارک والا قول راجح اور قوی معلوم ہوتا ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں فرمایا گیا:

○ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ (پ ۲، ع ۷)	"ماہِ رمضان وہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا ہے"۔ (کشف الرحمٰن)

دوسری جگہ ارشاد ہے:

○ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ	"بلاشبہ ہم نے قرآن کو شب قدر میں نازل کیا ہے"۔

سورۂ دخان میں فرمایا گیا:

○ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ،	"ہم نے اس قرآن کو ایک بابرکت رات میں نازل کیا ہے"۔

برکت کی رات سے مراد شب قدر ہے، کَمَا قَالَ تَعَالٰی "اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ" جو رمضان میں واقع ہوئی، بقولہ تعالیٰ:۔ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ، اس رات میں قرآن کریم لوح محفوظ سے سماءِ دنیا پر اُتارا گیا، پھر بتدریج تیئیس سال میں پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اترا، نیز اسی شب میں پیغمبرؐ پر اس کے نزول کی ابتداء ہوئی (فوائد عثمانی)

آیت شَهْرُ رَمَضَانَ الخ کے ضمن میں لکھا ہے:

صحفِ ابراہیمی اور توریت اور انجیل سب کا نزول رمضان ہی میں ہوا ہے، اور قرآن شریف بھی رمضان کی چوبیسویں شب میں لوح محفوظ سے اول آسمان پر سب ایک ساتھ بھیجا گیا، پھر تھوڑا تھوڑا کر کے مناسب احوال آپؐ پر نازل ہوتا رہا، (فوائد عثمانی)

مصنف سیرۃ المصطفیٰؐ تاریخ بعثت کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اور محمد بن اسحٰق فرماتے ہیں کہ شہر رمضان المبارک کو آپؐ منصب نبوت پر فائز ہوئے، اس اعتبار سے بعثت کے وقت آپؐ کی عمر شریف چالیس سال اور چھ ماہ تھی، حافظ عسقلانیؒ نے فتح الباری میں اسی قول کو صحیح اور راجح قرار دیا ہے، اس لئے کہ غارِ حراء کا اعتکاف آپؐ رمضان ہی میں فرماتے تھے،

تفصیل کے لئے..... زرقانی ص ۲۰۷ ج ۱، فتح الباری ص ۳۱۳ ج ۱۲، کتاب التعبیر ص ۵۵۱ ج ۸، کتاب التفسیر ص ۲۶ ج ۱، بدء الوحی مراجعت فرمائیں۔ (سیرۃ المصطفیٰ ج ۱ ص ۱۴۵)

نبوت ملنے کے بعد؛

اُتر کر حرا سے سُوئے قوم آیا،
اور اِک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا،

نبوت کے شرف سے مشرف ہو کر آپ جبلِ حرا سے اُتر کر نیچے تشریف لائے، گھر پہنچے، رفیقۂ حیات حضرت خدیجۃ الکبریٰ کی چہرۂ انور پر نگاہ پڑی تو رنگ متغیر دیکھا، آپ نے زوجۂ محترمہ سے فرمایا زَمِّلُوْنِیْ زَمِّلُوْنِیْ مجھے چادر اوڑھاؤ مجھے چادر اوڑھاؤ زوجہ نے چادر اُڑھادی، آدمی اگر پہلی مرتبہ کسی نئے اور طویل سفر پر جاتا ہے تو سہم سوار ہو جاتا ہے، اور ڈرتے ڈرتے سفر کرتا ہے، آپ کی چالیس سالہ زندگی میں یہ پہلا واقعہ تھا، دفعۃً بارِ نبوت اور وحی الٰہی کا نزول ہوا اور اس کی ابتداء قرآن مجید کے نزول سے ہوئی جس کی عظمت کا ذکر ابھی کیا گیا،

اس لئے آپ کو یہ فکر ہو گیا کہ میں ایک کمزور انسان اس بارِ گراں کو کیسے اٹھاؤں گا مجھ سے کیسے برداشت ہو گا اس تصور سے حالت غیر ہو گئی، ——— چادر اوڑھنے کے بعد کچھ سکون ہوا تو رفیقۂ حیات نے دریافت کیا، کیا بات ہے! کیسی طبیعت ہے! خیر تو ہے! ——— آپ نے گزرا ہوا واقعہ سنایا اور بتلایا میرے ساتھ ایسا ایسا واقعہ پیش آیا ہے جس کی وجہ سے میری طبیعت پر بوجھ پڑا اور میری حالت ایسی ہو گئی کہ مجھے اپنی جان کا خطرہ ہو گیا،

لیکن حضرت خدیجہؓ نے جب نازل شدہ آیتیں سنیں تو انھوں نے خدا کا شکر ادا کیا، کہ جس امید پر میں نے آپ سے نکاح کی درخواست کی تھی آج میری مراد بر آئی،

حضرت خدیجہ کی طرف سے دل جوئی اور حوصلہ افزائی؛

آپ بڑی عقل مند اور جہاندیدہ خاتون تھیں، آپ کے حالات سے پوری طرح واقف تھیں، اس لئے آپ نے کہا،

كَلَّا وَاللّٰهِ مَا يُخْزِيْكَ اللّٰهُ أَبَدًا إِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ، وَتَحْمِلُ الْكَلَّ وَتَكْسِبُ الْمَعْدُوْمَ وَتَقْرِيْ الضَّيْفَ وَتُعِيْنُ عَلٰى نَوَائِبِ الْحَقِّ،
(بخاری شریف)

خدا کی قسم وہ آپ کو رسوا نہیں کرے گا، کیونکہ آپ لوگوں سے صلۂ رحمی کرتے ہیں، کمزور اور ناتواں لوگوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، غریب اور نادار لوگوں کو اپنی کمائی میں شریک کرتے رہتے ہیں، مہمان نوازی کرتے رہتے ہیں، اور راہِ حق میں مصیبت زدہ لوگوں کی امداد کرتے ہیں،

رفیقۂ حیات نے آپ کے حقیقی اوصاف بیان کر کے دل جوئی کی اور حوصلہ بڑھایا، کہ جس ہستی کے ایسے اوصاف ہوں وہ تو انسانوں کی آنکھ کا تارہ اور اللہ کا پیارا ہو گا، آپ گھبرائیں نہیں، آپ کو تو اللہ تعالیٰ نے اپنا محبوب بنایا ہے

اور میں سب سے پہلے مبارکباد پیش کرتی ہوں کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے نبوت کے منصب پر فائز فرمادیا ہے،

ورقہ بن نوفل کے پاس۔

مزید اپنے اطمینان کے لئے اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں، اور کہا: ـــــ ذرا اپنے بھتیجے کی باتیں سنئے کہ کیا کہتے ہیں؟ ورقہ نے پوچھا تو آپ کے ساتھ جو کچھ گذرا تھا فوراً بتلادیا، وہ آپؐ کی باتیں سنکر چونک اٹھے اور بولے یہ تو وہی ناموس یعنی خدا کا مقدس فرشتہ جبرئیل امین تھا جو موسیٰ علیہ السلام کے پاس آتا رہتا تھا، اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ گھبرانے کی بات نہیں، بلکہ یہ تو خوش ہونے کی بات ہے، اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپؐ تو اللہ کے طرف سے نبوت کے منصب پر فائز کردیئے گئے ہیں اور یقیناً آپؐ وہی نبی آخرالزماں ہیں جن کی بشارت آسمانی کتابوں میں دی گئی ہے، موسیٰؑ و عیسیٰؑ بشارت دیتے ہوئے چلے گئے، بیشک آپ وہی اللہ کے آخری نبی ہیں جن کے وسیلے سے لڑائی میں اہل کتاب اپنی کامیابی کی دعائیں مانگا کرتے تھے، اور جن کے انتظار میں نہ معلوم کتنے لوگ موت کی آغوش میں جاکر سوگئے، اور نہ معلوم کتنے حق کے متلاشی بے قراری سے اپنی زندگی کے لمحات گذار رہے ہیں،

اور اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) مبارک ہو یہ نعمتِ لازوال تم کو حاصل ہوئی،

اور اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) سن لو: وہ زمانہ بھی آنے والا ہے کہ جب تمہاری قوم مخالفت کرے گی اور لوگ تمہاری جان کے دشمن ہوں گے حتی کہ تم کو مکہ چھوڑنا پڑے گا، (یعنی ہجرت کریں گے)

ورقہ کی تمنا،

ورقہ آپؐ کے تمام حالات سنکر کہنے لگے: کاش میں تمہاری امداد کے لئے اس وقت تک زندہ رہتا، جب تمہاری قوم تمہاری دشمن ہوگی، اور تمہیں مکہ چھوڑنے پر مجبور کردے گی،

آپ کو ورقہ کی یہ بات سنکر تعجب ہوا، اور تعجب کرنا صحیح بھی تھا، کیونکہ جو قوم آپؐ کا نام لینا بے ادبی سمجھتی تھی اور آپ کو صادق و امین کے لقب سے یاد کیا کرتی تھی وہ قوم آپ کو مکہ سے نکلنے پر مجبور کردے، تعجب ہی کی بات تھی،

اس لئے آپ نے تعجب سے دریافت کیا، کیا میری قوم کے لوگ مجھ کو مکہ سے نکال دیں گے؟

ورقہ نے جواب دیا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے ساتھ یہ کوئی نئی بات نہ ہوگی، یہ سب کچھ تو آپ سے پہلے انبیاء کے ساتھ ہوا ہے، (ابن ہشام)

لیکن ورقہ کی تمنائے امداد دل کی دل ہی میں رہ گئی، اور کچھ دنوں کے بعد انتقال کرگئے، بعض روایات میں ہے جب آپ ورقہ کے پاس سے رخصت ہوئے تو انھوں نے اُٹھ کر آپ کی پیشانی کو بوسہ دیا،

(ابن ہشام)

نزولِ وحی کی مزید تفصیلات

جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی تھی اسی طرح آپؐ سے پہلے انبیاء پر بھی وحی آیا کرتی تھی، اور یہ انبیاء کرام کا امتیازی وصف ہے،

ارشادِ ربانی ہے:

اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ (پ۶، ع ۳)	"اے نبیؐ! ہم نے آپ کی طرف ایسے ہی وحی بھیجی ہے جیسے وحی ہم نے نوحؑ اور نوحؑ کے بعد آنیوالے پیغمبروں پر بھیجی تھی"

سب سے زیادہ وحی حضورؐ پر نازل ہوئی؛

علماء اور محدثین نے لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر تیئیس سالہ زمانۂ نبوت میں چوبیس ہزار مرتبہ وحی نازل ہوئی، بعض مرتبہ ایک دن میں دس دس مرتبہ وحی نازل ہوتی تھی، اور حضرت آدمؑ پر کُل دس مرتبہ، حضرت نوحؑ پر پچاس مرتبہ، حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اڑتالیس مرتبہ اور حضرت عیسیٰؑ پر دس مرتبہ وحی نازل ہوئی،

نزولِ وحی کی کیفیت؛

● وحی کی گرانی اور ثقل کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ سردی کے زمانہ میں آپؐ کی پیشانی سے پسینہ ٹپ ٹپ گرتا تھا،

● بعض مرتبہ آپ اپنی ناقہ (اونٹنی) قصویٰ پر سوار ہوتے تو وحی کی گرانی اور شدت کی وجہ سے ناقہ بیٹھ جاتی تھی،

● مشہور کاتبِ وحی حضرت زید بن ثابتؓ ایک مرتبہ نزولِ وحی کی کیفیت بیان کرتے ہیں میری ران حضورؐ کی ران کے برابر تھی کہ آپؐ پر وحی کا نزول شروع ہوا تو وحی کی گرانی کی حالت میں میری ران آپؐ کی ران سے لگ گئی، تو مجھے یہ محسوس ہوا کہ میری ران چور چور ہو جائے گی، اُس وقت آپؐ پر غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ اتنا سا جملہ نازل ہوا تھا،

● حضرت صفوانؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میرے والد یعلیٰؓ نے حضرت عمرؓ سے عرض کیا کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہو تو کبھی مجھے بھی اس مبارک منظر کی زیارت کرا دیجئے گا، اس کے بعد ایسا اتفاق ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جعرانہ (مکہ معظمہ سے ۱۸ میل کے فاصلہ پر طائف کے راستہ میں ہی) میں صحابہ کرام کے ساتھ تشریف رکھتے تھے، ایک شخص نے آکر سوال کیا کہ ایک شخص کے جسم پر خوشبو لگی ہوئی ہو اور وہ احرام باندھ لے تو اس کے بعد کیا کرے؟ آپؐ کچھ دیر خاموش رہے، اتنے میں وحی کا نزول شروع ہوا، حضرت عمرؓ نے آپؐ کے جسم مبارک پر ایک کپڑا ڈال دیا اور یعلیٰ کو قریب بلایا، انھوں نے اپنا سر کپڑے کے اندر داخل کیا تو دیکھا کہ آپؐ کا چہرۂ مبارک سرخ ہو رہا ہے اور وحی کی شدت کے اثرات سے آپؐ کا دم گھٹا جا رہا ہے، نزولِ وحی کا سلسلہ جب ختم ہوا تو وہ کیفیت جاتی رہی،

خلاصہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جب وحی نازل ہوتی تو اس کے ثقل کی وجہ سے آپ کی حالت ایسی ہو جاتی جس کو تحریر میں پوری طرح بیان نہیں کیا جا سکتا، اور صرف یہ آپ کا قلب صافی تھا جو وحی کا بار برداشت کر لیتا تھا، کیونکہ قرآن مجید کا نزول اور اس کا یاد اور محفوظ کرا دینے کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمے لیا تھا، اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ وحی کی یہ تمام تفصیلات ہم نے اپنی کتاب "تاریخ قرآن" میں جمع کر دی ہیں، جو انوار الباری شرح بخاری سے ماخوذ ہیں،

وحی کے انتظار میں؛

اول تو قرآن کریم کی حلاوت، دوسرے ورقہ بن نوفل کے آپ کو یہ بشارت سنانے سے کہ جو ناموس (فرشتہ) آپ کے پاس آیا تھا وہ جبرئیل امین تھے، جو موسیٰ علیہ السلام پر بھی وحی لے کر آتے رہتے تھے، آپ دوبارہ جبرئیل کی آمد کے مشتاق رہنے لگے، مگر بجائے آمد کے ان کی آمد میں کافی تاخیر ہو گئی، جس کی مقدار ایک ماہ سے تین ماہ تک بیان کی گئی ہے،

اس تاخیر کی وجہ سے آپ کو انقباض ہوتا، اور اس حالت میں کبھی آپ ایک پہاڑ پر کبھی دوسرے پہاڑ پر چڑھ کر ارادہ کرتے کہ کود کر جان ختم کر دوں، مگر جب آپ یہ ارادہ کرتے اسی وقت ایک غیبی آواز آپ کے کان میں آتی کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ اللہ کے رسول ہیں اور میں جبرئیل ہوں،، اس آواز سے آپ اپنے ارادہ سے رک جاتے،

● جابر بن عبداللہ انصاریؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی رک جانے کا حال اس طرح بیان فرمایا کہ میں ایک مرتبہ کہیں جا رہا تھا کہ اچانک میں نے آسمان سے آواز سنی، نظر اٹھا کر دیکھا تو وہی فرشتہ جو غارِ حرا میں میرے پاس آیا تھا زمین و آسمان کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا ہوا ہے، اس وقت آسمان ایک کنارہ سے دوسرے کنارہ تک اُن کے وجود سے بھرا ہوا تھا، یہ غیر معمولی اور مہیب منظر پہلی مرتبہ دیکھا تھا، آپ یہ منظر دیکھ کر (قدرتی طور پر) گھبرائے تو اسی وقت سورۂ "مدثر" کی یہ ابتدائی آیتیں نازل ہوئیں،

يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ	"اے لحاف میں لپٹنے والے اُٹھ کھڑے ہو اور ڈراؤ اور اپنے پروردگار کی بڑائیاں بیان کرو، اور اپنے کپڑے کو پاک رکھو، اور ہر قسم کی گندگی سے دور رہو،

ان آیتوں کے نزول سے آپ کو اطمینان و سکون ہوا، اس کے بعد آپ نے خفیہ طور پر تبلیغ کا سلسلہ شروع کر دیا،

سورۂ مدثر کے بعد سورۂ فاتحہ اور سورۂ مزمل کا نزول ہوا، اس کے بعد قرآن کریم کا حسب ضرورت نزول شروع ہو گیا اور تیئیس ۲۳ سال میں مکمل ہوا ؛

باب پنجم

سنہ ۱، ۲، ۳ نبوی کے اہم واقعات

فائدہ

ولادت باسعادت سے پچاس یا پچپن دن قبل تاریخ کا اہم واقعہ فیل پیش آیا تھا، جس کا بیان اسی کتاب کے صفحہ ۴۴ پر گذر چکا ہے، اس واقعہ کی اہمیت کی وجہ سے مشرکین مکہ نے اس سال کا نام "عام الفیل" رکھ دیا تھا،

جب اللہ تعالیٰ نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت سے سرفراز فرمایا تو مسلمانوں نے اپنا سال سن ہجری کے حساب سے مقرر کرلیا، چونکہ اس باب سے زمانۂ نبوت کی مکی زندگی کے اہم واقعات کا سلسلہ شروع ہورہا ہے، اس لئے اُن واقعات کا بیان ہم اسی سنہ کے حساب سے کررہے ہیں،

چنانچہ سب سے پہلے سنہ ۱، سنہ ۲، سنہ ۳ کے اہم واقعات پیش خدمت ہیں، یہ تین سال آپ کی زندگی کے بڑے نازک گزرے ہیں، آپ خاموش طریقہ پر فریضۂ تبلیغ انجام دیا کرتے تھے، حتیٰ کہ نماز بھی پہاڑ کی گھاٹی میں جاکر پڑھا کرتے تھے، اس کے بعد تفصیلات پڑھئے،

خفیہ تبلیغ:

اگرچہ آپ کو ابھی علانیہ تبلیغ کا حکم نہیں ہوا تھا، صرف خفیہ تبلیغ کا حکم تھا، لیکن آپ کو سب سے زیادہ اس کا فکر تھا کہ لوگوں کو شرک کی نجاست سے کیسے نکالا جائے، اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت وبندگی کی دعوت لوگوں کو کیسے دی جائے؟ کیونکہ اس اہم کام کے لئے حالات بالکل ناسازگار بلکہ پُرفتن تھے، اس لئے آپ نے خداداد فراست سے فیصلہ فرمایا کہ اس کام کو پھیلانے کے لئے سب سے پہلے مخلصین کی جماعت کی ضرورت ہے، اور اس اہم کام میں وہی لوگ مُعین ومددگار ہوسکتے ہیں جن کو آپ سے زیادہ قرب ہو، آپ کی خدمت میں شب وروز کے حاضرباش ہوں اُن کی نگاہوں میں آپ کی طرح صاف شفاف حیاتِ پاک کا ایک ایک واقعہ ہو، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ایسے افراد کو توفیق دی جو آپ پر سب سے پہلے ایمان لائے، ان مخلصین اور جاں نثار حضرات کے حالات آیت وَالسّٰبِقُوْنَ کے ضمن میں پڑھئے،

وَالسَّابِقُوْنَ السَّابِقُوْنَ اُولٰٓئِکَ الْمُقَرَّبُوْنَ

اور آگے رہنے والے سو وہ تو ہیں ہی آگے رہنے والے وہی تو خدا کے مقرب ہیں ،،

سب سے پہلے ایمان لانے والی ہستیاں ؛

نبوت ملنے کے بعد جب آپ نے گھر پہنچ کر نبوت ملنے اور نزولِ قرآن کا واقعہ بیان فرمایا تو سب سے پہلے مندرجہ ذیل ہستیوں نے ایمان قبول کرنے میں سبقت کی :

(۱) عورتوں میں سب سے پہلے ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا (زوجہ مطہرہ) ،

(۲) بالغ مردوں میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ،

(۳) بچوں میں سب سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ

(۴) آزاد شدہ غلاموں میں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ

(۵) آزاد شدہ باندیوں میں حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا ، (سیرت مبارکہ)

یہ ہستیاں وہ تھیں جن کی نگاہوں کے سامنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک زندگی کے لیل و نہار تھے ، اور آپ کے حالات کا شمس فی النہار کی طرح روشن تھے ، (ایسے لوگ بہت جلد متاثر نہیں ہوتے)

● حضرت خدیجہؓ تو آپ کی پہلے ہی گرویدہ تھیں ، اور انھوں نے اپنی خداداد فراست سے یہ سمجھ لیا تھا کہ کسی وقت آپکو اللہ تعالیٰ نبوت سے نوازے گا ، اسی وجہ سے آپ نے از خود پیغام نکاح بھجوایا تھا ،

● حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا آپ کے ساتھ ہر وقت کا اُٹھنا بیٹھنا تھا ، بڑے عاقل اور صاحب اثر ، بڑے مدبر متموّل سوداگر تھے ، قریش کے ممتاز فرد تھے ، بڑی بڑی مجالس میں لوگ آپ کو میر مجلس بنایا کرتے تھے ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے میں نے جس کسی کافر کو اسلام کی دعوت دی تو اس نے کچھ نہ کچھ پس و پیش ضرور کیا ، مگر ابوبکرؓ کے سامنے جب اسلام پیش کیا تو انھوں نے بلا چون وچرا فوراً قبول کر لیا ، (ابن ہشام)

ایمان لانے کے وقت آپ کی عمر اڑتیس سال تھی ، آپ کے ایمان لانے سے تمام مکہ میں شور مچ گیا ، کہ ابوبکر تو محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان لے آئے ، اور اپنی تمام دولت حضورؐ کی خدمت میں پیش کر دی ، کہ تبلیغی کاموں میں جہاں چاہیں صرف فرمائیں ،

○ حضرت علیؓ کا اسلام ؛

پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ ابوطالب کثیر العیال تھے ، اس لئے ان کا بوجھ کم کرنے کے لئے آپ نے حضرت علیؓ کو پرورش کے لئے لے لیا تھا ، انھوں نے آپ کے زیر سایہ رہ کر تربیت پائی ، ایمان لانے کے وقت آپ کی عمر دس سال تھی ، آپ کے

ایمان لانے کی تفصیل آگے بیان کی گئی ہے،

○ نماز کی ابتداء اور وضو،

توحید پر تو آپ نبوت ملنے سے پہلے بھی قائم تھے، غارِ حراء میں بیٹھ کر خدا کی معرفت حاصل کرتے میں آپ شب و روز مصروف رہتے تھے، البتہ نماز نبوت سے ملنے کے بعد فرض ہوئی، اور حالات پُر فتن اور ناسازگار ہونے کی وجہ سے صرف فجر اور عصر ان دو اوقات میں دو دو رکعت فرض کی گئیں، نبوت ملنے کے بعد ایک روز حضرت جبرئیلؑ تشریف لائے اور زمین پر اپنی ایڑی ماری، تو پانی کا چشمہ جاری ہوگیا، اس پانی سے پھر جبرئیل علیہ السلام نے وضو کیا، آپؐ دیکھتے رہے اس کے بعد آپؐ نے اسی طرح وضو کیا، پھر جبرئیل علیہ السلام نے دو رکعت نماز پڑھائی، ان کی اقتداء میں آپؐ نے نماز پڑھی، گویا آپؐ کو اللہ تعالیٰ نے بذریعہ جبرئیل امین وضو اور نماز کی تعلیم دی، گھر پہونچ کر آپؐ نے اسی طرح حضرت خدیجہؓ کو وضو اور نماز کی تعلیم دی،

اس سے اگلے دن کا واقعہ ہے کہ حضرت علیؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت خدیجہؓ کو دیکھا کہ ایک نئی قسم کی عبادت کر رہے ہیں، کبھی ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں، کبھی گھٹنوں کے بل جھک جاتے ہیں، کبھی زمین پر سجدہ ریز ہو جاتے ہیں، اور کوئی عجیب کلام پڑھتے ہیں جس کو سُنکر دل کھنچتا ہے، حضرت علیؓ تعجب سے کھڑے دیکھتے رہے، جب آپؐ نماز سے فارغ ہوگئے، تو تعجب سے پوچھا:

حضورؐ! یہ کیا کر رہے تھے؟ یہ طریقہ تو میری آنکھوں نے پہلی مرتبہ دیکھا ہے، آپؐ نے بتلایا ہم یہ اللہ کی عبادت یعنی نماز پڑھ رہے تھے، اور میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی بنایا گیا ہوں، اور مجھ سے پہلے جتنے بھی نبی آئے وہ سب خدائے واحد کی عبادت کی دعوت دیتے رہے، غیر اللہ کی پوجا پاٹ سے لوگوں کو منع کرتے رہے، لہٰذا اے علیؓ! میں تمہیں بھی دعوت دیتا ہوں کہ یہ دین قبول کرلو،

حضرت علیؓ نے جواب دیا یہ بالکل نئی بات ہے. اس سے پہلے کبھی میری آنکھوں نے نہیں دیکھی، نہ کانوں نے سُنی، اس لئے میں اپنے والد ابو طالب کو بتلا کر پھر فیصلہ کروں گا، حضرت علیؓ کے اس جواب سے آپؐ کو تکلیف ہوئی، آپ نے ان سے کہا اچھا اگر تم ایمان قبول نہیں کرتے نہ کرو، مگر ابو طالب سے ذکر نہ کرنا، کیونکہ اس سے راز فاش ہو جائے گا،

حضرت علیؓ خاموش ہوگئے رات بڑی بے چینی سے گذاری صبح ہوتے ہی آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر... اسلام قبول کرلیا اور اپنے والد تک کو نہ بتلایا،

● مختصر یہ کہ جب نماز کا وقت آتا تو آپ کسی غار یا کسی گھاٹی میں جا کر نماز پڑھتے تاکہ کوئی کافر دیکھ نہ لے، حضرت علیؓ نے بھی اپنے اسلام کو کسی پر ظاہر نہیں کیا تھا، ایک مرتبہ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی گھاٹی میں نماز پڑھ رہے تھے تو اتفاقیہ اُدھر سے آپ کے والد ابو طالب کا گذر ہوگیا، کھڑے ہو کر تعجب سے دیکھتے رہے،

نماز سے فارغ ہو گئے تو ابو طالب نے پوچھا "اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) تم یہ کیا کر رہے تھے، اور یہ کونسا دین ہے؟"

آپؐ نے جواب دیا: "چچا جان: یہ خدائی دین ہے اور مجھ سے پہلے تمام انبیاء اور میرے جدامجد ابراہیم علیہ السلام کا بھی یہی دین تھا۔" پھر آپؐ نے فرمایا۔ "چچا جان! اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے تمام بندوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے،" پھر آپؐ نے چچا کو اسلام کی دعوت دیتے ہوئے فرمایا: "چچا جان! سب سے پہلے آپ ہی اللہ کے اس دین کو قبول کر لیں،"

ابو طالب نے حضورؐ کی دعوتِ اسلام کے جواب میں کہا:

"بیٹا! میں اپنا آبائی دین تو نہیں چھوڑ سکتا، البتہ یہ میری ضمانت ہے اور خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تمہیں کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا،"

پھر اپنے بیٹے علیؓ سے کہا: "تم نے اچھا کیا یہ دین قبول کر لیا، اب میری تم کو یہ نصیحت ہے کہ اس دین پر سختی سے جمے رہنا، اور "محمدؐ" کا ساتھ نہ چھوڑنا،" (ابن ہشام)

تاریخ ابن ہشام میں ہے:

● ایک مرتبہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ صحابہ کے ساتھ ایک گھاٹی میں نماز پڑھ رہے تھے کہ اتفاقیہ ادھر کفار کی ایک ٹولی آ گئی، وہ ان لوگوں کو ایسی عبادت کرتے دیکھ کر بُرا بھلا کہنے لگے، اور نماز جیسی پاکیزہ عبادت کا مذاق اُڑانے لگے، حضرت سعدؓ کو غصہ آ گیا اور اونٹ کا جبڑا لے کر اتنے زور سے مارا کہ ایک کافر کے سر میں جا کر لگا، اور خون بہنے لگا، اس واقعہ سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ابتداءِ اسلام میں مسلمان کس طرح خدا کی عبادت کرتے تھے؟

● حضرت خدیجہؓ چونکہ آپؐ کی اہلیہ محترمہ تھیں، آپؐ کے حالات اُن کی آنکھوں کے سامنے تھے، پھر زوجہ شوہر کے تابع ہوتی ہے، اس لئے فوراً بلا پس و پیش ایمان لے آئیں اور آپؐ کو لوگوں کی طرف سے جو تکالیف پہنچتیں آپ ہمت و حوصلہ بڑھاتی رہتیں،

● حضرت علیؓ نے آپؐ کی گود میں پرورش پائی تھی، پھر عمر بھی دس سال تھی، اسی لئے دعوتِ ایمان کے جواب میں آپؐ نے اپنے والد ابو طالب سے معلوم کرنے کی اجازت چاہی،

● لیکن حضرت ابو بکر صدیقؓ عاقل، بالغ، سمجھدار تھے، اور مالدار و با اثر شخصیت کے مالک تھے، کفار آپ کی عزت بھی کرتے تھے، اور جب کوئی خاص مجلس ہوتی آپ کو اس کو صدر بنا کر بٹھاتے، اسی لئے جب کفار نے آپؐ کے ایمان لانے کا سُنا تو ششدر رہ گئے، اور سناٹا چھا گیا، کہ ایسے سمجھدار اور صاحب حیثیت شخص نے یہ کیا کیا؟ کہ "محمدؐ" کی غلامی کا طوق گلے میں ڈال لیا، کفار تو ابھی سوچ ہی میں تھے مگر ابو بکرؓ اب اشاعتِ اسلام کی فکر میں لگے ہوئے تھے،

چنانچہ آپ کے پاس جو بھی کافر آتا یا آپ کسی کے پاس جاتے تو اسکو اسلام کی دعوت دیتے، آپ کی اس جد وجہد سے بہت جلد حضرت عثمان بن عفان[1]، حضرت زبیر بن عوام[2]، حضرت طلحہ بن عبید اللہ[3]، حضرت سعد بن ابی وقاص[4]، حضرت عبد الرحمن ابن عوف[5]، یہ پانچ خوش قسمت ہستیاں حلقہ بگوش اسلام ہوگئیں، ان حضرات کا "السابقون الاولون" میں شمار ہے، اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے ان حضرات کو خدمت نبویؐ میں پیش کیا، اور آپؐ کی اقتدار میں نماز پڑھی (ابن ہشام)

ان حضرات کے بعد یہ حضرات ایمان لے آئے،

[6] ابو عبیدہ بن الجراح [7] عثمان بن مظعون [8] ابو سلمہ بن عبد الاسد مخزومی [9] عبد الاسد بن ہلال [10] قدامہ ابن مظعون [11] سعید بن زید [12] ارقم ابن ابی ارقم رضی اللہ عنہم،

پھر [13] جعفر بن ابی طالب [14] عبیدہ بن حارث [15] ابو ذر غفاری [16] عمار بن یاسر [17] عبد اللہ بن مسعود، [18] بلال حبشی [19] عامر بن فہیرہ وغیرہ رضی اللہ عنہم،

عورتوں میں [20] حضرت ابوبکرؓ کی صاحبزادیاں: حضرت اسماء [21] حضرت عائشہ [22] حضرت عمرؓ کی بہن فاطمہ بنت خطاب [23] اسماء بنت عمیس [24] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا عباسؓ کی بیوی ام الفضل وغیرہ رضی اللہ عنہن وعن کل الصحابۃ اجمعین،

یہ سب حضرات خفیہ تبلیغ سے متاثر ہوکر حلقۂ اسلامی میں داخل ہوگئے تھے، گویا یہ حضرات اسلام کے جاں نثار اور جاں باز دستے تھے، جو اسلام کے لئے ہر قسم کی قربانی دیتے تھے اور ہر تکلیف خندہ پیشانی سے برداشت کرتے تھے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مسلمانوں کی دن بہ دن تعداد میں اضافہ سے تو خوشی ہوتی تھی، مگر ان پر کفار کی جانب سے جو مظالم کئے جاتے تھے وہ دیکھے نہیں جاتے تھے، اور ان سے آپ کو بڑی تکلیف ہوتی تھی، جس کی تفصیل "مسلمانوں پر کفار کے مظالم" کے زیر عنوان آرہی ہے،

ابتداءِ اسلام میں مسلمانوں کی کمزوری کا ایک واقعہ

○ حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ:

آپ قبیلۂ غفار کے ممتاز فرد تھے، یہ قبیلہ شام کے راستہ میں رہتا تھا، جدھر سے اہل مکہ تجارت کے لئے جایا کرتے تھے، ابو ذرؓ کے کان میں آواز پڑی کہ مکہ میں کوئی صاحب کہتے ہیں کہ "میں اللہ کا نبی ہوں"، آپ نے حقیقت حال معلوم کرنے کے لئے اپنے بھائی انیسؓ کو مکہ معظمہ بھیجا، کہ جاکر پتہ چلاؤ کیا بات ہے؟ یہ مکہ معظمہ آئے اور تحقیقات کے بعد واپس جاکر بھائی کو بتلایا، لوگ کہتے ہیں کہ ایک صاحب لوگوں کو اچھی باتیں بتلاتے ہیں اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں، بھائی کی اس مختصر سی رپورٹ سے دل مطمئن نہ ہوا، اس لئے خود معلومات کرنے گئے، لیکن جہاں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام زبان پر لانا بھی اپنی موت کو دعوت دینا تھا، پوچھیں تو کس سے؟ سب دشمن، کئی دن اسی وحشت میں گذر گئے، حضرت علیؓ پر ان کی نظر پڑتی تھی، مگر حرفِ مطلب زبان پر لاتے ہوئے ڈرتے تھے، ایک دن حضرت علیؓ نے ان سے نام پتہ پوچھا اور مکہ آنے کا سبب پوچھا، ابوذر نے ڈرتے ڈرتے مقصد آمد بتلایا، مقصد معلوم ہونے کے بعد حضرت علیؓ نے اُن سے کہا میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ، مگر ذرا فاصلہ سے چلنا تاکہ کسی کو شبہ نہ ہو جائے کہ تم میرے ساتھ ہو اور اگر کوئی خطرہ کی بات ہوگی تو میں دیوار کے سہارے کھڑا ہو کر اپنے پاؤں کا جوتہ ٹھیک کرنے لگوں گا، تم آگے چلتے رہنا رکنا نہیں، اتنی رازداری سے ابوذر منزلِ مراد تک پہنچے، پہونچتے ہی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور پر نظر پڑی تو بلا تردد اسلام لے آئے، (بخاری شریف مختصراً)

یہ ایک واقعہ ہم نے اس لئے پیش کیا کہ ناظرین اندازہ کر سکیں کہ اتنی مشکلات کے باوجود اسلام پھیلتا پھولتا چلا گیا اسلام لانے کے بعد جو مظالم آپ پر کفار نے کئے وہ "مسلمانوں پر مظالم" کے زیرِ عنوان ص۱۱۵ سے بیان کئے گئے ہیں،

صحابۂ کرامؓ پر مظالم

اس عنوان کے ضمن میں اُن چند مظلوم نو مسلم صحابۂ کرام کے حالات کا بیان ہے جو مشرکینِ مکہ کے مظالم کا شکار ہوئے ان مظالم کو پڑھکر سُنکر سخت دل آدمی کو بھی رونا آجاتا ہے، ان ہی حضرات کی قربانیوں کا صدقہ ہے کہ آج اسلام کا نام روشن ہے اور انشاء اللہ قیامت تک روشن رہے گا، ——— اللہ تعالیٰ ان نفوسِ قدسیہ پر اپنی رحمتوں کی بارشیں نازل فرمائے، آمین،

① حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ؛

جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ آپ آزاد مَردوں میں سب سے پہلے مسلمان ہیں، اسلام لانے کے بعد آپ نے دینِ اسلام کی نشر و اشاعت کے سلسلہ میں خفیہ کوششیں شروع کر دیں، اور چند ہی روز میں کافی لوگوں کو مسلمان کر لیا، جب مسلمانوں کی تعداد ۳۹ ہو گئی تو آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اصرار کیا..... کہ اسلام کا کام کھُلم کھلا اور علانیہ کیا جائے، آپؐ نے فرمایا ابھی مسلمانوں کی تعداد کم ہے، آپ نے دوبارہ اصرار کیا تو آپؐ آمادہ ہو گئے اور تمام مسلمان آپؐ کے ساتھ آکر مسجدِ حرام (کعبۃ اللہ) میں بیٹھ گئے، ابوبکرؓ خطبہ دینے کھڑے ہوئے تو مشرکین نے ان پر حملہ کر دیا، اور نہ صرف ان کو مارا بلکہ دوسرے مسلمانوں کو بھی مارنا شروع کر دیا، مشرکین میں سے ایک شخص عقبہ بن ربیعہ نے آپ کو اتنا مارا کہ ناک کی ہڈی پچک گئی، حضرت ابوبکرؓ کے قبیلہ والوں کو معلوم ہوا تو دوڑے ہوئے مسجد میں آئے اور اُن کو چھڑا کر گھر لے گئے، مشرکین نے یہ سمجھا کہ ابوبکرؓ زندہ نہیں بچیں گے، کیونکہ اتنی سخت مار سے وہ بیہوش ہو گئے تھے، مگر بھی بیہوشی کی حالت میں لے گئے تھے، جب آپ کو ہوش آیا تو آپ نے اپنے والد

ابو قحافہ اور دوسرے عزیز و اقارب نے بات کرنی چاہی تو آپ نے پہلا سوال یہ کیا کہ میرے آقا و مولیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟

یہ واقعہ "صدیق اکبرؓ" میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ ہم نے اس کو مختصراً بیان کیا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ جو قوم اللہ کے گھر کا اتنا احترام کرتی تھی اسی قوم نے اسکی اتنی بے حرمتی کی اللہ والوں کا خون بہانے سے بھی دریغ نہیں کیا، اس قسم کا واقعہ حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ ایک مرتبہ نہیں بلکہ کئی مرتبہ ہوا،

② حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ:

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد اور خلیفہ ثالث تھے، حضرت ابوبکر صدیقؓ کی جد و جہد سے شروع ہی میں اسلام لے آئے تھے، جب آپ کے چچا حکم بن ابی العاص بن امیہ کو کو معلوم ہوا تو وہ خبیث ذہنیت آپ کو کھجور کی چٹائی میں لپیٹ کر باندھ دیا کرتا تھا اور نیچے سے دھواں کر دیتا اور رسی سے باندھ کر مارتا اور کہتا کیا تو اپنے باپ دادا کے دین کو چھوڑ کر نئے دین کو اختیار کرتا ہے، میں تجھے اس وقت تک نہیں کھولوں گا جب تک تو اس نئے دین کو نہیں چھوڑے گا، چچا نے جب آپ کی اتنی استقامت اور مضبوطی دیکھی تو مجبور آظلم کا سلسلہ ختم کیا (ابن ہشام)

③ حضرت خباب بن الارت رضی اللہ عنہ:

اسلام لانے کے بعد کفار نے آپ پر بڑے بڑے سخت ظلم کئے، سر کے بال پکڑ کر کھینچے جاتے، ایک روز آپ کو دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹا دیا گیا، اوپر سے ایک کافر سینہ پر کھڑا کر دیا گیا تاکہ آپ ہل نہ سکیں، کروٹ نہ لے سکیں آپ کے جسم سے خون بہہ کر چربی نکل آئی جس سے وہ ٹھنڈی ہوئی، عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں مشرکین کے اہل اسلام پر ظلم و تشدد کا ذکر چھڑ گیا تو حضرت خبابؓ نے اپنے ساتھ کئے گئے تشدد کا ذکر سنایا اور کمر کھول کر دکھلائی تو برص کے داغوں کی طرح بڑے بڑے نشان پڑے ہوئے تھے،

④ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ:

ان کا قصہ پہلے گذر چکا ہے کہ انھوں نے اپنے بھائی اُنیس کو مکہ بھیجا کہ جاؤ پتہ چلاؤ کہ "محمدؐ" کون ہیں کیا کہتے ہیں؟ بھائی کی رپورٹ سے اطمینان نہیں ہوا تو خود گئے، آپ کے چہرۂ انور پر نظر پڑتے ہی اسلام لے آئے، اسلام لانے کے بعد حرم کعبہ میں پہنچے دیکھا کہ کفار کے کئی سرغنے وہاں موجود ہیں، جوشِ ایمانی میں آپ نے ان کے سامنے زور سے کہا اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، آپ کا یہ اعلان کفار کیسے برداشت کر سکتے تھے فوراً اُن کو مارنے کے لئے ٹوٹ پڑے، اور اتنا مارا کہ مرنے کے قریب ہو گئے، حضرت عباسؓ جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے وہ یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے، انھیں خیال ہوا کہ ایسا نہ ہو ابوذر مر جائے

اور پھر اس کی قوم قریش کا شام آنے جانے کا راستہ ہی بند کر دے، اس لئے ان کے اوپر لیٹ گئے اور شور مچا کر کہا،
آرے کم بختو! یہ ابوذر قبیلۂ غفار کا آدمی، اس کی قوم نے اگر تمہارا راستہ بند کر دیا تو تمہارا غلہ
آنا بند ہو جائے گا اور تم بھوکے مر جاؤ گے،،
اس وقت تو لوگوں نے چھوڑ دیا مگر اسلام کا نشہ اسا نہ تھا کہ مار پیٹ سے اُتر جائے، ابوذر اگلے دن پھر حرم میں گئے اور پھر اسلام کا نعرہ لگانا شروع کر دیا، کفار کے نوجوانوں نے پھر مارنا شروع کر دیا، اُدھر حضرت عباسؓ نے پھر دیکھ لیا، پھر چھڑایا۔ (بخاری)

اسلام کے راستہ میں سب سے پہلے شہداء

○ حضرت حارث بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ ؛

یہ ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے صاحبزادے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پالے ہوئے تھے، کفار حضورؐ کے ساتھ گستاخی کر رہے تھے ان سے یہ حرکت دیکھی نہ گئی، چھڑانے کے لئے آگے بڑھے، تو کفار نے حضورؐ کو تو چھوڑ دیا، مگر حضرت حارثؓ کو اتنا مارا کہ وہیں شہید ہو گئے، یہ اسلام کی راہ میں پہلا خون تھا جس سے حرم پاک کی زمین سُرخ ہوئی، خانۂ خدا کی حرمت کا بھی خیال نہ کیا، اور رکنِ یمانی کے سامنے شہید کر دیئے گئے، (حضرت خدیجہؓ کے یہ صاحبزادے پہلے شوہر سے تھے)

○ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ ؛

حضرت عمارؓ مشہور صحابی ہیں، والد کا نام یاسر اور والدہ کا نام سمیہؓ تھا، ابوجہل نے اپنی خباثت اور کمینہ پن کا مظاہرہ کرتے ہوئے حضرت سمیہؓ کے مقامِ شرم پر نیزہ مارا جس کے صدمہ سے وہ وفات پا گئیں،
یہ پہلی خاتون ہیں جو راہِ خدا میں شہید ہوئیں،
حضرت عمارؓ کو جلتی تپتی ہوئی زمین پر لٹایا جاتا اور اتنی مار ماری جاتی کہ بیہوش ہو ہو جاتے، ایک دن حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اُدھر سے گذر ہوا تو اُن کی تکلیف دیکھی نہ گئی، آپؐ نے تسلی دیتے ہوئے فرمایا:
اِصْبِرُوْا یَا اٰلَ یَاسِرٍ فَاِنَّ مَوْعِدَکُمُ الْجَنَّۃُ، (سیرۃ مبارکہ ج ۱، رحمۃ للعالمین ج ۱)

غلاموں پر ناقابلِ بیان مظالم ؛

یہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ آزاد مردوں میں اسلام لانے والے سب سے پہلے شخص ہیں اسلام لانے کے بعد آپ نے دینِ اسلام کی نشر و اشاعت کے سلسلہ میں جو کوششیں کیں اس کے متعلق بھی بیان

کیا جا چکا ہے کہ آپ کی کوشش و سعی سے کتنے لوگ مسلمان ہوئے، اس کے علاوہ ایسے غریب و نادار اور غلام مسلمانوں کی جو دعوتِ اسلام قبول کرنے کے نتیجہ میں مشرکینِ مکہ کے مظالم کا شکار ہو رہے تھے اُن کو ان کے آقاؤں سے خرید کر آزاد کرایا، یہ بھی آپ کا ایک کارنامہ ہے، ایسے مقدس غلام لوگوں کی مورخین نے تعداد سات بیان کی ہے،

مردوں میں: حضرت عامر بن فہیرہ، حضرت ابو فکیہہ، حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہم ——— اور

عورتوں میں: حضرت لبینہ، حضرت زنیرہ، حضرت نہدیہ، اور ام عبیسؓ رضی اللہ عنہن،

○ حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ:

آپ اُمیہ بن خلف کے غلام تھے، جب اس کو معلوم ہوا کہ بلالؓ مسلمان ہو گئے ہیں تو طرح طرح سے ایذائیں دینی شروع کر دیں، ٹھیک دوپہر کے وقت جب دھوپ خوب تیز ہو جاتی تو آپ کو تپتے ہوئے ریت پر لٹاتا، گرم پتھر چھاتی پر رکھ دیتا، تاکہ حرکت نہ کر سکیں، اور سیدھے لیٹے رہیں، گردن پر رسی باندھ کر لڑکوں کے ہاتھ میں دیدی جاتی، تاکہ وہ آپ کو گھسیٹتے پھریں، ہاتھ پاؤں باندھ کر لکڑیوں سے مار لگوائی جاتی، بھوکا پیاسا رکھا جاتا، اُمیہ بلالؓ سے کہتا کہ اگر تو "محمدؐ" کا دین چھوڑ دے تو میں بھی تجھے چھوڑ دوں گا، یعنی آزاد کر دوں گا، مگر آپ اَحَدٌ اَحَدٌ کا نعرہ لگائے جاتے،

حضرت ابو بکر صدیقؓ کو علم ہوا تو اُمیہ کے پاس گئے اور اس سے کہا اس غریب کو کیوں تکلیف دے رہا ہے؟ امیہ نے جواب دیا: اگر تمہیں اس کا اتنا ہی خیال ہے تو خرید لو اور آزاد کر دو، آپ نے اس سے خرید کر آزاد کر دیا،

○ حضرت ابو فکیہہ رضی اللہ عنہ:

یہ صفوان ابن امیہ کے غلام تھے، صفوان ایمان لانے کے جرم میں ان کو یہ سزا دلواتا کہ اُن کو رسی میں باندھ کر تپتے ہوئے ریت پر گھسیٹتے، سینہ پر پتھر رکھ دیا جاتا، ایک روز آپ کے سینہ پر اتنا بھاری پتھر رکھا کہ آپ کی زبان باہر نکل آئی، ہم نے صرف چند حضرات کی مظلومیت کا بیان کیا ہے، ورنہ علماء نے مستقل کتابیں لکھی ہیں، اس سلسلہ کی ایک کتاب مولانا سعید احمد اکبر آبادیؒ کی "غلامانِ اسلام" قابلِ مطالعہ ہے۔

۴ سنہ نبوی

○ علانیہ تبلیغ کا حکم:

تین سال تک حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم دینِ اسلام کی خفیہ تبلیغ فرماتے رہے، اس عرصہ میں خدا کے فضل وکرم سے مسلمانوں کی تعداد کافی ہوگئی، اب آپؐ کو خدا تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا کہ علانیہ تبلیغ کا سلسلہ شروع فرمادیں اور سب سے پہلے اپنے قریبی رشتہ داروں کو اسلام کی دعوت دیں،

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ (پ۱۴، ع ۶)	"پس جو حکم آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملا ہے لوگوں کو علانیہ سنادیجئے اور مشرکین کی پرواہ نہ کیجئے"

یعنی دین کی باتیں کہنے اور سنانے میں کوتاہی نہ کریں، خوب صاف صاف اور کھول کھول کر خدائی پیغام لوگوں کو سنایئے، اور اطمینان رکھئے کہ مشرکین آپؐ کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکیں گے، گویا اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی حفاظت کی ذمہ داری خود لے لی، اور آپؐ کو اطمینان دلاتے ہوئے فرمایا:

اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝ (پ ۱۴، ع ۶)	"ہم آپ کی طرف سے ان استہزاء کرنے والوں کو کافی ہیں جو خدا کے ساتھ اور معبود قرار دیتے ہیں، سو یہ عنقریب اپنے انجام کو دیکھ لیں گے۔ (کشف الرحمٰن)

○ قریبی رشتہ داروں کو تبلیغ کا حکم:

علانیہ تبلیغ کے حکم کے ساتھ یہ حکم بھی ہوا کہ یہ کام گھر والوں سے شروع کریں، کیونکہ دوسروں یعنی غیروں کے مقابلہ میں کنبہ والے اور رشتہ دار خیر خواہی کے زیادہ مستحق ہیں، پھر یہ بھی بات ہے کہ آدمی کی صداقت وحقانیت اقارب اور رشتہ داروں سے پرکھی جاتی ہے، اس لئے فرمایا:

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ۙ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ	"اور آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرایئے، اور مسلمانوں میں سے جو لوگ بھی آپ کے پیرو ہیں اُن کے

مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ۝ (پ ۱۹ ع ۱۵)	سامنے اپنے بازو پست رکھتے،،

حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپؐ نے کوہِ صفا پر چڑھ کر یوں آواز لگائی:
یاصباحا. یاصباحا یاصباحا، یہ نعرہ اہل عرب اس وقت لگاتے تھے جب کوئی دشمن ملک پر حملہ کر دیتا یا حملہ کا خطرہ ہوتا، نعرہ کی آواز کانوں میں پہونچتے ہی قریش دوڑ کر آئے، اور ..... آپؐ کے قریبی رشتہ دار حضرت عباسؓ، حضرت حمزہؓ، ابولہب، ابوجہل، ابوطالب، غرض تقریباً چالیسؔ افراد جمع ہو گئے، کہ دیکھیں "محمد" (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کیوں بلایا ہے؟ کیا افتاد آپڑی ہے؟ کیا کہتے ہیں؟

اُدھر آپؐ نے حضرت علیؓ کو فرمایا کہ تم گھر سے کھانا لاؤ، وہ کھانا صرف اتنا تھا کہ ایک آدمی پیٹ بھر کر کھا سکتا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس میں اتنی برکت دی کہ چالیسؔ آدمیوں کا پیٹ بھر گیا، کھانے سے فراغت کے بعد آپ حرفِ مطلب زبان پر لانے ہی والے تھے کہ ابولہب بولا:

"لوگو! یہاں سے جلدی اٹھو! "محمدؐ" نے جادو بھرا کھانا کھلا دیا، کہ ذرا سا کھانا چالیسؔ آدمیوں کو کافی ہو گیا،

یہ سنکر چالیس کے چالیس آدمی اُٹھ کر چل دیئے، آپؐ جو کچھ کہنا چاہتے تھے وہ دل کی دل میں ہی رہ گئی،

○ کوہِ صفا کا خطاب:

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوتِ ہادی
عرب کی زمیں جس نے ساری ہلا دی

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابولہب کی بیہودہ حرکت پر ہمت نہیں ہاری، اور موقع ملتے ہی لوگوں کو دوبارہ دعوت دی، مشرکین بھی ابولہب کی بیہودہ حرکت کو نظر انداز کرتے ہوئے آپؐ کی آواز پر پھر جمع ہو گئے، جو شخص خود نہ آسکا اس نے اپنا نمائندہ بھیجا اس مرتبہ بھی آپ نے دعوت کا اہتمام فرمایا، جب سب حاضرین دعوت کھا کر فارغ ہو گئے تو آپ نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

"اے لوگو! اگر میں تم سے یہ کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے سے دشمن تم پر حملہ کرنے والا ہے، تو کیا تم لوگ میری اس بات کا یقین کرو گے؟"

سب نے یک زبان ہو کر جواب دیا ہم سب آپ کی بات کا یقین کریں گے، کیونکہ آپ "امین وصادق" ہیں اور ہم نے آج تک آپ سے کوئی غلط اور جھوٹی بات نہیں سنی،

اس کے بعد آپ نے فرمایا:

"اگر تم میری بات کا یقین کرتے ہو تو میں تم کو ایک سخت عذاب سے ڈراتا ہوں، تم خدائے واحد.

پر ایمان لاؤ، اسی کی عبادت کرو، اسی سے مدد مانگو، بتوں کی عبادت کرنی اور ان سے مدد مانگنی چھوڑ دو، فَاِنِّیْ نَذِیْرٌ لَّکُمْ بَیْنَ یَدَیْ عَذَابٍ شَدِیْدٍ کہ میں تمہیں ایک سخت عذاب سے ڈرانے آیا ہوں جو تم سے بالکل قریب ہے۔"

○ کفار اور ابولہب کی طرف سے بیہودہ حرکت :

کفار نے آپ کی باتوں کا اثر لینے کے بجائے آپ کا مذاق اڑانا شروع کر دیا، ان سب کا سرغنہ آپ کا حقیقی چچا ابولہب تھا، اس نے بڑی بدتمیزی کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہ الفاظ کہے، تَبًّا لَّکَ سَائِرَ الْیَوْمِ اَلِھٰذَا جَمَعْتَنَا، (بخاری شریف) یعنی تو برباد ہو، کیا تو نے ہمیں اسی لئے جمع کیا تھا؟

ابولہب کی اس گستاخانہ حرکت پر قرآن کریم کی یہ سورت نازل ہوئی! (بخاری شریف)

تَبَّتْ یَدَآ اَبِیْ لَھَبٍ وَّتَبَّ ۝ مَآ اَغْنٰی عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا کَسَبَ ۝ سَیَصْلٰی نَارًا ذَاتَ لَھَبٍ ۝ وَّامْرَاَتُهٗ ؕ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۝ فِیْ جِیْدِھَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ۝

(پ ۳۰)

"ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں، اور وہ ہلاک ہو جائے نہ اس کا مال اس کے کام آیا نہ اس کی کمائی، وہ عنقریب ایک شعلہ مارتی ہوئی آگ میں داخل ہوگا، اور اس کی بیوی بھی جو سر پر ایندھن اٹھا کر لاتی ہے، اس کی گردن میں خوب بٹی ہوئی مضبوط بٹی ہوئی رسی ہوگی۔" (کشف الرحمٰن)

ابولہب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حقیقی چچا ہونے کے باوجود اپنے کفر و شرک کی وجہ سے آپ کا شدید ترین دشمن تھا، جب آپ کسی مجمع میں پیغام حق سناتے یہ بدبخت آپ پر پتھر پھینکتا، حتیٰ کہ آپ کے پائے مبارک لہولہان ہو جاتے، اور زبان سے کہتا لوگو! اس کی بات مت سنو، یہ شخص (معاذ اللہ) جھوٹا بے دین ہے، کبھی کہتا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم سے اُن چیزوں کا وعدہ کرتے ہیں جو مرنے کے بعد ملیں گی، ہم کو تو وہ چیزیں نظر نہیں آتیں، اور صرف یہی آپ کا دشمن نہ تھا بلکہ اس کی بیوی جس کا نام "اُم جمیل" تھا وہ ابوسفیان کی بہن تھی، اس کی دشمنی کا یہ حال تھا کہ جنگل سے کانٹے دار (ببول کی) لکڑیاں اٹھا کر لاتی، اور آپ کی گذرگاہ میں بچھا دیتی، جب آپ مسجد حرام نماز پڑھنے تشریف لے جاتے تو آہستہ آہستہ اُن کو ہٹا کر تشریف لے جاتے،

الغرض ابولہب اور اس کی بیوی بلکہ اُن کے بیٹوں عتبہ اور عتیبہ تک نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنی تکلیفیں پہنچائیں کہ ان کو برداشت کرنا آپ ہی کا حوصلہ اور ہمت تھی، اس کے دو بیٹوں سے آپ کی دو صاحبزادیاں حضرت رقیہؓ، حضرت ام کلثومؓ منسوب تھیں، گویا ابولہب صرف چچا ہی نہ تھا بلکہ سمدھی بھی تھا، ایک دفعہ اس نے اپنی بیوی کے اشارہ پر اپنے دونوں بیٹوں سے کہا اگر تم میرے بیٹے ہو اور مجھے خوش رکھنا چاہتے ہو تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی دونوں لڑکیوں کو طلاق دیدو، ورنہ ساری عمر میں تمہاری

شکل نہ دیکھوں گا، چنانچہ دونوں نے طلاق دیدی ان طلاق بھی حضورؐ کے سامنے جاکر دی، جس سے آپؐ کو بہت تکلیف ہوئی، اس حرکت سے آپ کو تکلیف تو ہوئی لیکن یہ دونوں صاحبزادیوں کو جو تکلیفیں دیتے تھے اس سے آپؐ کو حضرت خدیجہؓ کو، بچیوں کو راحت ہوگئی، اس کے بعد آپؐ نے یکے بعد دیگرے ان دونوں صاحبزادیوں کا نکاح حضرت عثمانؓ غنی سے کردیا، پہلے حضرت رقیہؓ سے ان کے انتقال کے بعد حضرت ام کلثومؓ سے،

حضرت عثمان غنیؓ وہ واحد ہستی اور صحابی ہیں جن کے نکاح میں نبی کی دو صاحبزادیاں آئیں، ورنہ یہ شرف ایک لاکھ چوبیس ہزار کے قریب انبیاء کے کسی صحابی کو حاصل نہیں ہوا، اسی لئے آپ کو "ذی النورین" کہتے ہیں،

ضمناً ابولہب اسکی بیوی اور اس کے بیٹے عتیبہ کا عبرت ناک انجام بھی پڑھتے چلئے:

○ ابولہبؔ اور اس کی بیوی کا عبرتناک انجام؛

جنگ بدر جو ۲ھ میں ہوئی تھی اس کے ایک ہفتہ بعد ابولہب کے ایک زہریلا دانہ نکلا، گھر والوں اور دوسرے لوگوں نے اس ڈر سے اس کے پاس جانا بند کردیا کہ اس کی بیماری کبھی ہمیں بھی لگ جائے اور اس کو ایک طرف ڈال دیا، پڑے پڑے وہیں دم نکل گیا، تین روز تک لاش یونہی پڑی رہی، جب لاش پھول گئی اور بدبو پھیلنے لگی تو کچھ مزدوروں نے ایک گڑھا کھود کر لکڑیوں سے گڑھے میں ڈال دیا، اوپر سے پتھر پھینک دیئے، یہ تو ہوا ابولہب کا انجام، اب اس کی بیوی کا انجام پڑھئے:

منقول ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے راستہ میں بچھانے کے لئے کانٹوں کی لکڑیوں کا گٹھا سر پر رکھے آرہی تھی، اس کی رسی کا پھندا گلے میں پھنس گیا، اسی سے دم گھٹ کر مر گئی، کتنا عبرتناک انجام ہے، اس سے بھی زیادہ عبرت کی بات یہ ہے کہ یہ حضورؐ کی چچی ہوتی تھی، اور بچپن میں آپؐ کو گود بھی کھلایا تھا، (ابن سعد، ج ۱)

○ عتیبہ کا عبرتناک انجام؛

دشمنوں نے ابولہبؔ کے چھوٹے بیٹے عتیبہ کو ابھارا کہ وہ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کو خوب تنگ کرے، وہ بدنصیب آپؐ کے منہ پر جاکر بکواس کرنے لگا، کہ تم نے اپنے باپ دادا کے دین کو چھوڑ کر نیا دین گھڑ لیا ہے، اس لئے میں تمہاری بیٹی کو چھوڑتا ہوں،، اس بدنصیب نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ آگے بڑھکر آپؐ کا کرتۂ مبارک پھاڑ ڈالا، اور آپؐ چہرۂ مبارک پر تھوکا، اس مردود کی کمینی حرکت پر قہر خداوندی جوش میں آگیا، اور نبی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے اتنا سا جملہ نکلوا دیا "خدایا! اس پر کوئی کتا مسلط فرمادے"

ابولہبؔ کو جب آپؐ کے ان جملوں کا معلوم ہوا تو بڑا گھبرایا، اور عتیبہ تھر تھر کانپنے لگا، اس کے بعد ابولہبؔ عتیبہ کو ساتھ لے کر ملک شام تجارتی سفر پر گیا، قافلہ نے جب منزل پر قیام کیا تو وہاں ایک راہب کا عبادتخانہ تھا، راہب عبادت خانہ سے نکل کر ابولہبؔ کے پاس آیا اور کہنے لگا یہاں جنگلی درندے بہت ہیں اس لئے

رات کو ذرا ہوشیار رہنا ابولہب تو آپ کی بددعا سے پہلے ہی سے ڈرا ہوا تھا، اب راہب کے کہنے سے اور بھی فکر ہو گیا، اس لئے گھبراہٹ کے عالم میں اہل قافلہ سے کہنے لگا، مجھے اپنے لڑکے عتیبہ کا بہت فکر ہے، اس لئے آپ سب اس کی حفاظت کے کام میں میری مدد کریں، تمام قافلہ والوں نے اس کی حوصلہ افزائی کی اور کہا آپ گھبرائیں نہیں، کسی قسم کا فکر نہ کریں، ہم ہر طرح ساتھ ہیں،

اس کے بعد لوگوں نے سب سامان اکٹھا کر کے ایک ٹیلہ سا بنا دیا، عتیبہ کو اس ٹیلہ پر لٹایا تاکہ سب کی نظر میں رہے، اور باقی اہل قافلہ سامان کے چاروں طرف لیٹ گئے، ابھی لیٹے ہی تھے کہ ایک جنگلی جانور آیا اور تمام اہل قافلہ کے منہ سونگھے، اس کے بعد اس نے چاروں طرف دیکھا تو ایک آدمی ٹیلہ پر لیٹا نظر آیا، ایک چھلانگ لگا کر ٹیلہ پر پہنچا، اس کے منہ کو سونگھا اتنے میں عتیبہ کی آنکھ کھل گئی، درندہ کو اپنے سر پر کھڑا دیکھ کر ایک چیخ ماری اُدھر درندہ نے چیر پھاڑ کر اس کام تمام کر دیا،

مشرکینِ مکہ میں ہیجان،

○ صفا پہاڑی کے خطاب کا ردِ عمل؛

ظاہر میں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے خطاب کا مشرکینِ مکہ پر کوئی اثر نہیں ہوا اور انھوں نے شور مچا کر سیٹیاں بجا کر اس مجلس کو ناکام بنا دیا، مگر حقیقت یہ ہے کہ آپ اپنے مقصد میں پوری طرح کامیاب رہے، اور کفار میں ہلچل مچ گئی، کہ محمدؐ نے یہ کیا اعلان کر دیا ہر شخص سوچنے لگا، ہر گھر میں ہر جگہ یہی چرچا شروع ہو گیا، اور نہ صرف چرچا بلکہ مشرکین کے سرداروں کو اپنا مستقبل تاریک نظر آنے لگا، یہ آپ کی بہت بڑی کامیابی تھی، مشرکین میں نا اتفاقی پیدا ہو گئی، اور مسلمانوں میں جذبۂ اخوت، ایثار و ہمدردی بڑھنا شروع ہو گیا، اور دارِ ارقم میں اسلامی تعلیمات کا پہلا مدرسہ قائم ہو گیا،

○ اسلامی تعلیمات کا سب سے پہلا مرکز دارِ ارقم؛

صفا پہاڑی کے خطاب سے مشرکین میں ہلچل مچ گئی، اور دعوتِ اسلامی کے مقابلہ کی تدبیریں سوچنے لگے اور منصوبے بنانے لگے،

ادھر جس پہاڑی پر آپ نے خطاب فرمایا تھا اس کے قریب ارقم بن ارقمؓ کا مکان تھا، چونکہ مسلمانوں کی تعداد میں خدا کے فضل سے ہر روز اضافہ ہو رہا تھا، اس لئے اُن کی تعلیم و تربیت کے لئے ضرورت تھی کہ کوئی مرکزی جگہ ہو، لہٰذا دارِ ارقم کو مرکز بنانے کا فیصلہ کیا گیا، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی مکان میں نماز پڑھاتے تھے اور یہیں تعلیم و تربیت فرمایا کرتے تھے، مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ کے ساتھ ساتھ مشرکین کا ظلم و ستم بھی بڑھتا جاتا تھا،

جب تک حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اسلام نہیں لائے اُس وقت تک آپؐ اسی دارارقم میں نماز پڑھتے پڑھاتے رہے، اسلام لانے والوں میں چالیسواں نمبر حضرت عمرؓ کا ہے، آپ کے اسلام لانے کے بعد مسلمانوں کو یہ آزادی حاصل ہوئی کہ خانۂ کعبہ میں نماز پڑھنے کا سلسلہ شروع ہوا، حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کا واقعہ سنہ نبوی کے زیر عنوان بیان کیا گیا ہے،

اس دارارقم میں سب سے پہلے یہ چار بھائی مشرف باسلام ہوئے، خالدؓ، عامرؓ، عاقلؓ، ایاسؓ

دربار نجاشی میں قریش کو جس طرح ذلت وناکامی ہوئی اس کی وجہ سے مسلمانوں سے بغض وعداوت میں اور اضافہ ہونے لگا، ادھر قرآن کریم کی اس قسم کی آیتیں جن میں غیر اللہ بتوں کی پرستش کو غلط کہا جاتا تھا جیسا کہ مندرجہ ذیل آیتوں میں بتوں اور ان کے پوجنے والوں کو جہنم کا ایندھن فرمایا گیا ہے، اور بھی اشتعال بڑھتا جاتا تھا،

① اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ؕ اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ ۝ (پ ۱۷، ع ۷)	بلاشبہ تم اور تمہارے وہ معبود جن کی تم اللہ تعالیٰ کے سوا پرستش کر رہے ہو سب جہنم کا ایندھن ہوں گے، تم سب اس جہنم میں داخل ہونے والے ہو۔
② يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ؕ وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْـًٔا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ؕ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ ۝ (پ ۱۷، ع ۱۷)	اے لوگو! ایک عجیب بات بیان کی جاتی ہے؛ تم اس کو کان لگا کر سنو! اس میں کچھ شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر تم لوگ جن معبودوں (بتوں) کی پرستش کرتے ہو وہ ایک مکھی بھی ہرگز پیدا نہیں کر سکتے، اگرچہ وہ سب کے سب مکھی پیدا کرنے کے لئے جمع بھی ہو جائیں، اور اگر مکھی ان سے کچھ چھین لے تو اس مکھی سے اس کو چھڑا بھی نہیں سکتے طالب بھی کمزور اور مطلوب بھی کمزور۔

ابوطالب کی حمایت کی وجہ سے کفار سوائے پیچ وتاب کھانے کے آپؐ کا تو کچھ بگاڑ نہ سکتے تھے، مگر مسلمانوں پر بے انتہا ظلم وتشدد کرتے تھے، ان روح فرسا مظالم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صدمہ ہوتا تھا، اسی وجہ سے آپؐ نے مسلمانوں کو حبشہ ہجرت کرنے کا مشورہ دیا، جس کا آگے سنہ نبوی کے ضمن میں بیان کیا گیا ہے،

○ قریش کا وفد ابوطالب کے پاس؛

قریش نے دیکھا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے والوں کی تعداد دن بہ دن بڑھتی جارہی ہے، اور تعداد میں اضافہ کے ساتھ حوصلے بھی بڑھتے جارہے ہیں، تو تنگ آکر ایک وفد لے کر آپؐ کے چچا ابوطالب کے پاس پہنچے، اس وفد میں یہ حضرات شامل تھے:۔

عتبہ، شیبہ، ہشام، اسود بن عبد المطلب، ولید بن مغیرہ، ابوجہل بن ہشام، عاص بن وائل، نبیہ، منبہ، یہ وفد اپنے ہم خیال لوگوں کو بھی ساتھ لے کر گیا، اور ابوطالب سے اپنا مقصد یوں بیان کرنا شروع کیا:

"ابوطالب! بیشک آپ ہمارے بزرگ ہیں، ہم آپ کی تعظیم و تکریم کرتے ہیں، لیکن تعظیم کی بھی حد ہوتی ہے، تمہارا بھتیجا ہمارے بتوں کو رات دن بُرا کہے، ان کی عبادت اور مرادیں مانگنے سے منع کرتا رہے ہمارے باپ دادا دں کو گمراہ بنائے، اور ہم خاموش تماشائی بنے رہیں ——— اس لئے یا تو اپنے بھتیجے کو ہمارے بتوں اور بڑوں کی بُرائی کرنے سے روکو، ورنہ ہمارے حوالہ کر دو، تم کچھ نہ بولنا ہم آپ اس کو سمجھ لیں گے"

ابوطالب نے وفد کا ٹھنڈے دل سے مطالبہ سُنا اور نرمی سے سمجھا بجھا کر چلتا کر دیا، یہ لوگ سمجھے ابوطالب آپؐ کو سمجھا دیں گے، مگر حضورؐ اپنا تبلیغی کام اسی طرح کرتے رہے، اور اس میں ذرہ برابر فرق نہیں آیا،

○ وفد دوسری مرتبہ ابوطالب کے پاس؛

مشرکین نے اندازہ کیا کہ ابوطالب نے اپنے بھتیجے سے کچھ نہیں کہا، ورنہ آپؐ اتنی تندہی سے تبلیغ کا کام نہ کرتے، کچھ نہ کچھ تو فرق ہوتا، بلکہ اُلٹا اثر یہ ہو رہا ہے کہ کوئی گھر ایسا نہیں رہا جہاں اس نئے دین اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا تذکرہ نہ ہو، اس لئے دوبارہ پھر وفد لے کر گئے، اس مرتبہ ابوطالب سے کہا:

"ہمیں آپ کے رُتبہ اور بزرگی کا خیال ہے، ہم ایک مرتبہ آپ سے پہلے بھی کہہ چکے ہیں، کہ اپنے بھتیجے کو سمجھائیں، کہ ہمارے دیوی دیوتاؤں کو بُرا کہنا چھوڑ دیں، اور اگر آپ نہیں روک سکتے تو ہمارے حوالہ کر دیں"

○ وفد تیسری مرتبہ ابوطالب کے پاس؛

مشرکین نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو اب اور بھی زیادہ زور شور سے تبلیغی کام کر رہے ہیں، مسلمانوں کی تعداد بھی بڑھتی جا رہی ہے، تو تنگ آکر تیسری مرتبہ پھر وفد ابوطالب کے پاس آیا، اور اس مرتبہ بڑے غصہ کا اظہار کیا، خوب بُرا بھلا کہا، اور دھمکی دی کہ اب ہم تمہیں اور تمہارے بھتیجے دونوں کو سمجھ لیں گے، ہم لوگ اب تک اس وجہ سے رُکے رہے کہ تم اپنے آبائی دین پر ہو اور لات و عُزّیٰ کی تعظیم کرتے ہو (یعنی تم نے دین اسلام اختیار نہیں کیا)

اس دھمکی کے بعد ابوطالب مشکل میں پھنس گئے، نہ قوم سے بگاڑ سکتے تھے، نہ بھتیجے کو چھوڑ سکتے تھے، مشرکین کی دھمکی سے اپنے سے زیادہ بھتیجے کا فکر ہو گیا، کہ کہیں یہ شریر لوگ آپ کو ستائیں، تکلیف دیں، اور خدانہ کرے آپ کو نقصان پہونچ جائے،

ابوطالب کی حضورؐ سے درخواست ؛

جناب ابوطالب نے حضورؐ سے مایوسانہ اور بے بسی کے انداز میں قوم کی بات اور دھمکی کا سنایا، اس کے بعد کہا، بیٹا! اپنے اوپر رحم کرو، اپنی جوانی پر ترس کھاؤ، اور میری کمزوری و بڑھاپے کا خیال کرو، اور کچھ نہیں تو ان لوگوں کے بتوں کی برائی کرنا ہی چھوڑ دو،

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ابوطالب کو جواب ؛

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چچا کی گفتگو سے یہ سمجھا کہ میری طرف سے دل بھر گیا ہے، اب آپ میری سرپرستی سے کنارہ کش ہونا چاہتے ہیں، اس لئے آپؐ نے بڑی متانت و سنجیدگی سے جواب دیا:

"چچا جان! اگر یہ کفار میرے داہنے ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند رکھ دیں اور مجھ سے دین کی تبلیغ کا کام چھوڑ دینے کو کہیں تب بھی میں اپنا کام نہیں چھوڑوں گا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ مجھے کامیاب فرمائیں، یا میں یہ کام کرتے کرتے شہید ہو جاؤں"

اس کے بعد آپؐ نے چچا سے فرمایا،

"چچا جان! اگر آپ میری حفاظت اور سرپرستی سے تنگ آ گئے ہیں تو مجھے میرے حال پر چھوڑ دیجئے، اللہ تعالیٰ میرا حامی و ناصر ہے"

چونکہ تیس سال سے چچا کی سرپرستی میں تھے اس لئے آپ کا دل بھر آیا اور زار و قطار رونے لگے، اور چچا کے پاس سے اٹھ کر جانے لگے، تو اُن کے دل پر چوٹ سی لگی، فوراً آپ کو آواز دے کر بلایا، اور کہا بیٹا! تم دل چھوٹا نہ کرو اور کسی قسم کا خیال دل میں نہ لاؤ، جاؤ تمہارا جس طرح دل چاہے کرو، جب تک میرے دم میں دم ہے میں تمہیں نہ کسی کے حوالہ کروں گا اور نہ میرے ہوتے ہوئے تمہیں کوئی ٹیڑھی نگاہ سے دیکھنے کی جرأت کرے گا، (ابن ہشام)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اشاعت اسلام اور اس کی دن بہ دن ترقی سے گھبرا کر بار بار ابوطالب کے پاس جاتے تھے،

تبلیغی کام میں اور زیادہ انہماک

علانیہ تبلیغ کا حکم ملنے کے بعد آپ نے اور زیادہ انہماک سے کام شروع کر دیا، اور مشرکین کی ابوطالب کو دھمکی کا آپ نے ذرہ برابر بھی اثر نہ لیا، بازار میں جہاں کہیں آدمی جمع دیکھتے اُن کو دعوت اسلام دینی شروع کر دیتے، کہیں میلہ لگا ہوا معلوم ہوا آپ وہیں جا کر تبلیغ شروع کر دیتے، غرض یہ کہ آپ ہر وقت اسی فکر میں رہتے تھے کہ خلق خدا کو جہنم کے راستہ سے ہٹا کر جنت کے راستہ پر لگایا جائے اور سب لوگ ایمان لے آئیں،

اسی لئے قرآن پاک میں فرمایا گیا،

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ أَلَّا يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ (پ ۱۹، ع ۵)	(اے پیغمبرؐ آپ شاید ان کافروں کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے اپنی جان ختم کرلیں گے۔

طبقات ابن سعد میں ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم عرب کے ہر قبیلہ کے پاس تبلیغ کرنے کے لئے پہونچ جاتے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ میری نوجوانی کا زمانہ تھا، میں اپنے والد کے ساتھ منیٰ میں تھا، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم قبائل عرب کی منزلوں (جائے رہائش) میں لوگوں کو یہ پیغام پہنچا رہے تھے،

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا	"اے لوگو! میں اللہ کی طرف سے رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں، جو تمہیں حکم دیتا ہے کہ اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو"

آپؐ جس وقت ان قبائل کو دعوتِ اسلام دے رہے تھے تو ایک شخص آپ کے پیچھے پیچھے یہ کہتا پھر رہا تھا:
يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ هٰذَا يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَتْرُكُوا دِينَ آبَائِكُمْ (اے لوگو! یہ شخص (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) تم کو حکم دیتا ہے کہ اپنے باپ دادا کے دین کو چھوڑ دو) حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں میں نے اپنے والد سے پوچھا یہ کون ہے؟ آپ کے پیچھے پیچھے آپ کی مخالفت کرتا پھرتا ہے، تو انھوں نے بتلایا کہ یہ آپؐ کا چچا ابولہب ہے، (ابن ہشام)

ابولہب آپؐ کا حقیقی چچا تھا لیکن آپؐ کی مخالفت میں پیش پیش رہتا تھا، جہاں آپؐ تبلیغ کے لئے تشریف لے جاتے یہ پیچھے پیچھے آپؐ کی مخالفت کرتا پھرتا، اور کہتا اس کی بات نہ ماننا، یہ دین سے پھر گیا ہے (معاذ اللہ) یہ جھوٹا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ لوگ آپؐ کو جھٹلاتے اور آپؐ کو برا بھلا کہتے، تکلیفیں پہنچانا شروع کر دیتے،

○..... آپؐ ذی المجاز اور عکاظ کے بازار میں لوگوں کا جہاں مجمع دیکھتے وہیں جا کر فرماتے: يَا أَيُّهَا النَّاسُ قُولُوا لَا إِلٰهَ إِلَّا اللَّهُ تُفْلِحُوا "اے لوگو! تم لا الٰہ الا اللہ کہو فلاح پا جاؤ گے" (ابن ہشام)

مشرکین کی مایوسی، ایذائیں پہنچانے کے نئے نئے منصوبے!

مشرکین نے دیکھا کہ ابوطالب کے پاس جانے سے بھی کچھ فائدہ نہیں ہوا بلکہ آپؐ تو اپنے تبلیغی کام میں پہلے سے بھی زیادہ سرگرم عمل ہیں، تو آپ کو روکنے کے لئے نئے نئے منصوبے بنانے شروع کر دیئے، تاکہ آپؐ اپنے تبلیغ کے کام اور ہمارے بتوں کو برا کہنے سے باز آجائیں، اور نہ صرف آپؐ کو بلکہ صحابہ کرام تک کو تکالیف پہنچانے، ظلم وستم کے پہاڑ توڑنے کا سلسلہ شروع کر دیا، جس کا مختصر سا حال آگے بیان کیا گیا ہے،

پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر مظالم کے لئے مختلف کمیٹیاں،

یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝

یہ لوگ (کافر) چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ سے پھونک مار کر بجھا دیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ اپنے نور کو کمال تک پہنچا کر رہے گا، اگرچہ کافر بُرا مانیں۔

یعنی اسلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفین اور مشرکین آوازِ حق کو دبانے کی جتنی چاہیں کوششیں کریں اللہ تعالیٰ اُن کو ایسے ناپاک عزائم میں کامیاب نہیں ہونے دیگا۔

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا،

باب سوم کے صفحہ ۸۰ پر بیان کیا جا چکا ہے کہ نبوت سے پہلے مشرکینِ مکہ آپؐ کو نام لے کر پکارنا یا دیے ہی نام لینا گستاخی سمجھتے تھے، اور آپؐ کی عظمت اُن کے دلوں میں اتنی بیٹھی ہوئی تھی کہ "مُحَمَّدٌ" کی بجائے "امینٌ وصادقٌ" کے لقب سے پکارتے تھے، لیکن نبوت ملنے کے بعد جب آپؐ کو تبلیغِ عام کا حکم ہوا تو کوہِ صفا کے پہلے ہی خطاب کے بعد نگاہیں بدل گئیں، اور لوگ "مُحَمَّدٌ" کی بجائے معاذ اللہ "مُذَمَّمٌ" کہکر پکارنے لگے، اور آپؐ پر ظلم وستم کے لئے اسلام کا پیغام روکنے کے لئے نئے نئے منصوبے بنانے شروع کر دیئے، اور اس کے لئے مختلف لوگوں کی کمیٹیاں قائم کر دیں،

○ ایک کمیٹی کے ممبر وہ لوگ تھے جو آپؐ کے سب سے زیادہ دشمن تھے، اس کمیٹی کے کچھ ممبروں کے نام یہ ہیں:
ابوجہل بن ہشام، ابولہب بن عبدالمطلب، اُمیہ بن خلف، اُبَی بن خلف، ولید بن مغیرہ، عقبہ بن معیط، ابوقیس، نضر بن حارث، عاص بن وائل، منبہ بن الحجاج، زبیر بن امیہ، سائب بن صیفی، اسود بن عبدالاسد، عاص بن سعید، عاص بن ہاشم،

○ مستہزئین کی کمیٹی:

ان مشرکین میں بعض مشرکین ایسے تھے جو قرآن کریم کا اور آپؐ کا مذاق اڑایا کرتے تھے، قرآن پاک میں فرمایا گیا:

وَاِذَا رَاَوْكَ اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا اَهٰذَا الَّذِيْ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا ۝	اور یہ کافر جب آپؐ کو دیکھتے ہیں تو ان کا سوائے اس کے کچھ کام نہیں ہوتا کہ یہ آپؐ کا مذاق اڑانے لگتے ہیں

(پ ۱۹، ع ۲)

(اور کہتے ہیں) کیا یہ شخص ہی ہے جسکو خدا نے رسول بنا کر بھیجا ہے؟

یہ استہزا یعنی مذاق صرف آپ کی ذات تک محدود نہ تھا، بلکہ اللہ تعالیٰ کے کلام پاک یعنی قرآن مجید فرقان حمید کے ساتھ بھی گستاخیاں کرتے تھے، اور قرآن کریم کی تلاوت کے وقت شور وغل مچاتے تھے، جیسا کہ ارشاد فرمایا گیا:

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ۝ (پ ۲۴، ع ۱۸)

"اور یہ کفار آپس میں ایک دوسرے سے یوں کہتے ہیں کہ اس قرآن کو سنا ہی نہ کرو، اور اس کے پڑھتے وقت بیچ میں غل مچایا کرو، امید ہے کہ تم اس طرح غالب آجاؤ گے"

مستہزئین کی اس کمیٹی کا میر مجلس ابولہب تھا، اور ۲۵ ممبر تھے، ان میں سے ان ممبروں کے نام سرفہرست ہیں: ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل، اسود بن عبد یغوث، اسود بن عبد المطلب، حارث بن قیس،

(رحمۃ للعالمین ج ۱)

○ اسلام سے روکنے والی کمیٹی:

ایک کمیٹی اس لئے قائم کی گئی تھی کہ جو لوگ باہر سے مکہ معظمہ آئیں ان کو شہر میں داخل ہونے سے پہلے بتلادیا جائے کہ فلاں شخص جس کا یہ نام ہے ایسی ایسی باتیں کرتا ہے اس کی باتیں نہ سننا،

رحمۃ للعالمین میں ہے کہ:

"اس کمیٹی نے ایک ریزولیشن (قرارداد) پاس کیا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر طرح رِق (تنگ) کیا جائے، بات بات میں اس کی ہنسی اُڑائی جائے، تمسخر اور ایذا سے اسے سخت تکلیف دی جائے، اور "محمدؐ" کو سچا سمجھنے والوں کو انتہا درجہ کی تکالیف کا شکار کیا جائے"

(ج ۱)

ایک طرف تو ان لوگوں کا یہ حال تھا کہ لوگوں کو قرآن سننے سے روکتے تھے، دوسری طرف خود کفار کے سرغنے ابوجہل، اخنس بن شریق، ابوسفیان رات کی اندھیریوں میں چھپ کر قرآن سننے جاتے تھے، (سیرۃ ابن ہشام)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذائیں پہنچانے کے چند واقعات

کفار جب آپ کو راہِ حق سے ہٹانے میں ناکام ہوگئے تو آپ کو ایذائیں پہنچانے میں سب ایک ہوگئے، اور ہر کافر آپ کو تکلیف پہونچانے میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتا تھا، ابولہب آپ کے حقیقی چچا اور اس کی بیوی ام جمیل اور بیٹے عتبہ کے متعلق کچھ بیان بھی ہو چکا ہے،

اب کچھ واقعات دوسرے کفار کے بیان کئے جاتے ہیں:۔

ابوجہل بن ہشام کی طرف سے ایذائیں؛

○ ویسے مشرکینِ مکہ سب ہی آپؐ کے دشمن تھے، مگر ابوجہل آپؐ کی دشمنی میں فرعون بنا ہوا تھا، چنانچہ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ آپؐ حرم بیت اللہ میں نماز پڑھ رہے تھے، ابوجہل اور اس کے دوسرے ساتھی بھی وہاں موجود تھے، ابوجہل بولا: ——— کوئی ایسا بہادر ہے جو فلاں جگہ سے اونٹ کی اوجھڑی لاکر آپؐ کے اوپر ڈال دے، یہ سنکر عقبہ بن معیط اٹھا اور جلدی سے اوجھڑی اٹھا کر لایا، آپؐ خدا کے حضور سربسجود تھے، عقبہ نے وہ غلاظت کی پوٹ آپؐ کے اوپر رکھدی جس کی وجہ سے آپؐ کو اٹھنا مشکل ہوگیا، اور سجدہ میں پڑے رہے، بدبخت ابوجہل اور دوسرے رفقاءِ کار دیکھ کر ہنستے رہے، مذاق اڑاتے رہے، آپ کی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ (جن کی عمر اس وقت پانچ سال تھی) کو پتہ چلا تو دوڑی ہوئی آئیں اور غلاظت کو ہٹا کر علیحدہ کیا تب آپؐ نے سجدہ سے سر اٹھایا،

ناظرین! اسی ایک واقعہ سے اندازہ کر سکتے ہیں کہ جب اللہ کے گھر خانہ کعبہ میں ان لوگوں کی یہ ناشائستہ حرکتیں تھیں تو حرم سے باہر گلی کوچوں میں تو نہ معلوم کیا کچھ کرتے ہوں گے،

○ ایک مرتبہ ابوجہل اپنے حلقہ اور ہم خیال لوگوں سے کہنے لگا میں نے عہد کیا ہے کہ اب "محمدؐ" جب سجدہ میں ہونگے تو ان کے سر میں زور سے پتھر مار کر ان کا سر پھاڑ دوں گا، اس کام میں تم لوگ خواہ میرا ساتھ دو یا نہ دو، اس کے ساتھیوں نے اس کو چڑھانے کے لئے جواب دیا ہم بھی تمہارے ساتھ ہیں، اور ہم اس کام میں پیچھے نہیں رہیں گے، اگلے دن آپ حسبِ معمول صبح سویرے حرم شریف میں تشریف لائے، آپؐ کا معمول تھا "رکنِ یمانی" اور "حجرِ اسود" کے درمیان بیٹھا کرتے تھے، جب آپ نماز پڑھتے ہوئے سجدے میں گئے تو ابوجہل بڑا سا پتھر لے کر مارنے کے لئے بڑے جوش میں آپ کی طرف بڑھا، ابوجہل کے ساتھی خاموش تماشائی بنے دیکھ رہے تھے، کہ دیکھیں یہ کیا کر کے دکھاتا ہے؟ ——— اتنے میں کیا دیکھتے ہیں کہ وہ ہانپتا کانپتا الٹے پاؤں واپس چلا آرہا ہے، چہرہ زرد پڑا ہوا ہے، اور جو پتھر لے کر آپ کو مارنے کے لئے گیا تھا، اس کو اپنے سینہ سے چمٹائے آرہا ہے، لوگوں نے اس سے پوچھا یا تو اتنے جوش میں "محمدؐ" کے پتھر مارنے گیا تھا یا ایسے الٹے پاؤں واپس لوٹا کہ ہوش بھی گم ہوگئے،

ابوجہل نے جواب دیا کیا بتلاؤں جب میں پتھر مارنے کے لئے بڑھا تو ایک اونٹ بڑا خوفناک صورت منہ پھاڑے ہوئے میری طرف اس طرح بڑھتے ہوئے نظر آیا کہ مجھے نگل جائے گا، اس لئے میں اپنی جان بچانے کے لئے واپس لوٹا اور بڑی مشکل میں جان بچی،

اس کے ساتھیوں کو یہ سنکر تعجب ہوا اور یقین نہیں آیا، ان میں سے ایک ساتھی کو سوجھی کہ لاؤ میں پتھر مار کر کام کر آؤں، وہ آگے بڑھا تو اس کے ساتھ بھی یہی معاملہ پیش آیا،

○ عقبہ بن معیط کی طرف سے ایذائیں:

ایک مرتبہ آپؐ حطیم میں نماز پڑھ رہے تھے، عقبہ بن معیط نے آپ کی گردن میں چادر ڈال کر اتنی زور سے اینٹھا کہ آپؐ کا دم گھٹنے لگا، آنکھیں باہر کو نکل آئیں، اتفاق کی بات کہ آپؐ کے جاں نثار صحابی حضرت ابوبکر صدیقؓ آگئے، آپ نے عقبہ کو دھکا دیا اور چادر کھولی اور فرمایا:

أَتَقْتُلُونَ رَجُلًا أَنْ يَقُولَ رَبِّيَ اللَّهُ وَقَدْ جَاءَكُمْ بِالْبَيِّنَاتِ مِنْ رَبِّكُمْ، (پ ۲۴ ع ۹)	"کیا تم محض اس بناء پر ایک شخص کو قتل کرتے ہو جو یوں کہتا ہے کہ میرا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے حالانکہ وہ تمہارے رب کی طرف سے کھلی ہوئی نشانیاں لیکر آیا ہے، (کشف الرحمٰن)

حضرت ابوبکرؓ کی اس مداخلت سے کفار ہٹ گئے، مگر چند غنڈے ان کو لپٹ گئے، اور اُن کو مارنا شروع کر دیا، (بخاری شریف)

○ اُمیّہ بن خلف:

اس کی بھی دوسرے مشرکین کی طرح خبیث ذہنیت تھی، یہ بھی مذاق کرنے والے ۲۵ ممبران کی کمیٹی کا ممبر تھا، جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نظر پڑتے فوراً گالیاں دینی شروع کر دیتا، اور آنکھوں سے اشارے کرتا، اس کی اس گستاخانہ حرکت پر یہ پوری سورۃ نازل ہوئی:

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ ۝ الَّذِي جَمَعَ مَالًا وَعَدَّدَهُ ۝ يَحْسَبُ أَنَّ مَالَهُ أَخْلَدَهُ ۝ كَلَّا لَيُنۢبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ ۝ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْحُطَمَةُ ۝ نَارُ اللَّهِ الْمُوقَدَةُ ۝ الَّتِي تَطَّلِعُ عَلَى الْأَفْئِدَةِ ۝ إِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ ۝ فِي عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ۝	ہر ایسے شخص کیلئے بڑی خرابی ہے جو عیب نکالنے والا اور طعنہ دینے والا ہو، جو مال جمع کرتا ہو اور اس کو بار بار گنتا ہو، وہ یوں خیال کرتا ہے کہ اس کا مال اس کے پاس ہمیشہ رہے گا، ایسا ہرگز نہیں ہوگا بلکہ اس کو ایک ایسی آگ میں پھینکا جائیگا جو ہر چیز کو توڑ کر رکھ دیگی اور تم کو کچھ معلوم ہے کہ وہ توڑنے والی آگ کیسی ہے؟ وہ اللہ کی آگ ہے جو سلگائی گئی ہے، وہ ایسی ہے جو دلوں تک جا پہنچیگی، وہ آگ ان پر ہر طرف سے بند کر دی جائیگی، اور ان کی حالت یہ ہوگی کہ وہ بڑے لمبے لمبے ستونوں سے بندھے ہوئے ہوں گے۔

زمانۂ حج سے پہلے کفار کا مشورہ

قریش آپ کے اشاعتِ اسلام اور مسلمانوں کی دِن بدِن تعداد میں اضافہ سے اتنے خوف زدہ رہتے تھے کہ اس کو ختم کرنے کے لئے ہر روز نئی نئی اسکیمیں بناتے رہتے تھے، حج کا زمانہ قریب تھا اس لئے وہ لوگ فکر میں گھلے جا رہے تھے کہ باہر سے جو لوگ حج کے لئے آئیں گے تو وہ جب محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں سنیں گے قرآن کریم سنیں گے فوراً اُن کے متبع ہو جائیں گے،

اس لئے یہ لوگ ولید بن مغیرہ کے پاس آئے یہ معمر آدمی تھا، اور اس سے یہ بات کہی، زمانۂ حج قریب ہے، اور آپ کی نبوت کی خبر دور دور تک پھیل گئی ہے، حج پر آنے والے لوگ آپؐ کے متعلق ضرور دریافت کریں گے، بہتر یہ ہو کہ ہم لوگ مل بیٹھ کر ایک بات کا فیصلہ کرلیں جو باہر سے آنے والوں سے کہی جائے، ایسا نہیں ہونا چاہئے کہ ایک آدمی کچھ کہے دوسرا کچھ، ولید نے کہا تم اپنے اپنے خیالات پیش کرو میں ہر ایک کی سُنکر اپنی رائے دوں گا، اس کے بعد ہر ایک نے اپنی اپنی رائے کا اظہار شروع کر دیا،

○ ایک آدمی بولا (معاذ اللہ) آپؐ کاہن ہیں، ولید نے جواب دیا تمھاری یہ بات غلط ہے، آپؐ کی زبان سے جو کلام ادا ہوتا ہے اس کو کاہنوں کے کلام سے ذرا بھی مناسبت نہیں، اس لئے کوئی تمھاری اس بات کا یقین نہیں کرے گا،

○ دوسرا بولا آپ (معاذ اللہ) مجنون ہیں، ولید نے کہا یہ بات بھی حقیقت سے بالکل دُور ہے، مجنون ایسی عاقلانہ باتیں نہیں کرتا،

○ تیسرا بولا، آپ شاعر ہیں، ولید نے کہا میں خود شاعر ہوں، آپؐ جو کلام سُناتے اور پڑھتے ہیں اس کو شعر و شاعری سے دور کا بھی واسطہ نہیں،

○ چوتھا بولا، آپ (معاذ اللہ) ساحر ہیں، ولید نے کہا آپ کو ساحر کہنا بھی حقیقت سے دور ہے، کیونکہ آپؐ ساحروں کی طرح نہ دم کرتے ہیں نہ پھونک مارتے ہیں، نہ کوئی اور کام ایسا کرتے ہیں جیسے ساحر کرتے ہیں،

غرض یہ ہے کہ لوگ اپنی اپنی رائے ولید کے سامنے پیش کرتے رہے وہ ان کو توڑتا رہا، آخر تنگ آکر لوگوں نے کہا اب تم ہی بتلاؤ کیا کہا جائے، ولید نے کہا واقعہ یہ ہے آپؐ جو کلام پڑھتے ہیں وہ بڑا ہی شیریں ہے اس میں بڑی حلاوت ہے، جس کو سُنکر لوگ ایسے کھوئے جاتے ہیں جیسے کسی نے جادو کر دیا ہو، اس کو سنکر لوگ اس کے گرویدہ ہو جاتے ہیں، یہی خاصہ سحر کا بھی ہے، لہٰذا میری رائے یہ ہے کہ مکہ معظمہ کے باہر سے ہر آنے والے راستہ پر اپنے آدمی کھڑے کر دیں، اور جو آدمی باہر سے آنے والا مکہ میں داخل ہو اس سے یہ کہتے رہیں کہ دیکھنا مکہ میں "محمدؐ" نام کا ایک آدمی ہے وہ ساحر ہے اس سے بچتے رہیں، اور اس کی باتیں نہ سنیں،

لوگوں نے ولید کی بتلائی ہوئی تدبیر پر عمل کیا، مگر قاعدہ ہے اَلْاِنْسَانُ حَرِیْصٌ عَلٰی مَا مُنِعَ کہ انسان کو جس کام سے روکا جائے اس کو ضرور کرتا ہے، اس لئے جن لوگوں کو روکا گیا وہی آپ کی باتیں سننے آئے اور آپ کے حلقہ میں داخل ہوتے رہے،

خلاصہ یہ ہے کہ دشمنانِ اسلام ابولہب، ابوجہل، عتبہ بن ابی معیط اور اس کے دوسرے ساتھیوں نے کوئی تکلیف اور ایذاء .... ایسی نہ چھوڑی جس کا آپؐ کو تختۂ مشق نہ بنایا گیا ہو، پتھروں کی مار، پشتِ مبارک پر

نماز کی حالت میں غلاظت ڈالنا، گالیاں دینا، راستہ میں کانٹے بچھانا، مجنون و پاگل بتانا، جادوگر کہنا، مذاق اڑانا، طعنے دینا، مال و دولت کی پیش کش سے موم ۔ کرنے کی کوشش کرنا، غرض یہ کہ اس قسم کے تمام حربے ناکام ہوگئے اور کوئی طریقہ سمجھ میں نہیں آیا تو آخر مجبور ہو کر آپ کے قتل کا پروگرام بنالیا، آپؐ تو سب تکلیفیں برداشت کرتے رہے، مگر صحابۂ کرام پر ظلم و تشدد آپؐ سے دیکھا نہیں جاتا تھا، آپؐ کے قتل کا فیصلہ صفحہ ۱۸۴ پر بیان کیا گیا ہے،

ہم نے یہ چند واقعات نمونۃً بیان کئے ہیں، ورنہ جو مظالم مشرکین نے آپؐ پر کئے ان کو بیان کرتے ہوئے انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں،

خود پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

"مجھے راہِ خدا میں اتنی تکلیفیں پہنچائی گئیں ہیں کہ کسی نبی کو نہیں پہونچائی گئیں"

۵ سنہ نبوی

پہلی ہجرت حبشہ ماہِ رجب ۵ سنہ نبوی مطابق ۶۱۵ء

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم تو اپنے اوپر مظالم برداشت کرتے رہے، لیکن مسلمانوں پر کفار جو مظالم کرتے تھے وہ آپ سے دیکھے نہیں جاتے تھے، جب مظالم حد سے بڑھ گئے تو آپ نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا، اگر تم لوگ چاہو تو حبشہ چلے جاؤ، کیونکہ وہاں کا بادشاہ کسی پر ظلم نہیں کرتا، اور طبیعت کا نرم ہے،

لیکن اتنے مظالم کے باوجود صحابہ کرام آپ کی صحبت چھوڑنا نہیں چاہتے تھے، چونکہ آپ کا مشورہ تھا، اس لئے تقریباً پندرہ مرد عورتوں کا ایک قافلہ ماہ رجب ۵ھ کو حبشہ روانہ ہوگیا، یہ اسلام میں اللہ کے لئے پہلی ہجرت تھی (ابن ہشام)

ہجرت کا فائدہ:

اس مشورہ میں مظالم سے نجات کے علاوہ سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ اسلام کی آواز غیر ملک میں پہنچ گئی،

نمبر شمار	پہلی ہجرت حبشہ کے مہاجرین	تعداد
۱	حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ مع زوجۂ محترمہ حضرت رقیہ بنت النبی صلی اللہ علیہ وسلم	۲
۲	حضرت ابوحذیفہؓ بن عتبہ مشہور قریشی کافر مع زوجہ سہلہ بنت سہیلؓ	۲
۳	حضرت زبیر ابن العوامؓ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی)	۱
۴	حضرت مصعب بن عمیرؓ	۱
۵	حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ (عشرۂ مبشرہ میں آپ کا شمار ہے)	۱
۶	حضرت ابوسلمہ مخزومیؓ مع زوجۂ محترمہ ام سلمہؓ بنت ابی امیہ، جو ابوسلمہؓ کے انتقال کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں داخل ہوئیں، اور "ام المومنین" کہلائیں)	۲
۷	حضرت عثمان بن مظعون جمحی	۱

۸	حضرت عامر بن ربیعہؓ مع زوجہ محترمہ لیلیٰ بنت ابی حثمہؓ	۲
۹	حضرت سہیل بن بیضاءؓ	۱
۱۰	حضرت ابوسبرہ بن ابی رہم عامریؓ مع زوجہ محترمہ ام کلثوم بنت سہل	۲
۱۱	حضرت حاطب بن عمروؓ (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین)	۱
	کل تعداد	۱۶

پہلی ہجرت حبشہ کے مہاجرین کی تعداد بعض حضرات نے اس سے زیادہ بھی بیان کی ہے،

ان حضرات کی خوش قسمتی دیکھئے کہ جدہ پہنچے ہی بندرگاہ شعیبیہ پر دو کشتیاں مل گئیں، جو جانے کے لئے ایسے تیار کھڑی تھیں جیسے ان ہی حضرات کا انتظار کر رہی ہوں، ملاحوں نے کرایہ طے کر کے فوراً سوار کر لیا، اور کشتیاں سفر پر روانہ ہو گئیں،

مسلمانوں کا اسلامی تعلیمات پر آزادی سے عمل کرنے کے لئے اسلام کا پیغام عام کرنے کے لئے یہ پہلا سفر تھا، اس کو "ھجرت" کہا جاتا ہے۔

یہ حضرات حبشہ پہنچ کر امن چین سے یادِ خدا میں مصروف رہنے لگے، ابھی تین ہی ماہ گذرے تھے کہ شوال کے مہینہ میں یہ افواہ کانوں میں پڑی کہ مکہ کے کفار اسلام لے آئے، لیکن اس افواہ کی کوئی حقیقت نہ تھی، بہر حال بیت اللہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے شوق میں اسلام لے آنے کی افواہ سنکر یہ لوگ مکہ واپس آگئے، پہلی ہجرت سے بوکھلا کر مشرکین نے مسلمانوں پر اور زیادہ مظالم کے پہاڑ توڑنے شروع کر دیئے،

● دوسری ہجرت حبشہ اور مشرکین کی ریشہ دوانیاں:

ان مظالم کو دیکھ کر حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ مسلمانوں سے فرمایا جس کا دل چاہے وہ حبشہ چلا جائے دوسری مرتبہ کی ہجرت میں بھی حضرت عثمان بن عفانؓ مع زوجہ محترمہ حضرت رقیہؓ شامل تھے، اور حضرت جعفرؓ بن ابی طالب یعنی حضرت علیؓ کے بھائی بھی تھے، جنھوں نے نجاشی کے دربار میں باطل شکن تقریر کی، اور اس سے متاثر ہو کر نجاشی اور بہت سے لوگ بھرے دربار میں اسلام لے آئے،

اس زمانہ میں حبشہ کے بادشاہ کا لقب نجاشی اور نام اصحمہ تھا، مشرکین مکہ نے جب دیکھا کہ مسلمان تو حبشہ جا کر آرام و چین سے رہنے لگے، تو ان کی نیندیں حرام ہو گئیں اور تدبیریں سوچنے لگے کہ مہاجرین کا کیا کیا جائے، آخر نجاشی کو ان کے خلاف بھڑکانے اور ملک بدر کرانے کا پروگرام بنایا اور اس مہم کو سر کرنے کے لئے عمرو بن العاص اور عبداللہ بن امیہ کو بھیجا، اُن کو بڑے قیمتی تحفے تحائف دیئے، اور یہ ہدایت کی کہ پہلے درباری رہبان اور امراء سے رابطہ قائم کریں، اور تحفوں کی اُن کو رشوت دے کر مسلمانوں کے خلاف

کان بھریں، جب یہ لوگ ہموار ہو جائیں تو پھر نجاشی سے ملاقات کریں اور مسلمانوں کے خلاف بادشاہ کے کان بھریں، یہ لوگ بادشاہ کے سامنے تمہاری تائید و حمایت کریں گے،

چنانچہ مشرکین مکہ کے نمائندے اور رہبان بیں پردہ معاہدہ کے مطابق نجاشی سے ملے، اور اپنا مدعا یوں ظاہر کیا:

"ہمارے کچھ غلام باغی ہو کر آپ کے ملک میں آگئے ہیں، اور اپنا آبائی دین چھوڑ کر ایک نیا دین اختیار کر لیا ہے، جو سب مذہبوں سے نرالا اور جدا ہے، ہمیں ہمارے معززین اور شرفاء مکہ نے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے کہ ان قومی باغیوں کو ہمیں واپس دیدیں"

ان نمائندوں کے اس مطالبہ کی رہبان اور امراء نے تائید کی، مگر بادشاہ اُن کے اس مطالبہ پر بہت برہم ہوا اور جواب دیا:

"میں جبتک مسلمانوں کو بلا کر ان کے خیالات معلوم نہ کروں ہرگز تمہارے حوالہ نہیں کروں گا...."

اس نے مسلمانوں کو بلا بھیجا، ڈرے اور سہمے ہوئے مہاجرین کو پیغام شاہی سُنکر فکر ہو گیا، یہ فکر ایک تو اس وجہ سے ہوا کہ مشرکین تو ہمارے خون کے پہلے ہی سے پیاسے ہیں، اب خدا جانے بادشاہ سے کیا کچھ کہا ہوگا؟ مزید یہ کہ بادشاہ عیسائی ہے،

آخر سوچ سمجھ کر یہ فیصلہ کیا کہ جو کچھ بھی ہو خدا کے سپرد، ہم اپنے نبی محترم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے مطابق ہر بات کا جواب سچ سچ دیں گے، چنانچہ مسلمان خدا کے بھروسہ پر روانہ ہو گئے، اور اسلامی تعلیم کے مطابق دربار شاہی میں داخل ہوئے، شاہی آداب کے مطابق بادشاہ کو نہ سجدہ کیا، نہ زمین بوس ہوئے بلکہ اسلامی طریقہ پر سلام کر کے جہاں جگہ ملی بیٹھ گئے،

مخالفین مسلمانوں کی ہر نقل و حرکت پر نگاہیں لگائے دیکھ رہے تھے، بس ان کو بادشاہ کو بھڑکانے کا موقع ہاتھ آگیا،

مسلمانوں پر اعتراض اور ان کا جواب:

شاہی مصاحبوں میں سے ایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے یہ اعتراض کیا کہ یہ لوگ کتنے بے ادب اور گنوار ہیں کہ ان کو آداب شاہی کی بھی خبر نہیں کہ بادشاہ کو سجدۂ تعظیمی کیا جاتا ہے، یہ لوگ جنگلیوں کی طرح داخل ہو گئے، ـــــ مسلمانوں کے جواب سے پہلے خود بادشاہ نے یہ دریافت کیا کہ:

"تم میں نبی عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا قریبی رشتہ دار کون ہے؟"

مسلمانوں نے جواب دیا: "حضرت جعفر بن ابی طالبؓ جو حضرت علیؓ کے حقیقی بھائی ہیں"

اس کے بعد حضرت جعفرؓ سے کہا گیا آپ کے پاس اس اعتراض کا کیا جواب ہے؟

حضرت جعفرؓ نے بڑی جرأتِ ایمانی سے دلیرانہ جواب دیا:

"آپ سب حاضرین کو معلوم ہونا چاہیے کہ ہم لوگ خدا کے ماننے والے اور مسلمان ہیں، ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم ہے کہ سب انسانوں کو خدا نے پیدا کیا ہے، ہم اس کی مخلوق ہیں، اس لئے خالق یعنی خدا کے سوا غیر اللہ کو سجدہ ناجائز ہے، سجدہ صرف خدا کے لئے ہے"

اس جواب کا نجاشی پر بڑا اثر ہوا، اس کے بعد اس نے حضرت جعفرؓ سے دریافت کیا، اچھا اس کی کیا وجہ کہ تم نے آبائی دین کو چھوڑ کر نہ ہمارا مذہب اختیار کیا نہ اور کوئی، آخر ایک نیا دین کیوں اختیار کیا؟ اس میں کیا خوبی ہے؟

حضرت جعفرؓ نے بھرے دربار میں ایسی تقریر کی کہ تہلکہ مچ گیا،

حضرت جعفرؓ کی نجاشی کے دربار میں باطل شکن تقریر

حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے بلاخوف وجھجک کے بادشاہ کے دربار میں جو تقریر فرمائی وہ تاریخ کے اوراق میں آج تک محفوظ چلی آرہی ہے، اس کا تجزیہ کیا جائے تو آپ نے بڑی دیانتداری اور سچائی کے ساتھ تصویر کے دو رُخ پیش کئے:

ایک میں قبل از اسلام یعنی زمانۂ جہالت کا نقشہ پیش کیا، کہ اُس زمانہ میں ہم کس قعرِ مذلت میں پڑے ہوئے تھے،

دوسرے رُخ میں بعد از بعثتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم یعنی زمانۂ اسلام میں اللہ تعالیٰ نے جن انعامات سے نوازا اس کا نقشہ پیش کیا ہے، اب آپ اُن کی تقریر کے دونوں رُخ پڑھئے:

اسلام لانے سے پہلے کا نقشہ:

○ "اے بادشاہ! ہم پر ایک طویل تاریک زمانہ گذرا ہے اُس وقت ہماری جہالت کا یہ عالم تھا کہ ایک خدا کو چھوڑ کر بتوں کی پرستش کیا کرتے تھے، اور خود ساختہ پتھروں کی پوجا ہمارا شعار تھا مُردار خوری، زناکاری، لوٹ مار، قطع رحمی صبح وشام کا ہمارا مشغلہ تھا، ہمسایوں کے حقوق سے ہم بیگانہ، رحم وانصاف کے نام سے ہم ناآشنا، اور حق وباطل کے نام سے ہم ناواقف، غرض ہماری زندگی سرتاسر درندوں کی طرح تھی، قوی ضعیف کو کچلنے اور توانا ناتواں کو ہضم کرلینے کو اپنے لئے فخر اور طغرائے امتیاز سمجھتا تھا"

اسلام لانے کے بعد کا نقشہ؛

○ رحمتِ خدا کا کرشمہ دیکھئے کہ اس نے ہمارے اندر ایک بزرگ پیغمبر بھیجا، جس کے نسب سے ہم سب واقف ہیں، جس کی صداقت، امانت، عصمت پر دوست و دشمن دونوں گواہ ہیں، جس کی قوم نے اس کو.... "محمد الامین" کا لقب دیا، وہ آیا اور اس نے ہم کو خدا کی توحید کا سبق دیا، خدائے واحد کی طرف بلایا، اس نے بتلایا کہ خدا کا کوئی سہیم و شریک نہیں، وہ شرک سے پاک ہے، بُت پرستی جہالت کا شیوہ ہے، اس لئے قابلِ ترک ہے، اور صرف خدائے واحد ہی کی عبادت حق عبدیت ہے، اس نے ہم کو حق گوئی اور صداقت شعاری کی تلقین کی، اور صلۂ رحمی کا حکم فرمایا، ہمسایوں اور کمزوروں کے ساتھ حُسنِ سلوک کرنا سکھایا، قتل و غارت کی رسمِ بد کو مٹایا، زناکاری کو حرام اور فحش کہکر اس ننگِ انسانیت عمل سے ہم کو نجات دلائی، نکاح میں محارم اور غیر محارم کا فرق بتایا، جھوٹ بولنے، ناحق مالِ یتیم کھانے کو حرام فرمایا، نماز اور خیرات و صدقات کی تعلیم دی، اور ہر حیثیت سے ہم کو حیوانیت کے قعرِ مذلت سے نکال کر انسانیتِ کبریٰ کے مرتبہ پر پہنچایا"

"اے بادشاہ! ہم نے اس مقدس تعلیم کو قبول کیا، اور اس پر صدق دل سے ایمان لائے، یہ ہے ہمارا وہ قصور جس کی بدولت مشرکین کا وفد تجھ سے مطالبہ کرتا ہے کہ ہم کو ان کے حوالے کردے،

(قصص القرآن بحوالہ ابن ہشام ج ۱ و تاریخ ابن کثیر)

نجاشی حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی تقریر سے بڑا متاثر ہوا، اور مشرکینِ مکہ کے وفد کو برہم ہو کر جواب دیا کہ "میں ایسے معصوم و مظلوم لوگوں کو اپنے ملک سے نہیں نکال سکتا، اور نہ تم لوگوں کے حوالہ کروں گا، یہ جواب سُنکر کفار اور ان کے ساتھیوں پر سکتہ طاری ہوگیا، اسکے بعد نجاشی کے حضرت جعفر سے یہ سوال وجواب ہوئے:

نجاشی: کیا تمہارے نبیؐ پر کوئی کتاب بھی نازل ہوتی ہے؟

حضرت جعفرؓ: جی ہاں! نازل ہوتی ہے،

نجاشی: کیا اس کا کچھ حصہ ہمیں پڑھ کر سُنا سکتے ہو؟

حضرت جعفرؓ: جی ضرور سُنائیں گے،

اس کے بعد حضرت جعفرؓ نے سورۂ مریم کٓهٰیٰعٓصٓ سے چند آیتیں تلاوت کیں، نجاشی نہایت ادب سے نیچی نگاہ کئے قرآن سنتا رہا، اور اس کی اور تمام مقربین کی آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑی بندھ گئی، حضرت اُم سلمہؓ جو مہاجرین کے ساتھ گئی تھیں فرماتی ہیں کہ نجاشی اتنا رویا کہ آنسوؤں سے اُس کی ڈاڑھی تر ہوگئی

اور دربار میں موجود رہبان (پادری) بھی اتنے روئے کہ اُن کے صحیفے کھلے ہوئے بھی آنسوؤں سے بھیگ گئے،

(طبقات ابن سعد)

نجاشی کا مسلمان ہونا؛

علما نے لکھا ہے نجاشی نے یہ سوالات مشرکین کے ورغلانے پر کئے تھے، مگر قرآن کریم کی سورۃ مریم کی آیتیں سنکر اس کی تو حالت ہی غیر ہو گئی، قرآن کریم میں اس کی کیفیت اور ایمان لانے کا ان الفاظ میں ذکر فرمایا گیا ہے،

وَإِذَا سَمِعُوا مَا أُنْزِلَ إِلَى الرَّسُولِ تَرَىٰ أَعْيُنَهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوا مِنَ الْحَقِّ ۖ يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ ۝

(پ ۷، ع ۱)

اور یہ لوگ جب سنتے ہیں اس کتاب کو جو اُتری ہے رسولؐ پر تو دیکھے تو اُن کی آنکھوں کو کہ وہ آنسوؤں سے بہہ نکلتی ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے حق کو پہچان لیا ہے، کہتے ہیں اے رب ہمارے ہم ایمان لائے لہٰذا ہم کو بھی تصدیق کرنے والوں کے ساتھ لکھ لیجئے"

اور یہ کہہ کر کہ یہ کلام اور وہ کلام جو عیسیٰ علیہ السلام لے کر آئے تھے دونوں ایک ہی شمعدان کے روشن چراغ ہیں حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیا، اس کے بعد مسلمان خوش وخرم دربار سے واپس ہوئے اور کفار ناکام ونامراد واپس لوٹے، (سیرت ابن ہشام وغیرہ)

سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں کہ ان آیتوں میں اس وفد کی جانب اشارہ ہے جو نجاشی نے چالیس آدمیوں کا حضرت جعفرؓ کے ہمراہ حضورؐ کی خدمت میں بھیجا تھا، اور انھوں نے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر قرآن سُنا تھا اور وہ سب کے سب مسلمان ہو گئے تھے، (کشف الرحمٰن)

سنہ ۶ نبوی

○ اسلام حضرت امیر حمزہؓ ○ اسلام حضرت عمر فاروقؓ ○

مسلمانوں کی طاقت میں اضافہ

ان دونوں حضرات کا ایمان لانا سنہ ۶ نبوی کا اہم واقعہ ہے، اگرچہ اسلام تو پہلے ہی دن سے خدا کے فضل وکرم سے دن دونی رات چوگنی ترقی کر رہا تھا، مگر ان دونوں حضرات کے اسلام نے کفار کو حیرت میں ڈال دیا، سنہ ۵ نبوی میں پہلے ہی قریش کے نمائندے عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ابی ربیعہ حبشہ سے ناکام ہو کر واپس آئے تھے، قریش کے لئے یہ بڑا دھکا تھا، اب ان دونوں حضرات کے اسلام سے اور دھکا لگا، ادھر آپؐ کو ابوطالب کے ذریعہ اور مال ودولت کے لالچ سے کفار خاموش نہ کر سکے، بلکہ آپؐ پہلے سے بھی زیادہ جوش وخروش سے اشاعتِ اسلام میں مصروف رہنے لگے، یہ صورتِ حال دیکھ کر کفار نے آپؐ کو ستانے اور ایذائیں پہونچانے کی مہم تیز کر دی، آپؐ کو دیکھتے ہی آوازیں کسنا، سیٹیاں بجانا، گالیاں بکنا، تالیاں بجانا اس قسم کی بیہودہ حرکتیں کرنی شروع کر دیں، اور نہ صرف خود بلکہ غلاموں باندیوں تک سے ہنسی مذاق اڑوانا شروع کر دیا، حتیٰ کہ بچوں تک نے بڑوں کی شہ پر تالیاں بجانا اور طرح طرح کی ناشائستہ حرکتیں شروع کر دیں، اور یہ آپؐ ہی کا خداداد حوصلہ تھا کہ ایسی ناشائستہ اور دل آزار حرکتوں کو صبر سے برداشت کرتے رہے، اس کے باوجود بھی آپ اسی غم میں گھلے جاتے تھے، کہ جس طرح بھی ہو اسلام پھیل جائے اور میرے دشمن بھی ایمان لے آئیں،

○ اسلام حضرت امیر حمزہؓ:

ایک دن آپؐ کوہِ صفا کے نزدیک جہاں آپؐ کا مرکز تبلیغ دارِ ارقم تھا کھڑے ہوئے تھے، کہ ابوجہل کا اُدھر سے گذر ہوا، آپؐ پر اس کی نگاہ پڑ گئی، نگاہ پڑتے ہی آپؐ کو بُرا بھلا کہنا اور مغلظات بکنی شروع کر دیں، آپؐ اپنی عادت کے مطابق خاموشی سے سب کچھ سنتے رہے اور اس کو کوئی جواب نہیں دیا، قریب ہی عبداللہ بن جُدعان کی ایک باندی کھڑی ہوئی سب باتیں سن رہی تھی، اس کی گستاخیوں اور آپؐ کے صبر پر تعجب کر رہی تھی، تھوڑی ہی دیر گذری تھی کہ آپؐ کے چچا حضرت حمزہؓ جو اُس وقت تک ایمان نہ لائے

تھے، شکار کر کے جنگل سے آرہے تھے، اس باندی کی آپ پر نگاہ پڑ گئی، فوراً ان کو روک کر ابوجہل کی حضورؐ کے ساتھ گستاخی کی باتیں سنائیں، اس کے بعد باندی حضرت حمزہ سے مخاطب ہو کر کہنے لگی:

"اے حمزہؓ! کتنے افسوس کی بات ہے ..... کہ تمہارے بھائی عبداللہ کا بیٹا آج اتنا ذلیل ہو گیا کہ اس کو جو شخص جو چاہے کہہ لے کوئی گالیاں دے، کوئی بیہودہ بکواس کرتا ہے اور تم ایسے جری بہادر لوگ اس کو بے سہارا چھوڑ دو، کیا تمہارے خون اتنے سپید ہو گئے؟ کیا تم میں شرم و حیا نہیں رہی؟"

باندی کی باتیں سنکر حضرت حمزہؓ غصے سے سرخ ہو گئے، آنکھوں میں خون اتر آیا، آخر چچا تھے اور بڑے بہادر اور غیور تھے، سیدھے حرم پہونچے، نگاہ دوڑا کر دیکھا کہ ابوجہل کہاں ہے؟ دیکھا تو سامنے ہی تھا، اس کے سر پر جا کر کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے او مردود خبیث ابوجہل! کیا آج تو نے میرے بھتیجے "محمدؐ" کی بے عزتی کی ہے؟ اور گالیاں بکی ہیں؟ کیا تو نے اس کو بے سہارا سمجھ لیا ہے؟ تجھے معلوم ہونا چاہئے آج سے میں اس کے ساتھ ہوں اور اپنی کمان کندھے سے اتار کر زور سے اس کے سر پر ماری جس سے اس کا سر زخمی ہو گیا،

ایک روایت یوں بھی ہے کہ آپ نے حرم میں جب ابوجہل سے یہ کہا کہ آج سے میں بھی اپنے بھتیجے "محمدؐ" کے ساتھ ہوں تو اس کے بعد شیطان نے اُن کے دل میں یہ وسوسہ ڈالا: اے حمزہؓ! تو قریش کا سردار ہے، یہ کیا کیا! کہ اپنے باپ دادا کا دین چھوڑ کر اپنے بھتیجے کا دین اختیار کر لیا، اس وسوسہ سے حضرت حمزہؓ تردد میں پڑ گئے اور ساری رات بے چینی سے گذاری، رات بھر نیند نہیں آئی، جب اس کیفیت میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تو حرم پاک میں پہنچے، اور رو رو کر خدا سے دعا مانگی، کہ حق کا راستہ مجھ پر واضح کر دے، ابھی آپ دعا ختم بھی کرنے نہ پائے تھے کہ تمام وساوس دل سے نکل کر سکونِ قلب ہو گیا، پھر صبح ہوتے ہی حاضرِ خدمت ہوئے اور پوری کیفیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کی آپؐ نے ان کے لئے استقامت اور اسلام پر ثابت قدم رہنے کی دعا فرمائی،

اس واقعہ کا نقشہ "شاہنامۂ اسلام" کے الفاظ میں پڑھئے:-

کیا حمزہ نے نعرہ او ابوجہل او حسرِ بزدل ؛ محمد مصطفےٰؐ کے دین میں اب میں بھی ہوں شامل
سنا ہے میں نے تو میرے بھتیجے کو ستاتا ہے ؛ ہمیشہ گالیاں دیتا ہے اور فتنے اُٹھاتا ہے
اگر کچھ آن رکھتا ہے تو آ میرے مقابل ہو ؛ کہ تیری بدزبانی کا چکھا دوں کچھ مزا تجھ کو
بُلا لے ساتھ اپنے اُن حمایت کرنے والوں کو ؛ ذرا میں بھی تو دیکھوں ان کمینوں کو رذالوں کو
یہ کہہ کر گھس پڑے حمزہ گروہِ بدسگالاں میں ؛ گریباں سے پکڑ کر کھینچ لائے اس کو میداں میں
کماں تھی ہاتھ میں وہ سر پہ اس کے دے ماری ؛ گرا ابوجہل سر سے ہو گیا ناپاک خوں جاری
سبھی دبکے کھڑے تھے چھا گیا تھا ایک سناٹا ؛ مگر حمزہؓ نے کھا کر رحم اس کا سر نہیں کاٹا

کہا، گر آج سے میرے بھتیجے کی طرف دیکھا؛ ؎ ترے ناپاک چمڑے میں شتر کی لید بھر دوں گا
یہ کہکر چل دیئے، مشرک بھلا کیا ٹوک سکتے تھے؛ ؎ کہیں روباہ بھی اس شیر نر کو روک سکتے تھے
ابوجہل اس لئے دبکا پڑا تھا فرش کے اوپر ؎ مبادا واپس آکر قتل کر دے عمِ پیغمبرؐ
یہاں سے جاکے حمزہؓ جلد ترا ایمان لے آئے ؎ بھتیجے کے وسیلے سے چچا نے مرتبے پائے

مختصر یہ کہ ابوجہل کو پٹتا دیکھکر کچھ لوگ اس کی حمایت میں حضرت حمزہؓ سے بدلہ لینے کی سوچنے لگے، تو ابوجہل نے ان کو یہ کہکر منع کر دیا کہ حمزہؓ حق پر ہے، واقعی آج میں نے اس کے بھتیجے کو بہت بُرا بھلا کہا ہے، اور اگر حمزہؓ مجھ سے بدلہ نہ لیتے تو بُزدل سمجھے جاتے، اور لوگ اُن کو بے حیا کہتے،

اس کے بعد حضرت حمزہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے اور اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھکر ایمان لے آئے، چچا کے اسلام سے آپؐ کو بہت خوشی ہوئی، چونکہ کافر لوگ صبح شام داخلِ اسلام ہو رہے تھے اس سے کفار بڑے پریشان رہتے تھے، حضرت حمزہؓ کے اسلام سے اور حوصلے پست ہو گئے،

○ اسلام حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ؛

ویسے تو قریش کے حوصلے حضرت حمزہؓ کے اسلام لانے سے بالکل پست ہو چکے تھے، کیونکہ ایک تو آپ قریش کے سرداروں میں سے تھے، دوسرے بہادر تھے، پھر بھی کفار آپ کو ستانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے، اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تمنا تھی کہ کفار کے دو آدمیوں میں سے ایک آدمی ہمیں مل جائے تاکہ دونوں طرف طاقت برابر ہو جائے، وہ دو آدمی عمر بن الخطاب اور عمر بن ہشام تھے، یہ دونوں ماموں بھانجے تھے، اور دونوں اسلام اور مسلمانوں کے سخت دشمن تھے، اِدھر آپؐ مخفی طور پر (یعنی دل میں) اللہ تعالیٰ سے ان دونوں میں سے ایک کے لئے دعاء بھی کر رہے تھے کہ ان دونوں میں سے جو آپ کو محبوب اور اسلام کے لئے مفید ہو اس کو اسلام کی دولت سے نواز دے، اس دعاء کے بعد آپؐ کو بذریعہ وحی بتلایا گیا کہ عمر بن ہشام یعنی ابوجہل کی قسمت میں اسلام نہیں، اس لئے آپؐ نے دعاء فرمائی؛

اَللّٰهُمَّ اَعِزَّ الْاِسْلَامَ بِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ (سنن ابن ماجہ)	"یا اللہ! اسلام کو عمر بن الخطاب کے اسلام سے عزت دے"

کفار ابھی حضرت حمزہؓ کے اسلام لانے کا افسوس کر رہے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جو بھی تدبیر کرتے تھے اُس کا اُلٹا اثر ہوتا تھا، چنانچہ کفار کے بڑے بڑے سرغنے ایک مرتبہ پھر جمع ہوئے ان

سب کا سرغنہ ابوجہل تھا، اس نے سب کو غیرت دلاتے ہوئے کہا، اے قریشیو! اے اہل عرب! اے سرداران قریش! ہمارے لئے کتنے شرم کی بات اور مرجانے کا مقام ہے کہ ایک کمزور سنا اور غریب لڑکا جس کے سر پر ماں باپ کا سایہ بھی نہیں آج وہ ہماری مخالفت کر رہا ہے، ہمارے دیوی دیوتاؤں کو بُرا کہتا ہے، ہمیں اور ہمارے بتوں کو دقیانوسی کا اندھن بتلاتا ہے، تمھاری غیرت کو کیا ہوگیا؟ تمھارے ضمیر اتنے مُردہ ہوچکے کہ تم اس لڑکے کا کچھ علاج نہیں کرسکتے کیا تم میں ایک بھی غیور ایسا نہیں رہا کہ اس کی گردن اُڑادے، سر قلم کردے، اگر کوئی شریف بہادر ایسا ہو تو میں اس کو شتر ارنٹ انعام دوں گا،

حضرت عمرؓ خود شکار ہوگئے؛

اس کمیٹی کے اجلاس میں عمر بن خطاب بھی موجود تھے، جو نہ صرف یہ کہ جری و بہادر تھے بلکہ اسلام اور پیغمبر اسلام تک کے دشمن تھے، اور اسلام کا نام تک سننا گوارا نہ تھا، اس لئے ابوجہل کی آواز پر سب سے پہلے کھڑے ہوکر انھوں نے لبیک کہا، اور کہا یہ تو کوئی بڑا کام نہیں، میں ابھی "محمدؐ" کا سر قلم کرکے لاتا ہوں، تلوار سنبھالی اور فوراً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قیامگاہ دارارقم کی طرف چل دیئے، راستہ میں نعیم بن عبداللہ ملے جو مسلمان ہوگئے تھے، لیکن اپنا اسلام کسی پر ظاہر نہیں کیا تھا، انھوں نے دیکھا آج عمر تو بڑے تیار ہوکر تلوار لٹکائے ہوئے ایسے جارہے ہیں جیسے کسی سے لڑنے جارہے ہوں، پوچھا عمر! کیا بات ہے؟ کدھر کا ارادہ ہے؟

حضرت عمرؓ نے جواب دیا: "محمدؐ کا خاتمہ کرنے جارہا ہوں جو ہمیں اور ہمارے بزرگوں کو گمراہ اور جہنمی بتلاتے ہیں، اور ہمارے آبائی دین کو بُرا کہتے ہیں، جس کی وجہ سے ہمارے سینے چھلنی ہوگئے ہیں، اور ساری قوم میں پھوٹ ڈال دی، حضرت عمرؓ کا اس وقت بُرا حال تھا، آنکھیں اور چہرہ دونوں سُرخ تھے، اسی حالت میں نعیم کی زبان سے یہ جملے نکل گئے،

"اے عمر! تم کو تمھارے نفس نے دھوکہ میں ڈال دیا ہے، بھلا تم اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کردگے؛ تو تم کو عبد مناف کی اولاد زندہ چھوڑ دے گی؛ عمر اپنی جوانی پر رحم کرو"

نعیم نے صرف ان جملوں پر اکتفاء نہیں کیا، بلکہ مزید اُن کو اشتعال دلانے کے لئے یہ کہدیا:

"اے عمر! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے قتل کا تو بعد میں سوچنا، پہلے اپنے گھر کی خبر لو، تمھارے بہنوئی سعید بن زید اور تمھاری بہن فاطمہ نے بھی محمدؐ کا دین قبول کرلیا ہے"

اس بات کو سن کر عمر کے دل پر ایک بجلی سی گری اور اُن کی کیفیت ایسی ہوگئی جیسے جلتی آگ پر کسی نے تیل چھڑک دیا، عمر تو کیا سوچ کر چلے تھے اور نعیم کی بات سُنکر ان کے ہوش و حواس ہی جاتے رہے، پاؤں تلے سے زبان نکل گئی، اور بجائے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان کے اپنے گھر کا فکر ہوگیا، اس لئے بجائے دارارقم

جانے کے بہنوئی کے گھر کی طرف چلے، پہنچے تو گھر کا دروازہ بند تھا، دروازہ پر کھڑے ہو کر آواز دی، آواز سنتے ہی آپ کی بہن نے حضرت خبابؓ (جو اُن کو اور ان کے شوہر کو قرآن پڑھا رہے تھے) کو اندر چھپا دیا، مگر دروازہ پر کھڑے عمرؓ کے کان میں تلاوتِ قرآن کی کچھ آواز پہونچ چکی تھی، بہن نے دروازہ کھولا، عمرؓ غصہ کی حالت میں گھر میں داخل ہوئے، اور داخل ہوتے ہی پوچھا تم لوگ کیا پڑھ رہے تھے! بہن اور بہنوئی کچھ دیر تو خاموش رہے، مگر عمر نے پھر سختی سے پوچھا اور یہ بھی کہا مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم بے دین ہو گئے ہو، یہ کہتے ہی بہنوئی سعید پر ہاتھ اٹھایا، بہن اپنے شوہر کو بچانے کے لئے آگے آئیں تو اُن کو مارنا شروع کر دیا، اور ان کے سر میں ایسی چوٹ لگی کہ خون بہنے لگا، بہن کو ہوش آنے پر جوش آگیا، اور بولیں: عمر تجھ سے جو کچھ ہو کر لے، بیشک ہم خدا کے فضل سے ایمان لا چکے ہیں اور اللہ کی کتاب قرآن شریف پڑھ رہے تھے، بہن کے سر سے خون بہتا دیکھ کر عمرؓ ڈھیلے پڑے، غصہ ٹھنڈا ہوا، کہنے لگے مجھے دکھلاؤ کیا پڑھ رہے تھے!

بہن نے جواب دیا، عمر تم کفر کی نجاست سے ناپاک ہو، نہ تمہارے کپڑوں کا اعتبار ہے نہ بدن کا، قرآن کو ناپاک آدمی ہاتھ نہیں لگا سکتا، ہمارے پروردگار کا فرمان ہے لَا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ

بہن نے کہا، پہلے غسل کر لو تو ہاتھ لگا سکتے ہو، ——— یہ سنکر آپ فوراً غسل کی جگہ گئے اور پاک صاف ہو کر آگئے، اور کہنے لگے لاؤ اب دکھلاؤ کیا پڑھ رہے تھے، بہن سے لکھے ہوئے اوراق لیکر پڑھنے شروع کئے تو سورۂ طٰہٰ پر نظر پڑی جب اس آیت

اِنَّنِيْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِيْ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ ۝	"میں اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں، تو تم میری ہی عبادت کیا کرو اور میری ہی یاد کی نماز پڑھا کرو"

پر پہنچے تو عجیب کیفیت ہو گئی، اور بیساختہ زبان سے یہ کلمے نکلے "یہ کیا ہی اچھا اور باعظمت کلام ہے"

حضرت خبابؓ جو چھپے ہوئے بیٹھے تھے فوراً باہر نکل آئے اور حضرت عمرؓ کو مبارکباد دیتے ہوئے کہا: عمرؓ! مبارک ہو، آج ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں اللہ سے مانگا تھا،

ایک روایت یہ بھی ہے جب آپ نے اوراق پڑھنے شروع کئے تو سورۂ حدید کی آیتیں نظر پڑیں، اُن کو پڑھتے ہوئے جب آپ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ پر پہنچے تو اس کلام کی عظمت سے آپ تھر تھر کانپنے لگے، اور حضرت خبابؓ سے کہنے لگے: مجھے "محمد" صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے چلو، جب آپ دارارقم پہنچے تو دروازہ بند تھا، دروازہ کھٹکھٹایا، صحابہؓ نے سوراخ میں سے دیکھا تو عمرؓ کھڑے ہوئے نظر آئے، گھبرا گئے، اس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حضرت حمزہؓ، حضرت طلحہؓ اور کچھ صحابۂ کرام اور بھی موجود تھے، یہ معلوم ہو کر کہ عمرؓ مسلح ہیں اور اندر آنا چاہتے ہیں کسی کی دروازہ کھولنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی، آخر حضرت حمزہؓ نے فرمایا

دروازہ کھول دو اور عمر کو آنے دو، اگر اچھی نیت ہو تو اچھا ہے اور اگر نیت خراب ہے تو اسی کی تلوار سے اس کی گردن اڑا دی جائے گی، دروازہ کھول دیا گیا، عمر اندر داخل ہوئے، حضورؐ نے دامن پکڑ کر فرمایا:

"اے عمرؓ! تو یہاں کس ارادہ سے آیا ہے؟ کیا تو باز نہیں آئے گا؟ جب تک خدا کا عذاب نازل ہوتے نہ دیکھ لے" (ابن ہشام)

حضرت عمرؓ نے عرض کیا، حضور باز آ گیا، باز آ گیا، اور عرض کیا اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ ——— حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کو حضرت عمرؓ کے مسلمان ہونے سے اتنی مسرت ہوئی کہ سب نے زور سے نعرۂ تکبیر بلند کیا، ابتداءِ اسلام کے وقت سے لیکر مسلمانوں کا یہ سب سے پہلا نعرۂ تکبیر تھا جو اتنی بلند آواز سے لگایا گیا،

○ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے اسلام لانے سے مسلمانوں کا اتنا حوصلہ بڑھا کہ ہم نے جا کر خانۂ کعبہ کا طواف کیا، اور نماز پڑھی (بخاری)

اسی لئے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت عمرؓ کا اسلام لانا اسلام اور مسلمانوں کی فتح تھی،

○ اسلام لانے کے بعد حضرت عمرؓ نے سوچا کہ اسلام دشمنی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عداوت سب سے زیادہ ابوجہل کو ہے، اس سے جا کر اپنے اسلام لانے کا اظہار کر دوں، یہ رشتہ میں حضرت عمرؓ کا ماموں بھی تھا، آپ نے اس کے دروازہ پر جا کر دستک دی، اس نے باہر آ کر مرحبا کہا، اور پوچھا کیسے آنا ہوا؟

عمر فاروقؓ نے جواب دیا، میں اس لئے آیا ہوں کہ تجھے اپنے اسلام لانے کی خبر کر دوں، یہ سنتے ہی اس نے دروازہ بند کر لیا، اور کہنے لگا کہ تو اور تیرا اسلام (معاذ اللہ) برباد ہو (ابن ہشام)

حضرت عمرؓ نے جب اپنی بہن کے گھر پر قرآن کھول کر پڑھا اس وقت کی کیفیت کو "شاہنامۂ اسلام" میں اس طرح نظم کیا ہے ؎

حضرت عمرؓ کا ایمان

کلام پاک کو پڑھتے ہی آنسو ہو گئے جاری ؛ خدائے واحد و قدوس کی ہوئی ہیبت طاری
وہ دل، وہ سخت دل جو آہن و فولاد کا دل تھا ؛ مسلمانوں کے حق میں جو کسی جلاد کا دل تھا
شعاعِ نور نے اس دل کو یکسر موم کر ڈالا ؛ ہوئی تسکین بہہ نکلا قدیمی کفر کا چھالا
اُڑی کافور کی صورت سیاہی رنگ باطل کی ؛ یکایک آج روشن ہو گئیں گہرائیاں دل کی
اسی عالم میں اٹھے جانبِ کوہِ صفا دوڑے ؛ نکل کر نرغۂ شیطاں سے جیسے پارسا دوڑے

جو عمر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سر لینے گئے تھے انھوں نے اپنا سرِ تسلیم خم کر دیا" شاہنامۂ اسلام میں اس عنوان سے بیان کیا ہے:

حضرت عمرؓ کی شانِ ایمان

عمرؓ رخصت ہوئے ایمان لاکر شہر کی جانب ؛ چلے بے خوف ہو کر بانیانِ قہر کی جانب
وہاں وہ لوگ بیٹھے تھے عمر کے منتظر سارے ؛ کسی کے قتل ہونے کی خبر کے منتظر سارے
عمرؓ آکر پکارے "اے قریش اے فہر کے بیٹو ؛ سنو اے عقل کے اندھو! سنو تقدیر کے ہیٹو!
یہ بت جھوٹے ہیں بیشک پوجنا بے سود ہے سب کا ؛ خدا واحد ہے، جو خالق ہے اور معبود ہے سب کا
کوئی جھٹلائے مجھ کو یا کرے میرا یقیں کوئی ؛ محمدؐ ہیں رسول اللہ! اس میں شک نہیں کوئی
نہ ہوگا کچھ بھی حاصل مکر سے حجت سے حیلہ سے ؛ فلاحِ دین و دنیا ہے محمدؐ کے وسیلے سے
حقیقت کا تمھارے سامنے اظہار کرتا ہوں ؛ میں توحید و رسالت کا بدل اقرار کرتا ہوں
کتاب اللہ پر، قرآن پر ایمان لایا ہوں ؛ خدائے واحد و رحمٰن پر ایمان لایا ہوں"
یہ سنکر زلزلہ سا آ گیا ایوانِ باطل میں ؛ بہت صدمہ ہوا دل کی امیدیں رہ گئیں دل میں
اٹھے سب طیش کھا کر پل پڑے اُس مردِ غازی پر ؛ کیا اُن بھیڑیوں نے حملہ اُس شیرِ حجازی پر
مگر وہ مردِ میدانِ وفا غالب رہا سب پر ؛ خدا غالب ہوا، نامِ خدا غالب رہا سب پر

الغرض حضرت عمرؓ کا اسلام لانا مسلمانوں کی زبردست طاقت اور حوصلہ افزائی کا سبب ثابت ہوا، مسلمان جو اب تک کفار کے ظلم و ستم اور خوف کی وجہ سے حرم کعبہ میں نماز نہیں پڑھ سکتے تھے حضرت عمرؓ مسلمان ہوتے ہی مسلمانوں کو لے کر خانۂ کعبہ میں پہنچے، اور وہاں بیدھڑک نماز پڑھی اور حق و باطل میں فرق و امتیاز نمایاں ہو گیا اسی دن سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے آپ کو فاروق کا لقب عطا ہوا، اور عمر بن الخطاب کی بجائے "عمر فاروق" کے نام سے پہچانے لگے،

۶، ۷، ۸، ۹ سنہ نبوی مطابق ۶۱۷ء

مقاطعہ (بائیکاٹ) شعب ابی طالب میں نظر بندی

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ مسلمانوں پر قریش کے مظالم جب حد سے بڑھ گئے تو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو ہجرت حبشہ کی اجازت دیدی، قریش نے وہاں بھی پیچھا نہ چھوڑا، اور نجاشی کو بہکانے بھڑکانے کے لئے ایک وفد لے کر پہنچ گئے، خدا نے کیا وہاں بھی ذلیل و خوار ہو کر ناکام و نامراد واپس لوٹے، مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی، نجاشی اور اس کے بہت سے مقربین قرآن کریم سنکر ایمان لے آئے، ابھی مسلمانوں کو حبشہ گئے ہوئے تین ہی مہینے گذرے تھے کہ اہل مکہ کے اسلام قبول کر لینے کی خبر سنی ایک تو خانۂ کعبہ کی زیارت، دوسرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار کی تڑپ ان دونوں باتوں سے مجبور ہو کر ماہ شوال ۵ سنہ نبوی میں یہ مہاجر واپس مکہ آگئے،

کچھ دنوں بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہؓ اور ان کے بعد حضرت عمر فاروقؓ اسلام لے آئے، ان دونوں حضرات کے اسلام لانے سے قریش کو زبردست دھکا لگا، ادھر مکہ میں مسلمانوں کی تعداد بڑھکر خدا کے فضل و کرم سے چالیس تک پہونچ گئی، اور دارِ ارقم میں تبلیغ کا جو کام خفیہ طریقہ پر ہو رہا تھا اب قرب و جوار کے علاقوں میں بھی پھیلنا شروع ہو گیا، قریش نے دیکھا کہ ہم لوگ اس آواز کو دبانے کے لئے جتنی کوششیں کر رہے ہیں، اتنی ہی زیادہ پھیل رہی ہے، اس لئے اس آوازِ حق کو دبانے اور ختم کرنے کے لئے یکم محرم الحرام ۷ سنہ نبوی کو رؤسا اور امراءِ مکہ سر جوڑ کر بیٹھے، اور یہ فیصلہ کیا گیا کہ ابو طالب اور خاندانِ بنی ہاشم کو برادری سے خارج کر کے اُن کا دانہ پانی بلکہ بیاہ شادی اور کاروبار تک بند کر دیا جائے، نہ کوئی اُن کے ہاں شادی غمی کے موقع پر شریک ہو یہ تجویز صرف زبانی جمع خرچ تک محدود نہ تھی بلکہ تمام رؤسا جب متفق ہو گئے تو ایک تحریر لکھ کر اس پر تمام سرداروں کے باقاعدہ دستخط لئے گئے، اور اس کو خانۂ کعبہ کے اندر لٹکا کر محفوظ کر دیا گیا،

یہ عہدنامہ لکھے جانے کے بعد ابو طالب اپنے خاندان کو لے کر اس جگہ چلے گئے جس کو "شعب ابی طالب" کہا جاتا ہے، یہ جگہ پہاڑوں اور پہاڑی گھاٹیوں کی وجہ سے شہر مکہ سے بالکل الگ تھلگ تھی، اور ابو طالب کی ملکیت تھی، ابو طالب کے ساتھ وہ مسلمان بھی اس شعب میں چلے گئے جو اُن کے خاندان کے نہ تھے، صرف

ابولہب اور اس کا گھرانہ مکہ میں رہ گیا، کیونکہ یہ اپنے خاندان کے خلاف قریش کا حامی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سخت مخالف بلکہ آپ کا جانی دشمن تھا، ابوطالب اُس گھاٹی میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی راتوں کو سخت حفاظت کا خیال رکھتے تھے حتیٰ کہ سونے اور آپؐ کے آرام کرنے کی جگہ بھی بدلتے رہتے تھے اور پہرہ دے کر رات گذارتے تھے، کہ خدانخواستہ کوئی دشمن میرے بچہ کو تکلیف پہونچادے،

یہاں مسلسل تین سال گذارے، جہاں نہ کھانے پینے کی کوئی چیز ملتی تھی نہ دھوپ سے بچاؤ کے لئے کوئی سایہ تھا، جو کچھ یہ حضرات کھانے پینے کا سامان ساتھ لے آئے تھے وہ بھی ختم ہوگیا، لوگ ببول (کیکر) کے پتے درخت سے توڑ توڑ کر کھاتے تھے، اور اپنی زندگی کے دن گذارتے، شیرخوار بچے دودھ کے بغیر بھوک سے بلبلاتے مگر کسی سنگدل کو رحم نہ آتا، ان ظالموں نے منصور بن عکرمہ کو قدرت کی طرف سے سزا سے بھی سبق حاصل نہ کیا جس کا ذکر آگے آرہا ہے، (اس نے عہدنامہ بائیکاٹ اپنے ہاتھ سے لکھا تھا)

اس نظربندی کے دوران مسلمانوں نے زندگی کے تین سال کس تکلیف سے گذارے ہوں گے اس کا ہم لوگ تصور بھی نہیں کرسکتے،

○ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اپنی گذری ہوئی کیفیت بیان کرتے ہیں کہ میں بھوک سے بے قرار تھا، رات کا وقت تھا، زمین پر کوئی تر چیز پڑی ہوئی میرے پاؤں میں لگی، اندھیرے میں یہ بھی پتہ نہ چلا کہ یہ کیا چیز ہے؟ اٹھا کر فوراً منہ میں رکھ کر نگل گیا،

○ اسی طرح حضرت سعدؓ نے ایک اور واقعہ بیان کیا کہ میں رات کے وقت پیشاب کرنے کے لئے چلا، راستہ میں سوکھی ہوئی اونٹ کی کھال نظر پڑی، میں نے اس کو جلا کر اُس کی راکھ کا چورن بنایا اور پانی سے نگل گیا، (سیرۃ النبیؐ ج ۱)

○ ابولہب آپؐ کا حقیقی چچا ہوتے ہوتے آپؐ کا جانی دشمن تھا، شعب ابی طالب ..... کا چکر لگاتا رہتا تھا، اگر باہر سے کوئی تجارتی قافلہ آجاتا تو آواز لگاتا پھرتا کہ کوئی آدمی "محمدؐ" اور ان کے ساتھیوں کے ہاتھ اول تو کوئی چیز فروخت نہ کرے، اور اگر فروخت کرنی پڑجائے تو خوب بڑھا چڑھا کر قیمت مانگے، تاکہ ان لوگوں کو خریدنے کی ہمت ہی نہ پڑے، مشرکین یہ سب کچھ مذہب کا نام لے کر اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کرتے تھے، گویا اُن کے نزدیک یہ ایک قسم کی مذہبی جنگ تھی، جبکہ یہ باتیں انسانیت تک سے گری ہوئی تھیں، مذہب سے ان کو دور کا بھی واسطہ نہ تھا، اگر کوئی مصیبت مارا اس گھاٹی سے باہر آجاتا تو اس کو مار پیٹ کر واپس اندر جانے پر مجبور کردیا جاتا،

○ مشرکین سے اگر کوئی رحم دل یا کوئی رشتہ دار اپنی رشتہ داری کی وجہ سے مجبور آدمی کی مدد کرنا چاہتا

تو اس کو اس کام سے جبراً روکنے کی کوشش کی جاتی،

○ چنانچہ حکیم بن حزام اپنی پھوپھی حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے لئے کچھ کھانے پینے کی چیز لیکر جارہے تھے، (کسی کے ہاتھ بھجوائی تھی) کہ ابوجہل کی نظر پڑ گئی، دیکھتے ہی کہنے لگا، کیا تم بنی ہاشم کے لئے کھانا لے جارہے ہو؟ اس کے بعد اس نے روکنے کی کوشش کی، یہ بات ہو رہی تھی کہ سامنے سے ابوالبختری آگیا، اور ابوجہل سے کہنے لگا یہ شخص اپنی پھوپھی کے لئے کچھ لے جارہا ہے تو اس کو کیوں روکتا ہے؟ ابوجہل غصہ میں ابوالبختری کو بھی برا بھلا کہنے لگا، اس کو غصہ آیا، اور سامنے پڑی ہوئی اونٹ کی ہڈی اٹھا کر اس کے سر پر ایسے زور سے ماری کہ اس کا سر زخمی ہو گیا، ابوجہل اس پٹائی پر بڑا شرمندہ ہوا، کیونکہ حضرت حمزہؓ اور دوسرے مسلمان سامنے کھڑے ہوئے یہ سب واقعہ دیکھ رہے تھے، ان حضرات کا ایک دشمنِ اسلام کی پٹائی دیکھ کر خوش ہونا فطری بات تھی،

عہدنامہ لکھنے والے کو قدرت کی طرف سے سزا؛

جس کافر نے یہ عہدنامہ لکھا تھا اس کا نام منصور بن عکرمہ تھا، قدرت کی طرف سے اس کو یہ سزا ملی کہ اس کا ہاتھ خشک ہو گیا، اور کتابت کے کام سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے محروم ہو گیا، (نشر الطیب)

عہدنامہ کا خاتمہ، کفار میں اختلاف؛

اسی اثناء میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی بتلایا گیا کہ کفار نے جو عہدنامہ لکھ کر خانۂ کعبہ میں بند کیا ہوا ہے اس کو کیڑے نے کھا لیا ہے جس جگہ اس میں اَللّٰہ کا نام لکھا ہوا ہے صرف وہ باقی ہے، آپؐ نے یہ بات ..... اپنے چچا ابوطالب کو بتلائی، چچا کو یقین تھا کہ آپ یہ بات اپنی طرف سے نہیں کہہ رہے ہیں، بلکہ منجانب اللہ آپ کو بتلائی گئی ہے، آپ یہ بات کفار کو بتلانے کے لئے پہنچے تو دیکھا وہ لوگ اس عہدنامہ کے بارے میں آپس میں جھگڑ رہے ہیں، آپ نے اس جھگڑے میں دخل دیتے ہوئے کہا، ایک میری بات بھی سن لو، میرا بھتیجا یہ کہتا ہے کہ مجھے میرے رب نے بتلایا ہے کہ اس عہدنامہ کو کیڑے نے چاٹ کر برابر کر دیا ہے جس جگہ اللہ کا نام لکھا ہوا تھا صرف وہ باقی ہے (ابن ہشام)

اس لئے تم لوگ اسکو دیکھو، میرے بھتیجے کی بات اگر غلط نکلے تو میں اس کو تمہارے حوالہ کر دوں گا، تم اس کو چاہے زندہ رکھنا چاہے قتل کر دینا مجھے کوئی عذر نہ ہوگا،

جیسا کہ ابھی بیان کیا گیا کہ ابوطالب جب یہ خبر دینے پہنچے تو اس سے پہلے مشرکین آپس میں جھگڑ رہے تھے، کیونکہ محصور لوگوں میں بعض آزاد پھرنے والوں کے رشتہ دار بھی تھے، ان کی تکلیفیں سنتے سنتے تین سال گذر گئے تھے، برداشت کی بھی حد ہوتی ہے، اب ان لوگوں کا پیمانۂ صبر لبریز ہو چکا تھا،

اگر غور سے دیکھا جائے یہ سب کچھ اختلاف منجانب اللہ تھا، تین سال میں مسلمانوں کی مظلومیت اور

کفار کا ظلم وستم دنیا پر آشکارا ہو گیا، اب اس اختلاف کا حال بھی پڑھ لیجئے،

ہشام بن عمرو عبد المطلب کے نواسے، زہیر بن امیہ، مطعم بن عدی، ابو البختری، زمعہ بن اسود، ان پانچ حضرات نے آپس میں مل بیٹھکر ایک پلان بنایا کہ کل اس ظلم کے خلاف ہم حرم میں آواز بلند کریں گے، چنانچہ پروگرام کے مطابق یہ پانچوں حضرات اگلے دن حرم پاک میں پہونچے، زہیر نے پہلے بیت اللہ کا طواف کیا، اس کے بعد لوگوں سے مخاطب ہوکر بولا:

"اے مکہ والو! یہ کیا ہے کہ ہم سب تو کھائیں پئیں، اور بنو ہاشم بھوکے پیاسے مرتے رہیں، خدا کی قسم! میں اس وقت تک چین سے نہ بیٹھوں گا جب تک یہ ظالمانہ اور نا منصفانہ عہد نامہ چاک نہ کر دیا جائے، ابو جہل جو اس معاہدہ کا روح رواں تھا ایک طرف کو بیٹھا ہوا تھا، زہیر کی بات سنکر بولا، واللہ! یہ معاہدہ ہرگز چاک نہیں کیا جائے گا، زہیر جھوٹا ہے،

زمعہ بن اسود نے ابو جہل کو جواب دیا تو جھوٹا ہے، جب وہ معاہدہ لکھا جا رہا تھا ہم لوگ اس وقت بھی خوش نہ تھے،

ابو البختری نے زمعہ کی تائید کرتے ہوئے کہا، زمعہ سچ کہتا ہے، ہم اس معاہدہ میں لکھی ہوئی باتوں کے حامی نہیں،

مطعم بن عدی نے کہا زمعہ اور ابو البختری دونوں نے سچ کہا، اور اس کے خلاف جس نے جو کچھ کہا وہ سب جھوٹ ہے، پھر ہشام نے تائید کی (سیرۃ النبیؐ ج ۱)

اس کے بعد عہد نامہ خانہ کعبہ سے نکال کر دیکھا گیا تو واقعی جو بات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا ابو طالب سے کہلوائی تھی سچ نکلی، اور سوائے اللہ کے نام کے باقی سب کو کیڑے نے چاٹ کر ختم کر دیا تھا اس کے بعد مطعم بن عدی نے اس عہد نامہ کو خود اپنے ہاتھ سے چاک کر دیا، معاہدہ چاک کرنے کے بعد یہ لوگ ہتھیار پہن کر شعب ابی طالب پہنچے، اور سب محصور حضرات کو نکال کر ان کے گھر پہنچایا، گھر پہنچتے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا تبلیغی کام اور زیادہ تندہی اور زور شور سے شروع کر دیا (ابن سعد)

قریش کی اس واقعہ کو دیکھ کر بھی آنکھیں نہ کھلیں، اور آپ کو طرح طرح تنگ کرتے رہے، حتیٰ کہ ایک مرتبہ یہ مطالبہ کیا کہ اگر تم اللہ کے نبی ہو تو چاند کے دو ٹکڑے کر کے دکھلاؤ، اس معجزہ کا حال آگے پڑھئے:

معجزۂ شق القمر

پیغمبرِ آخرالزمان جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی کا یہ اہم اور حیران کن معجزہ ہے، جن لوگوں نے اس معجزہ کا مطالبہ کیا تھا وہ دیکھتی آنکھوں مشاہدہ کرنے کے باوجود ایمان لانے کے بجائے کہنے لگے اِنْ هٰذَا لَسِحْرٌ عَظِيْمٌ کہ یہ تو زبردست جادو ہے،

ہمارے زمانہ میں بہت سے دین سے دور لوگ ایسے پائے جاتے ہیں جو اس معجزہ کے منکر ہیں، حالانکہ ہم لوگ اخبارات میں پڑھتے رہتے ہیں کہ فلاں تاریخ کو سورج گرہن ہوگا، فلاں تاریخ کو چاند گرہن ہوگا، اور فلاں ملک میں یہ گرہن نظر آئے گا فلاں جگہ نظر نہیں آئے گا، اس پر بلا چون وچرا یقین کر لیتے ہیں اور مخبر صادق کے فرمان ذیشان پر یقین تو بڑی بات اس کو جھٹلاتے اور تکذیب کرتے ہیں،

آپ کا یہ معجزہ ایسا ہے کہ دنیا کے بہت سے لوگوں نے اس کا مشاہدہ کیا اور اس کی تصدیق کی کہ ہم نے اس کا مشاہدہ کیا ہے، اُس زمانہ میں مالیبار کے راجہ چیرامن پیرومل نے اس کا مشاہدہ کیا، جس کا تاریخ فرشتہ اور ملیبار مینول مرتبہ برٹش گورنمنٹ میں مفصل ذکر ہے، (سیرۃ رسولِ کریمؐ)

○ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اگر "شق القمر" واقع ہوا تھا تو تاریخوں میں اس کا ذکر کیوں نہیں؟ اس سوال کا تفسیر عثمانی میں یہ جواب دیا ہے کہ یہ قصہ رات کا ہے، بعض ملکوں میں تو اختلافِ مطالع کی وجہ سے اُس وقت دن ہوگا، بعض جگہ آدھی رات ہوگی، لوگ عموماً سوتے ہوں گے، اور جہاں بیدار ہوں گے اور کھلے آسمان کے نیچے بیٹھے ہوں گے تو عادۃً یہ ضروری نہیں کہ سب آسمان کی طرف تک رہے ہوں، زمین پر جو چاندنی پھیلی ہوگی بشرطیکہ مطلع صاف ہو اس میں (چاند کے) دو ٹکڑے ہو جانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا، پھر تھوڑی دیر کا قصہ تھا، ہم دیکھتے ہیں کہ بارہا چاند گرہن ہوتا ہے اور خاصا ممتد ہوتا ہے (یعنی دیر تک رہتا ہے) لیکن لاکھوں انسانوں کو خبر بھی نہیں ہوتی، اور اس زمانہ میں آجکل کی طرح رصدگاہوں وغیرہ کے اتنے وسیع و مکمل انتظامات اور تقاویم (جنتریوں) کی اس قدر اشاعت بھی نہ تھی، بہرحال تاریخوں میں مذکور نہ ہونے سے اس کی تکذیب نہیں ہو سکتی، بایں ہمہ "تاریخ فرشتہ" میں اس کا ذکر موجود ہے، ہندوستان میں مہاراجہ "مالیبار" کے اسلام لانے کا سبب اسی واقعہ کو لکھتے ہیں، (فوائد عثمانی)

○ اس قسم کے اعتراض کرنے والوں کے سامنے چاہے کتنے ہی دلائل پیش کریں مگر ان کی ذہنیت تبدیل ہونے کے بجائے اور سخت ہو جاتی ہے، اور ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے اُن کے دلوں پر مُہر لگ گئی ہے، لیکن بہت سے اللہ کے بندے ایسے ہوتے ہیں کہ ان کا ایمان اس قسم کے واقعات سُنکر اور مضبوط ہو جاتا ہے، ہمارے

اس بیان میں لیے ہی خوش قسمت حضرات مخاطب ہیں، تاکہ ان کے ایمان میں زیادتی کا سبب ہو،

واقعۂ شق القمر کا پس منظر؛

○ حضرت انس رضی اللہ عنہ بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اہلِ مکہ (مشرکین) نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمائش کی کہ آپ کوئی معجزہ دکھائیں تو آپ نے (خدا کے حکم سے) یہ معجزہ دکھایا (ترمذی)

یہ حیران کن معجزہ ہجرت سے قبل سنہ نبوی میں ظہور پذیر ہوا (رحمۃ للعالمین ج ۲) جس کی تفصیل یہ ہے،

○ ایک مرتبہ مشرکین کی ایک جماعت (جس میں ولید بن مغیرہ، ابوجہل، عاص بن وائل، عاص بن ہاشم، اسود بن عبد یغوث، اسود بن مطلب، زمعہ بن الاسود، نضر بن حارث وغیرہ شامل تھے) نے آپ سے یہ درخواست کی کہ اگر آپ اللہ کے سچی نبی ہیں تو اپنی نبوت کا کوئی نشان (معجزہ) دکھائیں،

○ دوسری روایت میں یہ ہے کہ ان لوگوں نے کہا کہ آپ چاند کے دو ٹکڑے کر کے دکھلائیں، رات کا وقت تھا، چودھویں شب کا چاند نکلا ہوا تھا، آپ نے فرمایا، اچھا اگر میں یہ معجزہ دکھلا دوں تو تم لوگ ایمان لے آؤ گے؟ ان لوگوں نے کہا ہم ایمان لے آئیں گے، آپ نے خداوند کریم کے حضور دعا کی اس کے بعد انگشتِ مبارک چاند کی طرف اٹھائی تو اسی وقت چاند دو ٹکڑے ہو گیا، ایک ٹکڑا جبل ابی قبیس پر تھا اور دوسرا ٹکڑا جبل قیقعان پر تھا، (سیرۃ مصطفےٰ ج ۱)

اس واقعہ کے راوی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ رضی اللہ عنہم ایسے مشہور صحابہ کرام ہیں،

شق القمر کا مشاہدہ کرنے والے حضرات کا بیان

○ ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ:

اِنْشَقَّ الْقَمَرُ عَلٰی عَهْدِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ شِقَّتَیْنِ، فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِشْهَدُوْا (بخاری)	"نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں چاند پھٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دیکھو گواہ رہنا"

○ اسی طرح جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

اِنْشَقَّ الْقَمَرُ وَنَحْنُ بِمَكَّةَ عَلٰی عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰی صَارَ فِرْقَتَیْنِ فِرْقَةٌ عَلٰی هٰذَا	"ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارک میں مکہ مکرمہ میں تھے، کہ چاند کے پھٹکر دو ٹکڑے ہو گئے، ایک ٹکڑا اِس پہاڑ پر دوسرا ٹکڑا اُس پہاڑ پر (ص)

الْجَبَلِ وَفَرْقَةٌ عَلٰى هٰذَا الْجَبَلِ فَقَالَ النَّاسُ سَحَرَنَا مُحَمَّدٌ فَقَالَ رَجُلٌ إِنْ كَانَ سَحَرَكُمْ فَإِنَّهُ لَا يَسْتَطِيعُ أَنْ يَسْحَرَ النَّاسَ كُلَّهُمْ، (مسند احمد، بیہقی)

نظر کرنے لگا، اس پر مشرکین نے یہ بات بنائی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہمارے اوپر جادو کر دیا ہے، اس پر کسی نے یہ کہا جادو کیا ہوگا تو صرف ہم پر ہی کیا ہوگا، ساری دنیا پر تو نہیں ہو سکتا،

○ مصنف "ترجمان السنۃ" اس معجزہ کے سلسلہ میں لکھتے ہیں،

ایک عجیب بات یہ ہے کہ یہ معجزہ جتنا عظیم الشان تھا اس کا ثبوت بھی قدرۃً اتنا ہی مضبوط ہو گیا ہے، اور وہ بھی ایسے زمانہ میں اور ایسے ماحول میں جہاں ان امور کی طرف کوئی توجہ نہ کی جاتی تھی، یعنی اس کی شہادت موافق و مخالف، حاضر و غائب سب کی زبانوں سے ثابت ہو چکی ہے، آپ کی جماعت میں جن صحابہ نے اس معجزہ کی روایت کی ہے ان میں سے بعض خود وہ ہیں جو اس کا مشاہدہ کرنے والوں میں شریک تھے، اور مخالفین کا اس معجزہ کو دیکھ کر سحر کہنا خود اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کا یہ معجزہ انھوں نے بھی دیکھا تھا اور درحقیقت آپ کا بار بار اَشْهَدُوْا اَشْهَدُوْا فرمانا ان ہی منکرین پر خدا کی حجت تمام کرنے کے لئے تھا، (ترجمان السنۃ جلد چہارم)

ہماری ان معروضات سے شق القمر کے اس عظیم الشان معجزہ کی صداقت بالکل عیاں ہو جاتی ہے، مصنف "رحمۃ للعالمین" قاضی محمد سلیمان صاحب منصور پوری رحمۃ اللہ علیہ نے اس معجزہ پر تفصیلی بحث کی ہے، اور دنیا کے بڑے بڑے ممالک میں اس معجزہ کے اوقات کا نقشہ پیش کیا ہے، اختصار کے پیش نظر ہم صرف حوالہ پر اکتفاء کرتے ہیں، معلومات کے شائقین اس کتاب کی جلد سوم کا صفحہ ۱۹۰ مطالعہ فرمائیں،

سنہ نبوی عام الحزن

ابوطالب اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ کی وفات

ویسے تو نبوت ملنے کے بعد ہر دن آپؐ کے لئے سخت سے سخت ہوتا تھا، مشرکین کی طرف سے نئی نئی ایذائیں آپؐ کو پہنچائی جاتی تھیں، مگر چچا کا وجود ڈھال کا کام دیتا تھا، مخالفین ڈر کی وجہ سے آپؐ کو ستاتے ہوئے ڈرتے تھے، یہی حالت آپؐ کی رفیقۂ حیات کی تھی، وہ ہر تکلیف دہ موقع پر آپؐ کی مونس و ہمدرد ہوتی تھیں اور آپؐ کا حوصلہ بڑھاتی تھیں،

ابھی شعب ابی طالب سے باہر آئے ہوئے کچھ ہی دن گذرے تھے کہ چند دن کے فاصلہ سے آگے پیچھے یہ دونوں ہمدرد داغِ مفارقت دے گئے، آپؐ کے لئے ان دونوں کی وفات بڑا حادثہ تھا، آپؐ کو اُن کی وفات سے اتنا صدمہ ہوا کہ تاریخ میں اس سال کا نام "عام الحزن" غم کا سال پڑ گیا،

مؤرخین کا اس میں اختلاف ہے کہ ان دونوں میں سے پہلے کس کا انتقال ہوا؟ بعض کہتے ہیں پہلے ابوطالب کا انتقال ہوا، اور ان کے تین دن بعد حضرت خدیجہؓ کا، اکثر حضرات کی رائے یہ ہے کہ پہلے ابوطالب کا انتقال ہوا، واللہ اعلم بالصواب،

سیرۃ النبیؐ ج ۱ میں ہے:

"حضرت خدیجہؓ نے رمضان سنہ ۱۰ نبوی (م ۶۲۰ء) میں وفات پائی، اُن کی عمر ۶۵ برس تھی، مقام حجون میں دفن کی گئیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود قبر میں اُترے، اُس وقت تک نماز جنازہ مشروع نہیں ہوئی تھی"

(سیرۃ النبیؐ بحوالہ ابن سعد)

گویا پچیس ۲۵ سال کا ساتھ آپ کی وفات پر ختم ہو گیا، ازواجِ مطہراتؓ میں پہلی زوجہ ہیں جو ابتدائے اسلام سے وفات تک قریش کے مظالم خندہ پیشانی سے برداشت کرتی رہیں، جب تک زندہ رہیں حضورؐ نے دوسرا نکاح نہیں فرمایا، حضرت ابراہیمؑ صاحبزادہ کے علاوہ تمام اولادیں ان ہی سے پیدا ہوئیں،

حجون مکہ معظمہ کے مشہور قبرستان "جنت المعلیٰ" کا ایک حصہ ہے، اسی حصہ میں کسی جگہ ابوطالب بھی دفن ہیں،

حضرت خدیجہؓ کی قبر اب بھی موجود ہے، ابوطالب کی قبر کا نام ونشان نہیں کہ کس جگہ تھی؟ سعودی حکومت نے اب اس حصہ میں مُردوں کی تدفین بند کر دی ہے اور اس کے برابر والے حصّہ میں تدفین ہوتی ہے، اس حصہ میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور دیگر صحابۂ کرام آرام فرما ہیں، رضوان اللہ علیہم اجمعین،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب آپ کو آٹھ سال کا چھوڑ کر وفات پاگئے تھے، ان کے بعد ان کے بیٹے ابوطالب اپنے آبائی دین پر رہتے ہوئے تا وفات آپ کی سرپرستی کرتے رہے، یہ عرصہ تقریباً بارہ سال ہوتا ہے،

ظاہر بات ہے اتنے طویل عرصہ جس نے آپؐ کا ساتھ دیا ہو اور آپؐ کی خاطر اپنوں سے لڑ کر دشمنی مول لی ہو تو حضورؐ کو ان سے کتنا تعلق ہوگا؟ اسی لئے آپؐ چاہتے تھے کہ چچا اسلام لے آئیں، تاکہ اللہ تعالیٰ کے حضور ان کی سفارش کر کے ان کے احسانات کی تلافی کر سکوں،

○ حدیث میں ہے کہ جب ابوطالب کے انتقال کا وقت قریب آیا تو آپؐ اُن کے گھر تشریف لے گئے، اُس وقت اُن کے پاس ابوجہل بھی موجود تھا، آپؐ نے ان سے کہا، چچاجان! (یہ آپ کا آخری وقت ہے) آپ کلمہ پڑھ لیجئے، تاکہ اس کلمہ کی وجہ سے مجھے اللہ تعالیٰ کی جناب میں آپ کے متعلق کچھ گفت وشنید کا موقع مل جائے، یہ سُنکر ابوجہل اور عبداللہ بن امیہ بولے، ابوطالب! کیا تم عبدالمطلب کا آبائی دین چھوڑ دوگے؟ یہ لوگ ان کو اتنا بہکاتے رہے کہ سب سے آخری بات آپ کے مُنہ سے جو نکلی وہ یہ تھی کہ میں عبدالمطلب کے مذہب پر مر رہا ہوں، اس کے باوجود آپؐ نے فرمایا میں اپنے چچا کے لئے دعاءِ استغفار کرتا رہوں گا، جب تک کہ مجھے میرا رب صاف طور پر روک نہ دے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی:۔

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۝

(پ ۱۱ ع ۳)

"نبی اور دوسرے مسلمانوں کے لئے یہ بات جائز نہیں ہے کہ جب اُن مشرکین کا دوزخی ہونا معلوم ہو جائے تو اس کے بعد بھی وہ اُن کے لئے مغفرت کی دعاء کریں، خواہ وہ مشرک اُن کے قرابتدار ہی کیوں نہ ہوں"

(کشف الرحمٰن)

اس آیت کے نزول کے بعد آپؐ نے چچا کے لئے مغفرت کی دعاء کرنا بند کر دیا،

طائف کا تبلیغی سفر

زوجۂ مطہرہ اور چچا کے انتقال کے بعد اب مشرکینِ مکہ کے لئے میدان صاف تھا، کہ پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو جو چاہیں کہیں، جیسے چاہیں ستائیں، آپؐ بھی ان مشرکین سے مایوس ہو گئے تھے، اس لئے ماہ شوال سنہ نبوی کے اخیر میں زید بن حارثہؓ کو لے کر طائف تشریف لے گئے، یہ شہر اپنی خوش حالی، فارغ البالی، آب و ہوا، پھل اور میوہ جات کی بکثرت پیداوار کی وجہ سے اُس زمانہ میں بھی اہمیت رکھتا تھا اور اب بھی اہمیت رکھتا ہے، اُس زمانہ میں قریش کے مالدار لوگوں کی تفریح گاہ بنا ہوا تھا، اِس زمانہ میں حکومت کا موسم گرما کا دارالخلافہ اور شیوخ کا آرام گاہ بنا رہتا ہے، مکہ معظمہ سے تقریباً چالیس میل کے فاصلہ پر ہے، پھر عرب کے مشرکین کا بت "لات" بھی اسی شہر میں اُن کی پوجا پاٹ کا مرکز تھا، اور مکہ میں قریش کا "ہُبَل" بت پوجا پاٹ کا مرکز تھا، گویا مکہ معظمہ اور طائف یہ دونوں شہر مرکزی حیثیت رکھتے ہیں اور ایک دوسرے کے ہمسر ہیں، قرآن شریف میں ان کا ذکر یوں آیا ہے:

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ۝ (پ ۲۵، ع ۹)	"اور انھوں نے یہ بھی کہا کہ یہ قرآن ان دونوں بستیوں یعنی مکہ اور طائف کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نازل نہیں کیا گیا؟"

طائف میں بنو ثقیف مشہور قبیلہ تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے اس قبیلہ کے سردار اور رؤسا، عبد یالیل، مسعود، حبیب کے پاس تشریف لے گئے، آپؐ کو امید تھی اگر ان لوگوں نے میری بات سنکر اسلام قبول کر لیا تو ان کو دیکھ کر اور لوگ بھی اسلام قبول کر لیں گے، مگر ان لوگوں نے آپ کی بات سنتے ہی مذاق اڑانا شروع کر دیا، اور شہر کے بچوں، غنڈوں، اپنے غلاموں کو پیچھے لگا دیا، ان لوگوں نے تالیاں پیٹنی، سیٹیاں بجانا، شور مچانا، گالیاں دینا اور پتھراؤ کرنا شروع کر دیا، اور دو طرفہ لائن بنا کر لوگوں کو کھڑا کر دیا، آپؐ ایک قدم اُٹھاتے تو پتھروں کی بارش سے استقبال کیا جاتا،

ان لوگوں کی ہدایت سے مایوس ہو کر آپ واپس ہونے لگے تو غنڈوں کا یہ گروہ آپ پر ٹڈی دل کی طرح ٹوٹ پڑا، اور اتنا شور مچایا کہ کانوں پڑی آواز سنائی نہ دے، آپؐ چلنے کے لئے قدم اٹھاتے تو یہ ظالم آپؐ پر پتھروں کی بارش شروع کر دیتے، آپؐ کہیں سانس لینے کے لئے رُکتے تو یہ ظالم آپؐ کے بازو پکڑ کر کھڑا کر دیتے، زید بن حارثہؓ آپؐ کا بچاؤ کرتے کرتے زخمی ہو گئے، اور نبیِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک کا کوئی حصہ

زخموں سے خالی نہ تھا،

مولانا عاشق الٰہی میرٹھی مرحوم لکھتے ہیں:

"جس وقت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم شہر طائف سے باہر نکلے تو چاروں طرف سے بے پناہ پریشانی کا ہجوم تھا، ہر جانب یاس و ناامیدی اپنی بھیانک صورت دکھا رہی تھی، بچے اور بازاری لوگ آپ پر پتھر پھینکتے، اور غلام آوازے کستے اور گرد و غبار اڑا کر آپ کو تنگ کرتے تھے (تاریخ اسلام)

اسی عالم میں کسی ظالم نے پتھر پھینکا جو آپ کے پاؤں کے ٹخنے میں آکر ایسا لگا کہ پاؤں سے خون بہنے لگا، آپ مغموم اور دل شکستہ ہو کر عتبہ اور شیبہ بھائیوں کے باغ کے قریب ایک درخت کے سایہ میں سانس لینے کے لئے بیٹھ گئے، اور خدا کے حضور دونوں ہاتھ اٹھا کر یوں دعا فرمائی:

اَللّٰهُمَّ اِلَيْكَ اَشْكُوْا ضُعْفَ قُوَّتِيْ وَ قِلَّةَ حِيْلَتِيْ وَهَوَانِيْ عَلَى النَّاسِ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ ۝ اَنْتَ رَبُّ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ وَاَنْتَ رَبِّيْ اِلٰى مَنْ تَكِلُنِيْ اِلٰى عَدُوٍّ يَتَجَهَّمُنِيْ اَمْ اِلٰى عَدُوٍّ مَلَّكْتَهٗ اَمْرِيْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ بِكَ عَلَيَّ غَضَبٌ فَلَا اُبَالِيْ وَلٰكِنْ عَافِيَتُكَ هِيَ اَوْسَعُ لِيْ اَعُوْذُ بِنُوْرِ وَجْهِكَ الَّذِيْ اَشْرَقَتْ لَهُ الظُّلُمٰتُ وَصَلُحَ عَلَيْهِ اَمْرُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ مِنْ اَنْ تُنْزِلَ بِيْ غَضَبَكَ اَوْ تَحُلَّ عَلَيَّ سَخَطَكَ وَلَكَ الْعُتْبٰى حَتّٰى تَرْضٰى وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِكَ،

(ابن ہشام)

"یا اللہ! میں تجھ ہی سے شکایت کرتا ہوں اپنی کمزوری اور کم سامانی کی اور لوگوں میں اپنی بے توقیری کی، اے ارحم الراحمین تو ہی کمزوروں کو ترقی پر پہنچانے والا ہے، تو ہی میری پرورش کرنے والا ہے، تو مجھے کس کے حوالہ کرے گا، کسی ایسے دشمن کے کہ سینہ زوری کرے مجھ سے، اگر مجھ پر تیرا غصہ نہیں ہے تو پھر میں کسی کی بھی پروا نہیں کرتا، مگر تیرا احسان میرے لئے بہت وسیع ہے، میں پناہ مانگتا ہوں تیری بزرگ ذات کے وسیلہ سے جس سے دنیا و آخرت کا معاملہ درست ہو گیا، میں اس بات سے پناہ مانگتا ہوں کہ مجھ پر تیری خفگی ہو (میں) تیری رضا کا طلبگار ہوں اور تیرے سوا کسی میں نہ ضرر دور کرنے کی طاقت ہے نہ نفع پہنچانے کی"

قبولیتِ دعاء؛ فرشتوں کی حاضری؛

بترس از آہِ مظلوماں کہ ہنگامِ دعا کردن
اجابت از درِ حق بہر استقبال مے آید

اللہ تعالیٰ کی طرف سے جب بلا امتیاز مذہب وملت ہر مظلوم کی دعا کی قبولیت کی بشارت ہے تو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اوّل تو نبی تھے پھر مسافر و مظلوم اور بے قرار تھے، آپؐ کی دعا حق تعالیٰ کیسے قبول نہ فرماتے،

اللہ تعالیٰ کے پیارے نبی زخموں سے چُور دعا کر ہی رہے تھے کہ آپؐ نے اوپر کو سر اٹھایا تو دیکھا آپؐ پر ابر رحمت سایہ کئے ہوئے ہے، اس ابر میں سے آواز آئی کہ میں اللہ کا مقرب فرشتہ ہوں اور اللہ تعالیٰ نے میرے ساتھ پہاڑوں کے انتظام پر مامور فرشتہ کو بھیجا ہے اور اس کو حکم دیا ہے کہ اگر آپؐ اجازت دیں تو ان دونوں پہاڑوں کو (جن کے درمیان اہلِ مکہ اور اہلِ طائف بس رہے ہیں) ملا کر ان لوگوں کو اس طرح پیس دیا جائے جیسے چکی کے بیچ میں دانہ پیس دیا جاتا ہے،

رحمۃ للعالمینؐ کا فرشتوں کو جواب؛

آپؐ نے جواب دیا: اے ارحم الراحمین! تو نے مجھ کو سخت دل پیدا نہیں فرمایا، میں ان پر عذاب نازل کرانے نہیں آیا، مجھے ان کے تباہ اور ہلاک ہونے سے کیا مل جائے گا، اگر یہ زندہ رہے تو امید ہے شاید اُن کی نسل میں کوئی نیک اور فرمانبردار بندہ پیدا ہو جائے، اور فرمایا: اَللّٰھُمَّ اھْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ۔ (خلاصہ مسلم شریف)

باغ کے مالکوں کے جذباتِ ہمدردی؛

زخموں سے چُور آپؐ جس باغ کے سایہ میں بیٹھے سانس لے رہے تھے اس کے مالک ربیعہ کے دو بیٹے عتبہ اور شیبہ دونوں اندر سے آپؐ کی مظلومی و بیکسی و بے بسی دیکھ رہے تھے، کافر ہونے کے باوجود ان سے آپؐ کی حالت دیکھی نہ گئی، اللہ تعالیٰ نے اُن کے دلوں کو نرم کر دیا، دونوں بھائی آپس میں کہنے لگے، بھائی! سردار مکہ عبد المطلب کے ناز پروردہ پوتے کا حال دیکھ رہے ہو؟ باتیں کرتے کرتے اپنے غلام عدّاس کو بلایا، اور ایک طباق میں انگوروں کا خوشہ رکھ کر اس سے کہا جاؤ اس شخص کے پاس لے جاؤ اور درخواست کرو اسے تناول (کھا) فرمالیں، عدّاس نے طباق پیش کیا اور کھانے کی درخواست کی، آپؐ نے اس کو نعمتِ خداوندی سمجھکر بسم اللہ پڑھکر کھانا شروع کیا،

عدّاس کا اسلام قبول کرنا؛

عدّاس غلام یونس علیہ السلام کے شہر نینوٰی کا رہنے والا تھا، اور مذہبًا نصرانی تھا، اس نے عرب کے دستور کے خلاف کھاتے وقت بسم اللہ کے الفاظ سُنے تو بڑا حیران ہوا، اس حیرانی کے عالم میں اس نے آپؐ سے دریافت کیا، آپؐ کا نام کیا ہے؟ آپؐ نے نام اور گذرا ہوا سارا قصہ بتلایا، آپؐ نے عدّاس سے دریافت فرمایا تم کہاں کے رہنے والے ہو؟ اس نے بتلایا، میں نینوٰی کا رہنے والا ہوں، اور مذہبًا نصرانی ہوں، آپؐ نے فرمایا: اسی نینوٰی کے جہاں اللہ کے نیک بندے اور میرے بھائی یونس بن متّی تھے؟ عدّاس کو حضرت یونس کا نام

سُنکر تعجب ہوا، اس کے بعد پوچھا آپ یونسؑ کو کیسے جانتے ہیں؟ تو آپؐ نے بتلایا وہ اللہ کے نبی تھے اور میں بھی نبی ہوں، یہ سُنکر عدّاس نے آپ کی پیشانی چومی اور اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھکر اسلام لے آیا (ابن ہشام)

عتبہ اور شیبہ باغ میں سے عدّاس کو دیکھ رہے تھے، جب اس نے آپؐ کی پیشانی چومی تو کہنے لگے لو بھائی یہ غلام بھی ہم سے گیا، جب وہ واپس لوٹ کر آیا تو اس کو ڈانٹ کر کہا، کمبخت! تو نے یہ کیا حرکت کی؟ کہ اس شخص کے ہاتھ پاؤں چومنے شروع کر دیئے، لوگوں نے اس کی یہ باتیں سُنکر ہی تو اس کا یہ حال بنایا ہے،

عدّاس نے اپنے مالکوں کو جواب دیا تم لوگ کچھ ہی کہو مگر جو بات انھوں نے مجھے بتائی ہے وہ نبی کے علاوہ اور کوئی نہیں بتا سکتا، ان بھائیوں نے اس کو ڈانٹ کر کہا، خبردار! خبردار! اس کی باتوں میں آکر اپنا دین نہ چھوڑ دینا، تیرا دین اس کے دین سے بڑا اچھا ہے،

○

مکہ معظمہ واپسی، نخلہ میں قیام، جنّات کا اسلام

طائف سے واپسی پر مکہ سے باہر آپ نے چند روز مقام نخلہ میں قیام فرمایا، جب اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو نبوت سے سرفراز فرمایا تو جنّات کا آسمانوں پر داخلہ بند کر دیا گیا تھا، جس کی وجہ سے یہ قوم حیران و سرگرداں پھرتی تھی، کہ ہمارا داخلہ کیوں بند ہو گیا؟ جنّات کی جماعتیں اس کا پتہ چلانے کے لئے ہر طرف گھومتی پھرتی تھیں، حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم وادیِ نخلہ میں رات کے سناٹے میں نماز کی نیت باندھے بلند آواز سے تلاوت فرما رہے تھے، کہ جنّات کی ایک جماعت ادھر سے گذر رہی تھی، اُن کے کانوں میں ایک عجیب کلام کی آواز پڑی جو بالکل نیا اور انوکھا تھا، جس کو سُنکر یہ جماعت فوراً سمجھ گئی کہ یہی وہ انوکھا اور نرالا کلام ہے جس کی وجہ سے ہمارا آسمانوں پر داخلہ بند ہو گیا، اور فوراً اسلام لے آئی، اور اپنی قوم کو جا کر بتلایا:

اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا يَّهْدِيْ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ط (پ ۲۹، سورۂ جن)	"ہم نے ایک عجیب قرآن سُنا ہے، جو سیدھی راہ بتاتا ہے، لہٰذا ہم اس قرآن پر ایمان لے آئے"

مفسّرین نے ان ایمان لانے والوں کی تعداد سات بیان کی ہے،

اللہ تعالیٰ نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی اطلاع دیتے ہوئے فرمایا:

وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ط فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ط فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى	اور اے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) اُس واقعہ کو بیان کیجئے کہ جب ہم نے جنّات کی ایک جماعت کو آپؐ کی جانب متوجہ کر دیا اور وہ قرآن سننے لگے، غرض جب

قَوْمِهِمْ مُنْذِرِيْنَ ۝ (پ ۲۶ ع ۴)	وہ قرآن کی تلاوت کے پاس آ پہونچے تو آپس میں

کہنے لگے خاموش ہو جاؤ، پھر جب قرآن کی تلاوت ہو چکی تو وہ جن اپنی قوم کو آگاہ کرنے کی غرض سے قوم کے پاس واپس آگئے۔"

وادیٔ نخلہ سے آپ خیر و عافیت کے ساتھ مکہ معظمہ واپس آگئے، اور آپؐ نے واپس آکر تبلیغ کا طریقہ بدل دیا، اور مکہ کے آس پاس جو قبائل آباد تھے وہاں جاکر تبلیغ کرنی شروع کر دی، اسی طرح شہر سے باہر جاکر کھڑے ہو جاتے اور جو مسافر آتا اس کو دعوتِ اسلام دیتے،

○ اُدھر قریش کے حوصلے اور بڑھ گئے، ایک ابوطالب کے اُٹھ جانے دوسرے طائف سے مایوس لوٹنے کی وجہ سے اور ان کے رؤسا نے یہ فیصلہ کر لیا کہ اس مرتبہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا خاتمہ ہی کر دینا چاہئے، اور یہ فیصلہ صرف زبانی جمع خرچ تک محدود نہ رہا، بلکہ ابولہب پیغمبرِ خدا کا حقیقی چچا، ابوجہل، عاص بن ہشام، ولید ابن عتبہ، ابوالبختری، عتبہ بن ربیع اور شیبہ بن ربیعہ نے تو اپنی شب و روز کی زندگی کا نصب العین ہی یہ بنالیا تھا کہ ہر روز نئی نئی ایذائیں اور تکالیف پہنچائے، قریش کے اس طرزِ عمل سے عرب کے دوسرے قبائل کے لوگوں کے بھی حوصلے بڑھ گئے تھے، لیکن مخالفین کی ان تمام کوششوں کے باوجود آپ استقامت کے ساتھ برابر تبلیغ اسلام میں مصروف رہے، اور آپؐ کے اس کام میں ذرہ برابر فرق نہ آیا،

ویسے تو نبوت ملنے کے بعد سے قریش کی طرف سے آپؐ کو طرح طرح سے ستانے، ایذائیں پہنچانے، گستاخیاں کرتے رہنے کا لامتناہی سلسلہ جاری تھا، جس کی وجہ سے آپؐ کو صدمہ ہونا لازمی امر تھا، سنہ نبوی میں حضرت خدیجہؓ اور چچا ابوطالب کے انتقال سے آپؐ تنہا رہ گئے، ورنہ اُن کی وجہ سے ایک قسم کی دل کو تقویت رہتی تھی، اُن کے انتقال کے بعد آپ قریش اور اہلِ مکہ سے مایوس ہو کر طائف تشریف لے گئے، اہلِ طائف نے اسلام قبول کرنا تو بڑی بات ہے آپؐ کی بات تک سننا گوارا نہ کیا، اور جیسی تکلیفیں آپؐ کو پہونچائیں وہ ہم مختصراً بیان کر چکے ہیں،

اہلِ طائف کی گستاخیوں کا اندازہ آپؐ کے اس ارشاد سے کیا جا سکتا ہے کہ ایک مرتبہ اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے دریافت کیا، یارسول اللہؐ! کیا آپؐ پر جنگ اُحد کے دن سے زیادہ سخت دن اور کوئی بھی گذرا ہے؟ آپؐ نے فرمایا اس سے بھی زیادہ سخت دن وہ تھا جب میں نے اہل طائف پر اسلام پیش کیا تھا، مختصر یہ کہ طائف سے مکہ واپس آنے کے بعد آپؐ کا حوصلہ پست نہیں ہوا، بلکہ پہلے سے بھی زیادہ انہماک کے ساتھ کام شروع کر دیا، مکہ معظمہ کے آس پاس دیہات تھے وہاں بہت سے قبائل (کنبے اور برادریاں) رہتے تھے، مثلاً:- (۱) قبیلۂ بنی کندہ (۲) قبیلۂ بنو عبداللہ (۳) قبیلۂ بنو حنیفہ (۴) قبیلۂ بنو عامر وغیرہ،

۱۱ سنہ نبوی

یثرب (مدینہ) میں اسلام کی روشنی

اسلام سے پہلے مدینہ کا پرانا نام یثرب تھا، یہ نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے پہلے تک رہا، ہجرت کے بعد آپ نے بدل کر اس کا نام مدینہ کر دیا، اور لوگوں نے ازراہِ عقیدت و محبت "مدینۃ النبیؐ" کہنا شروع کر دیا، اس کے علاوہ اس شہر کے اور بہت سے نام مورخین نے لکھے ہیں، مثلاً طابہ، طیبہ، مبارکہ وغیرہ،

مدینہ کی زیادہ تر آبادی اوس و خزرج دو خاندانوں پر مشتمل تھی، یہ مشرک اور بت پرست تھے، اوس و خزرج دو بھائی تھے، اور اصل ملکِ یمن کے باشندے تھے، ایک زمانہ میں یمن میں سیلاب آیا، جو "سیلِ عرم" کے نام سے مشہور ہے، اس سیلاب کی وجہ سے اُن کے آباء واجداد یثرب (مدینہ) میں آکر آباد ہو گئے، (ابن ہشام)

اوس و خزرج کے علاوہ دوسری اہم اور مؤثر آبادی یہود کی تھی، مگر یہ اقلیت میں تھے، مدینہ منورہ کے انصار انہی دو بھائیوں کے خاندان سے ہیں، اسلام سے پہلے یہود کی جب کبھی اوس و خزرج سے لڑائی ہو جاتی تو یہود اُن سے کہا کرتے تھے کہ عنقریب نبی آخر الزماں (صلی اللہ علیہ وسلم) مبعوث ہونے والے ہیں، ہم ان پر ایمان لاکر تم سے جنگ کر کے تمہارا نام و نشان تک مٹا دیں گے، یہ لوگ اس مغالطہ میں تھے کہ نبی آخر الزماں بھی ہم یعنی بنی اسرائیل میں سے ہوں گے، لیکن اقلیت میں ہونے کے باوجود چونکہ مالدار اور چالاک قوم تھی اس لئے ایسے حربے استعمال کرتی تھی کہ اوس و خزرج بھائیوں کی اولاد ہونے کے باوجود آپس میں لڑتے رہیں، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں آپس میں ایک دوسرے کے خون کے پیاسے رہنے لگے، اور کمزور ہو گئے، محبت کی جگہ دشمنی اور عداوت نے لے لی، دوسروں کی نگاہوں میں ذلیل و خوار رہنے لگے، حتیٰ کہ ایسا بھی ہوا کہ قبیلۂ اوس نے خزرج کے خلاف یہودِ مدینہ سے معاہدہ کر لیا اور خونریز جنگ کے بعد قبیلۂ اوس جیت گیا، مگر دونوں قبیلوں کے سمجھدار لوگ یہ سوچنے لگے کہ اس لڑائی سے سوائے ذلت و خواری اور جانی و مالی نقصان کے اور کیا فائدہ؟

قدرت کی طرف سے دستگیری!

جیسا کہ ہم ابھی بیان کر چکے ہیں کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف سے واپسی کے بعد

تبلیغ کا دائرہ وسیع کر دیا تھا، ۱۱ سنہ نبوی (مطابق سنہ ۶۲۲ء) کے آخر کا واقعہ ہے حج کا زمانہ قریب تھا، لوگوں کے قافلے آنے شروع ہو گئے تھے، آپ اُن قافلوں میں جا جا کر تبلیغ فرمایا کرتے تھے، مگر ابولہب، ابوجہل بھی سایہ کی طرح آپ کے ساتھ لگے رہتے، آپ لوگوں کو دین حق (اسلام) قبول کرنے کی دعوت دیتے، یہ لوگ اُن مسافروں سے کہتے دیکھو! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بات ہرگز نہ ماننا، یہ بتوں کی پوجا پاٹ سے روکتا اور تمہارے بزرگوں یعنی باپ داداؤں کو دوزخی کہتا ہے،

اس لئے آپ اُن سے چھپ کر رات کے اندھیرے میں دور دور جا کر تبلیغ فرمایا کرتے تھے، ایک رات کا واقعہ ہے آپ مکہ سے باہر چند میل منیٰ مقام پر چلے گئے، وہاں ایک گھاٹی تھی اس کا نام "عقبہ" تھا، اور یہ اس جگہ تھی جہاں منیٰ میں اب جمرۃ الکبریٰ یا جمرۃ العقبہ ہے، اور حاجی حضرات اس کو بڑا شیطان بھی کہتے ہیں، اور ایام حج کی ۱۰، ۱۱، ۱۲ تاریخ کو کنکریاں مارتے ہیں، یہاں آپ کے کانوں میں کچھ آدمیوں کے باتیں کرنے کی آواز آئی، آپ وہاں تشریف لے گئے تو چھ آدمیوں کا ایک قافلہ باتیں کرتا نظر آیا، آپ نے ان کی جائے سکونت اور مقصد آمد دریافت فرمایا:

قدرت نے ان کی دستگیری فرمائی کہ اُن کے پاس نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم پہنچ گئے،

یہ لوگ حج کے موقع سے فائدہ اُٹھانے آئے تھے، اوس و خزرج کی جنگ کی وجہ سے ایک فریق اتنا کمزور ہو گیا تھا کہ اس کو کسی دوسرے کی امداد کی ضرورت تھی، اس لئے ان لوگوں نے اس موقع پر قریش سے امداد کی درخواست کی، مگر قریش نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ ہم خود پریشان ہیں، ہمارے ہاں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اعلان نبوت کی وجہ سے گھر گھر پھوٹ پڑی ہوئی ہے، باپ بیٹے سے، بیٹا باپ سے جدا ہے، یہ لوگ قریش کے اس جواب سے مایوس تھے، اس لئے ان لوگوں نے جواب دیا، ہم یثرب کے باشندے ہیں، حج کرنے آئے ہیں اور ہمارا تعلق یثرب کے قبیلہ خزرج سے ہے،

آپ نے اپنا تعارف کراتے ہوئے فرمایا میرا نام محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے، میں اللہ کا نبی ہوں، اس کے بعد آپ نے قرآن کریم کی چند آیتیں تلاوت کیں، ان لوگوں کے لئے قرآن پاک نیا اور انوکھا کلام تھا، سنتے ہی ایک دوسرے کی طرف تعجب سے دیکھنے لگے، پھر آپس میں مشورہ کر کے کہنے لگے، یہ تو وہی ہستی معلوم ہوتی ہے جس کے متعلق ہم یثرب میں یہود سے سُنا کرتے ہیں، بہتر یہ ہے ان (یہود) سے پہلے ایمان لانے میں ہم سبقت کریں، کیا عجب ہے آپ پر ایمان لانے سے ہمارے مصائب کے بادل چھٹ جائیں، اور آپس کے لڑائی جھگڑے ختم ہو کر کوئی بہتری کی صورت نکل آئے مشورہ کے بعد اُن سب نے آپ کے دست مبارک پر اسلام قبول کر لیا، اُن حضرات کے نام یہ ہیں:

(۱) اسعد بن زُرارہ رضی اللہ عنہ (۲) عوف بن حارث رضی اللہ عنہ (۳) رافع بن مالک رضی اللہ عنہ،

(۴) قطبہ بن عامر رضی اللہ عنہ (۵) عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ (۶) جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رافع بن مالکؓ کو جس قدر قرآن مجید نازل ہوا تھا لکھا ہوا عطا فرمایا اور یہ قافلہ ایمان کی دولت سے مالا مال ہو کر یثرب واپس ہو گیا، ان لوگوں نے یثرب پہونچ کر اسلام کی دعوت و تبلیغ شروع کر دی، اور مدینہ کے ہر گلی کوچہ اور ہر گھر میں اسلام کی روشنی پھیلنی شروع ہو گئی،

اس وقت کے حالات کا نقشہ "شاہنامۂ اسلام" نے اس طرح کھینچا ہے ؎

یہ سُنکر غلغلہ سا پڑ گیا اطرافِ یثرب میں ؎ اخوت از سرِ نو آچلی اشرافِ یثرب میں
یہاں کے رہنے والے اوس و خزرج کے مقابل تھے ؎ نہایت بامروت اہلِ دل اہلِ وسائل تھے
یہ باہم بھائی بھائی تھے مگر آپس میں لڑتے تھے ؎ بڑی مدت سے خانہ جنگیوں میں گھر اُجڑتے تھے
یہودی بھی بکثرت تھے، معزز سمجھے جاتے تھے ؎ یہ لڑوا کر قبائل کو بہت ہی لطف اُٹھاتے تھے
بُتوں کو چھوڑ کر اور حُبِّ مال و جاہ کو تج کے ؎ مسلماں ہو چلے آخر گھرانے اوس و خزرج کے
لیا جانے لگا ختم الرسلؐ کا نام یثرب میں ؎ لگا ہر سمت پھلنے پھولنے اسلام یثرب میں

حسد کرنے لگی قومِ یہود اِس دین و ملت سے
بنے بیٹھے تھے وہ لوگوں کے ہادی ایک مدت سے

اسلام قبول کرنے کے بعد ان حضرات نے عرض کیا کہ اہلِ یثرب میں عرصہ سے جنگ و جدال کا بازار گرم ہے، اسلام کی بدولت اگر ہم لوگ متحد ہو جائیں تو ہمارے لئے یہ بڑی خوشی کی بات ہوگی،

اس کے بعد یہ وعدہ کیا کہ ہم یثرب واپس جا کر اسلام کے لئے دل و جان سے جد و جہد کریں گے، اجازت ہو تو ہم قبیلہ اوس کو بھی دعوتِ اسلام دیں شاید اسلام کی برکت سے ہم متحد ہو جائیں، اور انشاء اللہ آئندہ موسم حج پر حالات کی آپ کو اطلاع دیں گے،

○ اہل یثرب کو پیغمبرِ آخر الزماںؐ کی بعثت کی خوش خبری؛

یثرب پہونچ کر یہ لوگ وہاں کے باشندوں کو خوش خبری سُناتے تھے، کہ وہ نبی جس کا مدت سے تمام عالم منتظر تھا آگیا، ہمارے کان اُن کا کلام سُنکر آئے ہیں، ہماری آنکھوں نے اُن کا دیدار کیا ہے، اس نے ہم کو زندہ رہنے والے خدا سے ملا دیا ہے، کہ اب دنیا کی عیش و عشرت اور زندگی و موت کی ہمارے نزدیک کوئی حقیقت نہیں ؎

۱۲ سنہ نبویؐ

معراج

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی

ترجمہ

"پاک ذات ہے جو لے گیا اپنے بندے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کو راتوں رات مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک"

یعنی ایک رات بلکہ رات کے مختصر سے حصہ میں جسم مبارک کے ساتھ مسجدِ حرام (خانہ کعبہ) سے مسجدِ اقصیٰ (بیت المقدس) تک پھر مسجدِ اقصیٰ سے ساتوں آسمانوں، جنت و دوزخ وغیرہ کی سیر کرائی گئی، اس عظیم الشان واقعہ کو "معراج" کہتے ہیں،

۱۱ سنہ نبوی کے اہم واقعات کے بعد ۱۲ سنہ نبوی کا سب سے بڑا اور اہم واقعہ "معراج" ہے، اس واقعہ کے سنہ، مہینہ اور دن میں اہلِ سیر کا اختلاف ہے، اس اختلاف کی وجہ بظاہر یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس زمانہ میں مسلمانوں کی تعداد کم تھی اس لئے سنہ کا زیادہ رواج نہ تھا، کیونکہ اس کی ضرورت کم پیش آتی تھی، آدمی خط و کتابت کرتا رہتا ہے تو تاریخ بھی یاد رہتی ہے، ورنہ اکثر لوگ بھول جاتے ہیں، اسی لئے اہلِ سیر کی آراء میں اختلاف ہے، بعض کے نزدیک یہ واقعہ ہجرت سے تین سال قبل پیش آیا، بعض حضرات کے نزدیک نبوت ملنے کے پانچ سال بعد پیش آیا، اور بعض کی رائے ہے کہ ہجرت سے ایک سال قبل پیش آیا، لیکن اس اختلاف کے باوجود واقعہ کی صداقت میں کسی کا اختلاف نہیں، اور جمہور کی رائے ہے کہ یہ واقعہ حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد بیعتِ عقبہ سے پہلے پیش آیا ہے، کیونکہ روایات سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت خدیجہؓ کی وفات پانچ نمازوں کی فرضیت سے پہلے ہو چکی تھی، اور پانچ نمازیں شبِ معراج میں فرض ہوئی ہیں، اسی لئے مشہور ہے اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِیْنَ،

اور یہ بھی ثابت ہے کہ حضرت خدیجہؓ شعب ابی طالب میں نظر بندی کے وقت آپؐ کے ساتھ

تھیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی شعب سے باہر آئیں، اس کے بعد آپؐ کے چچا اور زوجۂ محترمہ حضرت خدیجہؓ دونوں کی ایک ہی سال میں وفات ہوئی، ان کی وفات کے بعد سنہ نبوی کے اخیر یا سنہ نبوی کے اول میں آپؐ طائف تشریف لے گئے، طائف سے واپس آنے کے بعد مشہور قول کے مطابق ماہِ رجب کی ستائیسویں شب کو معراج کے عظیم الشان معجزہ سے سرفراز فرمائے گئے،

اگرچہ مشرکین اور اہلِ طائف نے آپؐ کو بڑی ایذائیں دے کر ذلیل و رسوا کرنے کی کوششیں کیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو معراج پر بُلا کر یہ دکھلادیا کہ ہمارے ہاں آپ کا وہ اونچا مقام ہے جہاں کوئی نبی نہیں پہنچا، اور جبرئیل علیہ السلام ایسا مقرب فرشتہ بھی یہ کہہ کر رُک گیا ؎

اگر یک سرِ موئے برتر پرم ؎ فروغِ تجلّی بسوزد پرم؛

اب آپ اس واقعہ کی تفصیلات ملاحظہ فرمائیے:

○ اس سفر کے دو حصے ہیں، ایک حصہ مکہ معظمہ کی مسجدِ حرام سے بیت المقدس کی مسجدِ اقصیٰ تک، اس حصہ کا ذکر پارہ نمبر ۱۵ کے رکوع نمبر ۱ میں سُبْحٰنَ الَّذِیْ کے کلمہ سے شروع کیا گیا ہے، اس حصہ کو علماء "اَسْریٰ" کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں،

اور بیت المقدس کی مسجدِ اقصیٰ سے ساتوں آسمان، سدرۃ المنتہیٰ تک جانا اور تمام عجائباتِ سماوی کا مشاہدہ کرنا پھر قربِ خداوندی اور دیدارِ خداوندی کے ساتھ شرفِ ہمکلامی سے مشرف ہونا اور عجائباتِ خداوندی کا ملاحظہ کرنا "معراج" کہلاتا ہے، بسا اوقات ان دونوں کے مجموعہ کو "اَسْریٰ" یا "مِعْراج" کے لفظ سے تعبیر کردیا جاتا ہے (فوائد عثمانی)

دوسرے حصہ کا پارہ نمبر ۲۷ کی سورۂ والنجم میں اشارۃً ذکر فرمایا گیا ہے، ارشادِ خداوندی ہے:

وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ۝ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ۝ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ۝ اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ۝ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ۝ لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ۝

اور اس (جبرئیلؑ) کو اس (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) نے دیکھا ہو اُترتے ہوئے ایک بار اور بھی سدرۃ المنتہیٰ کے پاس، اس کے پاس ہے بہشت آرام سے رہنے کی جگہ، جب چھا رہا تھا اس بیری پر جو کچھ چھا رہا تھا بہکی نہیں نگاہ اور نہ حد سے بڑھی"

۵؎ معراج کے سلسلہ میں میرا ایک رسالہ "معراجِ رسولؐ" ہے، اس تذکرہ میں چیدہ چیدہ باتیں اسی رسالہ سے لی ہیں، اور اس کی پہچان کے لئے (مع) کی علامت لکھدی ہے، شریف

خلاصۂ معراج ؛

ایک شب کا واقعہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی خواب گاہ میں آرام فرما رہے تھے، کہ جبرئیل علیہ السلام جنت کی ایک سواری (بُراق) لے کر حاضرِ خدمت ہوئے اور آپؐ کو نیند سے بیدار کرنے کے بعد عرض کیا، یا نبی اللہ! اللہ تعالیٰ نے آج آپ کو وہ شرف بخشا ہے کہ اس سے پہلے کسی نبی اور پیغمبر کو عطا نہیں ہوا، آپؐ اس سواری (براق) پر سوار ہو کر میرے ہمراہ تشریف لے چلیں، اس پر سوار ہو کر آپ پہلے (گھر سے) خانۂ کعبہ تشریف لائے، وہاں آپ کا شقِ صدر ہوا، اس کے بعد آپ بُراق پر سوار ہو کر جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ بیت المقدس پہونچے، وہاں آپؐ نے تمام انبیاء کی امامت فرمائی، پھر سب سے ملاقات کی، ہر نبی نے اس شرف و اعزاز پر آپ کو مبارکباد پیش کی، آپؐ نے جواب میں تمام انبیاء کے مجمع میں اس انعام پر شکرِ خداوندی ادا کیا،

پھر بیت المقدس سے ساتوں آسمان، جنت و دوزخ، ملاءِ اعلیٰ کی سیاحت اور عجائباتِ قدرت کے مشاہدہ کے لئے سفر شروع فرمایا، حتیٰ کہ اُس مقامِ قرب میں پہنچے جہاں کبھی جبرئیلؑ بھی نہ پہنچے تھے، اور شیخ سعدیؒ کے الفاظ میں جبرئیل نے یوں جواب دیدیا تھا ؎

اگر یک سرِ موئے برتر پرم ؎ فروغِ تجلی بسوزد پرم

معراج سے متعلق چند ضروری فائدے ؛

(ماخوذ از بیان القرآن)

فائدہ نمبر ۱ ؛ معراج شریف کا واقعہ ایک عظیم الشان اور محیر العقول معجزہ ہے، اسی لئے اس واقعہ کی ابتداء لفظ سُبْحٰنَ سے کی گئی ہے، کیونکہ یہ قاعدہ ہے جب کوئی تعجب یا سمجھ میں نہ آنے والی بات ہو تو اس وقت سُبْحَانَ اللہِ کے لفظ سے تعجب کا اظہار کیا جاتا ہے، چونکہ یہ آپؐ کا عظیم الشان سفر ایسا تھا کہ اس سے پہلے کوئی نبی ایسے سفر پر نہیں گیا تھا، اور یہ بالکل نرالا اور انوکھا سفر تھا، اس لئے اس کی ابتداء سُبْحٰنَ الَّذِیْ کے کلمہ سے کی گئی،

فائدہ نمبر ۲ ؛ اَسْرٰی کے معنیٰ رات میں لے جانے کے ہیں، معراج کا واقعہ چونکہ رات میں پیش آیا تھا اس لئے اس کو بھی "اَسْرٰی" کہتے ہیں،

فائدہ نمبر ۳ ؛ اَسْرٰی کا لفظ اگرچہ رات میں سفر کرنے پر بولا جاتا ہے مگر اس کے بعد لَیْلًا اس لئے فرمایا گیا کہ یہ سفر ساری رات میں پورا نہیں ہوا بلکہ تھوڑی سی رات میں ہوا اور اتنی جلدی اور سُرعت (تیزی)

میں ہوا کہ گھر والوں کو بھی اس کا علم نہیں ہوا،

جیسا کہ مشہور روایات ہیں کہ آپ روانگی کے وقت بستر جیسا گرم چھوڑ کر گئے تھے ویسا ہی واپسی پر گرم ملا، حتیٰ کہ دروازہ کی کنڈی تک ہل رہی تھی، ان مثالوں سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ آپ نے اتنا اہم سفر اتنی جلدی اور مختصر سے وقت میں طے کر لیا،

معراج کی وجہ تسمیہ

معراج عروج سے بنا ہے، اس کے معنیٰ اوپر چڑھنے اور بلند ہونے کے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی چونکہ رات کے وقت ساتوں آسمان، سدرۃ المنتہیٰ اور اُن سے بھی بلندی پر پہنچکر آیاتِ خداوندی کا مشاہدہ فرمایا تھا اور زمین سے اوپر (بلندی پر) تشریف لے گئے تھے، اس لئے اس واقعہ کو معراج کہا جاتا ہے، زینہ کو بھی اسی لئے معراج کہتے ہیں کہ اس کے ذریعہ اوپر چڑھتے ہیں، (مع)

جیسے وزن کرنے کا ایک تو پُرانا طریقہ ہے ایک نیا طریقہ کانٹے سے وزن کا ایجاد ہو گیا ہے جس سے وزنی سے وزنی چیز منٹوں میں وزن ہو جاتی ہے، اسی طرح اب زیادہ اونچا اور جلدی چڑھنے کے لئے لفٹ ایجاد ہو گئی ہے اور خدا جانے قیامت تک اس سے بھی زیادہ تیز رفتار چیزیں ایجاد ہوں گی، جن سے انسان لمبے سے لمبا سفر کم سے کم وقت میں طے کر لے گا، ـــــ تو اللہ تعالیٰ نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ عظیم الشان سفر بُراق پر اتنی سُرعت سے کرایا کہ لوگ سنکر حیران رہ گئے،

بُراق، بَرق سے بنا ہے جس کے معنیٰ ہیں، بجلی کی طرح دوڑنے والا، بجلی کی رفتار فی منٹ ایک کروڑ میل ہے، بُراق کو بُراق اسی لئے کہتے ہیں کہ اس کی رفتار حدِ نگاہ سے بھی زیادہ تیز تھی، اس کے علاوہ یہ غور کرنے کی بات ہے کہ زمین یا سورج چوبیس گھنٹے میں کتنی مسافت طے کرتے ہیں، روشنی کی شعاعیں ایک منٹ میں کہاں سے کہاں پہنچتی ہیں، بادل کی بجلی مشرق میں چمکتی اور مغرب میں گرتی ہے، اور اس سُرعتِ سیر و سفر میں پہاڑ بھی سامنے آجائے تو پرکاہ کی برابر بھی حقیقت نہیں سمجھتی،

○ مریخ کو آجکل کے سائنسدان زمین کا قریب ترین سیارہ کہتے ہیں جو زمین سے ۲۱ کروڑ میل کے فاصلہ پر ہے، ۲۰ جولائی ۱۹۷۶ء کو اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی کہ امریکی خلائی جہاز "وائکنگ" مریخ پر اتر گیا، اور ۲۱ کروڑ ۴۰ لاکھ میل کے فاصلہ سے زمین پر ۱۹ منٹ میں پیغام پہنچا، یہ خبر ہم نے اس لئے لکھی تاکہ اس کو پڑھکر معراج کے واقعہ کا یقین کر لیں، ویسے کسی کے ماننے نہ ماننے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس معجزہ کی صداقت میں کوئی فرق نہیں آتا،

معراج کا واقعہ کب پیش آیا؟

اس سلسلہ میں علماءِ سیر کے کئی قول ہیں؛ سنہ، دن، تاریخ تینوں میں اختلاف ہے، لیکن اس پر سب کا اتفاق ہے کہ ہجرت سے پہلے پیش آیا ہے، اور ہجرت کا واقعہ ۱۳ھ نبوی میں پیش آیا،

اسی طرح اس پر بھی اتفاق ہے کہ حضرت خدیجہؓ کے انتقال کے بعد پیش آیا اور حضرت خدیجہؓ کا انتقال نماز پنجگانہ کی فرضیت سے قبل ہو چکا تھا،

اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ ۲۷ رجب ۱۲ھ نبوی کو پیش آیا، مصنف قصص القرآن لکھتے ہیں:

(۱) راجح قول یہ ہے کہ مہینہ رجب کا اور تاریخ ۲۷ تھی، (جلد چہارم ص ۳۷۲ مطبوعہ انڈیا)

(۲) معراج کا واقعہ ستائیسویں رجب ۵۲ھ ولادت نبوی کو پیش آیا، اس سال یکم رجب کا پہلا دن جمعہ تھا، لہٰذا ستائیسویں رجب کو چہار شنبہ (بدھ) تھا، اور اسلامی طریقے سے شبِ معراج بھی چہار شنبہ کو تھی، (رحمۃ للعالمینؐ ج ۳ ص ۱۴۸)

ان وجوہ اور اقوال کی روشنی میں بہت سے علماء کی رائے یہ ہے کہ معراج کا واقعہ ۱۲ھ نبوی میں پیش آیا، واللہ اعلم بالصواب،

واقعۂ معراج کے راوی چند صحابۂ کرام کے نام؛

اس عظیم الشان واقعہ کے تقریباً پینتالیس ۴۵ صحابۂ کرام راوی ہیں، جس سے اس کے صحیح اور مستند ہونے میں کسی تردد اور شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہتی، ان صحابۂ کرام میں:

(۱) حضرت عمرؓ، (۲) حضرت علیؓ، (۳) حضرت ابن مسعودؓ، (۴) حضرت ابن عباسؓ،
(۵) حضرت ابن عمرؓ، (۶) حضرت ابی بن کعبؓ، (۷) حضرت ابن عمروؓ، (۸) حضرت ابو ہریرہؓ،
(۹) حضرت انسؓ، (۱۰) حضرت جابرؓ، (۱۱) حضرت بریدہؓ، (۱۲) حضرت سمرہ بن جندبؓ،
(۱۳) حضرت حذیفہ بن الیمانؓ، (۱۴) حضرت شداد بن اوسؓ، (۱۵) حضرت صہیبؓ، (۱۶) حضرت مالک بن صعصعہؓ،
(۱۷) حضرت ابی امامہؓ، (۱۸) حضرت ابو ایوب انصاریؓ (۱۹) حضرت ابو ذرؓ، (۲۰) حضرت ابو سعید خدریؓ
(۲۱) حضرت ابو سفیان بن حربؓ، (۲۲) حضرت ابو حبہؓ، جیسے نامور صحابۂ کرام شامل ہیں، (قصص القرآن، نشر الطیب)

معراج جسمانی ہوئی یا روحانی؟

ہمارے بہت سے مسلمان بھائی نئی روشنی کے اتنے دلدادہ اور اس سے اتنے مرعوب ہیں کہ وہ اس عظیم الشان معجزہ کو صرف ایک روحانی یعنی خواب کا واقعہ کہدیتے ہیں، اگر امریکہ یا روس یہ کہدیتے ہیں کہ ہمارے

خلا باز چاند پر پہنچ گئے، تو اس خبر پر بلا چون وچرا یقین کر لیتے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کے فرمان کی تکذیب کر دیتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کا خیال نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے بلند، ارفع واعلیٰ مرتبہ سے ناواقفیت اور اپنی جہالت کی دلیل ہے، سوچنے اور غور کرنے کا مقام ہے کہ خواب میں تو ایک عام آدمی بھی ایسی چیزیں دیکھ لیتا ہے، اور نہ معلوم کہاں کہاں پہنچ جاتا ہے، تو ایک عام انسان اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم میں کیا فرق رہا؟

معراجِ جسمانی کے دلائل قرآن وحدیث سے ہم نے اپنے رسالہ "معراجِ رسولؐ" میں تفصیل سے بیان کئے ہیں، یہاں ہم صرف ایک دلیل بیان کرتے ہیں، جس کو ہمارے اُستاد مرحوم مولانا بدر عالم صاحب مہاجر مدنیؒ نے ترجمان السنۃ ج ۴ ص ۱۶۲ پر بیان کیا ہے:

"اگر اس واقعہ کو خواب کا واقعہ قرار دیا جائے تو صحفِ سابقہ میں ایک خواب کا تذکرہ کیوں ہوتا اور مخالفین میں ہلچل کیوں مچتی؟ اور بیت المقدس کے متعلق آپؐ سے وہ سوالات کیوں کئے جاتے؟ جو ایک چشم دید واقعہ کے متعلق کئے جاتے ہیں؟

آخر آپؐ خواب میں ایک بار خود حق جل وعلیٰ کی زیارت سے مشرف ہوئے اس وقت کسی کے کان پر جوں بھی نہ رینگی اور کسی میں بھی کھلبلی نہ پڑی، کیونکہ یہ ایک خواب کی بات تھی جو بار بار ذکر میں بھی آئی، پھر مخالفین نے اس کو سُنا بھی اور سُنکر اڑا دیا،

پھر سیر معراج کا واقعہ اگر خواب کا واقعہ ہوتا تو اس میں کیا نئی بات تھی کہ آسمان سے لیکر زمین تک ایک شور برپا ہو جاتا، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ واقعہ جیسا کہ اکثر احادیث میں موجود ہے صرف بیداری کا واقعہ تھا،

اس عظیم واقعہ کو جو آپؐ کے لئے طرۂ امتیاز تھا اہلِ حقائق کا عالم مثال اور عالم برزخ کی اصطلاحات کو نہ سمجھکر صرف خیالی قرار دے ڈالنا ہمارے نزدیک تو خام خیالی ہے اور بس،

وَاللّٰہُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰی مَا تَصِفُوْنَ ۝ (معراجِ رسول بحوالہ ترجمان السنۃ)

معراجِ جسمانی کے قائل تابعینؒ، فقہاءؒ اور محدثینؒ ومفسرینؒ حضرات:

صحابۂ کرام کے علاوہ بہت سے تابعینؒ، فقہاءؒ، محدثین اور مفسرین حضرات بھی معراجِ جسمانی کے قائل ہیں، مثلاً ضحاکؒ، سعید بن جبیرؒ، حضرت قتادہؒ، ابن مسیبؒ، ابن شہابؒ، ابی زید حسن بصریؒ، ابراہیم نخعیؒ، مسروقؒ، مجاہدؒ، عکرمہؒ، ابن جریجؒ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین، اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جس واقعہ کے راوی اتنے صحابۂ کرام اور تابعین، محدثین ومفسرین ہوں اس کے سچا ہونے میں تردد عقل کا دشمن ہی کر سکتا ہے، اگر کوئی

مسلمان ترقی کرے تو پھر اس کو اپنے ایمان کی فکر کرنی چاہئے، دعا ہے اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو عقل سلیم کی نعمت عطا فرمائے آمین،

ان معروضات کے بعد واقعۂ معراج کی تفصیلات پڑھئے:

ضروری فائدہ: معراج کے سلسلہ میں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ اس سفر کے دو حصے ہیں، پہلا حصہ مکہ مکرمہ کی مسجد حرام سے بیت المقدس کی مسجد اقصیٰ تک، دوسرا مسجد اقصیٰ سے ساتوں آسمان، عرش اعظم، سدرۃ المنتہیٰ وغیرہ تک، فائدہ کے بعد پہلے حصۂ سفر کے حالات پڑھئے:

مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک سفر کے مختصر حالات

ایک رات کا واقعہ ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علیؓ کی بڑی بہن حضرت اُمّ ہانیؓ کے گھر سونے کے لئے لیٹے ہوئے تھے ابھی پوری طرح سوئے نہ تھے، (یعنی کبھی آنکھ لگ جاتی تھی اور کبھی کھل جاتی تھی) کہ اوپر چھت پھٹی اس میں سے جبرئیل علیہ السلام داخل ہوئے اور آپؐ کو جگا کر مسجدِ حرام (خانہ کعبہ) میں لے گئے، وہاں "حطیم" میں حضرت حمزہؓ اور حضرت جعفرؓ سو رہے تھے، آپؐ پر بھی نیند کا غلبہ تھا، اس لئے آپؐ ان دونوں کے بیچ میں لیٹ گئے، آپؐ کی آنکھ لگ گئی، حضرت جبرئیلؑ اور حضرت میکائیلؑ نے آپؐ کو جگایا، جگا کر چاہِ زمزم کے پاس لائے، اور آپؐ کا سینۂ مبارک چاک کر کے قلبِ مبارک کو سونے کے طشت میں رکھ کر آبِ زمزم سے دھویا اور دوسرا طشت جو علم و حکمت سے بھرا ہوا تھا اس میں سے علم و حکمت کے خزانہ کو نکال کر آپؐ کے سینۂ مبارک میں بھر کر پہلے کی طرح بند کر دیا، (خلاصہ از مشکوٰۃ وغیرہ)

○ شقِ صدر کی حکمت:

چونکہ آپ کا سفرِ معراج مہتم بالشان، انوکھا اور بالکل نیا بلکہ دوسری دنیا کا سفر تھا، اس لئے شقِ صدر کے ذریعہ آپؐ کے اندر اس سفر کے برداشت کی طاقت پیدا فرما دی گئی تاکہ آپ کو اُلجھن نہ ہو، اور آپ عجائباتِ قدرت کو دیکھ کر محفوظ رکھ سکیں، (مع)

سواری کے لئے براق:

شقِ صدر کے بعد آپؐ کے سفر کے لئے سفید رنگ کا جانور (بُراق) جو خچر سے کچھ چھوٹا اور گدھے سے ذرا بڑا تھا حاضرِ خدمت کیا گیا، جو اتنا تیز رفتار تھا کہ نگاہ کی آخری حد پر اس کا ایک قدم پڑتا تھا، (مسلم)

○ بُراق پر سوار ہونے کے بعد آپؐ نے جبرئیلؑ کی معیت میں یہ سفر شروع کیا، بُراق کی رکاب جبرئیلؑ نے پکڑی اور میکائیلؑ نے لگام تھامی (نشر الطیب)

○ مدینہ منورہ، مدین اور کوہِ طور وغیرہ سے گذر:

آپؐ بُراق پر سوار ہونے کے بعد سب سے پہلے ایسی جگہ پہنچے جہاں کھجوروں کے باغات بکثرت تھے، جبرئیلؑ نے آپؐ سے کہا: یہاں آپؐ سواری سے اُتر کر نماز (نفل) پڑھئے، آپؐ نے نفل پڑھے، اس کے بعد جبرئیلؑ نے بتلایا کہ یہ جگہ یثرب (مدینہ) ہے، مدینہ کا پُرانا نام یثرب ہے، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کرکے مدینہ تشریف لے گئے تو اس کا نام بدل کر مدینہ کردیا (نشر الطیب)

پھر ایک سفید زمین پر آپ کا گذر ہوا، جبرئیلؑ نے کہا یہاں اتر کر نماز (نفل) پڑھئے، اس کے بعد آپؐ کو بتلایا گیا یہ جگہ مَدیَن ہے، (جہاں شعیب علیہ السلام رہا کرتے تھے) پھر آپؐ کا گذر ایک اور جگہ سے ہوا وہاں بھی آپؐ سے نماز (نفل) پڑھنے کے لئے کہا گیا، پھر بتلایا گیا یہ جگہ "بیت اللحم" (عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کی جگہ) ہے، بعض روایتوں میں بیت اللحم کی جگہ "کوہِ طور" (جہاں موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ سے شرف ہمکلامی حاصل ہوا تھا اور نبوت ملی تھی) ہے،

○ راستہ میں کھڑے ہوئے بوڑھے بُڑھیا کا آواز دینا،

آپؐ بُراق پر سوار چلے جارہے تھے کہ راستہ کے ایک کنارہ پر کھڑی ایک بوڑھی عورت کی شکل نظر آئی اس نے آپؐ کو دیکھ کر آواز دی، جبرئیلؑ نے کہا: یا نبی اللہؐ! آگے تشریف لے چلئے، آگے چلے تو راستہ سے علیحدہ کھڑا ہوا ایک بوڑھا نظر آیا، اس نے بھی آپؐ کو آواز دی، مگر آپؐ نے اس کی آواز پر توجہ نہ کی، جبرئیلؑ نے آپؐ کو بتلایا آپؐ نے جو بوڑھی عورت دیکھی تھی وہ دنیا کی مثالی شکل تھی، جس سے یہ بتلانا مقصود تھا کہ دنیا اب بوڑھی ہوتی جارہی ہے اور اب اس کی اتنی تھوڑی عمر رہ گئی ہے جیسے یہ بوڑھی عورت کہ اب مَری اب ختم ہوئی، اور جس بوڑھے نے آپؐ کو آواز دی تھی وہ شیطان کی مثالی شکل تھی، اگر آپؐ اس کی آواز پر توجہ کرلیتے تو آپؐ کی امت آخرت کے مقابلہ میں دنیا کو ترجیح دیتی (نشر الطیب)

عبرت کا مقام ہے آپؐ کے توجہ نہ کرنے پر ہماری یہ حالت ہے کہ دنیا کے پیچھے مارے مارے پھرتے ہیں نہ کھانے کا ہوش نہ پینے کا، اگر آپؐ توجہ کرلیتے تو خدا جانے کیا حال ہوتا!

ان کے علاوہ بیت المقدس تک کے اس سفر میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی قدرت کے عجیب عجیب واقعات کا مشاہدہ کرایا، مثلاً:-

- ایک جگہ راہِ خدا میں جہاد کرنے والوں، صدقہ خیرات کرنے والوں کے اعمال کی مثالی شکل دکھلائی گئی،
- ایک جگہ نماز میں سستی کرنے والوں کی سزا کا منظر دکھلایا گیا،

- ایک جگہ زکوٰۃ ادا نہ کرنے والوں کو اینٹ پتھر کھاتے ہوئے ننگے بھوکوں کی بھیانک شکل میں دکھلایا گیا،
- ایک جگہ امانت میں خیانت کرنے والوں کو بوجھ اٹھانے والوں کی صورت میں دکھلایا گیا،
- ایک جگہ زانی مرد و عورت کو کچا اور سڑا ہوا گوشت کھاتے ہوئے لوگوں کی شکل میں دکھلایا گیا،
- ایک جگہ ایسے لوگوں کی مثالیں شکلیں دکھلائی گئیں جو حلال روزی چھوڑ کر حرام روزی سڑے ہوئے گوشت کی شکل میں کھا رہے تھے،
- ایک جگہ سود خوروں کا حشر دکھلایا گیا کہ ان کے پیٹ بڑے بڑے مٹکوں اور شیشہ کی طرح ایسے صاف شفاف ہیں کہ اُن کے اندر سانپ بچھو گھومتے پھرتے صاف صاف نظر آرہے ہیں،
- کہیں یتیموں کا ناحق مال کھانے والوں کا حشر دکھلایا گیا کہ ان کے ہونٹ اونٹوں جیسے بڑے بڑے ہیں اور اوپر سے آگ کے انگارے کھا رہے ہیں،
- ایک جگہ غیبت کرنے والوں کی مثالی صورت دکھلائی گئی کہ تانبے کے ناخونوں سے اپنا مُنہ نوچ رہے ہیں،
- کہیں بے عمل واعظوں کو اپنی زبانیں قینچی سے کاٹتے ہوئے دکھلایا گیا،
- کہیں شراب خوروں کا انجام دکھلایا گیا کہ ان کے چہرے سیاہ، آنکھیں نیلی، نیچے کے ہونٹ لٹک کر زمین سے ملے ہوئے ہیں، اور اوپر کا ہونٹ سر پر رکھا ہوا ہے،
- ایک جگہ جھوٹی گواہی دینے والوں کی مثالی شکل دکھلائی گئی کہ ان کے چہرے خنزیر (سُور) جیسے زبانیں پشت کی طرف لٹکی ہوئی ہیں،
- ایک جگہ راستہ میں لوگوں کو لوٹنے والے ڈاکوؤں کی مثالی شکل دکھلائی گئی،
- اسی طرح گانے بجانے والوں کا انجام دکھلایا گیا،
- کہیں قاتل اور خونی لوگوں کو عذاب میں مبتلا دکھلایا گیا،
- ایک جگہ والدین کی نافرمان اولاد کا حشر دکھلایا گیا،

المختصر یہ کہ مناظرِ قدرت دیکھتے ہوئے آپ کی سواری بیت المقدس پہنچی،

امام الانبیاء بیت المقدس میں،

مکہ معظمہ کی مسجدِ حرام سے روانہ ہو کر آپؐ نشانہائے قدرت دیکھتے دیکھتے براق کی سواری پر بیت المقدس پہونچے، یہاں بابِ محمدؐ کے قریب ایک قدیمی پتھر تھا، اس میں ایک سُوراخ تھا جس میں انبیائے کرام اپنی سواری کا جانور باندھا کرتے تھے، وہ سُوراخ استعمال نہ ہونے کی وجہ سے بند ہو گیا تھا، جبرئیلؑ اور ایک

روایت کے مطابق آپؐ کے ساتھ مل کر جبرئیلؑ نے اپنی انگلی سے اُسے کھول کر اس میں بُراق باندھ دیا،
(ابن کثیر، نشر الطیب)

اس کے بعد حضورؐ اور جبرئیلؑ مسجد میں داخل ہوئے اور داخل ہوتے ہی دو رکعت نماز (تحیۃ المسجد) پڑھی،

○ جب آپؐ بیت المقدس پہنچے تو یہاں آدم علیہ السلام سے لے کر عیسیٰ علیہ السلام تک تمام انبیاء کرامؑ آپؐ کی آمد کے منتظر اور آپؐ کی اقتداء میں نماز پڑھنے کے متمنی تھے، تھوڑی دیر بعد جبرئیل علیہ السلام نے اذان کہی، اور تمام حاضرین صف بستہ کھڑے ہوگئے، تمام انبیاءِ کرام نگاہیں اٹھا کر دیکھنے لگے کہ دیکھئے اس مقدس جماعت کا امام کون خوش قسمت بنتا ہے؟ اتنے میں جبرئیلؑ آگے بڑھے اور حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ پکڑتے ہوئے امامت کی درخواست کی اور مصلے پر کھڑا کر دیا، اور سیدنا جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امام الانبیاءؐ نے اس مقدس جماعت کی امامت[۵] فرمائی،

جب آپؐ سلام پھیر چکے تو جبرئیل علیہ السلام نے دریافت کیا، یا نبی اللہؐ! آپ کو معلوم ہے کہ آپؐ کے پیچھے کن کن لوگوں نے نماز پڑھی ہے؟ آپؐ نے فرمایا، مجھے معلوم نہیں، جبرئیلؑ نے بتلایا کہ آپؐ کے پیچھے تمام انبیاءِ مبعوثین نے نماز پڑھی ہے،

نماز ختم ہونے کے بعد ملائکہ نے جبرئیلؑ سے دریافت کیا کہ آپؐ کے ساتھ آج یہ کون ہستی ہیں؟ تو انھوں نے جواب دیا: میرے ہمراہ جناب محمد رسول اللہ خاتم الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، یہ سُنکر ملائکہ موجودین نے آپؐ کو مبارک باد پیش کی (مع)

انبیاءِ کرام کی بیت المقدس میں استقبالیہ تقریریں؛

نماز سے فارغ ہو کر آپؐ کی پھر ارواحِ انبیاء سے ملاقات ہوئی، اور سبھوں نے آپ کو مبارکباد پیش کی، اور مختلف انبیاءِ کرام نے ان انعاماتِ خداوندی پر تقاریر کیں، جو اللہ تعالیٰ نے ان حضرات پر فرمائے تھے،

---

[۵] یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپؐ نے بیت المقدس میں جس نماز کی امامت فرمائی وہ کونسی نماز تھی، کیونکہ پانچ وقت کی نمازیں تو شبِ معراج میں فرض ہوئیں، تو مولانا تھانویؒ نے تو لکھا ہے یہ غالباً تہجد کی نماز تھی، کیونکہ تہجد ایک زمانہ میں آپؐ پر فرض تھی (نشر الطیب)

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نماز شکریہ ہو، کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاءؑ کی جماعت میں مجھے اتنا بلند مرتبہ عطاء فرمایا کہ ان کی امامت کا شرف حاصل ہوا، واللہ اعلم بالصواب ۱۲ ش

(مع)

تقریر کرنے والوں میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام، سیدنا موسیٰ علیہ السلام، سیدنا داؤد علیہ السلام، سیدنا سلیمان علیہ السلام، سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اور دوسرے انبیاء تھے، ان حضرات کی استقبالیہ تقریریں ہم نے "معراجِ رسولؐ" میں جمع کر دی ہیں،

امام الانبیاء جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اخیر میں ان سب برگزیدہ ہستیوں کی تقریر کے جواب میں جو تقریر فرمائی اس کا خلاصہ یہ ہے:

امام الانبیاء سید الرسل جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جوابی تقریر

آپؐ نے اپنی جوابی تقریر میں ارشاد فرمایا: آپ سب نے اپنے رب کی حمد و ثناء کی، میں بھی اپنے رب کی حمد و ثناء بیان کرتا ہوں، تمام تعریفیں اس خدا کے لئے ہیں جس نے مجھ کو رحمۃ للعالمین اور تمام لوگوں کے لئے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا اور مجھ پر قرآن مجید فرقان حمید نازل فرمایا، اور میری امت کو یہ شرف بخشا کہ وہ اول ہے (رتبہ کے اعتبار سے) اور آخر ہے (زمانہ کے اعتبار سے) اور میرے سینہ کو فراخ فرمایا، اور میرا بار مجھ سے ہلکا کر دیا، اور میرے ذکر کو بلند فرمایا، اور مجھ کو سب کا شروع کرنے والا اور سب کا ختم کرنے والا بنایا (یعنی میرے نور کو سب سے پہلے پیدا فرمایا اور میرا ظہور آخر میں ہوا)۔"

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی تمام انبیاء کی طرف سے نمائندہ جوابی تقریر

پیغمبر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر کے بعد سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے تمام انبیاء کی طرف سے نمائندہ تقریر کرتے ہوئے جوابی تقریر میں فرمایا،

"آپؐ ان بیان کردہ کمالات کی وجہ سے تمام انبیاء پر سبقت لے گئے، گویا آپؐ کی تقریر قرآن کریم کے ان الفاظ کا خلاصہ تھی،

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ط

یہاں آپؐ کے سفرِ معراج کا پہلا حصہ ختم ہوا، اب دوسرے حصہ یعنی زمین سے اوپر کے سفر کے حالات پڑھئے:

بیت المقدس سے اُوپر کا سفر

نماز اور انبیاءِ کرام سے ملاقات کے بعد آپؐ مسجدِ اقصیٰ سے باہر تشریف لائے، اب آپؐ کے سفر کی دوسری منزل یا دوسرا حصہ شروع ہو رہا ہے جس کا ذکر پارہ نمبر ۲۷ کی سورۃ والنجم میں ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ۝ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ۝ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ۝ اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ۝ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ۝ لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ۝ (ان آیاتِ کریمہ کا ترجمہ ص ۱۵۱ پر گذر چکا ہے)

ان آیاتِ کریمہ کی شرح میں شاہ عبدالقادر صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے) دوسری بار جبرئیلؑ کو اپنی اصلی صورت پر دیکھا، معراج کی رات میں سات آسمان سے اوپر جہاں درخت بیری کا وہ حد ہے نیچے اور اوپر کی، نیچے کے لوگ اوپر نہیں پہنچتے اور اوپر کے نیچے نہیں اُترتے، اس کے پاس بہشت کو دیکھا"

(تفسیر عثمانی)

بہرحال بیت المقدس سے فراغت کے بعد آپؐ کا وہ سفر شروع ہوتا ہے جہاں آپؐ سے پہلے کوئی نبی نہیں گیا، آپؐ نے اس سفر میں اپنی آنکھوں سے جن عجائباتِ قدرت کا مشاہدہ فرمایا، آپؐ کی کن بلند و بالا مقامات تک رسائی ہوئی اور حق تعالیٰ سے کیا راز و نیاز کی باتیں ہوئیں یہ خدا جانے یا آپؐ بقول کسی شاعر ؎

خدا کی باتیں خدا ہی جانے وہاں نہیں عقل کی رسائی
کہاں کہاں ہو کر ایک شب میں حضورِ عالی مقام آئے

حضرت مالک بن صعصعہؓ انصاری سے اس سلسلہ میں بخاری و مسلم میں ایک طویل حدیث ہے، ہم یہاں اس کا خلاصہ پیش کرتے ہیں، تاکہ اصل واقعہ سامنے آجائے اور حقیقت کا متلاشی تشنہ نہ رہے،

زمین کے سفر سے اوپر تشریف لے جانے کے لئے جب آپؐ مسجدِ اقصیٰ سے باہر آئے تو آپؐ کی خدمت میں دو یا تین پیالے پیش کئے گئے، ایک دودھ کا، دوسرا شہد کا، تیسرا شراب کا، آپؐ نے دودھ کا پیالہ پسند فرمایا، آپؐ کے اس انتخاب پر جبرئیلؑ نے کہا: یا نبی اللہؐ! آپؐ نے فطرت کو پسند فرمایا،

یعنی شہد انسان لذت حاصل کرنے یا بطور علاج استعمال کرتا ہے، اور شراب نشاط و سرور حاصل کرنے کے لئے پیتا ہے، لیکن دودھ ایسی غذا ہے جس سے جسم کو تقویت حاصل ہوتی ہے، اور جسم میں اگر قوت و طاقت ہو تو روح کی غذا یعنی عبادتِ خداوندی میں مدد ملتی ہے، اس لئے جبرئیلؑ نے کہا کہ آپؐ نے فطرت

کو پسند فرمایا۔

غذائیں اگرچہ اور بھی ہیں مگر دودھ کھانے اور پینے دونوں کا کام دیتا ہے، اور جس طرح انسان کی نشوونما کے لئے یہ ضروری غذا ہے اسی طرح رُوح کی بھی غذا ہے،

○ پہلے آسمان پر ابوالبشر آدم علیہ السلام سے ملاقات؛

بیت المقدس سے روانہ ہوکر آپ کی سواری پہلے آسمان پر پہنچی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فَانْطَلَقَ بِیْ جِبْرَئِیْلُ حَتّٰی اَتَی السَّمَآءَ الدُّنْیَا فَاسْتَفْتَحَ "پھر (بیت المقدس سے) میرے ساتھ جبرئیلؑ چلے یہاں تک کہ آسمانِ دنیا تک پہنچے، تو انھوں نے دروازہ کھولنے کے لئے کہا" فرشتوں نے ان سے دریافت کیا قِیْلَ مَنْ ھٰذَا؟ کہ کون ہے؟ جبرئیلؑ نے جواب دیا قَالَ جِبْرَئِیْلُ میں جبرئیل ہوں، پھر دریافت کیا وَمَنْ مَّعَکَ اور تمہارے ساتھ کون ہے؟ تو انھوں نے جواب دیا "مُحَمَّدٌ" میرے ساتھ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں، پھر فرشتوں نے جبرئیلؑ سے دریافت کیا، آپ خود آئے ہیں یا بحکمِ خداوندی بلائے گئے ہیں؟ جبرئیلؑ نے جواب دیا آپ بحکمِ خداوندی بُلائے گئے ہیں، (بخاری)

ان سوالات وجوابات کے بعد پہلے آسمان کا دروازہ کھول دیا گیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں دروازہ کھلتے ہی میں اندر داخل ہوا تو ایک دم میری نظر ایک بزرگ پر پڑی، جبرئیل علیہ السلام نے بتلایا یہ آپ کے پدر بزرگوار آدم علیہ السلام ہیں، انھیں سلام کیجئے، میں نے سلام کیا تو انھوں نے میرے سلام کا جواب دیتے ہوئے فرمایا مَرْحَبًا بِالْاِبْنِ الصَّالِحِ وَالنَّبِیِّ الصَّالِحِ "مرحبا ہو فرزند صالح اور نبی صالح کو" اس کے بعد آپ کو دعائیں دیں،

آپؐ نے دیکھا کہ آدم علیہ السلام کے دائیں بائیں کچھ صورتیں ہیں، جب آپ داہنی طرف دیکھتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں اور بائیں طرف دیکھتے ہیں تو رو دیتے ہیں، آپؐ کے سوال کرنے پر جبرئیل علیہ السلام نے بتلایا آپ کے دائیں جانب آپ کی نیک اولادوں کی صورتیں (ارواح) ہیں، یہ اہلِ جنت ہیں، ان کو دیکھکر آپ کو خوشی ہوتی ہے، اور بائیں طرف ناخلف اولاد کی (ارواح) ہیں، یہ دوزخی ہیں ان کو دیکھکر آپ کو صدمہ ہوتا ہے اور آپ روتے ہیں، (بخاری ومسلم)

○ دوسرے آسمان پر یحییٰ وعیسیٰ علیہما السلام سے ملاقات؛

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اس کے بعد جبرئیل علیہ السلام مجھے دوسرے آسمان پر لے گئے اور پہلے آسمان کی طرح سوال وجواب کے بعد دروازہ کھولا گیا، جب میں اندر داخل ہوا تو میری نگاہ حضرت یحییٰ اور عیسیٰ علیہما السلام پر پڑی، جبرئیلؑ نے مجھے بتلایا کہ یہ دونوں یحییٰؑ وعیسیٰؑ ہیں، ان کو سلام کیجئے،

میں نے ان کو سلام کیا، ان دونوں حضرات نے میرے سلام کا جواب مَرْحَبًا بِالْاَخِ الصَّالِحِ وَالنَّبِیِّ الصَّالِحِ کے الفاظ سے دیا،

③ تیسرے آسمان پر یوسف علیہ السلام سے ملاقات؛

اس کے بعد جبرئیل علیہ السلام تیسرے آسمان پر لے گئے یہاں پہونچ کر بھی پہلے دوسرے آسمانوں کی طرح سوال وجواب کے بعد دروازہ کھولا گیا، اندر جاکر دیکھا تو یوسف علیہ السلام تشریف فرما ہیں، میں نے پہلے دوسرے آسمانوں کے انبیاء کی طرح ان کو بھی سلام کیا، انھوں نے جواب دیا مَرْحَبًا بِالْاَخِ الصَّالِحِ وَالنَّبِیِّ الصَّالِحِ،

④ چوتھے آسمان پر ادریس علیہ السلام سے ملاقات؛

آپؐ فرماتے ہیں پھر ہم چوتھے آسمان پر پہنچے اور فرشتوں سے سوال وجواب کے بعد دروازہ کھلا، میں اندر داخل ہوا تو ادریس علیہ السلام پر نظر پڑی، میں نے ان کو سلام کیا، انھوں نے بھی مَرْحَبًا بِالْاَخِ الصَّالِحِ وَالنَّبِیِّ الصَّالِحِ کہہ کر جواب دیا،

⑤ پانچویں آسمان پر ہارون علیہ السلام سے ملاقات؛

آپؐ فرماتے ہیں چوتھے آسمان سے فارغ ہو کر پانچویں آسمان کی طرف چلے وہاں پہنچکر بھی نیچے والے آسمانوں کی طرح فرشتوں سے سوال وجواب کے بعد دروازہ کھلا، میں اندر داخل ہوا تو ہارون علیہ السلام نظر پڑی، میں نے اُن کو بھی سلام کیا انھوں نے بھی وہی جواب دیا،

⑥ چھٹے آسمان پر موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات؛

پانچویں آسمان سے فراغت کے بعد چھٹے آسمان کی طرف روانہ ہوئے، وہاں پہونچکر بھی نیچے والے آسمانوں کی طرح فرشتوں سے سوال وجواب کے بعد دروازہ کھلا، اندر داخل ہوتے ہی موسیٰ علیہ السلام پر نظر پڑی جبرئیل علیہ السلام نے تعارف کرایا، سلام وجوابِ سلام کے بعد انھوں نے بھی مبارکباد پیش کی،

آپؐ فرماتے ہیں ان سے ملاقات کے بعد جب میں آگے چلا تو موسیٰ علیہ السلام رونے لگے، آپ سے رونے کی وجہ پوچھی تو فرمانے لگے میں اس لئے روتا ہوں کہ یہ ایک نوجوان پیغمبر میرے بعد مبعوث ہوئے، اُن کے امتی جنت میں داخل ہونے کے وقت میری اُمت سے بہت زیادہ ہوں گے،

یعنی امتِ محمدیہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی تو تعداد میں بڑھ گئی، میری امت نے ..... اطاعت نہ کی تو کم رہ گئی، اور جنت سے محروم رہ گئی، اس لئے رونا آگیا (آپ کا یہ رونا بطور غبطہ تھا حسد کے طور پر نہ تھا)،

⑦ ساتویں آسمان پر ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات؛

چھٹے آسمان سے فراغت کے بعد آپؐ جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ ساتویں آسمان کی طرف روانہ ہوئے، وہاں پہونچ کر بھی سوال وجواب کی منزل سے گذر کر دروازہ کھلا، اس کے بعد آپؐ اندر داخل ہوئے تو ابراہیم علیہ السلام پر نظر پڑی، جبرئیل علیہ السلام نے تعارف کرایا، تعارف کے بعد آپؐ نے سلام کیا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیتے ہوئے فرمایا، مَرْحَبًا بِالْاِبْنِ الصَّالِحِ وَالنَّبِیِّ الصَّالِحِ (بخاری ومسلم)

○ سدرۃ المنتہیٰ کی طرف روانگی؛

سدرہ عربی زبان میں بیری کے درخت کو کہتے ہیں، فرشتوں کی آمد ورفت یہیں تک ہے، اور کسی ذی روح (جاندار) مخلوق کی اس سے آگے رسائی بلا اذنِ خداوندی ناممکن ہے، اس لئے اس کا نام منتہیٰ ہے، حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، پھر مجھے سدرۃ المنتہیٰ کی طرف اٹھایا گیا، (سدرۃ المنتہیٰ کی تشریح ہم پہلے بھی کر چکے ہیں،

فرشتوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شوق حق تعالیٰ سے ظاہر کیا، تو وہ بحکم خداوندی زیارت کے لئے سدرۃ المنتہیٰ پر جمع ہو گئے (بیان القرآن)

ایک روایت میں ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ اتنا بڑا درخت ہے کہ اگر آدمی سوار ہو کر سفر کرے تو ستر برس تک اس کے نیچے سفر کرتا رہے اور اس کا ایک پتہ اتنا چوڑا ہے کہ ساری مخلوق اس کے سایہ میں بیٹھ جائے، (جمع الفوائد)

آپؐ نے ارشاد فرمایا، پھر میں نے سدرۃ المنتہیٰ پر جنت کی نہروں نیل و فرات اور کوثر کا مشاہدہ کیا، اکثر احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حوضِ کوثر جنت سے باہر ہے مگر منبع اس کا جنت کے اندر ہی ہے وہیں سے اس کے قرب وجوار میں نہریں پھیلی ہوئی ہیں، قیامت کے ہولناک دن کی ناقابلِ برداشت گرمی میں اہلِ جنت جنت میں داخلہ سے پہلے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک سے اسی حوضِ کوثر سے جام پئیں گے،

دعا ہے اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو جامِ کوثر کی یہ نعمت نصیب فرمائے، آمین،

○ جنت کا دیدار اور دوزخ کا خوفناک منظر؛

پھر آپؐ کو جنت کی سیر کرائی گئی، جس میں آپؐ نے رحمتِ خداوندی کے عجیب عجیب نمونے دیکھے، اور اس کے مقابلہ میں دوزخ میں خدا کی پکڑ اور عذاب کے مختلف رُوح فرسا اور دل ہلا دینے والے مناظر دیکھے،

ایک شبہہ اور اس کا جواب؛

یہاں دل میں یہ شبہہ پیدا ہو سکتا ہے کہ آپؐ نے دوزخ کا منظر کیسے دیکھا؟ آج کے اس سائنسی

دور میں اس شبہ اور اعتراض کی کوئی اہمیت نہیں جبکہ ایسے ایسے شیشے ایجاد ہو گئے ہیں کہ اُن کو لگا کر ایر کنڈیشن کمرہ میں بیٹھے باہر کا نظارہ کرتے رہیں اور لطف اندوز ہوتے رہیں، اسی طرح گرمی بھی باہر نہیں آسکتی، جب انسان اپنے دماغ سے (جو دراصل خدا کا بنایا ہوا ہے) اس قسم کی ایجادات کر سکتا ہے، تو خالق الکل اور مالک الملک کے لئے تو کوئی کام بھی مشکل نہیں،

○ بیت المعمور کا مشاہدہ ؛

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "بیت المعمور" ساتویں آسمان پر ایک مسجد ہے خانۂ کعبہ (بیت اللہ شریف) کے بالکل اوپر، بالفرض اگر وہ آسمان سے زمین پر گرے تو عین کعبہ کے اوپر گرے، گویا یہ آسمان پر فرشتوں کا کعبہ ہے، اس میں روزانہ ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں، جب وہ باہر نکلتے ہیں تو دوبارہ داخل ہونے کے لئے اُن کی باری نہیں آتی،

آپؐ فرماتے ہیں بیت المعمور تک تو جبرئیل علیہ السلام میرے ساتھ رہے، اس کے بعد میرے ساتھ چلنے سے اپنی بے بسی اور عاجزی کا اظہار کر دیا، اس معذرت کے بعد وہ وہیں رُک گئے، اور آپؐ تنہا عالمِ بالا کے سفر پر روانہ ہو گئے، آپؐ فرماتے ہیں پھر مجھ کو نور میں داخل کیا گیا، اور ستر ہزار حجاب طے کرائے گئے، جہاں پہونچ کر مجھ سے فرشتوں کی آہٹ تک منقطع ہو گئی،

مختصر یہ کہ ان حجابات کے پردوں میں آپؐ عرشِ اعظم پر پہونچے، آپؐ فرماتے ہیں عرش پر پہونچکر میں نے کیا کچھ دیکھا زبان اس کے بیان سے قاصر ہے (ماخوذ از نشر الطیب و معراجِ رسولؐ)

قرآن پاک میں ارشاد ہے:

ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی ۝ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰی ۝

"پھر وہ فرشتہ نزدیک ہوا اور اُتر آیا، یہاں تک کہ دو کمانوں کے برابر فاصلہ رہ گیا یا اس سے بھی کم"

○ اللہ تعالیٰ سے شرفِ ہمکلامی ؛

اس کے بعد اللہ تعالیٰ سے شرفِ ہمکلامی حاصل ہوا، یہ وہ مجد و شرف اور اعزاز ہے جو انبیاءِ کرام کی جماعت میں صرف آپ کو حاصل ہوا، موسیٰ علیہ السلام کوہِ طور پر ہمکلام ہوئے اور تجلّی خداوندی سے بیہوش ہو گئے، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرشتوں کو بھیج کر ہمکلامی کے لئے اپنے پاس بلایا، آپؐ سے کیا راز و نیاز کی باتیں ہوئیں یہ خدا جانے یا اُس کا نبیؐ، "فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى" پھر حکم بھیجا اللہ تعالیٰ نے اپنے بندہ پر جو بھیجنا تھا کسی شاعر نے اس منظر کا نقشہ یوں کھینچا ہے ؎

رُکے شہ تو پردہ سے آواز آئی ؛ کہ پردے میں آ تجھ سے پردہ نہیں ہے

کہا اس کو آغوشِ رحمت میں لیکر ؎ جو تیرا نہیں ہے وہ میرا نہیں ہے

دربارِ خداوندی میں نذرانۂ عقیدت:

دنیاوی بادشاہوں کے درباروں میں جب رسائی ہوتی ہے تو ان کی شان اور حیثیت کے مطابق تحفے تحائف پیش کئے جاتے ہیں، حق تعالیٰ بے نیاز ہیں اُن کو ایسے تحفے تحائف کی ضرورت نہیں، اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مقامِ قرب میں پہونچ کر سجدۂ شکر ادا کیا، اس کے بعد پروردگارِ عالم کی طرف سے دریافت کیا گیا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے لئے کیا تحفہ لائے؟ تو آپ نے نذرانۂ عبودیت یا یوں کہہ لیجئے کہ سلامی ان الفاظ میں پیش کی:

اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ

تمام قولی عبادتیں اور تمام بدنی عبادتیں اور تمام مالی عبادتیں
اللہ ہی کے لئے ہیں

اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب ملا:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ

"سلام ہو تم پر اے نبیؐ اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ....."

آپؐ نے جواباً عرض کیا،

اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ ط

"سلام ہو ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر"

اس کے بعد عہدِ ایمان کی تجدید کرتے ہوئے آپؐ نے فرمایا:

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ ط

"میں سچے دل سے گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں،
اور سچے دل سے گواہی دیتا ہوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بندے اور
رسول ہیں"

ان الفاظ کو تشہد کہتے ہیں، اور ہر نمازی اس کو قعدہ میں بیٹھ کر پڑھتا ہے، اور اللہ کے برگزیدہ رسول جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام پڑھنے کی سعادت حاصل کرتا ہے،

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ ،،

شبِ معراج میں شاہی عطیات

اللہ تعالیٰ کا آپؐ کو معراج پر بُلانا اتنا بڑا انعام ہے کہ انبیاءِ کرام کی پوری جماعت میں اس شرف سے صرف آپؐ کو ہی نوازا گیا، اس کے علاوہ اس سفر میں آپؐ کو اور بھی ایسے انعامات سے نوازا گیا کہ ان سے نہ صرف یہ کہ آپؐ کا بلکہ آپؐ کی امت کا بھی دوسری امتوں پر شرف معلوم ہوتا ہے، جیسا کہ اس سلسلہ میں چند احادیث آرہی ہیں،

سب سے بڑا شاہی عطیہ یا تحفۂ معراج؛

① پچاس نمازوں کی فرضیت؛

عرشِ اعظم پر شرفِ ہمکلامی کے بعد آپؐ نے نذرانۂ عبودیت پیش کیا، اس کے بعد حق تعالیٰ کی طرف سے پچاس نمازوں کا تحفہ عطاء ہوا، یہ شاہی عطیہ ہے، اس تحفہ کو لے کر آپؐ واپس ہورہے تھے تو موسیٰ علیہ السلام نے دریافت کیا کہ امت کے لئے دربارِ خداوندی سے کیا تحفہ ملا؟ آپؐ نے فرمایا "پچاس نمازیں" موسیٰؑ نے کہا آپ کی اُمت دن رات میں پچاس نمازوں کا تحمل نہ کرسکے گی، خدا کی قسم! میں آپؐ سے پہلے اپنی امت کا تجربہ کرچکا ہوں، وہ دن رات میں دو وقت کی نماز ادا نہ کرسکی، آپؐ کی اُمت تو میری امت کے مقابلہ میں بہت کمزور ہوگی، اس لئے آپؐ واپس جاکر پروردگار سے ان نمازوں میں تخفیف کرائیں،

آپؐ اُسی وقت واپس تشریف لے گئے، اور ربّ العزت سے درخواست کی، خدایا! میری امت پر نمازوں میں تخفیف کردیجئے، ارشاد ہوا جاؤ ہم نے دس نمازیں معاف کردیں،

واپسی میں پھر موسیٰؑ سے ملاقات ہوئی، انھوں نے دریافت کیا: فرمائیے! کتنی تخفیف ہوئی؟ آپؐ نے فرمایا: دس نمازوں کی، انھوں نے پھر واپسی کا مشورہ دیتے ہوئے اور تخفیف کا کہا، آپؐ دوبارہ واپس تشریف لے گئے، اور تخفیف کی درخواست کی، پھر دس معاف ہوئیں، غرض اس طرح بار بار آنے جانے سے اخیر میں معاف ہوکر پانچ رہ گئیں، آخری مرتبہ جب آپؐ واپس تشریف لائے تو موسیٰ علیہ السلام نے پھر کہا کہ پانچ نمازیں بھی بہت ہیں اور تخفیف کرائیں، تو آپؐ نے جواب دیا: اب مجھے اس سے کم کی درخواست کرتے ہوئے حق تعالیٰ سے شرم آتی ہے، یہ جواب دے کر آگے روانہ ہوئے تو غیب سے آواز آئی؛

اَمْضَیْتُ فَرِیْضَتِیْ وَخَفَّفْتُ عَنْ عِبَادِیْ،

"میں اپنا فریضہ (حکم) نافذ کرچکا، اور اپنے بندوں سے تخفیف کرچکا"

یعنی اے ہمارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ ہم نے آپؐ کی درخواست پر پچاس نمازیں کم کرکے پانچ

کردیں، مگران پانچ کا ثواب پچاس نمازوں کے برابر ہی دیں گے، کیوں کہ قرآن میں ہم نے اعلان کر دیا ہے،

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا

جو شخص کوئی (ایک) نیکی لیکر حاضر ہوگا تو اس کو اس جیسی دس نیکیوں کا ثواب ملے گا،

مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَآ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝

میرے ہاں مقررہ بات بدلی نہیں جاتی اور میں بندوں پر ظلم نہیں کرتا،

معراج کی صحیح یاد؛

اس واقعہ کی یاد منانے کے لئے ہمارے مسلمان بھائی "معراج النبیؐ" کے نام سے مجالس وعظ منعقد کرتے ہیں، جو اس واقعہ کی یاد تازہ رکھنے کا لوگوں کے نزدیک ایک طریقہ ہے،

مگر ایسی مجالس منعقد کرنے والوں کو یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیئے اس سے اسلام کا مقصد اور مطالبہ پورا نہیں ہوتا، بلکہ یہ مطالبہ جب پورا ہو سکتا ہے جب ہم نماز پابندی سے پڑھیں، اور اپنے اہل وعیال کو بھی پابند بنائیں، اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا،

وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا

اور اپنے گھر والوں کو بھی نماز کا حکم کیجئے اور خود بھی نماز کے پابند رہیئے،

② اُمتِ محمدیہ کو خاتم الامّت کا اعزاز؛

اس کے بعد حق تعالیٰ نے آپؐ سے فرمایا "اے محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر میں تمہاری امت کو آخر الامت بنادوں تو آپؐ کی اُمت ناخوش تو نہ ہوگی؟ آپؐ نے جواب دیا: اے پروردگار نہیں، پروردگار نے فرمایا: اچھا تو اپنی امت کو میرا اسلام اور یہ پیغام (خوش خبری) سُنا دینا کہ میں نے اسے آخری امت بنا دیا ہے،

(مع، کنز العمال، ترجمان السنۃ)

③ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنے بعد آنیوالے اُمتیوں سے تمنائے ملاقات؛

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری امت میں مجھ سے زیادہ محبت رکھنے والے تو وہ لوگ ہیں جو میرے بعد آئیں گے، اور یہ تمنا کریں گے کہ اپنا گھر بار اور مال سب کچھ قربان کر کے مجھ کو دیکھ لیتے (مسلم)

④ ایک اور حدیث میں انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مجھے تمنا ہے کہ میں اپنے بھائیوں سے ملتا، صحابہؓ نے عرض کیا، یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم بھی تو آپ کے خادم اور اسلامی بھائی ہیں، تو آپؐ نے فرمایا تم میرے صحابہ ہو اور بھائی تو وہ لوگ ہیں جو مجھ پر (میرے

دیکھے بغیر) ایمان لائیں گے (مسند احمد)

ان احادیث سے نہ صرف یہ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی امت کو خاتم الامت کا شرف بخشا ہے بلکہ یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے بعد آنے والے ہم ایسے گنہگاروں سے محبت اور تعلق کا اظہار ہوتا ہے، امید رکھنی چاہیے یہی تعلق انشاء اللہ ہماری نجات کا سبب ہوگا،

معراج کے سفر سے واپسی ؛

آسمانوں کا سفر ختم کر کے آپؐ مسجدِ اقصیٰ واپس آئے، یہاں سے بُراق پر سوار ہو کر راتوں رات واپس مکہ معظمہ پہونچ گئے، اور اُمّ ہانیؓ کے گھر جا کر اپنے بستر پر سو گئے، فجر کے وقت آپؐ نماز پڑھنے کے لئے اٹھے، اُمّ ہانیؓ کو جگایا، نماز پڑھی، اس کے بعد رات کے سفر کا حال سُنایا، اس کے بعد آپؐ باہر جانے کے لئے اُٹھے، تو اُمّ ہانیؓ نے آپؐ کی چادر کا کونہ پکڑ لیا اور عرض کیا: یا نبی اللہؐ! یہ واقعہ آپ لوگوں سے بیان نہ کریں، لوگ آپؐ کی تکذیب کریں گے اور ایذاء پہونچائیں گے،

آپؐ نے فرمایا: واللہ! میں اس واقعہ کو لوگوں سے ضرور بیان کروں گا، آپؐ کا یہ جواب سُنکر اُمّ ہانیؓ کو بڑا فکر ہوا، اور اپنی ایک ملازمہ کو پیچھے پیچھے بھیجا کہ جا کر دیکھے دشمن آپ کو کوئی تکلیف نہ پہنچانا شروع کر دیں چنانچہ باہر جا کر آپؐ نے لوگوں کو یہ واقعہ سُنایا، سنتے ہی لوگ کہنے لگے ہم نے تو آج تک ایسی بات کسی سے سُنی نہیں، آپ پہلے شخص ہیں کہ ایسی باتیں کر رہے ہیں،

○ واقعۂ معراج ایک آزمائش ہے ؛

حقیقت یہ ہے پیغمبرِ خداؐ کے زمانۂ مبارک میں بھی یہ واقعہ لوگوں کے لئے ایک آزمائش تھا، اور آج ہمارے زمانہ میں بھی آزمائش ہے، جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد ہے:

وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ (پ ۱۵، ع ۶)	"اور ہم نے جو منظر آپ کو دکھلایا تھا اسے ہم نے لوگوں کی آزمائش کا سبب بنا دیا"

منظر سے مراد "شبِ معراج" کا نظارہ ہے، جس سے لوگوں کا امتحان لیا گیا، سچے لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سُنکر مانا یعنی ایمان لے آئے اور کچے لوگوں نے اس کو ماننے سے انکار کر دیا، جیسا کہ اس کی تفصیل آگے آ رہی ہے،

مشرکین کی طرف سے دلیل کا مطالبہ ؛

آپؐ کی زبانِ مبارک سے مشرکین نے جب یہ حیرت انگیز واقعہ سُنا تو حیرت میں پڑ گئے، اور کہنے لگے ہمارے سامنے اس سفر کی ایسی خاص بات بیان کریں جس سے ہم سمجھیں کہ واقعی تمہاری بات سچی ہے،

آپؐ نے فرمایا ایک دلیل اور نشانی تو یہ ہے کہ میرا فلاں وادی میں فلاں قبیلہ کے پاس سے گذر ہوا، اس قبیلہ کا ایک اونٹ گم ہو گیا تھا، بعد میں مل گیا، اس وقت میرے سفر کا آغاز تھا اور میں شام کی طرف جا رہا تھا، اور قافلہ شام سے واپس آ رہا تھا، پھر میں واپس آ رہا تھا تو راستہ میں فلاں جگہ اس قبیلہ کا قافلہ پڑاؤ کر رہا تھا، اُن کا پانی پینے کا برتن ڈھکا ہوا رکھا تھا، میں نے اس کا ڈھکنا کھول کر پانی پیا، پھر اس کو اسی طرح ڈھانک دیا، اور اس کی ایک اور نشانی یہ ہے کہ وہ قافلہ مقام بیضاء سے ثنیۃ التنعیم کی طرف آ رہا ہے، سب سے آگے ایک خاکستری رنگ کا اونٹ ہے، اس کے اوپر دو بورے لدے ہوئے ہیں، ایک کالا دوسرا دھاری دار،

یہ باتیں سُنکر لوگ ثنیۃ التنعیم کی طرف آپؐ کی بتلائی ہوئی باتوں کی تحقیق کے لئے دوڑے، جا کر آپؐ کی بتلائی ہوئی باتوں کا آنکھوں سے مشاہدہ کیا، اہلِ قافلہ سے تحقیق کی تو تمام باتیں سچ تھیں (خلاصہ از ابن ہشام)

مشرکین یہ باتیں سُنکر اور ان کی تصدیق کے باوجود ایمان نہ لائے، اور کہنے لگے یہ بتائیے وہ قافلہ کب تک آئے گا؟ آپؐ نے فرمایا انشاء اللہ بدھ کے دن سورج غروب ہونے سے پہلے پہلے مکہ پہونچ جائے گا، لیکن بدھ کے دن سورج غروب ہونے کو ہو گیا اور قافلہ نہ پہنچ پایا تو آپؐ نے خدا سے دُعا کی تو سورج اپنی جگہ رُک گیا، جب قافلہ پہنچ گیا تو غروب ہوا، یہ آپؐ کا معجزہ تھا، تسکین کے لئے شمائل نشر الطیب کا مطالعہ فرمائیں،

مشرکین کی طرف سے تکذیب؛

حضور سرورِ عالمؐ کی پاک زندگی کا ایک ایک لمحہ مشرکین کی نگاہوں کے سامنے تھا، اُن کو یہ بھی معلوم تھا کہ آپؐ بیت المقدس کبھی تشریف نہیں لے گئے، اس کے باوجود ان لوگوں نے آپؐ سے مسجدِ اقصیٰ کے متعلق جو جو باتیں معلوم کیں آپؐ نے ایسے بتلا دیا کہ دیکھنے والا بھی شاید نہ بتلا سکتا اس کے باوجود ایمان نہ لائے اور کہنے لگے یہ (معاذ اللہ) محمدؐ کا جادو ہے،

○ پھر آپؐ سے اپنے قافلوں کے حالات معلوم کئے، آپؐ نے پورے پورے حالات بتلا دیئے آپؐ کی نشاندہی پر لوگ دوڑے ہوئے گئے، جو باتیں آپؐ نے بتلائی تھیں اہلِ قافلہ سے تصدیق کی، خود مشاہدہ کیا، اس کے باوجود آپؐ کی تکذیب کرتے اور مذاق اڑاتے رہے،

○ چنانچہ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ابوجہل نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ازراہِ تمسخر (مذاق) کہا، اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا سوچ رہے ہو؟ کیا کوئی نئی بات گھڑ رہے ہو؟ رات کی کوئی بات سناؤ!

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں سنو: مجھے رات سیر کرائی گئی،

ابوجہل بولا، کہاں کی؟

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بیت المقدس کی، مسجدِ اقصیٰ کی،

ابوجہل بولا، صبح تو تم ہمارے ساتھ ہی تھے،

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہاں!

ابوجہل یہ سُنکر بولا، اگر میں تمھاری قوم کو بلاؤں تو جو بات مجھ سے کہہ رہے ہو اُن کے سامنے بھی کہوگے!

آپؐ نے فرمایا، ہاں ہاں!

اس کے بعد ابوجہل نے لوگوں کو آواز دے کر بُلایا کہ جلدی آؤ، جب لوگ جمع ہوگئے تو جو بات آپؐ نے ابوجہل سے کہی تھی قوم سے بھی کہدی، ان لوگوں نے جب یہ بات سُنی تو کوئی تالیاں بجانے لگا، کسی نے سر پکڑ لیا، غرض یہ واقعہ سُنکر طرح طرح کی چہ میگوئیاں شروع کر دیں، اور کہنے لگے، اگر آپؐ معراج کو گئے تھے تو ہمیں اپنے سفر کے حالات بتلاؤ، اور بیت المقدس کے متعلق اُلٹی سیدھی باتیں پوچھنی شروع کر دیں،

○ بیت المقدس کے متعلق کفار کے سوالات؛

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ کفار نے بیت المقدس کے متعلق مجھ سے ایسے ایسے سوالات کئے جو مجھے محفوظ نہ تھے، اس وقت مجھے اتنی پریشانی ہوئی کہ اس سے پہلے کبھی نہ ہوئی تھی، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو میرے سامنے کر دیا، اس کو دیکھ دیکھ کر میں کفار کے سوالات کا جواب دیتا رہا، (مشکوٰۃ)

○ کفار نے آپ سے بیت المقدس کے متعلق سوالات اس لئے کئے کہ آپؐ نے بیت المقدس کو کبھی دیکھا نہ تھا، اور کفار اُدھر آتے جاتے رہتے تھے، اگر آپؐ واقعۃً جسم مبارک کے ساتھ وہاں نہ گئے ہوں گے تو جواب نہ دے سکیں گے، اور اگر غلط جواب دیں گے تو ہمیں پتہ چل جائے گا (مع)

لیکن اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی اس حیرت انگیز طریقہ پر مدد فرمائی کہ درمیان سے تمام حجابات ہٹا کر بیت المقدس سامنے کر دیا، اور کفار اس کے متعلق جو کچھ پوچھتے فوراً جواب دیدیتے،

○ حضرت ابوبکرؓ کو صدیق کا لقب؛

معراج کا واقعہ صبح کو آپؐ نے جب لوگوں کے سامنے بیان کیا تو سب حیرت میں پڑ گئے، مگر حضرت ابوبکرؓ جیسے سب سے پہلے آپؐ کی نبوت پر ایمان لائے تھے اسی طرح اس واقعہ کی بھی انھوں نے سب سے پہلے تصدیق کی، اسی تصدیق کی وجہ سے دربارِ رسالتؐ سے آپؓ کو "صدیق" کا لقب ملا،

روایت ہے ابوجہل نے حضرت ابوبکرؓ کا ہاتھ پکڑ کر دریافت کیا،

اے ابوبکرؓ! کیا تم اس واقعہ کی تصدیق کرنے کے لئے تیار ہو؟

حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا، اے ابوجہل! میں تو اس سے بھی زیادہ عجیب و غریب بات پر ایمان لایا ہوا ہوں کہ ہمارے نبیؐ کے پاس دن رات میں کئی مرتبہ خداوند کریم کی طرف سے ایک فرشتہ وحی لے کر آتا ہے، جب میں اس کو تسلیم کرتا ہوں تو آپؐ کے رات میں معراج کو تشریف لے جانے میں کیسے تردد کروں گا!

اس واقعہ سے جہاں حضرت ابوبکرؓ کی فراست اور آپؐ سے تعلق و عقیدت کا پتہ چلتا ہے وہاں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ابوجہل یہ بات جانتا تھا کہ آپ جسم مبارک کے ساتھ معراج کو تشریف لے گئے تھے اگر یہ خواب کی بات ہوتی تو اتنا شور نہ کرتا،

معراج کے عظیم الشان واقعہ سے پہلے ۱۱ سنہ میں اسلام کی روشنی مدینہ میں پھیلنی شروع ہو چکی تھی، جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ زمانۂ حج میں یثرب کے چھ حضرات مسلمان ہو کر آپ سے وعدہ کر گئے تھے کہ ایک سال بعد ہم اپنی کارگزاری کی رپورٹ پیش کریں گے، چنانچہ یہ وفد ۱۲ سنہ نبوی میں حج کے موقع پر حاضر خدمت ہوا، اس وفد میں بارہ حضرات تھے، اس وفد کے حضرات آپ کے دست مبارک پر بیعت ہوئے، اس کو بیعتِ عقبۂ اولیٰ کہا جاتا ہے، اس کی تفصیل اگلے صفحات میں پڑھئے،

(۲)

بیعتِ عقبۂ اولیٰ سنہ ۱۲ نبوی م ۶۲۱ء

عقبہ مقام پر جو چھ حضرات اسلام قبول کر کے یثرب گئے تھے وہ تبلیغ اسلام اور آئندہ سال رپورٹ دینے کا وعدہ کر کے گئے تھے، چنانچہ جاتے ہی ان حضرات نے دل وجان سے کام شروع کر دیا، اور ایک سال بعد حسب وعدہ بارہ حضرات کا ایک وفد خدمتِ نبوی میں حاضر ہوا، ان بارہ حضرات میں پانچ تو وہی تھے جو ایک سال قبل اسلام قبول کر کے گئے تھے اور سات حضرات نئے تھے، ان حضرات سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مندرجہ ذیل باتوں پر بیعت لی:

(۱) ہم چوری اور زناکاری نہیں کریں گے،

(۲) ہم اپنی اولاد (لڑکیوں) کو قتل نہیں کریں گے، (کیونکہ زمانۂ جہالت میں لڑکیوں کو قتل کر دیا کرتے تھے)۔

(۳) ہم کسی پر جھوٹی تہمت نہیں لگائیں گے، اور نہ کسی کی چغلی کیا کریں گے،

(۴) ہم ہر اچھی بات میں رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کریں گے، (ابن ہشام)

جب یہ وفد اسلام قبول کر کے واپس ہونے لگا تو آپ نے عبداللہ بن مکتومؓ (حضرت خدیجہؓ کے خالہ زاد بھائی) اور مصعب بن عمیرؓ کو ان کے ساتھ کر دیا، تاکہ یہ حضرات اُن کو قرآن مجید کی اور دینی تعلیم دیتے رہیں، ان حضرات نے مدینہ پہونچ کر اسعد بن زرارہ کے مکان کو دینی تعلیم کا مرکز بنایا، اور اس مکان میں مسلمانوں کو نماز بھی پڑھاتے تھے (ابن ہشام)

مصعب بن عمیرؓ کی دن رات محنت سے خدا نے کیا چند ہی دنوں میں آدھے سے زیادہ اہلِ یثرب مسلمان ہو گئے مصعب بن عمیرؓ امیر باپ کے امیر اور لاڈلے بیٹے تھے، ان کے حالات میں لکھا ہے کہ جب گھوڑے پر سوار ہو کر نکلا کرتے تھے تو آگے پیچھے غلام سایہ کی طرح لگے ہوتے تھے، اور بدن پر قیمتی اور شاہانہ لباس ہوتا تھا، جو اس زمانہ کے حساب سے دو سو روپے سے کم قیمت کا نہ ہوتا تھا، یہ اُن کا قبل از اسلام حال تھا، اور اسلام قبول کر لینے کے بعد مزاج میں ایسی تبدیلی آئی کہ سب زیب وزینت اور آسائش کو خیرباد کہدیا، جب حضور سرورِ

عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو اہل مدینہ کی تعلیم کے لئے بھیجا ہے تو کرتہ کی جگہ بدن پر کمبل ہوتا تھا اور بٹنوں کا کام ببول (کیکر) کے کانٹوں سے لیتے تھے،

جنگ اُحد کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین کے لشکر کا علمبردار مقرر کر دیا، ایک اجتہادی غلطی سے جنگ کا رُخ مسلمانوں کے خلاف ہو گیا، حضرت مصعبؓ دشمنوں کے نرغہ میں گھرے ہوئے بہادری سے لڑتے رہے، ایک کافر ابن قمیہ نے آپ کے سیدھے ہاتھ پر تلوار سے وار کیا، جس سے اُن کا ہاتھ کٹ گیا، مصعبؓ نے عَلَم (جھنڈا) دوسرے ہاتھ میں سنبھال لیا، دشمن نے دوسرے ہاتھ پر وار کر دیا تو وہ بھی کٹ گیا، جب دونوں ہاتھ کٹ گئے تو عَلَم کو سینہ سے چمٹا لیا، ابن قمیہ آپ کے پیچھے لگا ہوا تھا، آپ کی بہادری اور دلیری دیکھکر غصہ سے باہر ہو گیا اور تلوار ہاتھ سے پھینک کر نیزہ اتنے زور سے مارا کہ آپ کے سینہ میں پیوست ہو گیا اور آپ شہید ہو گئے،

حقیقت یہ ہے کہ ان جیسی ہستیوں کی جفاکشی، محنت و مشقت اور جاں بازی کی وجہ سے اسلام پھلا پھولا، اور سرزمین حجاز سے نکل کر دنیا کے ہر خطہ میں پھیل گیا

مصعب بن عمیر کی اشاعتِ اسلام کے لئے جدوجہد کا نتیجہ؛

جیسا کہ ابھی بیان کیا گیا کہ مصعب بن عمیرؓ نے مدینہ پہونچ کر اسعد بن زرارہؓ کے مکان کو دینی تعلیم کا مرکز بنا کر بڑی محنت سے کام شروع کر دیا، اسعد بن زرارہؓ سعد بن معاذؓ کے خالہ زاد بھائی تھے، سعد بن معاذؓ مصعب بن عمیرؓ اور اسعد بن زرارہؓ دونوں کا اپنے محلہ میں آنا پسند نہ کرتے تھے، اس کے باوجود ایک دن یہ دونوں حضرات ان کے محلہ میں گئے، اور وہاں جا کر ایک باغ میں بیٹھ گئے، ان دونوں کے علاوہ کچھ حضرات اور بھی تھے جو مسلمان ہو چکے تھے، اس محلہ میں قبیلہ عبدالاشہل کے لوگ آباد تھے، اس قبیلہ کے سردار سعد بن معاذؓ اور اُسید بن حضیرؓ تھے سعد بن معاذؓ کو جب ان دونوں کے اپنے محلہ میں آنے کی اطلاع ملی تو اُنھوں نے اُسیدؓ سے کہا تم جا کر ان دونوں کو ڈانٹ دو، اور یہ کہدو کہ آئندہ اس محلہ میں آ کر ہمارے لوگوں کو خراب نہ کریں، اور سعدؓ نے اُسیدؓ سے یہ بھی کہا چونکہ اسعد میرا خالہ زاد بھائی ہے، اس لئے میرا وہاں جانا مناسب نہیں،

سعد بن مُعاذ اور اُسید بن حُضیر کا اسلام قبول کرنا؛

حضرت اُسیدؓ کو یہ خبر نہ تھی کہ میں قتل کا شکار ہونے جا رہا ہوں، حضرت سعدؓ کے کہنے میں آ کر جوش میں آئے اور برچھا ہاتھ میں لے کر چل پڑے، اسعد بن زرارہؓ جو مصعب بن عمیرؓ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے اُن کی نگاہ اُسید پر پڑی کہ برچھا لئے چلے آ رہے ہیں، انھوں نے حضرت مصعبؓ سے کہا بنی اشہل کا سردار اُسید تمہارے پاس آ رہا ہے، اس کی سرداری سے مرعوب نہ ہونا، اور حکم خداوندی پہنچانے میں ذرا کمزوری کا ثبوت نہ دینا،

حضرت اُسیدؓ پہونچتے ہی حضرت مصعبؓ پر برس پڑے اور کہنے لگے تم لوگ ہمارے محلہ کے کمزور اور سادہ لوح لوگوں کو بیوقوف بناتے ہو، تمہیں اگر اپنی جان پیاری ہے تو آئندہ تم لوگ ہمارے اس محلہ میں قدم نہ رکھنا، حضرت مصعبؓ نے اُسیدؓ کو بیدھڑک جواب دیا، اگر بارِ خاطر نہ ہو تو ذرا تشریف رکھیں اور میری بات سُن لیں اگر اچھی اور مناسب معلوم ہو اور دل کو لگے تو مانیں ورنہ آپ کو اختیار ہے،

حضرت اُسیدؓ نے جواب دیا، تمھاری یہ بات معقول ہے، اپنا برچھا زمین پر گاڑ کر آرام سے بیٹھ گئے اور کہا مصعب سُناؤ کیا بات سناتے ہو!

آپ نے اسلام کی روشن تعلیمات سُنائیں، پھر قرآن کریم کی چند آیتیں تلاوت کیں، قرآن سنتے ہی حالت غیر ہو گئی، حضرت مصعبؓ سے دریافت کیا کہ اسلام میں داخل ہونے کی کیا شرائط ہیں؟ آپ نے جواب دیا: اپنا بدن اور کپڑے نجاست سے پاک کرلیں، فوراً اس ہدایت پر عمل کر کے حاضر ہوئے اور اسلام قبول کر کے اسلام کے جاں نثاروں میں شامل ہو گئے،

حضرت اُسیدؓ کا اسلام قبول کر کے سعد بن معاذؓ کے پاس آنا،

حضرت سعدؓ نے اُسید کو اس لئے بھیجا تھا کہ مصعب بن عمیرؓ اور اسعد بن زرارہؓ کو یہ کہہ کر آئیں کہ آئندہ ہمارے محلہ میں آکر لوگوں کے ایمان خراب نہ کیا کریں، اُسیدؓ یہی بات کہنے گئے تھے، مگر وہاں جا کر وہ خود ہی حضرت مصعبؓ کی باتیں سنکر شکار ہو گئے، اسلام لانے کے بعد انھوں نے حضرت مصعبؓ سے یہ بات کہی: اچھا میں تو جاتا ہوں، میرے جانے کے بعد تمھارے پاس ایک شخص آئے گا اگر اس نے اسلام قبول کرلیا تو قبیلہ کا ہر آدمی اسلام قبول کرلے گا، جیسا کہ ابھی بیان کیا گیا کہ اسعد بن زرارہؓ سعد بن معاذؓ کے رشتہ میں خالہ زاد بھائی تھے، حضرت اُسیدؓ نے واپس آکر حضرت سعدؓ سے یہ بات کہی، میں نے اُن کو ڈانٹ دیا ہے، اور اُن سے کہہ آیا ہوں کہ آئندہ ایسی کوئی بات تم لوگ نہ کرنا کہ ہمیں شکایت کا موقع پیش آئے، لیکن اے سعد! وہاں میں نے یہ دیکھا کہ چند نوجوان قبیلۂ بنو حارث کے آکر اسعد بن زرارہ کو قتل کی دھمکیاں دے رہے ہیں، یہ سنتے ہی حضرت سعدؓ کو غصہ آگیا، اور یہ کہتے ہوئے تلوار لیکر چل دیئے دیکھوں کون بہادر ہے جو میرے بھائی کو قتل کی دھمکی دے رہا ہے، وہاں پہونچے تو دیکھا ان کے پاس تیسرا آدمی کوئی بھی نہیں، حضرت مصعبؓ اور اسعد بن زرارہؓ دونوں آرام سے بیٹھے باتیں کر رہے ہیں، غصہ میں بھرے ہوئے پہلے ہی آئے تھے، یہاں کسی تیسرے کو نہ پاکر غصہ کا رُخ ان دونوں کی طرف پھر گیا، اور اپنے خالہ زاد بھائی اور حضرت مصعبؓ پر غصہ اتارنا شروع کر دیا،

اسعد بن زرارہؓ نے سعد بن معاذؓ کو جواب دیا اگر آپ سے میری قرابت داری نہ ہوتی تو تم کو ایسی

بات کرنے کی جرأت نہ ہوتی، چونکہ یہ رشتہ دار تھے اس لئے انھوں نے تو سخت جواب دیدیا، مگر حضرت مصعبؓ نے بڑی نرمی سے عرض کیا، بُرا نہ مانیں، میری آپ سے چھوٹی سی درخواست ہے، تشریف رکھیں تو عرض کروں، آپ کو پسند آئے تو میری بات مانیں ورنہ نہ مانیں،

حضرت سعدؓ کا غصہ کم ہوا اور حضرت مصعبؓ کو جواب دیا تم نے ٹھیک بات کہی، یہ کہہ کر اُن کی بات سننے کے لئے بیٹھ گئے، حضرت مصعبؓ نے اُسیدؓ کی طرح اُن کے سامنے بھی اسلام کے محاسن بیان کئے، اور قرآن شریف کی چند آیتیں تلاوت کیں، سنتے ہی حالت غیر ہوگئی اور اسلام لے آئے (ابن ہشام)

سعدؓ اسلام لانے کے بعد؛

اسلام لے آنے کے بعد اپنے قبیلہ بنو عبدالاشہل میں واپس آئے اور قبیلہ کے تمام لوگوں کو جمع کرکے پوچھا: تم لوگ مجھے کیسا سمجھتے ہو؟ سب نے یک زبان ہوکر جواب دیا کہ آپ ہمارے سردار ہیں، آپ کی رائے ہمیشہ پختہ ہوتی ہے، اور قابلِ عمل ہوتی ہے، اس کے بعد آپ نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا:

"جب تک تم لوگ مسلمان نہیں ہوگے میرا تم سے کوئی تعلق نہیں"

یہ سُنکر تمام قبیلہ مسلمان ہوگیا

۱۳ سنہ نبویؐ مطابق سنہ ۶۲۲ء

بیعتِ عقبہ ثانی

مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے یثرب (مدینہ) میں جس دل سوزی سے اسلام کی تبلیغ کی اس کا مختصر سا حال بیعتِ عقبہ اولیٰ کے ضمن میں گذر چکا ہے، ان کی شب و روز کی کوشش اور جد و جہد سے مدینہ کے ہر گلی کوچہ میں اسلام کا چرچا رہنے لگا، اور کوئی گھر ایسا نہ رہا جس میں ایک نہ ایک فرد دائرۂ اسلام میں داخل نہ ہو گیا ہو، یہ اسلام لانے والے وہ لوگ تھے جو مصعب بن عمیرؓ اور ان کے ساتھیوں سے اسلام اور پیغمبرِ اسلامؐ کی تعریف و تعلیم کا حال سُنکر ایمان لائے تھے، یعنی غائبانہ مسلمان ہوئے تھے، اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے غائبانہ محبت عشق کی منزل تک پہنچ گئی تھی، لیکن ہر شخص کے ساتھ کوئی نہ کوئی مجبوری ایسی لگی ہوئی تھی جس کی وجہ سے فاصلہ طے کر کے مکہ جانا آسان نہ تھا، مزید یہ مجبوری کہ مکہ کے مشرکین مسلمانوں اور پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو ستانے اور تکلیفیں پہنچانے کی مہم جاری رکھے ہوئے تھے،

اس لئے ذی الحجہ سنہ ۱۳ نبوی میں حج کے موقع پر تقریباً پانچ سو افراد کا قافلہ مدینہ سے روانہ ہوا، جو اوس و خزرج کے لوگوں پر مشتمل تھا، اسی قافلہ میں مصعب بن عمیرؓ (جن کا تعارف بیعت عقبہ اُولیٰ میں گذر چکا ہے) بھی تھے، مسلمانوں کے ساتھ شریک تھے، ان میں دو عورتیں بھی شامل تھیں، یہ حضرات اپنے ذہن میں جو منصوبہ بنا کر آئے تھے اس کو کسی پر ظاہر نہیں کیا، اس لئے کسی شخص کے ذریعہ خفیہ پیغام بھیجا، کہ ہم یثرب کے کچھ جاں نثار قدمبوسی کا شرف حاصل کرنے کی آرزو لے کر حاضر ہوئے ہیں، اور جس گھاٹی میں گذشتہ سال ملاقات ہوئی تھی وہیں ہمارا قیام ہوگا، اس سے پہلے آپؐ بھی ان لوگوں کو ایامِ تشریق میں اسی جگہ ملاقات کا پیغام بھیج چکے تھے،

تاریخ ابن ہشام میں ہے گیارہ ذی الحجہ کی جب آدھی رات گذر چکی، سب لوگ محوِ خواب تھے، تو یہ جاں نثار آہستہ آہستہ ایک ایک کر کے جمع ہو گئے،

ان لوگوں کا پیغام ملنے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت اپنے چچا حضرت عباسؓ کو ساتھ

لیکر ملاقات کیلئے روانہ ہوئے، چچا اگرچہ اُس وقت تک مسلمان نہ ہوئے تھے مگر بچپن سے ہی آپ سے محبت کیا کرتے تھے، جیسا کہ ایک دفعہ تعمیر کعبہ کیوقت آپکے نازک بدن پر خراش آجانیکے ڈر سے آپکی تُنگی کھولکر مونڈھے (کندھے) پر رکھدی تھی، یہ محبت ہی کی بات تھی، ہم لوگ جب آپسے باتیں کرنے لگے تو ہماری آواز ذرا اونچی ہوگئی تو فوراً حضرت عباسؓ نے کہا: ذرا آواز پست کرو کیونکہ ہم پر جاسوس لگے ہوئے ہیں، (ابن ہشام، ابن سعد)

○ مدینہ کا یہ قافلہ ایک تو آپ کی زیارت اور اسلام پر بیعت کے لئے حاضر ہوا تھا، دوسرا مقصد یہ تھا کہ ہمارے آقا و مولیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اب مکہ کی سرزمین کو چھوڑ کر مدینہ کی سرزمین کو اپنے وجود پاک سے زینت بخشیں، تیرہ سال سے مشرکین کے ظلم و ستم برداشت کر رہے ہیں، آخر ظلم کی بھی کوئی حد ہوتی ہے، خدا کی شان ہے کہ اپنوں نے آپ پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے، لیکن مدینہ کے نومسلم آپ پر پھول برسانے کے لئے تیار ہوگئے،

حضرت عباسؓ کا اہلِ یثرب سے خطاب؛

چچا عباس نے خطاب کرتے ہوئے کہا، اے گروہِ اوس و خزرج! آپ لوگ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مدینہ چلنے کی دعوت دے رہے ہو، تمہیں یہ سمجھ لینا چاہئے ان کی حمایت پورے عرب سے مخالفت مول لینا ہے، یہ اپنے خاندان میں سب سے زیادہ باعزت اور محترم ہیں، ہمارے خاندان کا ہر فرد دشمن کے مقابلہ میں سربکف رہتا ہے، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حفاظت سے نہ ہم لوگ اُکتائے ہیں نہ تھکے ہیں، اگر مرتے دم تک تم لوگ اُن کا ساتھ دے سکو تو اچھا ہے ورنہ ابھی انکار کر دینا اچھا ہے، (ابن سعد)

اہلِ یثرب کا جواب؛

اس قافلہ کے سب سے زیادہ بزرگ اور معمر حضرت براءؓ نے جواب دیا: ہم لوگ یہ بات پہلے ہی سمجھ چکے ہیں اور ہم نے خوب سوچ سمجھ کر آپ کو مدینہ چلنے کی دعوت دی ہے، ہم آپ کی وفاداری اور حمایت و حفاظت میں اپنی جانیں قربان کر دینے کا پختہ عزم کر کے آئے ہیں، اور ہم آپ کی حمایت و حفاظت اپنی جانوں سے زیادہ کریں گے، ہم لوگ تلواروں کے سایہ میں پلے ہیں، اور اپنے آباء و اجداد سے یہ چیز (بہادری) ورثہ میں ملی ہے،

اس کے بعد ان لوگوں نے عرض کیا، اب ہم اپنے ہادی و رہبر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ آپ خود اپنے لئے اور اللہ تعالیٰ کیلئے ہم سے کیا عہد لینا چاہتے ہیں تاکہ اس پر ہم لوگ عمل پیرا ہو کر رضائے خداوندی اور اپنی نجات کا سامان کر سکیں،

آپؐ نے ان لوگوں کے سامنے قرآن کریم کی چند آیتیں تلاوت فرما کر محاسنِ اسلام سمجھائے اور حقوق اللہ کا بیان فرمایا، پھر فرمایا، میں جو کچھ کہوں اس کو سنو اور مانو، رنج و غم میں، آسودگی و افلاس غرض ہر حال میں میری اطاعت کرو، اپنی جان و مال سے مجھکو زیادہ عزیز سمجھو،

یہ ہدایات سنکر ایک یثربی مسلمان ابوالہیثمؓ بولے، یارسول اللہؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) گستاخی اور بے ادبی معاف! ہمارے یہود اور دوسرے اہل مدینہ کے کفار سے تعلقات ہیں، اسلام لے آنے اور آپؐ سے بیعت کر لینے کے بعد ان سے تعلقات ختم ہو جانا لازمی بات ہے، ہم ان مخالفین سے آپؐ کے ساتھ وقت ضرورت جنگ بھی کریں گے، خدا کرے جب آپؐ کامیاب ہوں تو ایسا تو نہ ہوگا کہ آپؐ ہمیں چھوڑ کر واپس اپنے وطن (مکہ) چلے آئیں؟ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکراتے ہوئے جواب دیا، نہیں نہیں یہ ہرگز نہ ہوگا تمہارا خون میرا خون، تمہاری عزت میری عزت، میں تمہارا تم میرے، جس کے تم ساتھی اس کا میں ساتھی، جس کے تم دشمن اس کا میں دشمن (یعنی اسلام کے مقابلہ میں)

اس کے بعد آپؐ نے بیعت کا سلسلہ شروع فرمایا، بیعت کے بعد آپؐ نے مدینہ میں اشاعتِ اسلام کے لئے بارہؑ حضرات کو نقیب مقرر فرمایا اور فرمایا اسی طرح موسیٰ علیہ السلام نے بارہؑ نقیب مقرر کئے تھے، جس کو قرآن کریم میں بھی بیان فرمایا گیا ہے:

وَلَقَدْ أَخَذَ اللّٰهُ مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيبًا ۖ	اور بلاشبہ اللہ نے بنی اسرائیل سے بھی عہد لیا تھا اور ان میں سے ہم نے بارہ آدمیوں کو ذمہ دار مقرر کیا تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے بارہؑ قبائل میں سے بارہؑ سردار چن لئے تھے، اُن کا فرض یہ تھا کہ وہ اپنی قوم کو عہد پورا کرنے کی تاکید اور ان کے احوال کی نگرانی رکھیں،

تفسیر عثمانی میں ہے، عجیب اتفاق ہے کہ ہجرت سے پہلے جب "انصار" نے "لیلۃ العقبہ" میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی تو ان میں سے بھی بارہ ہی نقیب نامزد ہوئے، انہی بارہؑ آدمیوں نے اپنی قوم کی طرف سے حضورؐ کے دستِ مبارک پر بیعت کی تھی، ان حضرات کے نام یہ ہیں:-

① اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ	② عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ
③ سعد بن الربیع رضی اللہ عنہ	④ رافع بن مالک رضی اللہ عنہ
⑤ ابوجابر بن عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ	⑥ براء بن معرور رضی اللہ عنہ
⑦ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ	⑧ منذر بن عمرو رضی اللہ عنہ
⑨ عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ	⑩ اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ
⑪ سعد بن خیثمہ رضی اللہ عنہ	⑫ رفاعہ بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ

جب آپؐ نے یہ بارہؑ نقیب مقرر فرما لئے تو باقی لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا: میں جن لوگوں کا تقرر کر رہا ہوں بحکم ربی کر رہا ہوں، اس لئے جس کا نام نہ آئے وہ دل میں کوئی خیال نہ کرے،

بیعتِ عقبۂ ثانیہ کے بعد قریش کی بوکھلاہٹ؛

اس بیعت کے وقت اتنا رازداری سے کام لیا گیا تھا کہ کسی کو کانوں کان بھی خبر نہ ہو، مگر مثل مشہور ہے: "دیوار کے بھی کان ہوتے ہیں"، مشرکینِ مکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی ایک ایک حرکت کا پتہ چلاتے رہتے تھے، دشمن غافل نہیں رہتا، اس لئے صبح ہونے سے پہلے اس بیعت کی خبر مکہ میں بجلی کی طرح پھیل گئی، ابھی مسلمان مدینہ روانہ بھی نہ ہوئے تھے کہ قریش کی ایک جماعت ان کے کیمپ میں آئی، اور بڑی سختی سے بات کی، دھمکیاں بھی دیں تاکہ یہ لوگ مرعوب ہوکر راز کی باتیں بتلادیں، مگر جنھوں نے موت سے کھیلنے پر بیعت کی ہو وہ ان دھمکیوں میں کب آسکتے تھے؛ جب کسی بات کا سراغ نہ ملا تو خود ہی کہنے لگے ہمیں معلوم ہوا ہے کہ تم لوگوں نے ہمارے خلاف "محمد" (صلی اللہ علیہ وسلم) سے کوئی معاہدہ کیا ہے، اگر یہ بات سچ ہے تو پھر کان کھول کر سن لو! "تم ہمارے دشمن ہم تمھارے دشمن" گویا ایک قسم کی دھمکی تھی، مگر یہ حضرات ایسی دھمکیوں میں آنے والے کب تھے! یہ لوگ تو ایمان لانے سے پہلے سب نشیب و فراز پر غور کرچکے تھے، اس لئے مشرکین کی دھمکی کا ذرہ برابر بھی اثر نہ لیا، اور اپنی خوش قسمتی پر ناز کرتے ہوئے مدینہ طیبہ روانہ ہوگئے، مشرکین اس قافلہ کو پکڑنے کے لئے نکلے تو قافلہ دور نکل چکا تھا، حضرت سعد بن عبادہؓ پیچھے رہ گئے تھے، اس لئے ان کو پکڑ کر مکہ لے آئے، وہاں لاکر اُن پر بڑا تشدد کیا، (ابن ہشام)

○ اہلِ مدینہ نے روانہ ہونے سے پہلے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ تشریف لے چلنے کی درخواست کی تو آپؐ نے جواب دیا: "مجھے ابھی اپنے رب کی طرف سے مکہ چھوڑنے کا حکم نہیں ہوا اس لئے انتظار کرو"

○ مشرکین کا مکہ کے مسلمانوں پر تشدّد؛

مشرکین نے اہلِ مدینہ کا غصہ مکہ کے مسلمانوں پر اُتارنا شروع کردیا، اور اتنا تشدد کیا کہ قتلِ عام کا خوف ہوگیا، اس صورتِ حال کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں سے فرمایا: ان حالات میں تمھارا یہاں رہنا خطرہ سے خالی نہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو بذریعہ خواب مقامِ ہجرت دکھلادیا تھا، اس لئے آپ نے مسلمانوں کو یثرب ہجرت کرنے کا حکم دیدیا،

آپؐ کا حکم پاتے ہی صحابۂ کرام کی ہجرت کا سلسلہ شروع ہوگیا، اور تھوڑے ہی دنوں میں کم و بیش ایک سو خاندان مکہ چھوڑ کر مدینہ چلے گئے، صرف گنتی کے ایسے مسلمان رہ گئے جو اپنے خاندان کی وجہ سے مجبور تھے یا اور کوئی مجبوری تھی، حضرت ابوبکر صدیقؓ نے کئی مرتبہ جانا چاہا مگر آپ اُن کو روکتے رہے، ایسے ہی حضرت علیؓ بھی رُکے رہے،

○ ہجرت کا مکہ پر اثر؛

مکان کی رونق مکینوں سے ہوتی ہے، اگر کوئی مکین مکان چھوڑ کر چلا جائے تو اس پر ویرانی برسنے لگتی ہے مکہ معظمہ کو اتنے خاندانوں کا خیر باد کہہ دینے کا اثر یہ ہوا کہ تمام گلی کوچے سنسان نظر آنے لگے، ہر طرف ہُو کا عالم اور سناٹا، آدمیوں کی چہل پہل ختم، تمام شہر شہرِ خموشاں بنا ہوا اپنے مکینوں پر مرثیہ پڑھتا ہوا نظر آتا تھا،

اس نکارہ شرلیف احمد کی عمر اب ستر سال سے تجاوز کر چکی ہے جس کی وجہ سے کچھ عوارضات ایسے پیدا ہو گئے ہیں کہ صحت پر بھی اثر ہے، اسی لئے یہ "تذکرہ" جو ۱۴۰۰ھ میں شروع کیا تھا اب تک مکمل نہیں ہو سکا،

اَلْحَمْدُ لِلّٰہ

آج پندرہ شعبان المعظم ۱۴۰۵ھ کی بابرکت شب میں حصہ دوم "تذکرۂ خاتم الانبیاءؐ" جو کی زندگی کے حالات پر مشتمل ہے پایۂ تکمیل کو پہونچ گیا، دعا ہے اللہ تعالیٰ مدنی زندگی کے حالات بھی اپنی رحمت سے پورے کرنے کی توفیق عطاء فرمائے، آمین ؛

(۶)

باب ششم

تمہیدِ ہجرتِ مدینہ طیبہ

○ مشرکینِ مکہ کا دارالندوہ میں خفیہ مشورہ؛

دارالندوہ قریش کا ہمارے زمانہ کے لحاظ سے مکہ میں پارلیمنٹ ہاؤس کی حیثیت رکھتا تھا، اور قصی بن کلاب کی عمارت میں تھا، جب کوئی اہم اور قومی مسئلہ ہوتا تو قریشِ مکہ غور وخوض کے لئے یہیں جمع ہوتے تھے، اس وقت پوری قوم کی موت وحیات کا مسئلہ تھا، اور اسلام کی ترقی، پھر بیعتِ عقبۂ ثانیہ کی وجہ سے تو مشرکین کی رات کی نیند اور دن کا چین ختم ہو گیا تھا، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو مدینہ ہجرت کی اجازت دیدی تھی، جس کی وجہ سے مکہ کے گلی کوچے ویران ہوتے جارہے تھے، اور ہر طرف ہُو کا عالم طاری تھا، اس لئے اُن لوگوں کے ہوش وحواس جاتے رہے، اور یہ یقین ہو گیا کہ اب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی کسی دن اسی طرح روانگی ہو جائے گی، اس لئے مکہ کے بڑے بڑے رؤساء دارالندوہ میں جمع ہوئے، یہ دارالندوہ اب مسجد حرام میں شامل ہے، اور باب الزیادہ اسی جگہ بنا ہوا ہے،

ربیعہ کے دونوں بیٹے عتبہؓ اور شیبہؓ، ابوسفیان بن حرب، طعیمہؓ بن عدی، جبیرؓ بن مطعم، حارثؓ بن عامر، نضرؓ بن حارث، ابوالبختری بن ہشام، زمعہؓ بن الاسود، حکیمؓ بن حزام، ابوجہلؓ بن ہشام، حجاج کے دونوں بیٹے نبیہؓ اور منبہؓ، امیہؓ بن خلف وغیرہم دارالندوہ میں اس اہم مسئلہ پر غور کرنے کے لئے جمع ہوئے (ابن ہشام)

○ ابلیس قریش کی مجلس میں؛

جب سب ممبران جمع ہو گئے تو ایک دراز ریش بوڑھا عصا ہاتھ میں لئے ہوئے ہال میں داخل ہوا، یہ بوڑھا ان لوگوں کے لئے بالکل نیا تھا، کیونکہ ان لوگوں میں سے کوئی اس سے واقف نہ تھا، اور نہ اس سے پہلے کسی نے اس کو دیکھا تھا، ہر ایک اس کو دیکھ کر محوِ حیرت تھا کہ یہ بن بلایا مہمان کتنی دلیری اور بیباکی کے ساتھ بلا اجازت اندر داخل ہو گیا، لوگوں نے دریافت کیا، بزرگوار! آپ کون ہیں اور کیسے آئے ہیں؟ نجدی بوڑھے نے جواب دیا: اے سردارانِ قریش! میں علاقۂ نجد کا رہنے والا اور قوم کا تجربہ کار سردار ہوں، سیر وسیاحت کے لئے مکہ آیا تھا

آپ لوگوں کے اس اہم اجتماع کی خبر سنی، اس لئے ازراہِ ہمدردی وخیر خواہی بلا تکلف چلا آیا، کہ ممکن ہے اپنے تجربہ کی بنا پر کوئی مفید مشورہ دے کر رہنمائی کر سکوں،

قریش نے بوڑھے کی یہ باتیں شکریہ بڑی عزت سے ہاتھوں ہاتھ لیا، لیکن کسی کو خبر نہ تھی کہ یہ دغاباز ابلیس (شیطان) ہے، جو انسان کی شکل بنا کر اس (ناجائز) مقصد میں مشورہ دینے آیا ہے، بوڑھے کی بات چیت کے بعد پارلیمنٹ نے آپ کے خلاف بولنا اور زہر اگلنا شروع کیا، مختلف لوگوں نے مختلف تجویزیں پیش کرنی شروع کیں، ان میں تین تجویزیں اہم تھیں:

پہلی تجویز (نظر بندی):

یہ تجویز ابوالبختری نے پیش کی، کہ آپؐ کو تنگ وتاریک مکان میں ڈال دیا جائے، جس میں ہوا اور دھوپ کا گذر بھی نہ ہوتا ہو، اور دروازہ پر تیشہ لگا دیا جائے تاکہ آنے جانے کا راستہ ہی نہ رہے، آخر ایک دن اپنی موت آپ مر جائے گا، یا اپنا راستہ لیعنی (معاذ اللہ) اسلام چھوڑ دے گا،

نجدی بوڑھا بولا، تمہاری یہ تجویز خطرہ سے خالی نہیں، کیونکہ "محمد" (صلی اللہ علیہ وسلم) کے متبعین کو جب پتہ چلے گا تو وہ لوگ بلوہ کر کے ہلہ بول دیں گے، اور دروازہ توڑ پھوڑ کر آپؐ کو نکال کر لے جائیں گے، لہٰذا کوئی اور تجویز سوچو،

دوسری تجویز (شہر بدر):

یہ تجویز ہشام بن عمر نے پیش کی، اپنی اس تجویز پر تقریر کرتے ہوئے اس نے کہا: ابوالبختری کی یہ تجویز واقعی خطرات سے پُر ہے، اس سے تو سارے مکہ کا نظام ہی درہم برہم ہو جائے گا، میری رائے میں تو "محمد" (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اونٹ پر بٹھا کر شہر میں گھماؤ، تاکہ سب لوگ دیکھ لیں اور وہ بھی شرمندہ ہوں پھر شہر بدر کر دو، اس سے ہمارے دل ٹھنڈے ہو جائیں گے، اور سارا شہر امن چین سے رہے گا، شہر بدر کر دینے کے بعد محمدؐ جیسے چاہیں جہاں چاہیں رہیں، ہمیں کوئی واسطہ نہ ہوگا،

نجدی بوڑھا مداخلت کرتے ہوئے بولا، یہ دوسری تجویز بھی خطرات سے خالی نہیں، آپ لوگوں کا تجربہ ہے کہ "محمد" (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شیریں کلامی سے اس کے اپنے ہی نہیں غیر بھی متاثر ہو کر اس کے حلقہ میں شامل ہو جاتے ہیں، مکہ میں رہتے ہوئے تو کچھ لوگ لحاظ بھی کرتے ہیں، شہر بدر کر دینے کے بعد تو وہ بالکل آزاد ہو جائیں گے، کوئی روک ٹوک کرنے والا نہ ہوگا، اس لئے کچھ دن میں تیاری کر کے تم پر حملہ کر کے مکہ سے نکال باہر کریں گے، اس لئے میری رائے میں تو کوئی اور تجویز سوچو، نجدی کی اس بات سے سب متاثر ہوئے اور سب نے اتفاق کیا،

تیسری تجویز (قتل)؛

یہ تجویز ابوجہل نے پیش کی، اور اس پر ہر طرف سے صدائے تحسین بلند ہوئی، نعرے لگائے گئے، نجدی بڑے نے بھی اس سے اتفاق کرتے ہوئے ابوجہل کا خوب حوصلہ بڑھایا، گویا یہ تجویز اتفاق رائے سے پارلیمنٹ نے پاس کردی، مگر اس تجویز کو عملی جامہ پہنانا ایک آدمی کے بس کی بات نہ تھی، کیونکہ اگر ایک آدمی قتل کرے گا تو آپؐ کے خاندان والے یعنی بنی ہاشم زندہ نہ چھوڑیں گے، آخر ابوجہل نے خود ہی یہ تدبیر نکالی کہ ہر قبیلہ کا ایک ایک جوان اس کام کو انجام دینے کے لئے آگے بڑھے، اور سب مل کر رات کو آپؐ کے گھر کا محاصرہ کرلیں، اور حرم جانے کے لئے علی الصبح جب آپؐ گھر سے باہر نکلیں تو سب جوان مل کر ایک دم حملہ کرکے کام تمام کردیں، اس طرح معاملہ خوں بہا اور دیت پر ختم ہوجائے گا (ابن ہشام)

لیکن اس کام میں جتنی جلدی کی جائے اتنا ہی بہتر ہے ورنہ بات پھیل جانے کا ڈر ہے، آخر طے ہوگیا کہ یہ کام آج کی رات میں ہی پایۂ تکمیل کو پہنچا دیا جائے،

مشرکین کی تدبیر کے مقابلہ میں خدائی تدبیر؛

○ قریش کے خفیہ اجلاس کی پیغمبر خداؐ کو اطلاع؛

قریش حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت ملنے کے بعد تیرہ سال سے برابر دیکھ رہے تھے کہ آپؐ کے ساتھ خدائی طاقت ہے، اس کے باوجود اپنی حرکتوں سے باز نہیں آتے تھے، نبوت کا تیرہواں سال تھا کہ تنگ آکر آپ کے خلاف یہ خفیہ اجلاس کیا، جس کا ابھی ذکر کیا گیا، لیکن ان خفیہ تدبیریں کرنے والوں نے یہ نہ سوچا کہ ہم جو کچھ تدبیریں کر رہے ہیں علام الغیوب خدا سے پوشیدہ نہیں رہ سکتیں، چنانچہ ادھر قریش نے آپؐ کے خلاف خفیہ فیصلہ کیا ادھر اللہ تعالیٰ نے قریش کے اس اجلاس میں پیش ہونے والی تمام تجاویز سے آپؐ کو بذریعہ وحی مطلع کردیا، اور فرمایا:

وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ۭ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ۝ (پ۹، ع۱۸)	"اور (اے نبیؐ) اُس وقت کو یاد کیجئے جب کافر آپ کے متعلق مختلف تدبیریں کر رہے تھے کہ آپ کو قید کردیں یا آپؐ کو قتل کردیں یا آپؐ کو جلاوطن کردیں اور وہ (اپنی) تدبیریں کر رہے تھے اور اللہ (اپنی) تدبیر کر رہا تھا اور اللہ بہترین تدبیر والا ہے"

اس آیت کریمہ میں قریش کے تمام خفیہ مشوروں کی آپ کو اطلاع دیدی گئی اور یہ بھی حکم دیدیا گیا کہ اب آپ اپنے رفیق سفر ابوبکرؓ کو لے کر مدینہ ہجرت کرجائیں، اور ہماری قدرت کا کرشمہ دیکھیں،

اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا ۝ وَّاَكِيْدُ كَيْدًا ۝	"بیشک منکرین حق مختلف چالیں چل رہے ہیں اور میں بھی انکی چالوں کے

مُهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا ۝ (پ۲۹)
رَبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا ۝
(پ۱۵، ع ۹)

مختلف تدبیریں کر رہا ہوں سو اے نبی آپ انکو مہلت دیجئے اور تھوڑے دنوں (اور اے نبی) آپ یوں دعا کیجئے: اے میرے رب! جہاں مجھ کو پہنچائیے خوبی کے ساتھ پہنچائیو، اور جہاں سے مجھ کو نکالیے خوبی کے ساتھ نکالیو، اور مجھے اپنے پاس سے ایسا غلبہ عطا کیجئے جس کو تیری مدد حاصل ہو۔

مشرکین کے ارادے معلوم ہو جانے اور ہجرت کا حکم خداوندی مل جانے کے بعد آپؐ اپنے "رفیقِ غار" حضرت ابوبکرؓ کو تپتی ہوئی دھوپ میں آگ اگلتی ہوئی پہاڑیوں سے گذرتے ہوئے دوپہر کے وقت اطلاع دینے اُن کے گھر پہنچے،

○ حضرت ابوبکرؓ کو ہجرت کی اطلاع اور تیاری؛

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمارے غریب خانہ پر صبح و شام ہر روز تشریف لانے کا معمول تھا، لیکن ایک روز آپؐ خلافِ معمول تپتی ہوئی دھوپ میں عین دوپہر کے وقت سر پر چادر ڈالے ہوئے تشریف لائے، میرے والد یعنی حضرت ابوبکرؓ غیر وقت آنے پر گھبرا گئے، کہ خدا جانے غیر وقت کیوں تشریف لائے ہیں، گھبرا کر پوچھا: فِدَاكَ اَبِيْ وَاُمِّيْ "یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں یہ غیر وقت تشریف آوری کیسی؟

آپؐ نے فرمایا: کچھ ضروری بات کرنی ہے، گھر میں کوئی غیر آدمی ہو تو اسے ہٹا دو، حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا گھر میں صرف دو بچیاں (حضرت اسماءؓ اور حضرت عائشہؓ) ہیں، اس کے بعد آپؐ نے غیر وقت آنے کی وجہ بتائی، مجھے اللہ کی طرف سے ہجرت کا حکم مل گیا ہے، اور ابھی میرے پاس جبرئیل علیہ السلام وحی لے کر آئے تھے،

ابوبکرؓ نے عرض کیا، حضور! کیا اس خادم کو بھی اس سفر میں ساتھ چلنے کی سعادت نصیب ہو سکے گی!

آپؐ نے فرمایا، ہاں ہاں! ایسے بے وقت میں اسی لئے تو تمہیں اطلاع کرنے آیا ہوں،

یہ خوش خبری سُن کر حضرت ابوبکرؓ کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو آگئے، اور خوشی کے عالم میں عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آج کے اسی دن کے لئے اس غلام نے دو اونٹنیاں خرید کر چھوڑی ہیں، تاکہ کھا پی کر خوب فربہ ہو جائیں،

○ حضرت ابوبکرؓ کی ہجرت اور ایک خواب؛

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے کچھ حالات اُن کے اسلام لانے کے بیان میں گذر چکے، آپ نے کتنے غریب، نادار اور مظلوم مسلمان غلاموں کی امداد کی، اور ان کو غلامی سے آزاد کرایا، ایسا آدمی بھی کفار کے ظلم و ستم سے محفوظ

نہ رہ سکا، آخر مجبور ہو کر براستۂ یمن حبشہ کی طرف ہجرت کا سفر شروع کر دیا، ابھی آپ نے مکہ سے پانچ ہی میل کا فاصلہ طے کیا تھا کہ آپ کا ایک پرانا دوست ابن الدغنہ کافر جو اپنے قبیلہ کا سردار تھا اپنے ساتھ واپس مکہ لے آیا اور یہ اعلان کر دیا کہ ابوبکر میری پناہ میں ہیں، اس لئے کوئی شخص بھی ان کو کچھ نہ کہے، کفار نے ابن الدغنہ کے امان دینے پر صرف اتنا کہا کہ ابوبکر سے اتنا کہدیں کہ قرآن بلند آواز سے نہ پڑھا کریں،

آپ کا معمول تھا کہ رات کے سناٹے میں خوش الحانی سے قرآن کریم کی تلاوت فرمایا کرتے تھے، اس میں آپ کو رونا بھی آجاتا تھا، ابن الدغنہ کے اعلانِ پناہ کے بعد آپ حسب معمول رات کو اپنے مکان کے صحن کی مسجد میں نماز پڑھتے، قرآن کریم کی تلاوت کرتے، جس کو سُنکر آس پاس کی عورتیں جمع ہو جاتیں، اور بڑے ذوق وشوق سے قرآن کریم سُن کر اسلام اور قرآن کریم کی بیساختہ تعریفیں کرتیں، کافروں کو اس سے یہ فکر ہو گیا کہ ایسا نہ ہو ہماری عورتیں قابو سے باہر ہو جائیں، اس لئے ابن الدغنہ نے آپ سے کہا ذرا آہستہ قرآن پڑھا کریں، آپ نے اس کو صاف جواب دیا کہ مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا اور تم چاہو تو اپنی پناہ کا وعدہ واپس لے لو، مجھے اپنی پناہ کے لئے میرا خدا کافی ہے،

ابن الدغنہ سے معاہدہ ختم ہو جانے کے بعد آپ نے پھر ہجرت کا قصد کیا، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت چاہی، تو آپؐ نے جواب دیا: ابوبکر! ذرا صبر کرو، شاید اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے کوئی تمہارا رفیق سفر پیدا کر دے، تاریخ ابن ہشام میں یہ جواب ان الفاظ میں نقل کیا ہے: لَا تَعْجَلْ لَعَلَّ اللّٰهَ يَجْعَلُ لَكَ صَاحِبًا

حضورؐ نے یہ سُنکر ابوبکرؓ نے اپنا ارادۂ ہجرت ملتوی کر دیا اور اپنے دل میں یہ سمجھے شاید اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی میرا رفیقِ سفر بنا دیں اور مجھے خدمت کا موقع مل جائے،

○ اسی انتظار کے عالم میں آپ کو ایک خواب نظر آیا کہ آسمان سے ایک بدر کامل مکہ میں نازل ہوا جس کی روشنی سے وادیٔ بطحا کا ذرہ ذرہ چمک اٹھا، اس کے بعد یہ ماہتاب آسمان کی طرف اٹھا، اور مدینہ میں جا کر اُتر گیا، اور یثرب کی زمین کو اپنی روشنی سے جگمگا دیا، اس بدر کامل کے ساتھ بے شمار چھوٹے بڑے ستاروں نے بھی اسی طرح حرکت شروع کر دی، اور وہ بھی مدینہ پہنچ کر ٹھہر گئے، پھر وہ بدر کامل کئی ہزار ستاروں کے ساتھ ہوا پر اڑا اور مکہ مکرمہ میں آکر اترا، جس سے تمام حرم پاک منور ہو گیا، لیکن مدینہ کی زمین ویسی ہی روشن رہی جیسی اس بدر کامل کے وقت تھی، البتہ تین نو ساٹھ یا کچھ کم وبیش گھر تیرہ وتاریک نظر آنے لگے، اس کے بعد یہ چودھویں شب کا چاند واپس مدینہ روانہ ہوا، اور حضرت ابوبکرؓ کی بیٹی عائشہ صدیقہؓ کے گھر میں اُترا، یکایک زمین شق ہوئی اور چاند اس میں سما گیا، یہ خواب دیکھ کر صدیق اکبرؓ کی آنکھ کھل گئی، اور آپ نے گریہ وزاری شروع کر دی،

مصنف تاریخ اسلام لکھتے ہیں:

"درحقیقت یہ سچا خواب حضرت صدیقؓ کو آئندہ واقعات کی اطلاع کے لئے دکھایا گیا تھا کہ سیدنا

محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں سمیت مکہ سے مدینہ کی جانب ہجرت کریں گے، اور چند سال مدینہ میں رہ کر بغرض جہاد مکہ پر چڑھائی ہوگی، اور آپؐ خاطر خواہ فتح پائیں گے، مکہ دارالاسلام ہوکر نور ایمان سے منور ہوگا، لیکن سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اب اس چھوڑے ہوئے وطن کو قیام گاہ نہ بنائیں گے، بلکہ مدینہ واپس چلے جائیں گے، اور تھوڑے ہی دنوں بعد انتقال فرماکر بی بی عائشہؓ کے حجرہ میں مدفون ہوں گے۔" (تاریخ اسلام میرٹھیؒ)

درمیان میں حضرت ابوبکرؓ کی ہجرت اور خواب کا تذکرہ ضمناً آگیا تھا، اب ہم ہجرت کی تفصیلات پیش کرتے ہیں:

مختصر یہ کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ جن اونٹنیوں کو کھلا پلاکر فربہ کر رہے تھے ان میں سے ایک اپنی پسند کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قیمت دے کر خرید لی اور راتوں رات ہجرت کا پروگرام بن گیا،

کفار اپنے پروگرام کے مطابق مسلح ہوکر آپؐ کے دولت خانہ کے باہر دو طرفہ قطار باندھ کر کھڑے ہوگئے آپؐ نے حضرت علیؓ کو پہلے لوگوں کی امانتیں سپرد کیں، اور وصیت فرمائی کہ یہ امانتیں جن جن لوگوں کی ہیں ان کے سپرد کرکے مدینہ آجانا، پھر فرمایا: تم میری یہ سبز چادر اوڑھ کر میری چارپائی پر بلاخوف وخطر لیٹ جانا (ابن ہشام)

ہجرتِ مدینہ تاریخِ اسلام کا درخشاں باب ہے،

ہجرتِ مدینہ سے اسلام کا درخشاں اور روشن باب شروع ہوتا ہے، مکہ معظمہ کا تیرہؔ سالہ دورِ نبوت جس طرح پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے جاں نثار صحابہ نے گزارا اور مشرکینِ مکہ کے مظالم جس صبر واستقامت سے برداشت کئے ان کا کچھ بیان پچھلے اوراق میں گذر چکا ہے،

ایک طرف آپؐ کی تبلیغی جد وجہد کی سنہری تاریخ ہے تو دوسری طرف مشرکینِ مکہ اور کفار کے مظالم کی تاریخ کا سیاہ باب ہے، جس کو پڑھکر آپؐ کی تاریخ اور روشن نظر آنے لگتی ہے،

دشمنوں نے جب دیکھا کہ اب اسلام سرزمینِ مکہ سے باہر مدینہ میں بھی پھیلنے لگا ہے تو فکر ہوا ایسا نہ ہو کہ کسی وقت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی مکہ چھوڑکر مدینہ چل دیں، اس خطرہ کے پیش نظر آپ کے قتل کا فیصلہ کرلیا، اس فیصلہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہجرت کا حکم دیدیا، جس سے اسلام کی ترقی کا نیا اور روشن باب شروع ہوتا ہے، چنانچہ اس واقعہ کی اہمیت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ اسلامی سال اور سنہ کی ابتداء اسی واقعہ ہجرت سے کی گئی، اب جو اہلِ اسلام سنہ ہجری استعمال کرتے ہیں یہ اسی واقعۂ ہجرت کی یاد دلاتا ہے، تاکہ اس واقعہ کی یاد تازہ رہے، نبوت ملنے کے بعد آپؐ تیرہ سال مکہ معظمہ میں تبلیغ

فرماتے رہے، لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے رہے،

مشرکین مکہ آپؐ کو اور مسلمانوں کو خانۂ کعبہ میں اللہ کی عبادت سے روکتے تھے، طرح طرح کی ایذائیں پہنچاتے تھے جو اُن کی بدقسمتی تھی، اور تیرہ سال کے عرصہ میں تھوڑی سی تعداد میں لوگ ایمان لے آئے، ان کے مقابلہ میں اہلِ مدینہ تھے جنھوں نے آپؐ کی آواز پر دیوانہ وار لبیک کہا اور "انصار" کے لقب سے نوازے گئے، آپؐ کو مدینہ تشریف لانے کی دعوت دی، مکہ میں تیرہ ۱۳ سال میں اتنے مسلمان نہ ہوئے تھے جتنے ایک سال کے قلیل عرصہ میں اہلِ مدینہ حلقہ بگوشِ اسلام ہو کر اسلام کے جانباز سپاہی بن گئے،

اب ہم چند واقعات پیش کرتے ہیں جن کو پڑھ کر ناظرین خود فیصلہ کرلیں گے کہ ہجرتِ مدینہ سے اسلام کا درخشاں اور روشن باب شروع ہوتا ہے،

① ابھی آپؐ کا سفرِ ہجرت ختم بھی نہ ہوا تھا اور مدینہ آنے سے پہلے "قباء" نامی بستی میں پہنچے ہی تھے، کہ سب سے پہلے اپنے دستِ مبارک سے آزاد اسلامی حکومت میں سب سے پہلی مسجد "قباء" کا سنگِ بنیاد رکھا،

② قباء سے مدینہ منورہ روانہ ہونے کیلئے سفر شروع ہی کیا تھا کہ راستہ میں جمعہ کی نماز کا وقت ہو گیا تو آپؐ وہیں رُک گئے اور سب سے پہلا خطبہ دیا اور نمازِ جمعہ پڑھائی،

③ مدینہ پہونچ کر مسجد نبویؐ تعمیر فرمائی،

④ مکہ معظمہ میں ظہر، عصر، عشاء کی نمازوں کے دو دو فرض تھے، مدینہ میں ان نمازوں کے چار فرض کر دیئے گئے،

⑤ مدینہ پہونچ کر نمازیوں کی تعداد بڑھنے لگی اور مسجد بھی تعمیر ہو گئی، تو لوگوں کو وقتِ نماز کی اطلاع کے لئے پنجوقتہ نمازوں کے لئے اذان مشروع ہوئی،

⑥ تحویلِ قبلہ یعنی قبلہ بیت المقدس کی بجائے کعبۃ اللہ مقرر ہوا،

⑦ رمضان المبارک کے روزے فرض ہوئے،

⑧ جہاد مشروع ہوا،

⑨ زکوٰۃ فرض ہوئی،

⑩ شراب حرام کی گئی،

⑪ تیمم کا حکم نازل ہوا،

⑫ پردہ کا حکم نازل ہوا،

⑬ حج فرض ہوا،

⑭ عیدین کی نماز مشروع ہوئی ⑮ صدقۂ فطر کا حکم آیا، ان کے علاوہ اور بہت سے احکامات مشروع ہوئے،

سفرِ ہجرت کا آغاز

سنہ ۱۳ نبوی، ۲۷ ماہِ صفر بروز پنجشنبہ (جمعرات) مطابق ۱۲ ستمبر سنہ ۶۲۲ء
جمعہ، ہفتہ، اتوار، تین دن غار میں قیام،

جس زمانہ کا یہ ذکر ہے اس زمانہ میں عام طور پر یہ رواج تھا کہ اہلِ عرب گرمی کے موسم میں گھروں سے باہر چارپائیاں بچھا کر اُن پر بیٹھے حقہ پیتے رہتے یا قہوہ کا دَور چلتا رہتا یا اِدھر اُدھر کے قصے کہانیاں ہوتی رہتی تھیں، حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے وقت ایسا ہی موسم تھا، آدھی رات ہو جانے پر لوگ محوِ خواب ہو چکے تھے، دشمن جو کاشانۂ نبویؐ کا سرِ شام سے محاصرہ کئے ہوئے تھے، کھڑے کھڑے تھک گئے تھے، نیند نے اُن پر بھی اپنا سایہ ڈال دیا تھا،

اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دولت خانہ سے باہر تشریف لائے مکہ اور بیت اللہ کو حسرت بھری نگاہوں سے دیکھا، پھر فرمایا: اے شہر مکہ اور اللہ کے گھر (بیت اللہ) تو مجھے دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب ہے، اگر مجھے یہاں کے باشندے تجھے چھوڑنے پر مجبور نہ کرتے تو میں تجھے ہرگز نہ چھوڑتا، لیکن با دلِ ناخواستہ اور مجبوراً چھوڑ رہا ہوں (ترمذی شریف باب فضیلتِ مکہ)

اس کے بعد آپؐ نے سورۂ یٰسین کا ورد شروع کیا، اور ایک مشتِ خاک پر یہ آیت پڑھکر دشمنوں پر پھینک دی،

وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ۝ (سورۂ یٰسٓ)

اور ہم نے ایک آڑ اُن کے سامنے کر دی اور ایک آڑ اُن کے پیچھے کر دی جس سے ہم نے اُن کو گھیر دیا سو وہ نہیں دیکھ سکتے تھے، (بیان القرآن)

مٹی پڑتے ہی محاصرہ کرنے والے دشمن ایسے ہو گئے جیسے ان کو کلوروفارم سنگھا دیا گیا ہو، اور ان کے ہوش و حواس ایسے گم ہوئے کہ ان کو اپنا بھی ہوش نہ رہا، ایک شخص ادھر سے گذر رہا تھا جو اُن سے اور ان کے پروگرام سے واقف تھا، اُن کی یہ حالت دیکھ کر کہنے لگا تم لوگ ابھی تک یہیں کھڑے ہو، جس کے قتل کے ارادہ سے کھڑے ہو

وہ تو زندہ سلامت نکل بھی گئے،..... تم اپنی حالت نہیں دیکھتے کہ تمہارے سر خاک آلود ہیں، تمہارے سروں پر خاک وہی تو ڈال کر گئے ہیں، اس شخص کے کہنے پر ایک دوسرے کو دیکھنے لگے، اور اپنی حالت دیکھ کر خیال آیا کہ واقعی یہ شخص صحیح کہتا ہے، اس کے باوجود بھی وہیں کھڑے رہے، آخر جب آپؐ کے آنے میں خلاف معمول دیر ہوگئی، تو اس شخص کی بات یقینی معلوم ہونے لگی، اب کواڑوں کے سوراخوں سے جھانک کر دیکھنا شروع کیا، صبح ہوئی تو حضرت علیؓ بستر سے اٹھتے نظر آئے، یہ دیکھ کر تمام لوگ حیران اور ششدر رہ گئے کہ یہ تو کام ہی الٹا ہوگیا، "محمدؐ" کہاں گئے؟ ایسے سخت پہرہ میں کیسے نکل گئے؟

اپنی بے وقوفی پر غصہ سے بے قابو ہو کر حضرت علیؓ سے پوچھا: "محمدؐ" کہاں ہیں؟ یہ بھی روایت ہے کہ ان لوگوں نے ان پر راز ظاہر کرنے کے لئے بہت سختی کی، مگر انھوں نے جواب دیا: مجھے معلوم نہیں، (ابن ہشام)

غار ثور کی طرف روانگی؛

○ اُدھر آپ کفار کی آنکھوں میں خاک ڈالتے ہوئے گھر سے نکل کر سیدھے حضرت ابوبکرؓ کے مکان پر پہونچے تیاریاں پہلے ہی مکمل ہو چکی تھیں، اس لئے فوراً ہی مکان کے دروازہ کی بجائے کھڑکی سے نکل کر ابوبکرؓ کے ساتھ غار ثور کی طرف روانہ ہوگئے (ابن ہشام) یہ غارِ ثور مکہ سے تقریباً تین میل کے فاصلہ پر ہے،

اس دوران صدیق اکبرؓ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کافروں کی طرف سے بہت فکر تھا، جس کی وجہ سے کبھی آپؐ کے پیچھے چلنے لگتے کبھی آگے، آپؐ نے دریافت کیا: ابوبکر! یہ کیا بات ہے؟ کبھی آگے کبھی پیچھے؟ — تو جاں نثار ابوبکر صدیقؓ نے جواب دیا: حضور! یہ سب اس لئے ہے کہ کوئی دشمن تلاش کرتا ہوا اِدھر نہ آجائے، اور خدانخواستہ آپؐ کو تکلیف پہونچ جائے، آپؐ نے کہا: ابوبکر! کیا تم یہ چاہتے ہو کہ تم قتل ہو جاؤ اور میں بچ جاؤں؟ تو جواب دیا: ابوبکر جیسی ہزاروں جانیں آپؐ پر قربان ہو جائیں تب بھی کوئی حقیقت نہیں،

غار ثور کی صفائی؛

بیت ابی بکرؓ کی کھڑکی سے دونوں حضرات پیدل روانہ ہو کر "جبل ثور" پر پہنچے، پہلے حضرت ابوبکرؓ نے غار میں داخل ہو کر جائزہ لیا، پھر اپنی چادر سے صفائی کی، اس کے بعد وہ سوراخ جو زہریلے جانوروں کا مسکن بنے ہوئے تھے اپنی چادر پھاڑ کر بند کئے، حتیٰ کہ چادر ختم ہوگئی، اور ایک سوراخ باقی رہ گیا، سوچا پہلے حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بلاؤں آپؐ کو آرام کے لئے لٹا کر اس کو پاؤں سے بند کر لوں گا، اندر بلا کر صدیق اکبرؓ نے عرض کیا، یا رسول اللہ! آپ ذرا تھوڑی دیر آرام فرمالیں تاکہ کچھ تھکان دور ہو جائے، آپؐ ان کے زانو پر سر مبارک رکھ کر لیٹ گئے، ابوبکرؓ نے سوراخ کو اپنے پاؤں سے بند کر لیا، یہ سوراخ کسی زہریلے سانپ کا بل تھا جو منہ بند ہونے کی وجہ سے گھبرا گیا، اور اس نے حضرت صدیقؓ کے پاؤں میں کاٹ لیا، اس کے باوجود حضرت ابوبکرؓ بے حس و حرکت بیٹھے رہے، کہ اگر ذرا ہلا تو حضورؐ کے آرام

میں خلل پڑے گا، آپ کی نیند اُچاٹ ہو جائے گی، یہ تھا حضورؐ کا ادب و احترام، آخر تکلیف اتنی بڑھی کہ آپ کی آنکھوں سے آنسو نکل کر چہرۂ انور پر گر گئے، آنسوؤں کی گرمی کی وجہ سے آپؐ کی آنکھ کھل گئی، پوچھا ابوبکرؓ! کیا بات ہے؟ انھوں نے جواب دیا حضورؐ! کسی زہریلے جانور نے پاؤں میں کاٹ لیا ہے، آپؐ نے تکلیف کی جگہ اپنے دہن مبارک کا لعاب لگا دیا، لعاب کیا تریاق تھا، اسی وقت ایسا آرام ہو گیا جیسے کچھ ہوا ہی نہ تھا،

یہ غار پہاڑ کی بلندی پر ایک بھاری چٹان ہے، جس میں داخل ہونے کا صرف ایک راستہ تھا وہ بھی ایسا تنگ کہ انسان کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر اس میں گھس نہیں سکتا، صرف لیٹ کر داخل ہونا ممکن تھا، اس راستہ سے لیٹ کر پہلے ابوبکرؓ داخل ہوئے، پھر حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم،

○

کفار کی طرف سے سو اونٹ کے انعام کا اعلان

○ مشرکین کی جماعت میں کھلبلی ○ آپ کا تعاقب ○ غار ثور تک رسائی ○ نصرتِ خداوندی،

جب آپؐ کفار کی آنکھوں میں خاک ڈال کر زندہ سلامت نکل گئے تو کفار میں صفِ ماتم بچھ گئی کہ کیسے گئے کہاں گئے؟ ہر آدمی اپنے دل میں نادم اور غصہ میں بھرا ہوا تھا، نادم تو اس لئے کہ ہم نے اتنی تدبیریں کیں مگر منہ کی کھانی پڑی، غصہ اس لئے کہ آپؐ زندہ نکل گئے، پھر شرمندگی مٹانے کے لئے چاروں طرف تلاش کے لئے نکل کر پھیل گئے، اس میں بھی ناکام رہے تو اعلان کیا جو شخص آپ کو قتل کر دے گا یا زندہ گرفتار کرلائے گا تو اس کو سو اونٹ انعام میں ملیں گے،

○ اُدھر کفار کی ایک جماعت جس میں ابوجہل بھی تھا، تلاش میں حضرت ابوبکرؓ کے مکان پر پہونچی، کہ شاید حضرت ابوبکرؓ کے مکان پر ہوں، حضرت اسماء بنت ابوبکرؓ کا بیان ہے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور میرے والد روانہ ہو گئے، کچھ دیر بعد ابوجہل اور اس کے ساتھ کچھ اور کافر ہمارے گھر پر آئے اور مجھ سے پوچھا، تیرا باپ کہاں ہے؟ حضرت اسماء نے جواب دیا، بخدا مجھے معلوم نہیں، یہ جواب سُنکر ابوجہل کو اتنا غصہ آیا کہ میرے چہرہ پر ایسے زور سے طمانچہ مارا کہ میرے کان کی بالی ٹوٹ کر گر گئی، (ابن ہشام، ابن سعد)

○ کفار نے آپؐ کی تلاش کی مہم میں ایک ایسے شخص کو اور ساتھ لیا جو نشانہائے قدم کو دیکھ کر پہچان لیتا تھا، کہ یہ فلاں شخص کے قدموں کے نشان ہیں، اس کو اہلِ عرب اپنی اصطلاح میں "قائف" کہا کرتے تھے، اس نے غارِ ثور تک تو نشاناتِ قدم کی شناخت کی، مگر آگے کچھ پتہ نہ چل سکا، بعض حضرات نے لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اسی خطرہ کے پیشِ نظر آپؐ کو اپنے کاندھوں پر اُٹھا کر غار تک لے گئے، اسی لئے آگے وہ پہچان نہ سکا، ادھر خدا کی قدرت

دیکھے کہ غار کے منہ پر مکڑی نے جالا تن دیا، اور جنگلی کبوتر نے انڈے دیدیئے، یہ کیفیت دیکھ کر سب نے "قالف ہم" جھٹلانا شروع کر دیا، اور کہنے لگے یہ مکڑی کا جالا تو "محمد" (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ولادت سے بھی پہلے کا معلوم ہوتا ہے،

حضرت ابوبکرؓ کی یہ نیکی اتنی بڑی اور اہم تھی کہ حضرت عمر فاروقؓ ابوبکرؓ سے کہا کرتے تھے، ابوبکرؓ اپنی ایک عبادت مجھے دیدیں اور بدلہ میں میری تمام عبادت لے لیں، ابوبکرؓ کی یہی تو وہ جاں نثاری اور فداکاری ہے جس کی وجہ سے صحابہ کرامؓ کی جماعت میں سب سے اونچا مقام حاصل ہوا، اور یہ فداکاری صرف آپ تک محدود نہ تھی، بلکہ آپ کے اہل وعیال تک اسی نشہ سے سرشار تھے، جیسا کہ آگے اُن کے متعلقین کی خوش قسمتی کے زیرِ عنوان بیان کیا گیا ہے،

حضرت ابوبکرؓ اور اُن کے متعلقین کی واقعۂ ہجرت میں خدمات

اس مقدس سفر میں جن لوگوں نے خاموش خدمات انجام دیں ان میں حضرت ابوبکرؓ کے خاندان کا نام سرفہرست ہے، چنانچہ اس واقعہ میں سب سے اہم اور ذمہ داری کی بات یہ تھی کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے پائے، اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ کی صاحبزادیوں کی خدمات پڑھئے،

○ حضرت اسماءؓ اور حضرت عائشہؓ کی خدمات،

حضرت صدیق اکبرؓ کی یہ دونوں صاحبزادیاں جنھوں نے اپنے کانوں سے تمام باتیں سنیں اور آنکھوں سے دیکھتی رہیں اپنے ہاتھوں سے سامانِ سفر تیار کیا، پھر عورت ہوتے ہوئے ان باتوں کو پردۂ راز میں رکھا، یہ بہت بڑی سبق آموز بات ہے، حتیٰ کہ ابوجہل نے حضرت اسماءؓ سے بدتہذیبی اور انسانیت وتہذیب سے گری ہوئی یہ حرکت کی کہ منہ پر اتنے زور سے طمانچہ مارا کہ کان کی بالی ٹوٹ کر گر گئی، پھر بھی ان حضرات کی رازداری راز ہی میں رہی،

(ابن ہشام)

○ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: ہم نے جلدی جلدی سفر کا سامان تیار کیا، اور چمڑے کے تھیلہ میں بھر دیا، مگر اس کا منہ بند کرنے اور لٹکانے کے لئے تسمہ نہ تھا، حضرت عائشہؓ کی بڑی بہن حضرت اسماءؓ نے اپنی کمر میں باندھنے کے کپڑے (نطاق) کے دو ٹکڑے کر کے ایک حصہ سے تھیلہ کا منہ باندھا اور اسی میں سے لٹکانے کا تسمہ بھی بنا لیا اور دوسرا حصہ اپنی کمر میں باندھ لیا، اس مخلصانہ عمل کی وجہ سے آپ کا خطاب ذات النطاقین مشہور ہو گیا، (بخاری)

○ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو صحابۂ کرام کی جماعت میں یہ شرف حاصل ہے کہ ان کے خاندان کی چار نسلیں تک صحابی ہیں، آپ کے والد ابوقحافہ ہجرت کے وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، اور فتح مکہ کے وقت اسلام لائے ہیں، یہ ہجرت کے وقت نابینا تھے، جب اُن کو معلوم ہوا کہ میرا بیٹا ابوبکرؓ ہجرت کر کے مدینہ چلا گیا تو اپنی پوتیوں کے پاس آئے اور افسوس ظاہر کرتے ہوئے دریافت کیا: تمہارا باپ ابوبکرؓ کچھ تمہارے لئے بھی چھوڑ گیا ہے؟

برا خیال تو یہ ہے کہ وہ سب مال و دولت ساتھ لے گیا ہوگا،

حضرت اسماءؓ نے جواب دیا: دادا جان! وہ تو ہمارے لئے بہت سارا مال چھوڑ گئے ہیں، ابو قحافہ اس جواب سے مطمئن نہیں ہوئے، تو حضرت اسماءؓ نے جہاں رقم رکھی رہتی تھی ایک تھیلی میں کنکریاں بھر کر رکھ دیں اور دادا کا ہاتھ پکڑ کر تھیلی پر رکھ دیا، کہ دادا دیکھیں اتنی رقم ہمارے لئے چھوڑ گئے ہیں، (سیرۃ مبارکہ ج ۱ ص ۱۹۲)

یہ واقعہ ہم نے اس لئے یہاں پر لکھ دیا کہ یہ ہجرت کے موقع پر پیش آیا تھا جس سے حضرت ابوبکرؓ کے خاندان کا توکل اور اعتماد علی اللہ، اسلام اور حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق کا اندازہ ہوتا ہے،

○ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ تین دن غارِ ثور میں مقیم رہے، حضرت اسماءؓ روزانہ کھانا پکا کر شام کو غار میں دے آتیں، (ابن ہشام)

آفریں ہو اُن کی جرأت و حوصلہ پر کہ ہر طرف کفار کے جاسوس تلاش کرتے پھرتے تھے، مگر عورت ہوتے ہوئے ذرہ برابر بھی ڈر محسوس نہ کیا، پھر غارِ ثور کی چڑھائی جس پر چڑھنے کی ہر آدمی ہمت بھی نہیں کر سکتا، حج پر جانے والے حضرات جانتے ہیں کہ اس پہاڑ پر چڑھنا ہمت و حوصلہ کی بات ہے،

○ حضرت ابوبکرؓ جب اسلام لائے تھے تو اپنی ساری رقم (تقریباً چالیس ہزار درہم) خدمتِ نبوی میں پیش کر دی تھی، کہ دین کی نشر و اشاعت میں جہاں چاہیں جیسے چاہیں صرف کریں، اب ہجرت کے وقت بھی ۶ ہزار کے قریب رقم ساتھ لے لی، تاکہ سفر میں وقتِ ضرورت کام آئے، اور حضورؐ کو ذرہ برابر تکلیف نہ ہونے پائے،

○ حضرت عبداللہ بن ابی بکر کا حالات سے باخبر رہنے کے لئے مکہ میں قیام؛

حضرت عبداللہ بن ابی بکرؓ بڑے ہوشیار اور سمجھدار صاحبزادے تھے، ان کو حضرت ابوبکرؓ نے مکہ میں چھوڑ دیا، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہجرت کے بعد دن بھر مشرکینِ مکہ کے تاثرات سنتے رہیں، اور یہ لوگ حضورؐ کے خلاف جو منصوبے بنائیں اُن کی خبر رکھیں، اور رات کو غارِ ثور پر آکر ساری روئداد سنائیں، یہ دن بھر کی روئداد رات کو جا کر سنا دیا کرتے، رات بھر غار پر رہ کر صبح سویرے واپس مکہ پہنچ جاتے، کفار کو رات بھر کی عدم موجودگی کا احساس تک نہ ہوتا،

○ حضرت عامر بن فہیرہ؛

یہ حضرت ابوبکرؓ کے آزاد کردہ غلام تھے، حضرت ابوبکرؓ نے اُن کے ذمہ یہ خدمت رکھی تھی کہ جب اندھیرا ہو جائے تو بکریاں لے کر غار پر پہونچ جایا کریں، یہ دن بھر بکریاں چراتے رہتے، اور رات کو غار پر پہونچ جاتے، اور دودھ نکال کر خدمت میں پیش کر دیتے، اس کے بعد بکریاں لے کر مکہ واپس آجاتے، (ابن ہشام) اور بکریوں کے ریوڑ سے غار پر آنے جانے والوں کے نشاناتِ قدم مٹا دیتے، تاکہ تعاقب کرنے والے کفار کو پتہ نہ چل سکے کہ کون آیا کون گیا؛

○ عبداللہ بن اریقط:

یہ کافر تھا، اس سے حضرت ابوبکرؓ نے غیر معروف راستہ سے (جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے متعین فرمایا تھا) لے چلنے کا خفیہ معاہدہ کرلیا تھا، معاہدہ کے بعد دونوں اونٹ جو ہجرت کے سفر میں کام آنے کے لئے پالے تھے اس کے حوالہ کردیئے، اور اسے یہ ہدایت کردی کہ تین دن بعد اونٹ لے کر غار پر پہونچ جائے، کافر ہوتے ہوئے اس نے معاہدہ کا اتنا پاس کیا کہ اپنی برادری یعنی مشرکین کو کانوں کان خبر نہ ہونے دی، اور وقت مقررہ پر غار پر پہونچ گیا، اس کافر کو اجرت دے کر بطور ملازم رکھا تھا، ابوبکرؓ کے خاندان کی ان خدمات پر صرف یہی کہا جاسکتا ہے ع

این سعادت بزور بازو نیست ؛ تانہ بخشد خدائے بخشندہ

کفار کی غار پر رسائی، ابوبکرؓ کی گھبراہٹ، نبیؐ کی طرف سے تسلی کی تلقین

مشرکین کو ایک تو ان حضرات کے زندہ سلامت نکل جانے کا افسوس تھا، دوسرے اتنے سخت پہرہ میں حضورؐ کا نکل جانا اس پر ان لوگوں کو شرمندگی تھی کہ لوگ ہمیں طعنہ دیں گے کہ تم اتنے آدمی "محمدؐ" کا کچھ نہ بگاڑ سکے، اب کیا کرسکتے ہو؟ اسی لئے پکڑنے والے کے لئے سو اونٹ انعام کا اعلان کیا تھا، چنانچہ نام اور انعام کے لالچ میں کافر لوگ تلاش کرتے پھرتے تھے، حتیٰ کہ تلاش کرتے کرتے غارِ ثور پر بھی پہونچ گئے، اور غار کے سوراخوں میں سے چلتے پھرتے ایسے نظر آتے تھے کہ اگر وہ نیچے دیکھ لیں تو دونوں حضرات نظر آجائیں، حضرت ابوبکرؓ کو اپنا تو فکر نہ تھا لیکن حضورؐ کا اتنا فکر تھا کہ غار میں داخل ہونے سے پہلے اسی گھبراہٹ کے عالم میں کبھی آگے کبھی پیچھے چلنے لگتے، غار میں بھی یہی فکر تھا، چنانچہ آپ نے حضورؐ سے عرض کیا، یا رسول اللہؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر ان میں سے کوئی نیچے کی طرف دیکھ لے تو یقیناً ہم کو دیکھ لیں گے، آپ نے تسلی دیتے ہوئے ابوبکرؓ سے فرمایا لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا اللہ تعالیٰ نے اس غار میں اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک پر ایک خاص قسم کی کیفیت سکون و اطمینان اور آپؐ کی برکت سے حضرت ابوبکرؓ کے قلب پر نازل فرمایا، قرآن پاک کی اس آیت میں اس کا ذکر فرمایا گیا ہے:

اِلَّا تَنْصُرُوْہُ فَقَدْ نَصَرَہُ اللّٰہُ اِذْ اَخْرَجَہُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْ ھُمَا فِی الْغَارِ اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِہٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا ج فَاَنْزَلَ اللّٰہُ سَکِیْنَتَہٗ عَلَیْہِ وَاَیَّدَہٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْھَا	"اگر تم مدد نہ کروگے رسول کی تو یاد رکھو اللہ ان کی اس نازک وقت میں مدد کرچکا ہے جب کافروں نے ان کو اس حال میں جلاوطن کیا تھا کہ دو شخصوں میں سے وہ ایک تھے جس وقت یہ دونوں غار (ثور) میں تھے اس وقت یہ پیغمبرؐ اپنے ساتھی سے فرمارہے تھے

وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ؕ وَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ (پ۱۰، ع ۱۲)

کہ کچھ غم نہ کر، یقیناً اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے، پھر اللہ نے اپنے پیغمبرؐ پر تسکین نازل فرمائی، اور اپنے پیغمبرؐ پر مدد ایسے لشکروں سے فرمائی جن کو تم نے نہیں دیکھا، اور اللہ نے کافروں کی بات نیچی کردی، اور سدا (ہمیشہ) اللہ ہی کی بات بلند رہتی ہے، اور اللہ کمال قوت اور کمال علم کا مالک ہے۔ (کشف الرحمٰن)

اس وقت حق تعالیٰ نے ایک خاص قسم کی کیفیت سکون واطمینان حضورؐ کے قلبِ مبارک پر اور آپؐ کی برکت سے ابوبکرؓ کے قلب پر نازل فرمائی، اور فرشتوں کی فوج سے حفاظت وتائید کی، یہ اسی تائید غیبی کا کرشمہ تھا کہ مکڑی کا جالا جسے "اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ" بتلایا ہے بڑے بڑے مضبوط ومستحکم قلعوں سے بڑھ کر ذریعۂ تحفظ بن گیا (فوائد عثمانی)

حدیثِ پاک میں ہے کہ اس وقت آپؐ نے ابوبکر صدیقؓ سے فرمایا: مَا ظَنُّكَ يَا اَبَا بَكْرٍ بِاثْنَيْنِ اللّٰهُ ثَالِثُهُمَا (بخاری کتاب التفسیر) "کہ اے ابوبکرؓ! ان دونوں کے متعلق تمہارا کیا گمان ہے جن کا تیسرا اللہ ہے"

غارِ ثور سے مدینہ روانگی کے واقعات

تیسرے دن حسبِ معاہدہ عبداللہ بن اریقط اونٹنیاں لے کر غار پر پہنچ گیا، ایک اونٹ پر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہوئے، دوسرے پر حضرت ابوبکر صدیقؓ اور ان کے ساتھ عامر بن فہیرہ، اور اپنی اونٹ پر عبداللہ بن اریقط سوار ہو کر آگے آگے راستہ بتلاتے ہوئے روانہ ہوا،

سعودی حکومت نے مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ تک اب اسی راستہ سے سڑک بنائی ہے اور اس کا نام "شارع ہجرہ" رکھا ہے، ۱۴۰۵ھ سے حجاج کی آمد ورفت اسی سڑک سے شروع ہوگئی ہے، یہ بھی ایک تاریخی کارنامہ ہے،

غار سے یکم ربیع الاوّل مطابق ۱۶ ستمبر ۶۲۲ء بروز دوشنبہ (پیر) کو روانہ ہو کر ۸ ربیع الاول مطابق ۲۳ ستمبر بروز پیر مقامِ قبا پہنچے، (قبا کو پرانا مدینہ بھی کہا جاتا ہے) یہ مسجد نبویؐ سے تقریباً تین میل کے فاصلہ پر ہے، اور آجکل بڑا پُر فضا مقام ہوگیا ہے،

○ امِ معبد کے خیمہ میں آرام؛

غار سے نکل کر مدینہ کے لئے قافلہ روانہ ہوا، راستہ میں بھوک پیاس کا غلبہ ہوا تو ایک خوش نصیب

خاتون اُم معبد کی قسمت کا ستارہ چمکا، اُن کے مکان یا خیمہ پر نظر پڑی، عرب کی مہمان نوازی مشہور ہے، یہ خاتون مسافروں کی پانی وغیرہ سے تواضع کرنے میں مشہور تھیں، قافلۂ نبویؐ نے دریافت کیا کہ تمہارے پاس گوشت، کھجور یا اور کوئی کھانے پینے کی چیز ہے؟ تو انھوں نے انکار کیا اور عرض کیا اگر کوئی چیز موجود ہوتی تو آپ حضرات کے دریافت کرنے سے پہلے ہی پیش کر دیتی،

○ خیمہ میں کھڑی ہوئی خشک بکری سے دُودھ نکالنے کا معجزہ؛

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ خیمہ میں ایک طرف کو کھڑی ہوئی بکری پر پڑی، آپ نے دریافت کیا: یہ بکری کیسی اور کیوں کھڑی ہے؟ اُم معبدؓ نے جواب دیا یہ دُبلی اور کمزور ہے، ریوڑ کے ساتھ جانے کے قابل نہیں، اس لئے کھڑی ہے، آپؐ نے فرمایا: اجازت ہو تو ہم اسے دوھ لیں، یعنی دُودھ نکال لیں؟ اُم معبدؓ نے جواب دیا اگر آپ اس مُردار بکری سے دودھ نکال سکتے ہوں تو میری طرف سے اجازت ہے، آپؐ نے بسم اللہ پڑھکر اس کے تھنوں پر ہاتھ رکھا، تھن دودھ سے بھر گئے، اس کے بعد آپؐ نے برتن میں دودھ دوہا، وہ برتن دودھ سے اتنا بھرا کہ نیچے گرنے لگا، ام معبد تعجب سے کبھی ان ہستیوں کو دیکھتیں کہ یہ کون فرشتے آگئے کبھی اپنی کمزور بکری کو دیکھتیں، آپؐ نے پہلے اُم معبد کو دودھ پلایا، انھوں نے خوب پیٹ بھر کر پیا، پھر اہلِ قافلہ کو پلایا پھر خود پیا، دوسری مرتبہ پھر دودھ نکال کر ساتھیوں کو پلایا، اس کے بعد آپؐ نے پھر تیسری مرتبہ دودھ نکالا اور برتن بھر کر اُم معبد کے حوالہ کر دیا، اور قافلہ اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گیا،

شام کے وقت اُم معبد کے شوہر ابو معبد بکریاں چرا کر گھر واپس آئے تو اپنے مکان میں عجیب رونق محسوس کی، نگاہ اٹھا کر دیکھا تو برتن دودھ سے لبریز پائے، اور تعجب سے اپنی زوجہ سے دریافت کیا یہ کیا ماجرا ہے؟ بیوی نے تمام واقعہ سُنایا، شوہر نے مہمانوں کا حُلیہ دریافت کیا تو اُم معبد نے تمام حُلیہ بیان کر دیا، یہ تمام حالات سُنکر ابو معبد فوراً سمجھ گیا کہ یہ وہی خدا کی برگزیدہ ہستی معلوم ہوتی ہے جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نام نامی سے مشہور ہیں، اور جن کے نام سے تمام سرزمینِ حجاز گونج رہی ہے،

اس کے بعد ابو معبد اپنی بیوی سے افسوس کرتے ہوئے کہنے لگا، ہائے افسوس! اور میری قسمت کہ میں آپؐ کی تشریف آوری کے وقت موجود نہ تھا، اگر موجود ہوتا تو آپؐ کی قدمبوسی کا شرف حاصل کرتا، خاطر و مدارات کرتا، اور آپؐ کے غلاموں کی صف میں شامل ہو کر راہِ نجات پاتا، مورخین نے لکھا ہے اس واقعہ کے چند روز بعد ابو معبد مدینہ حاضر ہو کر اسلام لے آئے

○ پہاڑ کی چٹان کے سایہ میں آرام؛

غار سے روانہ ہوئے سفر کا دوسرا دن تھا، سخت گرمی کا زمانہ تھا، سورج کی تپش سے بچاؤ کے لئے حضرت

ابوبکرؓ نے ایک پہاڑ کی چٹان کے نیچے جگہ صاف کرکے اپنی چادر بچھادی، اور حضورؐ سے درخواست کی کہ کچھ دیر حضورؐ یہاں آرام فرمائیں، اس کے بعد آپ کھانے پینے کی چیز کے لئے اِدھر اُدھر دیکھنے لگے تو سامنے بکریوں کا ایک ریوڑ نظر پڑا، چرواہے سے بات کی، اُس سے بکری کے تھن دُھلوا کر صاف کئے، پھر دودھ نکالا اور لسی بنا کر خدمتِ نبویؐ میں پیش کی، آپؐ نے پی، پھر ابوبکرؓ نے پی، (بخاری) اس کے بعد آگے سفر شروع کیا،

○ سراقہ کا آپ کے تعاقب میں پہونچنا،

کفار تین روز تک آپ کو تلاش کرتے کرتے تھک گئے تو اُن کی مہم سُست پڑ گئی، آپؐ کا قافلہ عام راستہ چھوڑ کر سمندر کے کنارے کنارے چلا جارہا تھا کہ سراقہ بن مالک بن جُعشم کو سَو اونٹوں کے انعام کے لالچ میں جوش آیا اور آپؐ کے تعاقب میں گھوڑا دوڑاتا ہوا آپؐ کے قریب پہنچ گیا، اس واقعہ کی تفصیل خود سراقہ کی زبانی بخاری شریف میں تفصیل سے بیان کی ہے ہم اس کا خلاصہ اپنے الفاظ میں پیش کرتے ہیں،

○ سراقہ کا بیان ہے کہ میں ایک چوپال میں بیٹھا ہوا تھا، کہ کچھ آدمی آئے اور کہنے لگے ہمیں سمندر کے کنارے کچھ آدمیوں کا سایہ نظر پڑا ہے ہمارے خیال میں یہ لوگ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے ساتھی تھے سراقہ کا بیان ہے کہ ان لوگوں کی گفتگو سے میرے ذہن میں بھی یہ بات آئی کہ ان لوگوں کی بات صحیح معلوم ہوتی ہے مگر اس خیال سے کہ انعام میں ہی حاصل کروں ان لوگوں کی بات یہ کہکر رَد کردی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے ساتھی اب کہاں بلکہ ابھی ابھی فلاں آدمی ادھر سے گذرے ہیں، میرے خیال میں تم لوگ اُن کے دھوکہ میں اُن کو محمدؐ اور ان کے ساتھی سمجھ بیٹھے،

سراقہ کا بیان ہے کہ میری یہ بات سُنکر وہ لوگ خاموش ہوگئے، تھوڑی دیر بعد میں وہاں سے خاموشی سے اُٹھا، اپنے گھر پہونچا اور باندی سے گھوڑا ٹھیک کرنے کو کہا، اس کے بعد نیزہ وغیرہ لے کر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے تعاقب میں سمندر کے کنارے والے راستہ پر روانہ ہوگیا، حتیٰ کہ گھوڑا دوڑاتے ہوئے حضورؐ کے قریب پہونچ گیا، حضرت ابوبکر صدیقؓ کی نظر پڑی تو گھبرا کر بولے: یارسول اللہؐ ہم پکڑ گئے، آپؐ نے بڑے اطمینان وسکون کے ساتھ فرمایا: لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیغمبرانہ اطمینان وسکون سے ابوبکرؓ کو تسلی دیتے ہوئے اللہ کے حضور دعا فرمائی: یا اللہ! ہمیں سراقہ کے شر سے بچا، پھر اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو کس معجزانہ طریقہ پر بچایا وہ بھی سراقہ کی زبانی پڑھ لیجئے:

سراقہ کا بیان ہے میں (اپنے خیالِ خام میں) یہ سمجھا کہ میں کامیاب ہوگیا، کہ دفعۃً میرے گھوڑے کے ٹھوکر لگی، اور وہ گھٹنوں تک زمین میں دھنس گیا، اور میرے ہوش وحواس ایسے گم ہوئے کہ اپنی جان کے

لالے پڑ گئے، اسی پریشانی کے عالم میں میرے دل میں خیال آیا کہ یہ سب کچھ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بددعا کا اثر ہے کہ میں اور میرا گھوڑا دونوں زندہ درگور ہو رہے ہیں، اس کے بعد میں نے حضورؐ سے عرض کیا حضورؐ! مجھے معاف کر دیں، آئندہ ایسی گستاخی نہ کروں گا، رحمۃ للعالمینؐ نے فوراً معاف فرما دیا، تو گھوڑے کو نجات ملی، اور میری جان میں جان آئی،

○ مگر اس کے سر پر تو سو گھوڑوں کے انعام کا لالچ سوار تھا، اس لئے دوبارہ پھر آپ کے پیچھے دوڑا، خدا کی قدرت سے پھر وہی کیفیت ہو گئی، اس مرتبہ گھوڑا اچانک زمین میں دھنس گیا، اب تو سراقہ بڑا ہی شرمندہ ہوا، پھر توبہ کی اور معافی کا خواستگار ہوا، رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر معاف کر دیا، اس مرتبہ سراقہ عقیدتمندانہ طریقہ پر آپ کے سامنے کھانے پینے کا کچھ توشہ لے کر کھڑا ہوا اور عرض کیا اس میں سے کچھ قبول فرمالیں، لیکن آپؐ نے انکار کر دیا، اور فرمایا یہ وعدہ کرو کہ ہمارے متعلق کسی سے کچھ نہ کہے گا، اس نے وعدہ کیا کہ حضورؐ کسی کو کانوں کان بھی خبر نہ ہوگی (ابن ہشام)

○ پروانۂ امن کی درخواست:

اپنے اوپر گذری ہوئی حالت سے سراقہ یہ سمجھ گیا کہ ایک دن آپؐ کو عروج حاصل ہو کر رہے گا، اور آپؐ کے دشمن ذلیل وخوار ہوں گے، اس لئے اُس نے عرض کیا کہ حضورؐ! میری ایک درخواست ہے کہ مجھے ایک تحریر امن ومعافی کی لکھدیں تاکہ وقتِ ضرورت کام آئے، اس کے بعد آپ کے حکم سے عامر بن فہیرہؓ نے ایک ہڈی کے ٹکڑے پر پروانۂ امن وسلامتی لکھ کر دیدیا، یہ پروانہ لے کر بڑا خوش خوش واپس ہو گیا، پھر تو راستہ میں اگر کوئی آپؐ کی تلاش میں آنے والا ملتا تو اس کو یہ کہکر واپس کر دیتا کہ اِدھر کچھ نہیں میں دور دور تک دیکھ آیا ہوں، اب تمھارا جانا بے سود ہے، (خلاصہ از بخاری)

گویا حضرت انسؓ کے الفاظ میں صبح کو جو دشمن تھا وہ شام کو محافظ بن گیا (سیرۃ مبارکہ بحوالہ بخاری)

○ سراقہ کو بشارت:

سراقہ جب واپس ہونے لگا تو نبی اکرم جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: سراقہ! اس وقت تیری کیا شان ہوگی جب تیرے ہاتھوں میں کسریٰ کے شاہی کنگن پہنائے جائیں گے، سراقہ جنگِ احد کے بعد مسلمان ہوا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں جب مدائن فتح ہوا اور کسریٰ کا تاج اور مرصع زیورات فاروق اعظمؓ کے سامنے پیش ہوئے تو آپ نے سراقہ کو بلایا اور اس کے ہاتھوں میں کسریٰ کے کنگن پہنائے اور فرمایا اَللّٰہُ اَکْبَرُ اللہ کی کتنی بڑی شان ہے کہ کسریٰ کے کنگن سراقہ اعرابی کے ہاتھوں میں پہنا دیئے،

(رحمۃ للعالمینؐ ج ۱)

○ سراقہ کے گھوڑے کا زمین میں دھنسنا یہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کھلا اور صاف معجزہ تھا اور یہ اس معجزہ کے مشابہ ہے جیسے قارون کے لئے موسیٰ علیہ السلام نے خدا سے دعا کی، تو وہ زمین میں دھنس گیا، فرق صرف اتنا ہے کہ قارون کو زمین نے نگل لیا، کیونکہ وہ موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ کرتا رہا اور حق کو قبول نہ کیا اور سراقہ کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تو فوراً معافی کے خواستگار ہوئے، یہاں تک کہ ایمان کی دولت سے مالا مال ہو کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں میں شامل ہو گئے،

○ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تجارتی غرض سے شام آتے جاتے رہتے تھے، اس وجہ سے راستہ میں آباد قبائل کے شیوخ سے اُن کی جان پہچان تھی، اس سفر میں آپ کے ساتھ ایک نورانی صورت ہستی کو دیکھ کر وہ شیوخ آپ سے دریافت کرتے یہ کون بزرگ ہیں؟ تو آپ جواب میں فرماتے: هٰذَا الرَّجُلُ يَهْدِيْنِي الطَّرِيْقَ" کہ یہ بزرگ مجھے راستہ بتاتے اور میری رہنمائی کرتے ہیں، (ان الفاظ کو سُنکر عام آدمی تو یہ سمجھتا کہ آپ راستہ بتلانے والے ہیں لیکن حضرت ابوبکرؓ کی مراد یہ ہوتی تھی کہ آپ میرے دین و دنیا کے ہادی و رہنما ہیں،

○ حضرت زبیر بن العوام کی ملاقات؛

حضرت زبیرؓ حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ کے شوہر ہوتے ہیں، یہ تجارتی سلسلہ میں ملکِ شام گئے ہوئے تھے واپس ہو رہے تھے اُن کے ساتھ کچھ اور صحابہ کرام بھی تھے، ان حضرات کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی، زیارت سے مشرف ہوئے، حضرت زبیرؓ نے سفید کپڑے کا ایک جوڑا آپ کی خدمت میں اور ایک صدیق اکبرؓ کو پیش کرنے کی سعادت حاصل کی، مدینہ کے قریب جب آپ پہنچے تو ایک ایک جوڑا حضرت طلحہؓ نے بھی پیش کرنے کی سعادت حاصل کی،

○ بریدہ اسلمی اور ان کے ستر ساتھیوں کا اسلام قبول کرنا؛

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ معظمہ سے روانہ ہونے اور کفار کی طرف سے ستر اونٹوں کے انعام کا اہلِ مدینہ کو علم ہو چکا تھا، جس کی وجہ سے انصارِ مدینہ بڑے متفکر تھے، اِدھر بریدہ اسلمی ستر آدمیوں کا ایک دستہ لئے ہوئے مدینہ سے باہر کھڑا ہوا تھا، تاکہ جب آپؐ یہاں پہونچیں تو گرفتار کر کے مشرکینِ مکہ کے حوالہ کر کے انعام حاصل کروں، لیکن جس وقت آپ کے چہرۂ انور پر اس کی نگاہ پڑی تو ایسا مرعوب ہوا کہ ایک قدم بھی آگے نہ بڑھا سکا، بڑی ہمت کر کے دریافت کیا کہ آپؐ کا اسمِ مبارک؟ آپؐ نے جواب دیا، محمد بن عبداللہ رسول اللہ" خدا جانے آپؐ کے ان الفاظ میں کیا اثر تھا کہ فوراً بلند آواز سے کلمہ پڑھنے لگا،

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ ط کلمہ پڑھکر اپنے سر کا عمامہ اُتار کر نیزہ پر لٹکا لیا، اور جھنڈے کی جگہ لہراتے ہوئے آگے آگے یہ کہتا ہوا چلنے لگا کہ امن و صلح کے بادشاہ،

دنیا کو عدالت و انصاف کا گہوارہ بنانے والے نبی تشریف لے آئے ہیں،

مدینہ میں استقبال کی تیاریاں،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کی خبر اہلِ مدینہ یعنی انصار کو مل چکی تھی، اس لئے ہر فرد آپ کی تشریف آوری کا بڑی بے چینی سے منتظر تھا، تاکہ آپ کی شایانِ شان استقبال کیا جاسکے، اسی شوق و محبت میں ہر روز صبح سویرے، مرد و عورت، بچے بڑے بوڑھے اور نوجوان مدینہ سے باہر مسافروں کے آنے کے راستہ پر جاکر آپ کی قدمبوسی کے لئے کھڑے ہوجاتے اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا کرتے کہ شاید آپ کی سواری آرہی ہو، آپ کی آمد کی خبر سے تمام انصار اتنے خوش نظر آتے تھے کہ اتنی خوشی کسی شادی بیاہ کی بھی نہیں ہوتی، کیونکہ شادی کی خوشی وقتی اور عارضی ہوتی ہے، اور آپ کی آمد کی خوشی مستقل، پائدار، آخرت میں کام آنے والی اور دین و دنیا کی فلاح اور کامیابی کا ذریعہ تھی،

چنانچہ حسبِ معمول ایک روز صبح سویرے انصار آپ کے استقبال کے لئے جاکر کھڑے ہوگئے، جب سورج خوب چڑھ گیا اور عرب کے دستور کے مطابق مسافر اور مہمانوں کے آنے کا وقت ختم ہوگیا تو مایوس ہوکر واپس اپنے گھروں کو لوٹ آئے،

دوسرے دن پھر ایسا ہی ہوا، تیسرے دن بھی مایوس ہوکر واپس اپنے گھروں کو لوٹ آئے، مسلمانوں کی یہ تیاریاں یہودِ مدینہ کو بھی معلوم تھیں، ایک روز انصار جب آپ کا انتظار کرتے کرتے مایوس ہوکر اپنے گھروں کو واپس آگئے تو ایک یہودی اتفاقیہ اپنے گھر کی چھت پر کسی ضرورت سے چڑھا تو اس کی نگاہ اُن سفید پوش معزز مہمانوں پر پڑی، اس نے وہیں کھڑے کھڑے بلند آواز سے پکارا:

یَا بَنِیْ قَیْلَہ ھٰذَا جَدُّکُمْ

یہ آواز کان میں پڑتے ہی، ہلچل مچ گئی، اور آجکل کے لفظوں میں یوں سمجھئے جیسے ۲۹ تاریخ کو عید کا چاند نکل آیا ہو، لوگوں نے جلدی جلدی عمدہ عمدہ لباس پہنا اور ہاتھوں میں نیزے ہتھیار لے کر ایسے نکل کھڑے ہوئے جیسے فوج اپنے بادشاہ کا استقبال کرنے نکل آتی ہے، یہ استقبالی مجمع کم و بیش پانچسو افراد پر مشتمل تھا، اور ہر مسلمان شوقِ زیارت و دیدار میں ایک دوسرے سے سبقت حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہوا دیوانہ وار آگے بڑھا چلا جاتا تھا،

ان حضرات کے جذبات کا کچھ اندازہ ان اشعار سے ہوسکتا ہے جو استقبال کے وقت جوشِ مسرت میں پڑھ رہے تھے ؎

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا ؛ مِنْ ثَنِيَاتِ الْوَدَاعِ

چودھویں رات کا چاند ثنیۃ الوداع کی گھاٹی کی طرف سے ہم پر طلوع ہو گیا ؛؛

وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا ؛ مَا دَعَا لِلّٰهِ دَاعٍ

ہم پر (اللہ کے اس انعام کا) شکر واجب ہے جبتک اللہ کو پکارنے والا کوئی بھی باقی ہے ،

اَيُّهَا الْمَبْعُوْثُ فِيْنَا ؛ جِئْتَ بِالْاَمْرِ الْمُطَاعِ

"اے وہ بابرکت ہستی کہ جو ہم میں پیغمبر بنا کر بھیجے گئے ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسے امور لے کر آئے ہو، جن کی اطاعت ہم پر واجب ہے"

سفرِ ہجرت ختم ○ مقامِ قبا میں ورودِ مسعود

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم مع اپنے رفیقِ سفر یکم ربیع الاول مطابق ۱۶ ستمبر ۶۲۲ء بروز دوشنبہ (پیر) غارِ ثور سے نکل کر ۸ ربیع الاول مطابق ۲۳ ستمبر کو پیر کے دن آٹھ دن میں بخیر و عافیت مقام قبا (پرانا مدینہ) پہونچ گئے، قبا اس زمانہ میں مدینہ کا ایک محلہ یا گاؤں تھا، اب ایک شہر کی حیثیت اختیار کر گیا ہے، جس کے قرب و جوار میں باغات اور شیوخ و امراء کی کوٹھیاں ہیں،

غرض قبا پہونچ کر آپؐ نے قبیلۂ بنی عمرو بن عوف کے سردار کلثوم بن ہدم کے مکان کو اپنے قیام سے زینت بخشی، اور مردانہ نشست سعد بن خیثمہ کے مکان پر رکھی، ترکوں نے اپنے زمانۂ خلافت میں ان دونوں مکانوں پر پہچان کے لئے قبے بنوا دیئے تھے، مگر چودہ صدیاں گذر جانے کے بعد اب وہ مکانات تاریخ کی زینت بن گئے ہیں، البتہ راقم الحروف نے ۱۴۰۲ھ تک اُن کی جگہ پرانے مکان بنے ہوئے دیکھے، مگر وہ بھی اب اتنے بوسیدہ ہو گئے ہیں کہ اُن کی جگہ خدا جانے کب کوئی نئی عمارت بن جائے اور کوئی نشان بتلانے والا بھی نہ رہے،

○ قیام پذیر ہونے کے بعد مشتاقانِ دید و زیارت کی آمد کا سلسلہ شروع ہوا، ان آنے والوں میں اکثریت ایسے لوگوں کی تھی جنھوں نے اس سے پہلے کبھی آپؐ کی زیارت نہیں کی تھی، حضور سرورِ عالمؐ اور حضرت ابوبکرؓ عمر میں برابر معلوم ہوتے تھے، اس لئے بہت سے لوگ دھوکہ میں تھے کہ ان دونوں حضرات میں نبی محترمؐ کون ہیں؟ اسی مغالطہ میں بہت سے لوگ تو ابوبکرؓ کو سلام کر کے بیٹھ جاتے تھے، حضرت ابوبکرؓ کی ردا مبارک پر نگاہیں سمجھ گئیں کہ لوگ دھوکہ کھا رہے ہیں، اتنے میں آپؐ پر دھوپ آنے لگی تو ابوبکرؓ نے کھڑے ہو کر جلدی جلدی چادر کا سایہ کیا، جب لوگ سمجھے کہ آقا کون ہے اور خادم کون (ابن ہشام)

○ مسجدِ قباء کا سنگِ بنیاد ؛

قباء پہونچ جانے کا مقصد تھا آزاد اسلامی حکومت کا قیام، چنانچہ یہاں پہنچ کر مہاجرین نے اطمینان کا سانس لیا، قباء پہونچتے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے خدا کی عبادت و بندگی کے لئے اپنے دستِ مبارک سے مسجد کا سنگِ بنیاد رکھا، آپؐ کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے ان کے بعد حضرت عمرؓ نے پتھر رکھا، ان حضرات کے بعد دوسرے صحابہ نے پتھر اٹھا اٹھا کر رکھنے شروع کئے، اس طرح اس مسجد کی تعمیر کا سلسلہ شروع ہو گیا، صحابۂ کرام کے ساتھ آپؐ بھی پتھر اٹھا کر لاتے رہے، اگر کوئی وزنی پتھر ہوتا تو آپؐ اس کو شکمِ مبارک سے لگا کر لے آتے، صحابۂ کرام آپؐ سے درخواست کرتے کہ حضورؐ! آپ زحمت نہ فرمائیں، ہم خدام کس لئے ہیں؟ مگر آپؐ منظور نہ فرماتے، اسلام کی یہ سب سے پہلی مسجد ہے جس کی تعمیر میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفسِ نفیس حصہ لیا، صحابۂ کرام اس میں شریک رہے، اسی مسجد کا نام "مسجدِ قباء" ہے، آپؐ کو اس مسجد سے بڑی محبت تھی، اور ہر ہفتہ مدینہ منورہ سے یہاں تشریف لایا کرتے تھے، قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیتِ کریمہ میں اس مسجد کی اور اس کے نمازیوں کی ان الفاظ میں تعریف کی گئی ہے،

لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ	البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد اول روز سے تقویٰ پر رکھی
يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ؕ فِيْهِ رِجَالٌ	گئی ہے وہ مسجد اس کی مستحق ہے کہ آپؐ اس میں
يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ	کھڑے ہوں، اس مسجد میں ایسے لوگ ہیں جو خوب
الْمُطَّهِّرِيْنَ ۝ (پ۱۱، ع ۲)	صاف ستھرے رہنے کو پسند کرتے ہیں۔

جس جگہ اب مسجدِ قباء بنی ہوئی ہے یہ حضرت کلثوم بن ہدم کی کھجوریں خشک کرنے کا احاطہ تھا، انھوں نے یہ خطۂ زمین مسجد کے لئے خدمتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں پیش کیا، مسجد کے صحن میں ایک قبہ تھا، یہ وہ جگہ تھی جہاں آکر آپؐ کی ناقہ (اونٹنی) بیٹھی تھی، اور اس کی پیٹھ سے اُتر کر آپؐ نے کلثومؓ بن ہدم کے ہاں قیام فرمایا تھا، اس کے بعد اس مسجد کی مختلف امراء و سلاطین توسیع کرتے رہے، چنانچہ حضرت عثمان غنیؓ نے اپنے زمانۂ خلافت میں توسیع کی، پھر عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنے زمانۂ خلافت میں اس کو مزین و آراستہ کیا، مدت مدید کے بعد جب یہ مسجد منہدم ہو گئی تو دوسرے امراء و رؤساء نے تعمیر میں حصہ لیا،

اب سعودی دورِ حکومت میں کئی مرتبہ اس کی آرائش و مرمت ہوئی، ۱۴۰۴ھ میں تمام مسجد ایرکنڈیشنڈ کر دی گئی، مزید توسیع کا سلسلہ جاری ہے، اور خدا جانے جس کی قسمت میں اس کی خدمت کی سعادت لکھی ہے قیامت تک یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہے گا،

○ حضرت علیؓ کو لوگوں کی امانتیں ان کے حوالہ کر دینے کے لئے آپؐ اپنی جگہ مکہ معظمہ چھوڑ آئے تھے،

یہ کام مکمل کر کے تیسرے دن خاموشی سے پیدل روانہ ہو گئے، ستمبر کا مہینہ عرب کی جھلسا دینے والی شدت کی گرمی، پہاڑ جیسے آگ برسا رہے ہوں، پھر تنہا اور مشرکین سے چھپ کر یہ سفر، ان سب باتوں کے باوجود آپؐ نے دن دیکھا نہ رات صرف ایک ہی خیال اور فکر دامنگیر تھا کہ جس طرح اور جتنی جلدی ہو سکے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہونچ جاؤں، اپنی تکلیف و راحت کا ذرہ برابر خیال نہ کیا، حتیٰ کہ مسلسل چلتے چلتے پاؤں میں چھالے پڑ گئے، آخر خدا نے کیا تین روز بعد حضورؐ کی خدمت میں قبا پہنچ ہی گئے، (ابن ہشام)

حضرت علیؓ کی یہ کیفیت دیکھ کر آپ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے، اور ان کو سینہ سے لگا لیا، اس کے بعد اپنے لعابِ دہن کا چھالوں پر لیپ کر دیا، جس سے اُن کی تکلیف فوراً رفع ہو گئی (تاریخ اسلام)

قبا سے مدینہ روانگی

قبیلۂ بنی سالم میں پہلا خطبہ اور نمازِ جمعہ

قبا میں چند روز قیام فرمانے کے بعد جمعہ کے روز چاشت کے وقت آپؐ یثرب (مدینہ) کے لئے روانہ ہوئے تھے کہ راستہ میں نمازِ جمعہ کا وقت ہو گیا، تو قبیلۂ بنو سالم میں آپنے سب سے پہلا خطبۂ جمعہ دیا اور پہلی مرتبہ نمازِ جمعہ پڑھائی، اس نماز میں ایک روایت کے مطابق ایک سو اور دوسری روایت کے مطابق پانچسو نمازی تھے، اس جگہ "مسجد جمعہ" کے نام سے ایک مسجد بنی ہوئی ہے، اس کو "مسجد الوادی" اور "مسجدِ عاتکہ" بھی کہتے ہیں، مشہور صحابی حضرت عتبانؓ بن مالکؓ اسی قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے، انھوں نے آپ سے یہیں ٹھیرنے کی درخواست کی، مگر آپنے فرمایا: "میری منزل آگے ہے"، یثرب (شہر مدینہ) کے لئے سفر شروع کر دیا، راستہ میں جن مسلمانوں کے مکانات پڑتے تھے وہ استقبال کا شرف حاصل کرتے اور اپنے غریب خانہ پر قیام کی درخواست کر کے جاں نثاروں کی فہرست میں شامل ہوتے رہے، آپؐ نے اپنی ناقہ (اونٹنی) کی نکیل ڈھیلی چھوڑ دی تھی، آپ ان جاں نثاروں کو صرف یہ جواب دیتے: "میری ناقہ منجانب اللہ مامور ہے، یہ جس جگہ بیٹھ جائے گی میری جائے قیام وہیں ہو گی"

ناظرین غور کریں تو ہجرت کا واقعہ بحکمِ خداوندی پیش آیا، اور اس سفر کے تمام واقعات بھی بحکم خداوندی طے ہوئے، جن میں ایک واقعہ آپؐ کی ناقۂ مبارک کا حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے مکان کے سامنے بیٹھنا بھی تھا، اگر آپ اپنی مرضی سے کسی کے ہاں قیام فرماتے تو ممکن تھا کسی دوسرے آدمی کو وسوسہ آتا کہ آپؐ ہمارے ہاں کیوں نہیں ٹھیرے؟ اور یہ واقعہ ہی بنیادِ حسد بن سکتا تھا،

آپؐ کی ناقہ خراماں خراماں چلی جا رہی تھی، نکیل ڈھیلی چھوڑی ہوئی تھی، مکانوں کی چھتوں پر گلی کوچوں

یں دو طرفہ قطاریں باندھے جاں نثار انصار کھڑے ہوئے نعرۂ تکبیر بلند کرتے جاتے اور دیوانہ وار کہتے جاتے:

اَللّٰہُ اَکْبَرُ جَاءَ رَسُوْلُ اللّٰہِ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ جَاءَ نَبِیُّ اللّٰہِ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ جَاءَ مُحَمَّدٌ

مَرْحَبًا یَا نَبِیَّ اللّٰہِ،

اور ہر شخص عرض کرتا، حضورؐ میرے غریب خانہ پر قیام فرمالیجئے، جان حاضر ہے، مکان حاضر ہے، مال حاضر ہے، آپؐ ہر مشتاق سے فرماتے: دَعُوْھَا فَاِنَّھَا مَاْمُوْرَۃٌ (اس اونٹنی کو) چھوڑ دو، یہ بحکم خداوندی خود بخود ٹھیرے گی، غرض یہ کہ آپؐ کی آمد پر مدینہ میں جشن کا سماں تھا، اور ہر شخص اپنی خوش قسمتی پر نازاں تھا کہ حضورؐ نے مکہ کو چھوڑ کر مدینہ کو زینت بخشی، زہے قسمت زہے نصیب،

○ حضرت انسؓ فرماتے ہیں جس روز آپؐ مدینہ تشریف لائے ہیں تو وہاں کے در و دیوار اور ذرہ ذرہ روشن ہو گیا، اور جس دن آپؐ کی وفات ہوئی تو اس دن ہر چیز تاریک نظر آتی تھی، (ترمذی)

آخر چلتے چلتے آپؐ کی ناقۂ مبارک قبیلۂ نجار کے محلہ میں پہنچی (اس قبیلے سے آپؐ کا ننھیالی رشتہ تھا) اور جس جگہ مسجد نبویؐ کا دروازہ ہے جا کر رُک گئی، اور گھٹنے ٹیک کر بیٹھ گئی، آپؐ اونٹنی پر بیٹھے رہے، پھر ایک دم اونٹنی اٹھی اور حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے گھر کے سامنے جا کر بیٹھ گئی، اور گردن زمین پر ڈال دی (ابن ہشام)

اللہ تعالیٰ نے اونٹنی کے ایک جگہ بیٹھ کر اُٹھنے اور دوسری جگہ جا کر بیٹھنے سے اتنی جگہ میں مسجد نبویؐ کی تعمیر کے لئے حد بندی کرادی کہ مسجد اتنی وسیع ہونی چاہئے،

جب اونٹنی نے حضرت ابو ایوبؓ کے گھر کے سامنے گردن ڈال دی تو آپؐ وہیں اُتر گئے، ابو ایوبؓ دونوں جہان کے سردار کی اس تشریف آوری پر جتنے خوش ہوئے اس کو تحریر میں بیان نہیں کیا جا سکتا، سامان اُتار کر اپنے گھر لے گئے،

جب آپؐ اس محلہ بنی نجار میں پہونچے تو ان لوگوں کی خوشی کا اندازہ اس سے کرلیں کہ چھوٹی چھوٹی بچیاں بھی خوشیاں منا رہی تھیں اور یہ اشعار پڑھ کر آپؐ کا استقبال کر رہی تھیں،

نَحْنُ جَوَارٍ مِّنْ بَنِی النَّجَّارِ ؛ یَا حَبَّذَا مُحَمَّدٍ مِّنْ جَارٍ

ہم بنی نجار کی لڑکیاں ہیں، اے خوش نصیبی ہماری کہ محمدؐ ہمارے پڑوسی ہیں محمد ایسے اچھے پڑوسی ہیں،

حضرت ابو ایوبؓ نے درخواست کی کہ حضورؐ بالاخانہ پر قیام فرمائیں اور مجھ خادم کو نیچے رہنے کی اجازت دیں وہ اپنے خیال میں یہ سمجھتے تھے کہ ہمارا اوپر رہنا اور آپؐ کا نیچے قیام یہ بے ادبی کی بات ہے، لیکن آپؐ نے فرمایا چونکہ میرے پاس لوگوں کی آمد و رفت رہے گی ان کو اوپر چڑھنے میں دقت ہوگی اس لئے میرا قیام نیچے ہی مناسب ہے" یہ سُنکر حضرت ابو ایوبؓ خاموش ہو گئے اور انھوں نے اَلْاَمْرُ فَوْقَ الْاَدَبِ پر عمل کیا، اور اوپر چلے گئے، لیکن

اور کا یہ حال تھا کہ ایک مرتبہ مٹکے میں سے پانی زمین پر گر گیا تو گھر میں ایک ہی چادر یا گدّہ تھا اس سے جلدی جلدی پانی خشک کیا کہ کہیں آپ کے اوپر گرنے لگے، (ابن ہشام)

حضرت ابو ایوب انصاریؓ کی شخصیت اور انصارِ مدینہ کا تعارف؛

یمن میں "تبع" نام کا ایک بادشاہ کسی زمانہ میں گذرا تھا، قرآن کریم میں بھی اس کا کچھ ذکر اشارۃً ملتا ہے،

اَهُمْ خَيْرٌ اَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ (پ ۲۵ ع ۱۵) ——— "بھلا یہ بہتر ہیں یا تُبّع کی قوم"

"تبع" لقب تھا یمن کے بادشاہ کا جس کی حکومت سبا اور حضرموت سب پر تھی (فوائد عثمانی)

بہرحال تُبّع بڑا بہادر، بلند اور جفاکش بادشاہ تھا، مغربی ممالک فتح کرنے کے بعد اس نے سرزمینِ یثرب کا رُخ کیا، اور یثرب میں اپنے بیٹے کو جانشین بنا کر خود ملک شام و عراق کی جانب چلا گیا، اہلِ یثرب نے اس کے جانشین بیٹے کو جان سے مار ڈالا، "تبع" کو جب یہ تکلیف دہ خبر پہنچی تو غصہ سے بے قابو ہو کر یثرب واپس پہنچا، اور قتلِ عام کا حکم دیدیا، اور قسم کھائی جب تک اس شہر کی اینٹ سے اینٹ نہیں بجادوں آگے قدم نہیں بڑھاؤں گا اس کے ساتھ تقریباً چار سو علماءِ یہود بھی تھے، انھوں نے اس سے کہا ہمارے پاس آسمانی کتاب "توراۃ" موجود ہے، اس میں حق تعالیٰ کی دی ہوئی یہ بشارت موجود ہے کہ اس مقدس شہر کا نام "طیبہ" ہے، اور یہ پاک جگہ نبی آخرالزماں (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مسکن ہے اور مدینۃ الرسول ہے، اس کا محافظ خود پروردگارِ عالم ہے، اس لئے اس کے ویران بنانے کے خیال سے درگذر کرو، اور مخلوقِ خدا پر رحم کرو، ساتھ ہی ان علماء نے بادشاہ سے یثرب میں قیام کی اجازت چاہی، بادشاہ حضورؐ کے اوصاف سُنکر پہلے ہی متاثر ہو چکا تھا، اس لئے اُن کو قیام کی اجازت دیدی ساتھ ہی اپنی طرف سے اُن سب علماء کو قیام کے لئے ایک ایک مکان بنوا کر دیا، اور خرچ اخراجات کے لئے ہر ایک کو کافی مال دیا، اور ایک مکان خاص طور پر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ازراہِ نذرِ عقیدت تیار کرایا، کہ جب آپؐ ہجرت کر کے یہاں تشریف لائیں تو اس مکان میں قیام فرمائیں، ساتھ ہی ایک خط آپؐ کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے لکھا، اور ایک محافظ اس مکان میں رکھ کر وہ خط اس کے حوالہ کیا، اور یہ وصیت کی کہ اگر حضورؐ کی تشریف آوری سے پہلے محافظ مرجائے تو وہ اپنے بعد میرا خط اپنے جانشین کے سپرد کر دے اور یہ سلسلہ حضورؐ کی آمد تک اسی طرح چلتا رہے، اور جس خوش نصیب محافظ کے زمانہ میں بھی آپ تشریف لائیں وہ میرا یہ خط آپؐ کے حوالہ کر دے،

اُس خط میں اس کے شوقِ زیارت کا اندازہ ان چند اشعار سے ہوتا ہے جو اس خط میں لکھے تھے،

شَهِدْتُ عَلٰى اَحْمَدَ اَنَّهٗ ۔ رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ بَارِئِ النَّسَمْ

میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے برحق رسول ہیں!!!

فَلَوْ مُدَّ عُمْرِیْ اِلٰی عُمْرِہٖ ؕ لَکُنْتُ وَزِیْرًا لَّہٗ وَابْنَ عَمّ

"اگر میری عمر اُن کی آمد تک پہنچی تو میں ضرور ضرور ان کا وزیر و مددگار بن کر خدمت انجام دوں گا

وَجَاھَدْتُ بِالسَّیْفِ اَعْدَاءَہٗ ؕ وَفَرَّجْتُ عَنْ صَدْرِہٖ کُلَّ غَمّ

اور ان کے دشمنوں سے جہاد کروں گا، اور اُن کے دل سے ہر غم و فکر دُور کر دوں گا

اس خط پر مُہر لگا کر محافظ کے حوالہ کیا، یہ محافظ بڑے نیک اور متقی عالم تھے، ان ہی عالم کی اولاد میں حضرت ابوایوب انصاری تھے، گویا آپؐ کی اونٹنی جس مکان کے آگے ٹھیری وہ آپؐ ہی کا تھا، اور ابوایوب انصاریؓ اس کے محافظ تھے، جب آپؐ قیام پذیر ہو گئے تو ابوایوب انصاریؓ نے وہ خط آپؐ کے حوالہ کیا، روایات سے پتہ چلتا ہے جن خوش قسمت حضرات نے حضورؐ اور صحابہ کرام کا استقبال کر کے انصار کا لقب پایا وہ سب ان چار سو علماء کی اولاد ہی میں سے تھے (تاریخ اسلام میر ٹھیؒ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوایوبؓ بیالیس ۴۲ سال زندہ رہے، اور حضرت معاویہؓ کے زمانۂ خلافت میں لشکرِ اسلام کے ساتھ قسطنطنیہ کے محاصرہ میں شریک ہوئے اور ۵۵ھ میں شہید ہو کر وہیں دفن ہوئے۔

سنہ ہجری مطابق ۱۳ سنہ نبویؐ

کے

واقعات ایک نظر میں،

جیسا کہ ہم نے صفحہ ۱۸۷ پر بیان کیا کہ اکثر احکاماتِ اسلامی کی مشروعیت ہجرت کے بعد مدنی زندگی میں ہوئی ہے اس کے مطابق پہلے ایک نظر میں ہر سنہ کے احکامات کا خلاصہ پیش کرتے ہیں، خلاصہ کے بعد ان احکامات کی حسبِ ضرورت کچھ تفصیل پیش کی جائے گی،

(۱) اسلامی سنہ کی ابتداء،
(۲) قباء پہونچ کر سب سے پہلی مسجد "مسجدِ قباء" کی تعمیر،
(۳) آزاد اور اسلامی حکومت میں جمعہ کا سب سے پہلا خطبہ اور نمازِ جمعہ،
(۴) مسجد نبویؐ کی تعمیر،
(۵) نمازِ ظہر، نمازِ عصر، نمازِ عشاء میں چار چار فرضوں کی مشروعیت،
(۶) اذان کی مشروعیت،
(۷) عبداللہ بن سلامؓ اور سلمان فارسیؓ کا اسلام،
(۸) انصار و مہاجرین میں مواخات (بھائی چارہ)
(۹) فرضیت صوم عاشوراء
(۱۰) فرضیتِ جہاد،

خلاصہ کے بعد کچھ ضروری تفصیلات پیش خدمت ہیں

① ابتداء سنہ ہجری ؛

خدا خدا کر کے ہجرت مدینہ کے بعد مسلمانوں کی گھٹن کی زندگی ختم ہوئی، اور آزادی کا سانس لیا، مشرکین مکہ اپنے ناپاک ارادوں میں نہ صرف یہ کہ ناکام ہوئے بلکہ منہ کی کھانی پڑی، اور یہ اندازہ ہو گیا کہ مسلمانوں کو ختم کرنا پہاڑ سے ٹکر لینا ہے،

مشرکین نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جاں نثار صحابہ کو جتنا ستایا اسلام اتنا ہی پھیلتا پھلتا چلا گیا، اور مسلمانوں کی تعداد برق رفتاری سے بڑھتی رہی، جس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ پیغمبر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت تک مسلمانوں کی تعداد ایک لاکھ کے لگ بھگ تھی،

حتیٰ کہ آپ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ مسلمانوں کے پہلے خلیفۂ راشد مقرر ہوئے، اُن کی وفات کے بعد دوسرے خلیفۂ راشد حضرت عمر فاروقؓ مقرر ہوئے، آپ کے زمانۂ خلافت میں اسلامی حکومت کی حدود بڑھتی چلی گئیں، جس کی وجہ سے حکومت کا نظام بھی وسیع ہوتا چلا گیا، مختلف صوبوں میں گورنروں کا تقرر کرنا پڑا، ان گورنروں کو بذریعہ خطوط احکامات و ہدایات بھیجی جاتی تھیں، ان ہدایات پر سنہ درج نہ ہونے کی وجہ سے اُن پر عمل کرنے اور ان کے نفاذ میں بڑی دشواری پیش آتی تھی،

چنانچہ آپ کے زمانۂ خلافت میں عراق کے گورنر حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے آپ کو خط لکھا کہ آپ کے جو احکامات ہمارے پاس آتے ہیں ان میں سنہ درج نہ ہونے کی وجہ سے بعض دفعہ عمل درآمد میں دشواری پیش آتی ہے، مثلاً محرم یا رمضان لکھا ہوا ہوتا ہے تو اس میں یہ دشواری ہوتی ہے کہ کونسا محرم یا رمضان، اگر اس پر سنہ لکھا ہوا ہو تو یہ دشواری و مغالطہ پیدا نہ ہو،

حضرت عمرؓ کا صحابۂ کرام سے مشورہ ؛

عراق کے گورنر حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور بعض دوسرے حضرات کی شکایت پر ۱۷ھ میں حضرت عمر فاروقؓ نے صحابۂ کرام کو بغرض مشورہ جمع کیا، کسی نے رائے دی آپ کی ولادت پاک ماہ ربیع الاول میں ہوئی، اس لئے اسی مہینہ سے تاریخ اسلامی کا آغاز کیا جائے، کسی نے مشورہ دیا آپ کی بعثت کے سال سے آغاز کیا جائے حضرت عمرؓ کی رائے واقعۂ ہجرت سے آغاز کرنے کی تھی، آپ کے ساتھ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کی بھی رائے یہی تھی، اس لئے فیصلہ کیا گیا کہ واقعۂ ہجرت سے ہی ابتداء کی جائے، اس فیصلہ کے بعد دو ماہ کچھ دن پیچھے کر کے ماہ محرم الحرام سے سنہ اسلامی کا آغاز کر دیا گیا، اور محرم سے شروع کرنے کا فیصلہ اس وجہ سے کیا کہ ذی الحجہ میں جو حج سے فارغ ہو کر حجاج اپنے اپنے ملکوں کو واپس جائیں گے تو دوسرے ممالک کے لوگوں کو بھی معلوم ہو جائے گا کہ مسلمانوں نے بھی اپنے سال کا محرم کے مہینہ سے آغاز کر دیا ہے،

لیکن اس زمانہ کے مسلمانوں پر افسوس ہوتا ہے کہ اپنے ہجری سنہ کو چھوڑ کر عیسوی سنہ کو زیادہ یاد رکھتے ہیں، اور اتنا بھی نہیں سوچتے کہ عیسوی سنہ کے ماننے والے کبھی ہجری سنہ بھی استعمال کرتے ہیں؟

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ۝

(۲) (۳) مسجدِ قبا، پہلا خطبہ اور نمازِ جمعہ؛

ان کی تفصیل ہم پیش کر چکے ہیں، اس کے بعد مسجدِ نبویؐ کی تعمیر کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں،

(۴) تعمیرِ مسجدِ نبویؐ؛

مسجدِ قبا کی تعمیر کے بعد پیغمبرِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ پہنچے، اس وقت تک لوگ مدینہ کو یثرب کہا کرتے تھے، آپ کے تشریف لانے کے بعد لوگوں نے "مدینۃ النبیؐ" کہنا شروع کر دیا،

مدینہ میں نماز پڑھنے کی کوئی جگہ مخصوص نہ تھی، اس لئے آپؐ نے ان نشانات پر مسجدِ نبویؐ کی تعمیر کا فیصلہ فرمایا، جہاں آپؐ کی ناقہ مبارک بیٹھی تھی یہاں لوگ کھجوریں خشک کیا کرتے تھے، آپؐ نے معلوم کیا کہ یہ جگہ کس کی ہے اور کون اس کا مالک ہے؟ معلوم ہوا اس جگہ کے مالک دو یتیم بھائی سہل اور سہیل ہیں، یہ دونوں یتیم بھائی معاذ بن عفراءؓ کی زیرِ تربیت پرورش پا رہے تھے، آپؐ نے ان دونوں بھائیوں سے فرمایا ہم یہاں مسجد بنانا چاہتے ہیں، اس کو ہمارے ہاتھ فروخت کر دو، ان بھائیوں نے عرض کیا، حضور اس سے بہتر ہماری زمین کا اور مصرف کونسا ہوگا؛ اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ "مساجد وہی لوگ تعمیر کرتے ہیں جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں"، اس لئے ہماری درخواست ہے یہ زمین ہماری طرف سے مفت قبول فرما لیں، مگر آپؐ نے قبول نہ فرمایا، حضرت معاذؓ نے بھی عرض کیا یا رسول اللہؐ آپ یہاں مسجد بنائیں میں بچوں کو ان کے حسبِ مرضی معاوضہ دے کر راضی کر لوں گا،

اس کے بعد آپؐ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ آپ اس زمین کی قیمت دس دینار ادا کر دیں، معاوضہ کے بعد بیر ابوب پر جو جنت البقیع میں تھا کچی اینٹیں بنکر تیار ہوتی جاتی تھیں، یہاں سے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام اینٹیں اُٹھا کر لاتے جاتے تھے،

اس مقدس مسجد کا نہ کوئی انجینیر تھا نہ معمار، پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم بنفسِ نفیس اپنے صحابہ کے ساتھ مل کر یہ سب خدمات انجام دے رہے تھے، اور انصار و مہاجرین کا حوصلہ بڑھانے کے لئے یہ رجز پڑھتے جاتے تھے ؎

اَللّٰهُمَّ لَا خَیْرَ اِلَّا الْاٰخِرَةُ ؛ فَاغْفِرِ الْاَنْصَارَ وَالْمُهَاجِرَةِ

"اے اللہ! کامیابی اور بھلائی تو صرف آخرت کی زندگی کی ہے اے اللہ! انصار اور مہاجرین کو بخش دے"

سنگِ بنیاد ؛

اب اس مقدس مسجد کی تعمیر کا حال پڑھ کر ایمان تازہ کیجئے ،

سب سے پہلے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے پہلی اینٹ یعنی سنگِ بنیاد رکھی، پھر آپؐ کے حکم سے دوسری اینٹ اسی کے برابر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے رکھی، پھر تیسری اینٹ حضرت عمر فاروقؓ نے اور چوتھی اینٹ حضرت عثمان غنیؓ نے رکھی، اس کے بعد عام صحابہؓ اینٹیں بقیع سے ..... اٹھا اٹھا کر لاتے اور بنیادوں پر رد ے رکھتے رہے، یہاں تک کہ سات گز اونچی اور شمالاً و جنوباً چون گز چوڑی اور شرقاً غرباً ترسٹھ گز لانبی مسجد تعمیر ہو گئی، جس میں نقش و نگار اور تکلف و آرائش کا نام بھی نہ تھا اس مسجد کی صورت سے ایسی سادگی برستی تھی جس کی نظیر ملنی مشکل ہے، نہ اُس میں منبر تھا نہ محراب، ایک چار دیواری کچی اینٹوں کی بنی ہوئی تھی، جس کے ستون کھجور کے پٹھوں اور تنوں سے جہاں ضرورت سمجھی قائم کر دیئے گئے تھے، کھجور ہی کی چھت بنا کر اوپر سے مٹی ڈال دی گئی، جب بارش ہوتی چھت کی مٹی نمازیوں کے سروں پر گرتی اور کبھی کبھی زمین اتنی بھیگ جاتی کہ سجدہ کی حالت میں پیشانی پر مٹی لگ جاتی،

اس مسجد کا قبلہ بیت المقدس کی طرف تھا، اور کھجور کے ایک تنے سے سہارا لگا کر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دیا کرتے تھے، اس وقت مسجد کے تین دروازے تھے، ایک دروازہ اس طرف تھا جس طرف اب قبلہ ہے، دوسرا اس طرف تھا جدھر اب باب الرحمۃ ہے اور تیسرا دروازہ اس طرف تھا جہاں اب بابِ جبرئیل ہے،

اس کے بعد جب بیت المقدس کا قبلہ منسوخ کر کے کعبۃ اللہ قبلہ قرار پایا تو جبرئیل علیہ السلام نے بحکم خداوندی بیت اللہ تک جتنے حجابات تھے سب ہٹا دیئے، اور میزاب رحمت کی سمت پر مسجد نبویؐ کا رُخ کر دیا گیا،

اس مقدس مسجد نبویؐ کی مختصر تاریخ ہم اپنی کتاب "معین الحجاج" سے پیش کرتے ہیں ،

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپؐ کا قیام تقریباً سات ماہ حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے مکان پر رہا، ابو ایوب انصاریؓ کے مکان پر قیام کے دوران آپؐ نے مسجد تعمیر فرمائی، ——— سادگی کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ ستون کھجور کے تنوں کے تھے اور شاخوں کی چھت تھی، مسجد کے کچھ حصہ پر چھت پڑی ہوئی تھی، باقی کھلا صحن تھا، فرش کچا تھا، بارش کے وقت چھت سے پانی ٹپک کر کیچڑ ہو جاتا تھا جس کی وجہ سے نماز پڑھتے وقت صحابہ کرامؓ کے کپڑے کیچڑ سے خراب ہو جاتے تھے،

یہاں تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کی تعمیر کا مختصر بیان تھا، اس کے بعد ۱۷ھ میں سب سے پہلے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانۂ خلافت میں اضافہ فرمایا، پھر ۲۹ھ میں حضرت عثمان غنیؓ نے سنگین دیواریں بنوائیں اور پتھر کے ستون لگائے اور ساگوان کی چھت ڈالی، اور فرش عقیق (کنکریوں) کا بنوایا، اس کے بعد مختلف امراء و سلاطین اس کی تعمیر و توسیع میں حصہ لے کر اپنی عقیدت و عشق کا اظہار کرتے رہے، موجودہ زمانہ یعنی ۱۴۰۵ھ میں مسجد نبویؐ کے دو حصے ہیں اور دونوں حصے اپنی اپنی جگہ ایک دوسرے سے ممتاز ہیں، قدیم حصہ جس میں ریاض الجنہ اور مقام صُفہ شامل ہیں یہ آگے پیچھے بارہ دالانوں پر مشتمل ہے، اور سب کی چھتیں قبوں (گنبد) کی ہیں، ستون کھڑے کر کے اُن پر چاروں طرف محراب دار ڈاٹیں لگا کر ہر چار ستونوں پر قبہ بنا دیا گیا ہے، ان قبوں میں جگہ جگہ رنگ برنگ کے شیشے لگے ہوئے ہیں، جب سورج نکلتا ہے تو اس کی دھوپ طرح طرح کے رنگ لئے ہوئے دیواروں پر پڑتی ہے تو ہر قبہ ایک باغیچہ معلوم ہوتا ہے، یہ قدیم تعمیر سلطان عبدالحمید خاں مرحوم اور ترکی حکومت کے دورِ اقتدار کی جیتی جاگتی اور منہ بولتی تصویر ہے، جس میں تین سو ستائیس ۳۲۷ ستون ہیں، ان میں سے اکتیس ۳۱ ستونوں پر نصف حصہ تک سنگِ مرمر کے ٹکڑے چڑھے ہوئے ہیں، جس سے اس بات کی نشاندہی کی گئی ہے کہ خیر القرون میں مسجد اتنی اونچی تھی، اور جو ستون قدیم مسجد میں قائم ہیں اُن پر سونے کا پانی چڑھا ہوا ہے، اور اُن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے مخصوص ستونوں پر ایک پھول بنا کر اُن کا نام لکھ دیا ہے،

ان ستونوں کی طویل زمانہ گذر جانے کی وجہ سے حالت خستہ ہونی شروع ہو گئی تھی، اس لئے سعودی حکومت ۱۴۰۵ھ سے ان کی مرمت و خوش نمائی پر خاص توجہ دے رہی ہے، اور اللہ تعالیٰ اس حکومت سے ایسا کام لے رہے ہیں جو یادگار رہے، اللہ تعالیٰ مزید توفیق دے، آمین،

ان ستونوں کے نام وغیرہ آگے پڑھئے:

○ ریاض الجنہ اور ستونہائے رحمت:

مسجد نبویؐ قدیم میں ایک حصہ ایسا ہے جس کے متعلق حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

مَا بَيْنَ بَيْتِيْ وَمِنْبَرِيْ رَوْضَةٌ مِّنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ وَمِنْبَرِيْ عَلٰى حَوْضِيْ، (بخاری، مسلم)	"یعنی میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان کا حصہ ایک باغ ہے جنت کے باغوں میں سے، اور میرا منبر میرے حوض پر ہے"

اس حصہ میں آٹھ ستون ایسے ہیں جن کو "ستونہائے رحمت" کہتے ہیں، اُن کے نام اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں:۔

① اسطوانۂ حنانہ ؛

یہ ستون محراب نبویؐ سے ملا ہوا ہے، آدمی اگر محراب میں نماز پڑھنے کھڑا ہو تو نماز پڑھتے وقت داہنی جانب یہ ستون ہے، یہ ستون کھجور کے اس تنہ کی جگہ پر ہے جس سے سہارا لگا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دیا کرتے تھے، پھر آپؐ کے لئے منبر بنا دیا گیا، جب آپؐ اس تنہ کو چھوڑ کر منبر پر منتقل ہوئے تو آپؐ کی جدائی کے صدمہ سے یہ بے جان تنہ زور زور سے رونے لگا، بعض روایات میں ہے کہ اس کی آواز سے ساری مسجد گونجنے لگی، ایک اور روایت میں ہے کہ اس کے رونے کی آواز سے متأثر ہو کر بہت سے صحابہ بھی رونے لگے، رونے کی یہ روایت تقریباً دس صحابہ سے منقول ہے، اس کے بعد اس تنہ کو اسی جگہ دفن کر دیا گیا، اسطوانۂ حنانہ اس کی جگہ قائم ہے، اسی کو اسطوانۂ مخلق بھی کہتے ہیں،

② اسطوانۂ عائشہ ؛

یہ اسطوانہ منبرِ نبویؐ کی طرف سے حجرۂ نبویؐ کی طرف چلیں تو تیسرے نمبر پر ہے، اس کو اسطوانۂ مہاجرین بھی کہتے ہیں، یہاں نوافل پڑھنے کی بڑی فضیلت ہے، حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ میری مسجد میں ایک جگہ ایسی ہے کہ اگر لوگوں کو وہاں نماز پڑھنے کا ثواب معلوم ہو جائے تو ترجیح کے لئے قرعہ اندازی کی نوبت آئے، اس وقت سے صحابۂ کرام کو یہ جگہ معلوم کرنے کا بڑا فکر تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ جگہ حضرت عائشہؓ کو بتلادی تھی، بعد وفات النبیؐ حضرت عائشہؓ نے اپنے بھانجے عبداللہ بن زبیرؓ کو وہ جگہ بتلائی جہاں اسطوانۂ عائشہ ہے،

③ اسطوانۂ ابی لبابہ ؛

ابولبابہ صحابیؓ سے بتقاضائے بشریت ملکی دفاع سے متعلق ایک راز یہودیوں کے سامنے ظاہر کر دینے کی غلطی ہو گئی تھی، جب انھیں اپنی غلطی کا احساس ہوا تو بڑا افسوس ہوا، اور اپنے آپ کو اس ستون سے باندھ دیا، اور یہ فیصلہ کر لیا جب تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دست مبارک سے نہیں کھولیں گے بندھا رہوں گا آخر وحی نازل ہونے پر آپؐ نے اپنے دستِ مبارک سے کھولا، یہ اسطوانۂ عائشہؓ سے بائیں طرف ہے، اس کو اسطوانۂ توبہ بھی کہتے ہیں، یہ تینوں ستون ریاض الجنۃ میں ہیں، جہاں نوافل پڑھنے والوں کا ہجوم رہتا ہے،

---

④ اسطوانۂ سریر ؛

اس جگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اعتکاف فرمایا کرتے تھے، اور آپؐ کے بیٹھنے، لیٹنے کے لئے کھجور کا بوریا بچھا دیا جاتا تھا،

⑤ اسطوانۂ وفود؛

باہر سے ملاقات کے لئے آنے والے لوگوں سے آپؐ یہاں ملاقات فرمایا کرتے تھے، اور یہیں لوگوں کو مشرف باسلام فرمایا کرتے تھے،

⑥ اسطوانۂ حرس؛

یہ ستون آپؐ کے دولت خانہ کے سامنے ہے، یہیں سے آپؐ مسجد میں تشریف لایا کرتے تھے، اس کو اسطوانۂ علی بھی کہتے ہیں، کیونکہ حضرت علیؓ اکثر اسی جگہ نماز پڑھا کرتے تھے، اور اکثر صحابہ پاسبانی کا شرف حاصل کرنے کے لئے رات کے اندھیرے میں پہرہ دینے کے لئے یہاں بیٹھ جایا کرتے تھے، (یہ تینوں ستون مقصورہ شریف میں نصب شدہ جالیوں کی وجہ سے نصف اندر اور نصف مسجد میں رہ گئے ہیں، اوپر ان کا نام لکھا ہوا نظر آتا ہے)

⑦ استوانۂ تہجد ⑧ اسطوانۂ جبرئیل؛

یہ دونوں ستون روضۂ مبارک میں ہونے کی وجہ سے باہر سے نظر نہیں آتے،

یہ تو ریاض الجنۃ کے ستونوں کا مختصر بیان تھا، اسی ریاض الجنۃ میں منبر اور محراب نبویؐ بھی ہیں، ویسے یہ پوری مسجد بلکہ مدینہ کی ہر جگہ بابرکت اور مقدس ہے، حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارک میں جہاں تک مسجد کی حد تھی اس جگہ ستونوں کے اوپر پوری لائن میں سبز زمین پر سنہرے حروف میں "حد مسجد النبی علیہ السلام" لکھا ہوا ہے، باقی سب ستونوں پر سنگِ سُرخ کی ہم شکل روغن چڑھا ہوا ہے، ترکوں کی یہ تعمیر بابُ الرحمۃ سے بابُ النساء تک ہے، اس کے پیچھے کا حصہ جو قدیم تعمیر سے اونچا ہے باب مجیدی تک چلا گیا ہے، اس تعمیر میں دو جگہ صحن بھی رکھا گیا ہے، یہ سعودی حکومت کا شاہکار ہے، سعودی اضافہ کے بعد اب مسجد کا کُل رقبہ ۱۶۳۲ سولہ ہزار تین سو ستائیس مربع فٹ ہو گیا، جب کہ اس اضافہ سے پہلے دس ہزار تین سو (۱۰۳۰۰) مربع میٹر تھا،

دروازے؛

مسجد نبویؐ کا قبلہ جنوبی سمت ہے، اس طرف آجکل کوئی دروازہ نہیں ہے، باقی تین اطراف (مشرقی، مغربی، شمالی) میں کُل دس دروازے ہیں، جن کی تفصیل یہ ہے:-

ترکی تعمیر میں پانچ دروازے ہیں:

مشرقی جانب: (۱) بابُ النساء (۲) باب جبرئیلؑ،

مغربی جانب: (۳) بابُ السلام (۴) باب ابوبکر صدیقؓ (۵) بابُ الرحمۃ،

سعودی تعمیر کے دروازے :-

مشرقی جانب؛ بابِ عبدالعزیز (مغربی جانب) بابِ سعود،

شمالی جانب؛ بابِ عمر، بابِ مجیدی، بابِ عثمان،

مسجدِ نبویؐ کا دینی مدرسہ "صُفّہ"؛

بابِ جبرئیل یا بابُ النساء سے مسجد شریف میں داخل ہو کر سیدھے چلیں تو داخل ہوتے ہی ایک چبوترہ بنا ہوا ہے، اس پر پیتل کا کٹہرہ لگا ہوا ہے، یہ چبوترہ زمین سے دو فٹ اونچا اور چالیس فٹ چوڑا اور چالیس فٹ لمبا ہے، اسی چبوترہ کا نام "صُفّہ" ہے، صفہ سائبان یا سایہ دار جگہ کو کہتے ہیں،

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بہت سے غرباء اور مساکین علمِ دین سیکھنے کے لئے آتے تھے، وہ یہاں رہ کر علمِ دین حاصل کیا کرتے تھے، اُن کو اُصحابِ صُفّہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، گویا مسجدِ نبویؐ میں اس جگہ دینی مدرسہ یا دارالعلوم تھا، اس میں تعلیم حاصل کرنے والوں کی تعداد کبھی ستر، کبھی سو تک ہو جاتی تھی، اور کبھی بڑھ کر چار سو بھی ہو جاتی تھی،

مصنف تاریخ اسلام لکھتے ہیں :-

"تحویلِ قبلہ کے بعد جب قبلہ بیت اللہ کی جانب ہو گیا، تو قبلۂ اول کا احاطہ اسی حال پر چھوڑ دیا گیا کہ فقراء و مساکین جن کے گھر بار نہیں ہیں وہاں رہیں، اور جو طالب دین مہمان آئیں وہ اس جگہ قیام کریں، یہ سایہ دار جگہ "صُفّہ" کہلاتی تھی، اور جو مساکین طالب دین اور متوکل و زاہد صحابہؓ یہاں پڑے رہتے تھے اُن کو اُصحابِ صُفّہ کہتے ہیں، گویا سلطانِ دین کی یہ خانقاہ تھی جس میں وہ عبادت گزار طالب علم مقیم تھے، جن کو نہ نکاح کی استطاعت تھی نہ کمانے اور نہ تجارت و زراعت وغیرہ میں مشغول ہو سکتے تھے، غرض علمِ فقہ اور دینِ اسلام کی طلب میں انھوں نے اپنے نفس کو (دین کے لئے) وقف کر رکھا تھا"۔

(تاریخ اسلام میرٹھیؒ)

مسجدِ نبویؐ کے دو ستونوں میں ایک رسّی بندھی رہتی تھی، جو صرف اس غرض سے تھی کہ اہلِ باغات کھجور کے خوشے لائیں، تو اس میں لٹکا دیں، جب وہ پک کر کار آمد ہو جاتے تھے تو اصحابِ صفّہ کو نیچے بٹھا کر خوشوں کو لکڑی سے جھاڑ دیتے، تاکہ وہ حضرات بلا تکلف کھا لیں، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اسی مدرسہ کے مشہور طالب علم تھے، ان کا بیان ہے کہ میں بھوک سے بیتاب ہو کر پیٹ پر پتھر باندھ لیتا اور کبھی بھوک کی وجہ سے بیہوش تک ہو جاتا تھا،

○ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اُس زمانہ کا اپنے اوپر گزرا ہوا ایک واقعہ بیان فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہدیہ میں دودھ کا ایک پیالہ آیا، آپؐ نے فرمایا، ابوہریرہؓ! اہلِ صفہ کو بلا لاؤ، میرے اوپر اس حکم کا اتنا اثر ہوا کہ میں دل میں کہنے لگا کہ اس پیالہ میں دودھ ہی کتنا ہے، جو تمام اہلِ صفہ کو آپؐ بلا رہے ہیں، یہ تو میرے لئے بھی کافی نہیں، بہرحال آپؐ کے حکم کی تعمیل میں میں سب کو بلا لایا، اس کے بعد آپؐ نے مجھے ہی حکم دیا، ابوہریرہؓ! اب اپنے تمام ساتھیوں کو پلانا شروع کرو، میں نے افسردگی کی حالت میں اس حکم کی بھی تعمیل کی، اور ایک طرف سے نمبروار سب کو پلانا شروع کیا، جب پی کر سب سیراب ہوگئے تو آپؐ میری طرف دیکھ کر مسکرائے، اور فرمایا، ابوہریرہؓ! اب میں اور تم باقی رہ گئے ہیں، اس کے بعد آپؐ نے فرمایا بیٹھ جاؤ اور اب تم پیو، ابوہریرہؓ کہتے ہیں میں نے پینا شروع کیا، حتیٰ کہ میرا پیٹ بھر گیا، اس کے بعد آپؐ نے فرمایا اور پیو، جب پیٹ میں بالکل گنجائش نہ رہی تو میں نے عرض کیا، بخدا اب (پیٹ میں) بالکل گنجائش نہیں رہی، اس کے بعد آپؐ نے میرے ہاتھ سے پیالہ لے لیا، اور بسم اللہ پڑھکر باقی ماندہ دودھ آپؐ نے پی لیا، (بخاری)

(ایک پیالہ دودھ ہوتا ہی کتنا ہے، اس کے باوجود اتنے آدمیوں کا سیراب ہوکر پی لینا یہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا کھلا معجزہ ہے) یہ ہے اس مسجدِ نبویؐ کے دارالعلوم اور اس کے طلباء کی مختصر سی تاریخ، جو ہمارے زمانہ کے بڑے بڑے دینی مدارس بھی پیش نہیں کرسکتے، دعا ہے اللہ تعالیٰ ہمارے مدارس کو اس کا سچا نمونہ بنادے، آمین،

اضافہ اشاعت ۱۴۲۰ھ از تاریخ حرمین شریفین حصہ دوم ص ۲۵۷

مسجدِ نبویؐ شریف کی توسیع

مملکتِ سعودیہ کا عظیم کارنامہ

ماہِ صفر ۱۴۱۰ھ میں مسجدِ نبوی کی توسیع و تعمیر کے منصوبہ پر عملدرآمد شروع ہوا، منصوبہ کے تحت مسجد کی عمارت سے متصل اس کے شمال مشرق اور مغرب میں ایک عمارت بنائی گئی ہے، جس کا رقبہ ۸۲۰۰۰ مربع میٹر ہے، اور اس میں ایک لاکھ ۷۳ ہزار نمازیوں کے لیے گنجائش ہے،

اس طرح مسجد شریف کے گراؤنڈ فلور کا مجموعی رقبہ ۹۸۵۰۰ مربع میٹر ہوگیا ہے، جس میں ایک لاکھ ۶۷

ہزار نمازی کی گنجائش ہے، اس کے علاوہ توسیع شدہ عمارت کی چھتوں کو بھی نماز کے قابل بنایا گیا ہے، جس کا رقبہ ۶۷,۰۰۰ ہزار مربع میٹر ہے، جس میں ۹۰ ہزار افراد نماز ادا کر سکتے ہیں، اس طرح توسیع کے بعد مسجد نبویؐ میں ۲ لاکھ ۵۷ ہزار نمازیوں کے لیے گنجائش ہو گئی ہے، اور کُل رقبہ ۱۶۵,۵۰۰ مربع میٹر ہو گیا ہے،

توسیع شدہ عمارت میں تہ خانہ بھی بنایا گیا ہے، جس میں ایر کنڈیشنگ مشینیں لگائی گئی ہیں، تہ خانوں کا رقبہ گراؤنڈ فلور کے برابر رکھا گیا ہے، توسیع سے قبل مسجد کا رقبہ ۱۶,۵۰۰ مربع میٹر تھا، جس میں ۲۸ ہزار نمازیوں کی گنجائش تھی،

توسیع کے بعد مسجد کا مجموعی رقبہ (ملحقہ میدان چھوڑ کر) ۱۶۵,۰۰۰ مربع میٹر ہو گیا، اب اس میں ۲ لاکھ ۵۵ ہزار افراد نماز ادا کر سکتے ہیں،

○ مینار ؛

توسیع سے قبل ۷۲ میٹر اونچائی کے ۴ مینار تھے، اب اُن کی تعداد ۱۰ ہو گئی ہے، جن میں سے ہر ایک کی اونچائی (ہلال کو چھوڑ کر) ۹۲ میٹر ہے،

○ مین گیٹ ؛ (صدر دروازے)

توسیع سے قبل ۷ مین گیٹ (صدر دروازے) تھے، اب ۲۳ ہو گئے ہیں، ان کے علاوہ گراؤنڈ فلور کے لیے ۸ نئے گیٹ بنائے گئے ہیں،

○ زینے ؛ ● مسجد کی چھت پر جانے کے لیے ۱۸ ● متحرک چھتیں ۳۶ ● مسجد سے متصل علاقہ میں زمین دوز کار اسٹینڈ ۲۷۰ ● انڈر گراؤنڈ کار اسٹینڈ کا رقبہ ۱۴۰,۰۰۰ مربع میٹر، ● وضو خانے ۴۰۰،

● پیدل چلنے والوں کے داخل ہونے اور باہر نکلنے کے گیٹ ۲۸

● گاڑیوں کے داخل ہونے اور نکلنے کے گیٹ ۸ (۴ داخلہ کے اور ۴ نکلنے کے)۔

● زیر زمیں منزل میں پینے کے پانی کی ٹونٹیاں ۵۶۰،

سعودی تعمیرات کے اس بیان سے ناظرین اندازہ کر سکتے ہیں کہ سب سے زیادہ اور بڑی توسیع خادم الحرمین الشریفین ملک فہد کے دور میں ہوئی، جس کو مورخ سنہرے حروف میں لکھے گا، اور اس کے لیے ایک مستقل اور ضخیم کتاب کی ضرورت ہو گی، یہ سب ترقی حرمین شریفین اور حجاج بیت اللہ کی خدمات کا صلہ ہے،

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ کو بھیجا، کہ وہ اپنی والدہ اور بہن بھائیوں یعنی حضرت عائشہؓ، حضرت اسماءؓ، ان کی والدہ اُمِّ رومانؓ اور بھائی عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ کو بھی لے آئیں،

○ زید بن حارثہؓ جب ان کو لے کر خیریت سے مدینہ واپس آ گئے تو آپؐ حضرت ابوایوب انصاریؓ کے مکان سے ان مکانوں میں منتقل ہو گئے، آپؐ کا حضرت ابوایوب انصاریؓ کے مکان پر سات ماہ قیام رہا،

معذرت ؛

مجھے اعتراف ہے کہ تعمیر مسجد نبویؐ کا بیان محبت و عشق رسولؐ کے جذبہ میں اختصار کی کوشش کے باوجود ذرا طویل ہو گیا، لیکن اس سے یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ چودہ صدیاں گذر جانے کے باوجود اتنی محفوظ ہے کہ اور کسی نبی کی نہیں، اور یہ بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ آپؐ کی اُمت نے آپؐ کی تاریخ اور سیرتِ پاکؐ کو کتنا محفوظ رکھا ہے، اس کے بعد سنہ ہجری کے کچھ اور واقعات پیش خدمت ہیں،

○ نماز کی رکعات میں اضافہ ؛

مکہ معظمہ میں رہتے ہوئے مسلمان ایسے تھے جیسے کوئی غریب مسافر، نماز بھی چھپ چھپ کر پڑھا کرتے تھے، اس لئے مسلمانوں کی اس مظلومی اور کمزوری کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے یہ رعایت رکھی کہ ظہر، عصر، عشاء کے چار فرضوں کی بجائے دو دو فرض پڑھ لیا کریں، مدینہ پہونچ کر خوف کی زندگی ختم ہو کر امن چین کی زندگی گذارنے لگے، تو اللہ تعالیٰ نے مقیم پر دو کی بجائے چار فرض کر دیئے، اور مسافر کے لئے دو فرض کر دیئے گئے،

اذان کی اہمیت و فضیلت

○ اذان کی اہمیت ؛

شریعتِ اسلامیہ میں اذان کی بڑی اہمیت ہے، اس سے اسلام کی عظمت اور ایک خاص شان ظاہر ہوتی ہے، اذان میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا بلند آواز سے اعلان کیا جاتا ہے، اسی وجہ سے کفار اذان سے جلتے ہیں، اور اس کے بند کرنے کی سر توڑ کوشش کرتے ہیں، قرآن کریم میں ارشاد ہے:

وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ۝

(پ۷، ع ۱۳)

"اور جب تم اذان دے کر (لوگوں کو) نماز کی طرف بلاتے ہو تو یہ (کفار اور یہود و نصاریٰ) اس کے ساتھ ہنسی اور کھیل کرتے ہیں، اور یہ حرکت اس لئے کرتے ہیں کہ عقل و سمجھ سے کام نہیں لیتے"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان کی اور اذان پڑھنے والے یعنی مؤذن کی بڑی فضیلت بیان فرمائی ہے:-

○ ایک حدیث میں ہے کہ اذان کی آواز سے شیطان بدحواس ہو کر بھاگتا ہے، یہاں تک مقامِ روحاء پر جاکر ٹھیرتا ہے، (مسلم شریف) روحاء مدینہ سے ۳۶ میل کے فاصلہ پر ہے،

○ اسی طرح مؤذن کے متعلق حضرت ابن عباسؓ روایت بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے سات سال تک (لوجہ اللہ) اذان دی تو اس کو دوزخ سے آزادی ہے،

(ترمذی، ابوداؤد)

اذان کی اہمیت وفضیلت کے بعد اس کی مشروعیت کا بیان ملاحظہ فرمائیے:-

○ اذان کی مشروعیت:

مسجد نبویؐ مکمل ہونے کے بعد جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فکر ہوا کہ مسلمانوں کو جماعت کی نماز کے لئے کس طرح بُلایا جائے، اس سلسلہ میں آپؐ نے صحابۂ کرام سے بھی مشورہ فرمایا، بعض لوگوں نے مشورہ دیا کہ نماز کے وقت جھنڈا بلند کر دیا کریں، اس سے لوگوں کو پتہ چل جایا کرے گا، کسی نے مشورہ دیا کہ ناقوس بجا دیا جایا کرے، الغرض یہ کہ لوگوں نے مختلف مشورے دیئے، مگر آپؐ نے ہر مشورہ کو اس لئے مسترد کر دیا کہ اس میں غیر قوموں سے مشابہت تھی، انہی باتوں میں مجلس برخاست ہو گئی، عبداللہ بن زیدؓ بن عبدؓ انصاری بھی اس مجلسِ مشاورت میں موجود تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فکر کا اُن کی طبیعت پر بہت اثر تھا، مجلس سے اُٹھ کر اسی فکر میں غرق مکان چلے گئے، اور سونے کے لئے لیٹ گئے، انھوں نے خواب میں اذان کے الفاظ سُنے، اُدھر آپؐ پر بھی وحی نازل ہو چکی تھی،

صبح کو حضرت عبداللہؓ نے اپنا خواب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سُنایا، اس کے بعد آپؐ نے حضرت عبداللہؓ سے فرمایا جو الفاظ تم نے سُنے ہیں وہ حضرت بلالؓ کو بتلا دو، تاکہ وہ اذان دیں، کیونکہ بلال کی آواز تمہاری آواز سے بلند ہے، حضرت بلالؓ کی اذان کے الفاظ حضرت عمرؓ کے کانوں میں پہونچے تو دوڑتے اور چادر گھسیٹتے ہوئے گھر سے آئے، اور خدمتِ نبویؐ میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہؐ! خدا کی قسم میں نے بھی ایسا ہی خواب دیکھا جیسا عبداللہ بن زیدؓ نے، (مشروعیتِ اذان کا یہ واقعہ کتبِ احادیث میں تفصیل سے موجود ہے، ہم نے اس کا خلاصہ بیان کر دیا ہے،

○ روایاتِ حدیث میں یہ بھی ہے کہ شبِ معراج میں جب آپؐ کو نماز کا تحفہ ملا تو جبرئیل علیہ السلام نے آسمان میں اذان دی اور مجھ کو امامت کے لئے کہا گیا تو میں نے فرشتوں کو نماز پڑھائی (سیرۃ المصطفیٰ)

حضرت بلالؓ سے اذان شاید اس وجہ سے پڑھوائی تاکہ اُن کی زمانۂ غلامی میں اسلام کی خاطر تکلیفوں اور مشقتوں کا انعام ہو جائے جو انھیں مشرکین تپتی ہوئی ریت پر لٹا دیا کرتے تھے، اور آپ اس وقت بھی اَحَدٌ اَحَدٌ (یعنی اللہ ایک ہے) کا مستانہ وار نعرہ لگایا کرتے تھے، اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو حکم دیا کہ اذان میں اللہ کی وحدانیت کا بلند آواز سے اعلان کرو تاکہ لوگ کان کھول کر سُن لیں،

○ فرضیت صومِ عاشوراء؛

ماہِ رمضان کے روزے ۲ھ میں فرض ہوئے، اس سے پہلے عاشوراء یعنی دس محرم الحرام کا روزہ فرض تھا،

كَانَ عَاشُورَاءُ يُصَامُ قَبْلَ رَمَضَانَ فَلَمَّا نَزَلَ رَمَضَانُ كَانَ مَنْ شَاءَ صَامَ وَمَنْ شَاءَ أَفْطَرَ (بیہقی)

"عاشورہ کا روزہ رمضان کے روزوں کی فرضیت سے پہلے (بطور فرضیت) رکھا جاتا تھا، پھر جب رمضان کے روزے فرض ہوئے تو جس کا دل چاہا رکھ لیا اور جس کا نہ چاہا نہ رکھا"

یعنی مستحب کے درجہ میں رہ گیا، رکھے تو ثواب نہ رکھے تو گناہ نہیں،

مدینہ کے نئے نئے مسائل اور حضورؐ کی طرف سے اُن کا حل

○ امن و امان؛

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم خیر سے جب مدینہ پہنچ گئے، اور مسجدِ نبویؐ کی تعمیر مکمل ہونے کے قریب پہنچی تو آپؐ نے شہر کے امن و امان کی طرف توجہ فرمائی، کیونکہ امن و امان اتنا بنیادی اور اہم مسئلہ ہے کہ دشمن اس سے فائدہ اٹھا کر بغاوت کرا دیتے ہیں، مدینۂ طیبہ میں سرِفہرست مہاجرین کا مسئلہ تھا، آج ہم مشاہدہ کر رہے ہیں کہ جس ملک میں مظلوم اور مصیبت زدہ مہاجر جاتے ہیں شروع شروع میں اس ملک کے باشندے ان کا استقبال کرتے ہیں، کچھ عرصہ گذرنے کے بعد تعلقات کشیدہ ہونے شروع ہو جاتے ہیں، اور ملک انتشار کا شکار ہو کر تباہی کے کنارے پہنچ جاتا ہے،

آپؐ کے سامنے مہاجرین و انصار کے تعلقات کا مسئلہ، یہودِ مدینہ اور منافقین کی ریشہ دوانیاں مزید مشرکینِ مکہ کا مخالفینِ اسلام کو ورغلانا، یہ سب مسائل تھے جو ملک کے امن و امان کو تباہ و برباد کر سکتے تھے، آپؐ نے اس بات کا اندازہ کر لیا تھا کہ مہاجرین مظلوم اور مصیبت زدہ ہیں، مکہ میں اپنا کاروبار اور اہل و عیال اور جائدادیں چھوڑ کر خالی ہاتھ آئے ہیں، کہیں انصار کو آسودہ اور خوش حال دیکھ کر دل شکستہ

ہوں، اسی طرح انصارِ مدینہ چھوٹی سی جگہ میں مہاجرین کی آمد دیکھ کر مہاجرین سے نفرت کرنے لگیں، کیونکہ آپ کے ہجرت کر آنے کے بعد مشرکینِ مکہ چین سے نہ بیٹھے تھے، اور انھوں نے اہلِ مدینہ کو دھمکیاں دینی شروع کر دی تھیں،

○ قریش کا رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی اور اہلِ مدینہ کو خط؛

علامہ شبلی نعمانیؒ لکھتے ہیں،

"قریش نے ہجرت کے ساتھ ہی مدینہ پر حملہ کی تیاریاں شروع کر دی تھیں، عبداللہ بن اُبی کو انھوں نے خط لکھ بھیجا کہ یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر دو یا ہم آکر ان کے ساتھ تمھارا بھی فیصلہ کر دیتے ہیں، قریش کی چھوٹی چھوٹی ٹکڑیاں مدینہ کی طرف گشت لگاتی رہتی تھیں، کرز فہری مدینہ کی چراگاہوں تک آکر غارت گری کرتا رہتا تھا۔" (سیرۃ النبیؐ ج ۱)

○ قریش کا انصار کو دھمکی آمیز خط؛

"اے انصار! تم نے ہمارے آدمی (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کو پناہ دی ہے ہم خدا کی قسم کھا کر کہتے ہیں یا تو تم اس کو قتل کر ڈالو، یا مدینہ سے نکال دو، ورنہ ہم سب مل کر تم پر حملہ کر دیں گے اور تمھارے جنگجو (بہادر) لوگوں کو قتل کر ڈالیں گے، اور تمھاری عورتوں کو ہم اپنی باندیاں بنالیں گے۔"

ان خطوط سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ دشمنانِ اسلام مدینۃ النبیؐ کا امن و امان درہم برہم کرنے کے لئے کیا کیا منصوبے بناتے رہتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُس وقت کی کیفیت کا اندازہ نسائی شریف کی اس روایت سے کیا جا سکتا ہے:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوَّلَ مَا قَدِمَ الْمَدِيْنَةَ يَسْهَرُ اللَّيْلَ،	جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو راتیں جاگ کر گذارتے تھے۔"

ظاہر بات ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان حالات میں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر کیسے بیٹھ سکتے تھے! اس لئے آپؐ نے سب سے پہلے مہاجرین و انصار میں محبت پیدا کرنے کے لئے مواخاۃ یعنی بھائی چارہ کا رشتہ قائم فرمایا،

○ مہاجرین و انصار میں رشتۂ مواخاۃ؛

مہاجر اسلام کی خاص اصطلاح ہے، یہ ہجرت سے بنا ہے، ہجرت کے معنی ہیں کسی چیز کو دل برداشتہ ہو کر چھوڑ دینا، مگر اسلام میں ہجرت کے معنی یہ ہیں کہ آدمی دار الکفر کو چھوڑ کر اسلام کی خاطر دار الاسلام

کی طرف ہجرت کر جائے،

حضرت خباب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

هَاجَرْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نُرِيْدُ وَجْهَ اللّٰهِ،

"ہم لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت اس لئے کی کہ اس سے مقصد صرف رضائے خداوندی تھی"

حاصل یہ کہ اللہ کی رضا کے لئے جو مسلمان ترکِ وطن کرے اس کو "مہاجر" کہتے ہیں، مہاجر کا اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت اونچا مقام ہے، مہاجر پر اپنے انعام کا اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں ذکر فرمایا ہے:

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ط وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ط لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝ (پ ۱۴، ع ۱۲)

"اور جن لوگوں نے بعد اس کے کہ اُن پر ظلم کیا گیا اللہ کے لئے اپنا گھر چھوڑا تو ہم ضرور اُن مہاجرین کو دنیا میں اچھا ٹھکانا دیں گے، اور آخرت کا ثواب تو بہت بڑا ہے کاش یہ لوگ سمجھ اور ہم سے کام لیتے"

مکہ معظمہ سے اسلام کی خاطر مسلمان اپنے گھر بار چھوڑ کر مدینہ چلے آئے، اللہ تعالیٰ نے اُن کو دنیا میں پہلے سے اچھا ٹھکانا دیا، مدینہ کے لوگوں نے ان کا استقبال کیا، ان کو رہنے سہنے کے لئے جگہ دی، اور اس کے بدلہ میں "انصار" کے لقب سے نوازے گئے،

مہاجرین کی کمزوری اور راہِ خدا میں قربانی کا قرآن مجید میں دوسری جگہ ان الفاظ میں بیان فرمایا گیا،

لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ط اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝

"اُن حاجتمند مہاجرین کا (خاص طور پر یہ) حق ہے جو اپنے گھروں اور اپنے مالوں سے جدا کر دیئے گئے ہیں اللہ کے فضل اور رضامندی کے طلبگار ہیں اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی مدد کرتے ہیں، یہی لوگ تو صادق ہیں"

اس آیتِ کریمہ میں مہاجر صحابۂ کرام کی مدح اور صاف صاف تعریف کی گئی ہے، اور یہ بتلایا گیا کہ ان حضرات کی یہ ہجرت کسی دنیوی غرض سے نہیں محض اللہ کی رضاجوئی کے لئے ہے، اور اُن کی نیت محض اللہ اور اس کے رسولؐ کے دین کی خدمت و نصرت ہی اُن کی زندگی کا واحد مقصد ہے،

اس کے بعد کی آیت میں انصار کے ایثار و ہمدردی کا ذکر اور تعریف ان الفاظ میں فرمائی گئی:-

وَالَّذِيْنَ تَبَوَّءُو الدَّارَ وَالْإِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۚ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

(پ۲۸، ع۴)

"اور اُن لوگوں کا (بھی حق ہے) جو دارالاسلام اور ایمان میں اُن (مہاجرین) کے قبل سے قابض ہوئے ہیں محبت کرتے ہیں، اس سے جو اُن کے پاس ہجرت کرکے آتا ہے۔ اور اپنے دلوں میں کوئی رشک نہیں پاتے اس سے جو کچھ انھیں ملتا ہے اپنے سے مقدم رکھتے ہیں اگرچہ خود فاقہ میں ہی ہوں، اور جو اپنی طبیعت کے بخل سے محفوظ رکھا جائے سو ایسے لوگ تو فلاح پانے والے ہیں۔"

○ صحابہ کی محبت ایمان کی علامت ہے؛

يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ میں مہاجرین سے محبت رکھنے کی فضیلت پر یہ صاف نصِ قرآنی ہے، اور یہ خبر متواتر سے معلوم ہے کہ خلفاءِ راشدینؓ چاروں کے چاروں مہاجر تھے، تو ان خلفاءِ اربعہ (ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ) سے محبت رکھنا علامتِ ایمان ہے، (تفسیرِ ماجدی)

○ ایثار کی ایک روشن مثال؛

اسی آیت میں انصار کے ایثار کے ایک واقعہ کے متعلق اشارۃً فرمایا گیا؛

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ

"اور مقدم رکھتے ہیں ان (مہاجرین) کو اپنی جان سے اور اگرچہ اپنے اوپر فاقہ ہو۔"

ایک غریب اور فاقہ زدہ شخص خدمتِ نبویؐ میں حاضر ہوا اور عرض کیا، یارسول اللہؐ! میں بہت سخت بھوکا ہوں، آپؐ نے اپنے مکانات (ازواجِ مطہراتؓ سے) میں دریافت کیا کہ کھانے کی کوئی چیز ہے؟ تو ہر گھر سے نفی میں جواب ملا، آپؐ نے اس کے بعد حاضرینِ مجلس سے دریافت کیا، کہ کوئی اس کو اپنے ساتھ کھانا کھلانے لے جاسکتا ہے؟ تو حضرت ابوطلحہؓ نے جواب دیا، میں حاضر ہوں، اس کے بعد وہ اپنے ساتھ لے گئے، اور گھر میں بیوی سے جاکر کہا کہ یہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مہمان ہیں، ان کا اکرام اور خاطر مدارات کرو، اہلیہ نے عرض کیا، کھانا صرف بچوں کے سہارے کی مقدار میں موجود ہے، حضرت ابوطلحہؓ نے کہا، جو بھی کچھ ہے تیار کرو، چراغ جلالو، بچوں کو بہلا پھسلا کر سُلادو، فرمانبردار اہلیہ نے حکم کی تعمیل کی، جب کھانا تیار ہوگیا تو اہلیہ چراغ کی بتی اونچی کرنے کے بہانے اٹھیں، اور طے شدہ پروگرام کے مطابق چراغ بجھادیا، اندھیرے میں کھلانا شروع کیا، میاں بیوی صرف ہاتھ مُنہ چلاتے رہے، مہمان سمجھا میرے ساتھ یہ بھی کھا رہے ہیں، مہمان نے پیٹ بھر لیا اور میاں بیوی دونوں نے ساری رات بھوکے رہ کر

گزاردی،

الغرض ایک انصاری بھائی کو یہ فکر نہیں ہوتا تھا کہ میرے بچوں کا بھوک کی وجہ سے کیا حال ہے، اگر میں اپنے مہاجر بھائی کو کھانا کھلا دوں گا تو میرے بچے بھوکے رہ جائیں گے،

اس قسم کے اور بہت سے واقعات صحابۂ کرام کے مشہور ہیں، ہم نے یہ ایک واقعہ آیت کی مناسبت سے بیان کر دیا، اسی آیت میں انصار کے اسی جذبۂ ایثار و ہمدردی کو فرمایا گیا:

يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ	محبت کرتے ہیں اس سے جو وطن چھوڑ کر آتا ہے اور
فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا،	اپنے دلوں میں کوئی رشک نہیں اس سے جو کچھ انھیں ملتا ہے"

آج کے اس دور میں عصبیت کے شکار مظلوم انسان دنیا میں پھیلے پڑے ہیں، بڑی بڑی حکومتیں ان کی وجہ سے پریشان ہیں کہ ان مظلوموں کو کہاں اور کیسے بسایا جائے؟

فلسطین کے مظلوم مہاجرین کا مسئلہ دنیا کے لئے لاینحل اور دردِ سر بنا ہوا ہے، تو پاکستان میں افغان مہاجرین کا مسئلہ پریشان کن ہے،

لیکن رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنے اہم اور پریشان کن مسئلہ کو ایسے آسان اور سہل طریقہ پر حل فرمایا کہ دنیا اس جیسی نظیر پیش نہیں کر سکتی، مسجد نبوی جب مکمل ہو گئی یا مکمل ہونے کے قریب پہونچی تو ایک روز آپ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے مکان پر انصار و مہاجرین کو جمع کر کے ارشاد فرمایا:

"اے انصار! یہ تمھارے بھائی مہاجر بے گھر ہو کر اپنے مال و دولت پر لات مار کر خدا کے لئے میرے ساتھ یہاں (مدینہ) آگئے ہیں، میں چاہتا ہوں کہ تمھارے اور اُن کے درمیان رشتۂ اخوت یعنی بھائی چارہ قائم کر دوں"

اس کے بعد آپ نے تقریباً پینتالیس[۴۵] مہاجرین و انصار کے درمیان یہ رشتہ قائم کر دیا، ان میں سے چند اصحاب کے نام یہ ہیں:-

نمبر شمار	نام مہاجرین	نمبر شمار	نام انصار
۱	حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ	۱	حضرت خارجہ بن زید رضی اللہ عنہ
۲	حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ	۲	حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ
۳	حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ	۳	حضرت اوس بن ثابت رضی اللہ عنہ
۴	حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ	۴	حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ

نمبر شمار	نام مہاجرین	نمبر شمار	نام انصار
۵	حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ	۵	حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ
۶	حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ	۶	حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ
۷	حضرت سعید بن زید بن عمرو بن نفیل رضی اللہ عنہ	۷	حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ
۸	حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ	۸	حضرت سلامہ بن سلامہ وقیش رضی اللہ عنہ
۹	حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ	۹	حضرت ابو ایوب خالد بن زید انصاری رضی اللہ عنہ
۱۰	حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ	۱۰	حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ

(سیرۃ ابن ہشام)

○ مواخاۃ کے بعد انصار کا جذبۂ ایثار و ہمدردی:

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مواخات قائم کر دینے کے بعد انصار کے جذبۂ ایثار و ہمدردی کی یہ کیفیت ہو گئی کہ ہر انصاری اپنے مہاجر بھائی کو اپنے گھر لے جاتا اور اپنے تمام سامان کے دو حصے کر کے آدھا اپنے مہاجر بھائی کے حوالہ کر دیتا، یہی نہیں بلکہ زمین و باغات آدھے آدھے اپنے مہاجر بھائیوں کے حوالے کر دیتے، اس سے بھی زیادہ حیرت کی بات یہ ہے کہ سعد بن الربیعؓ کو عبدالرحمٰن بن عوفؓ کا بھائی بنایا گیا تھا اُن کی دو بیویاں تھیں، انھوں نے حضرت عبدالرحمٰنؓ سے کہا، میں اپنی ایک بیوی کو طلاق دیتا دیتا ہوں، عدت گذرنے کے بعد آپ ان سے نکاح کر لیں، لیکن انھوں نے شکریہ ادا کرتے ہوئے انکار کر دیا،

○ حضرت انس رضی اللہ عنہ انصار کے اس جذبہ کے متعلق فرماتے ہیں کہ ہر انصاری اپنے مہاجر بھائی سے زیادہ کسی کو مستحق نہیں سمجھتا تھا (ابوداؤد، ترمذی)

غالباً انصار کے اسی جذبۂ ایثار و ہمدردی کی بناء پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اٰیَۃُ الْاِیْمَانِ حُبُّ الْاَنْصَارِ وَاٰیَۃُ النِّفَاقِ بُغْضُ الْاَنْصَارِ،	"انصار سے محبت کرنا ایمان کی علامت ہے اور اُن سے بُغض رکھنا نفاق کی علامت ہے"

(بخاری، باب علامۃ الایمان حب الانصار)

○ مواخات کے واقعہ میں سبق:

انصار و مہاجرین میں مواخات کے بعد الفت و محبت اور ایثار و ہمدردی کے جذبات یہ اسلام اور پیغمبرِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تعلیم کا نتیجہ ہے جو مذہب اسلام کی وجہ سے ان حضرات کے دلوں میں پیدا ہو گئی تھی، یہ صرف اسلام کا اعجاز ہے،

ہم دیکھتے ہیں دنیا کی بڑی بڑی حکومتیں قوانین بناتی ہیں، مگر اُن کی قدر و قیمت ردّی کے کاغذ کی برابر بھی نہیں ہوتی،

اسلام کا یہ پیغام آج بھی موجود ہے، اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ "تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں" اور پیغمبر عالم صلی اللہ علیہ وسلم (ارد احنافداہ) نے اس کی اہمیت ان زرّیں الفاظ میں فرمائی :-

اَلْمُؤْمِنُوْنَ کَرَجُلٍ وَّاحِدٍ اِنِ اشْتَکٰی عَیْنُہٗ اشْتَکٰی کُلُّہٗ وَاِنِ اشْتَکٰی رَاْسُہٗ اشْتَکٰی کُلُّہٗ ،

(مسلم شریف)

"تمام مؤمن ایک آدمی کی مانند ہیں، اگر آدمی کی آنکھ میں تکلیف ہو تو سارے بدن کو تکلیف پہونچتی ہے اور اگر سر میں تکلیف ہو پھر بھی سارے بدن کو تکلیف پہونچتی ہے"

انصار کے ایثار و ہمدردی کے بعد مہاجرین کی احتیاط

(۱) مواخاۃ قائم کر دینے اور انصار کے جذبۂ ایثار و ہمدردی سے مہاجرین نے ناجائز فائدہ اٹھانے کی ذرہ برابر کوشش نہیں کی، بلکہ یہی عبدالرحمٰن بن عوفؓ جن کا ذکر اوپر ہوا ان کے متعلق ہے کہ انھوں نے حضرت سعدؓ سے کہا، مجھے بازار کا راستہ بتا دیجئے، انھوں نے مدینہ کے مشہور بازار قینقاع کا راستہ بتا دیا، انھوں نے بازار سے کچھ گھی، کچھ پنیر خریدا، اور شام تک خرید و فروخت کی، چند روز میں اتنا سرمایہ ہو گیا کہ شادی کر لی، رفتہ رفتہ اُن کی تجارت کو اتنی ترقی ہوئی کہ خود ان (عبدالرحمٰن بن عوفؓ) کا قول تھا کہ خاک پر ہاتھ ڈالتا ہوں تو سونا بن جاتی ہے، اُن کا اسباب تجارت سات سات سو اونٹوں پر لد کر آتا تھا، اور جس دن مدینہ میں پہونچتا تو تمام شہر میں دھوم مچ جاتی تھی (سیرۃ النبیؐ جلد اول)

صرف یہی ایک واقعہ نہیں بلکہ :-

(۲) حضرت ابوبکر صدیقؓ کا کارخانہ مقام سنح میں تھا جہاں وہ کپڑے کی تجارت کیا کرتے تھے،

(۳) اسی طرح حضرت عثمان غنیؓ بنو قینقاع کے بازار میں کھجور کی تجارت کیا کرتے تھے،

(۴) حضرت عمر فاروقؓ بھی تجارت کرنے لگے تھے، اور شاید ان کی اس تجارت کی وسعت ایران تک پہونچ گئی تھی،

غرض یہ کہ اور بہت سے مہاجرین نے بھی چھوٹی موٹی تجارت شروع کر دی تھی،

○ انصار نے بہت سے مہاجرین کو اپنے باغات تک دیدیئے تھے، جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا، مگر ۷ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب خیبر فتح کیا تو مہاجرین نے یہ سب باغات اپنے بھائی

انصار کو واپس کر دیئے (سیرۃ النبیؐ جلد اول بحوالہ صحیح مسلم)

ان چند واقعات سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ مہاجرین مدینہ پہنچ کر انصار کے لئے بوجھ نہیں بنے، اور اپنی روزی خود کما کر آنے والی دنیا کے لئے روشن مثال قائم کر دی،

○ سلمان فارسیؓ کا قبولِ اسلام؛

آپ کا نام ابوعبداللہ اور کنیت سلمان الخیر ہے، فارس کے رہنے والے تھے، اور مجوسی باپ کے اکلوتے اور لاڈلے بیٹے تھے، آپ نے ڈھائی سو اور بعض حضرات کے قول کے مطابق ساڑھے تین سو سال کی عمر میں وفات پائی، آپ کا باپ گھر سے باہر جانے نہیں دیتا تھا، اور اپنے آتش کدہ کا نگراں مقرر کیا ہوا تھا، کہ اس کا خیال رکھیں آتش کدہ کی آگ کسی وقت بجھنے نہ پائے، ایک مرتبہ اُن کا باپ کسی کام میں پھنسا ہوا تھا، اس لئے مجبوراً حضرت سلمانؓ کو کسی زمین وغیرہ کی خبر لینے کے لئے بھیجا، اور یہ تاکید کر دی کہ جلدی واپس آنا کہیں دیر نہ کرنا، آپ نے چونکہ گھر سے باہر کی دنیا پہلی مرتبہ دیکھی تھی اس لئے راستہ میں ایک مکان سے کوئی آواز کان میں پڑی تو اندر چلے گئے وہاں جاکر دیکھا تو نصاریٰ اپنے مذہب کے مطابق عبادت کر رہے تھے، نصاریٰ کی عبادت کو دیکھ کر دینِ حق کی تلاش کا جذبہ پیدا ہوا، اسی کتاب کے باب دوم میں سلمان فارسیؓ کے ایمان لانے کا سبب کے عنوان سے صفحہ ۳۹ پر گذر چکا ہے،

آپ کے اسلام لانے کی داستان بڑی دلچسپ اور طویل ہے، خود حضرت سلمانؓ کا بیان ہے اس تلاشِ حق میں لوگوں نے مجھے غلام بنا کر کم و بیش دس بارہ جگہ فروخت کیا، اخیر میں فروخت ہوتے ہوتے مدینہ کے ایک یہودی کے پاس پہونچا، چونکہ بہت سے علماء کی صحبت میں رہتے رہتے میرے کانوں میں یہ بات پڑ چکی تھی کہ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کا دار الہجرت یثرب ہوگا اس لئے غلام بن کر مدینہ پہونچنے کو غنیمت جانا آپ مدینہ میں اس یہودی کے پاس کام کرتے رہے، ایک دن آپ درخت پر چڑھے ہوئے کام کر رہے تھے، کہ اس یہودی کے مُنہ سے آپنے یہ الفاظ سُنے: "خدا بنی قیلہ یعنی انصار کو ہلاک کرے کہ قباء میں ایک شخص کے اِرد گرد جمع ہیں جو مکہ سے آیا ہے، اور یہ کہتے ہیں کہ یہ شخص نبی ہے"، حضرت سلمانؓ نے درخت پر چڑھے چڑھے یہ الفاظ سُنے تو اُن کی حالت غیر ہو گئی، قریب تھا کہ درخت سے گر پڑتے، مگر دل کو تھام کر آہستہ آہستہ نیچے اُترے، اور اس یہودی سے پوچھا تم کیا بات کہہ رہے تھے کہ مکہ سے کون آیا ہے؟

حضرت سلمانؓ کے آقا کو ان کی اس بات پر غصہ آگیا، اور اُن کے زور سے ایک طمانچہ مارا، کہ تجھ کو اس سے کیا مطلب؛ تو اپنا کام کر"، اس سے پہلے حضرت سلمانؓ علمائے یہود و نصاریٰ سے آپؐ کی نبوت کی علامات میں سے تین علامتیں سُنے ہوئے تھے، اوّل یہ کہ آپؐ صدقہ کی چیز قبول نہیں کرینگے، دوم ہدیہ کی

چیز قبول کرلیں گے، سوم آپؐ کی پشت مبارک پر مُہر نبوت ہے،

حضرت سلمانؓ شام کے وقت اپنے کام کاج سے فارغ ہو کر قبا کی بستی میں حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا، حضور مجھے معلوم ہے کہ آپؐ اور آپؐ کے ساتھی (صحابہؓ) مکہ سے خالی ہاتھ آئے ہیں، جس کی وجہ سے آپ حضرات کا ہاتھ تنگ ہے، اس لئے میں آپؐ کے لئے اور آپ کے ساتھیوں کے لئے کچھ صدقہ پیش کرنا چاہتا ہوں، آپؐ نے فرمایا صدقہ کا مال میرے لئے جائز نہیں، البتہ میرے صحابہ چاہیں تو ان کو اجازت ہے، حضرت سلمانؓ نے آپؐ کا جواب سُن کر اپنے دل میں کہا کہ اُن تین علامتوں میں سے پہلی علامت سچی نکلی، اس کے بعد حضرت سلمانؓ واپس ہو گئے، اور چند دن بعد پھر حاضر خدمت ہوئے، اور عرض کیا:

حضور! صدقہ تو آپؐ نے قبول نہیں فرمایا تھا، آج کچھ تھوڑا سا ہدیہ پیش کرنے کے لئے لایا ہوں، آپؐ نے قبول فرمالیا، اور خود بھی کھایا اپنے صحابہ کو بھی کھلایا، حضرت سلمانؓ نے اپنے دل میں کہا یہ دوسری علامت بھی سچی نکلی، اُس کے بعد واپس آگئے،

چند دن بعد پھر حاضر خدمت ہوئے اور سلام عرض کر کے آپؐ کی پشت مبارک کے پیچھے مُہر نبوت دیکھنے کے لئے بیٹھ گئے، حضرت سلمانؓ کہتے ہیں، آپؐ میرا ارادہ اور مقصد سمجھ گئے، اور پشت مبارک سے کپڑا اٹھا دیا، میں نے دیکھتے ہی مُہر نبوت کو بوسہ دیا اور مشرف باسلام ہو گیا،

آپ نے غلامی سے کیسے آزادی حاصل کی؟ جیسا کہ ابھی بیان کیا گیا کہ حضرت سلمانؓ آزاد باپ کے آزاد بیٹے جبریہ غلام بنتے رہے، اخیر میں عثمان اسہل یہودی کے غلام رہے، مسلمان ہونے کے بعد حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس طرح ہو غلامی سے آزادی حاصل کرنے کی فکر کرو" آپؐ کے فرمانے سے ہمت بندھی، اور اپنے مالک سے آزادی کی درخواست کی، عثمان نے آزادی کے لئے دو شرطیں رکھیں؛

پہلی شرط، چالیس اوقیہ (تقریباً سوا سیر) سونا دو، دوسری شرط، تین سو کھجور کے درخت لگاؤ جب وہ پھل دینے لگیں تو پھر آزادی کی بات کرنا،

دونوں شرطیں ایسی تھیں کہ اُن کا پورا کرنا حضرت سلمانؓ کے قبضہ کی بات نہ تھی، خدمتِ نبویؐ میں آکر دونوں شرطیں بتلائیں، آپؐ نے فرمایا، قبول کرلو، اُدھر آپؐ نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا کہ اپنے بھائی سلمان کی کھجور کے قلموں سے امداد کریں، یہ سنتے ہی صحابہؓ نے امداد کا کام شروع کر دیا، تھوڑی دیر میں تین سو قلمیں جمع ہو گئیں، اس کے بعد آپؐ نے فرمایا، اے سلمانؓ! اب تم ان کے لگانے کے لئے گڑھے کھودو اس کے بعد مجھے اطلاع دینا، گڑھے کھودنے کے بعد حضرت سلمانؓ نے آپؐ کو اطلاع دی، آپؐ نے اپنے دستِ مبارک سے ان پودوں کو گڑھے میں لگایا، اور برکت کی دعاء فرمائی، ایک سال بھی گذرنے نہ پایا تھا کہ سب میں پھل

آگیا، اور آزاد ہونے کی پہلی شرط معجزانہ طور پر پوری ہو گئی،

کھجوروں کے پھل کے متعلق مشہور ہے کہ داد لگائے تو پوتا پھل کھائے گا، ایک سال میں پھل آجانا، یہ صرف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک سے لگانے کا معجزہ تھا، چنانچہ درخت لگانے کے وقت جو صحابہ باغ میں موجود تھے ان میں سے آپؐ نے کسی سے بھی امداد نہ لی، آپؐ نے قلمیں خود ..... لگا کر اپنے دستِ مبارک سے مٹی ڈالی، حضرت عمر فاروقؓ کچھ دیر سے پہونچے، انھوں نے دیکھا کہ صحابہ کا سارا مجمع کسی نہ کسی کام میں لگا ہوا ہے، آپ کو خاموش تماشائی بنے رہنا اچھا نہ معلوم ہوا، کچھ سمجھ میں نہ آیا، کہ میں کیا کام کروں؟ اس لئے آپ نے ایک قلم اٹھا کر گڑھے میں رکھ کر مٹی ڈال دی، کسی کو پتہ بھی نہ چلا، حضرت عمرؓ اپنی جگہ خوش کہ اپنے بھائی سلمان کو آزادی دلانے میں مجھے بھی شرکت کا موقع ملا، جب پھل آیا تو حضرت سلمانؓ نے اپنے آقا کو جا کر بتلایا تو وہ سُنکر مذاق اڑانے لگا کہ درخت لگائے ہوئے ابھی دن ہی کتنے گذرے ہیں کہ پھل آگیا، پھر اس نے خیال کیا، چلو باغ چل کر تو دیکھیں، عثمان خود بھی اور بہت سے آدمیوں کو لے کر باغ گیا، ان کے ساتھ ایک بچہ کی باغ کے درختوں پر نگاہ پڑی، تو چیخ کر کہنے لگا ہمارے باغ کے درختوں پر پھل لگے ہوئے نظر آرہے ہیں، بچہ کے کہنے پر درختوں کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھا تو واقعی درخت تو پھل سے بھرے ہوئے ہیں،

یہ حیران کن صورت دیکھ کر عثمان کے ساتھیوں میں سے ایک چالاک شخص کہنے لگا یہ دیکھنا چاہئے کہ یہ اصل پھل ہیں یا مصنوعی یا یہ جادو ہے، کہیں ایسا بھی ہوا ہے کہ ایک سال میں پھل آجائیں، اور پھل بھی کھجور کے درخت پر، آخر ایک ایک درخت کو دیکھنا شروع کیا، اس کے بعد یقین کرنا پڑا کہ واقعی اصلی پھل ہیں، اسی دوران ایک شخص کی ایک درخت پر نگاہ پڑ گئی کہ اس پر پھل نہیں، اس نے چیخ کر کہا، اِدھر آؤ دیکھو اس درخت پر پھل نہیں آیا، یہ سنتے ہی سب لوگ اُدھر دوڑ پڑے، دیکھا تو واقعی درخت خالی، عثمان کو بہانہ ہاتھ آگیا، اور سلمانؓ سے کہنے لگا جب میری شرط پوری نہیں ہوئی تو تم آزاد کیسے ہو سکتے ہو؟ یہ دیکھ کر حضرت سلمانؓ پر سکتہ سا طاری ہو گیا اور جا کر سارا ماجرا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سنایا، آپؐ کو بھی یہ سُنکر تعجب ہوا اور حضرت سلمانؓ کی دلداری کے لئے چل کر باغ میں تشریف لے گئے، دیکھا تو واقعی ایک درخت پھل سے خالی تھا، فرمایا کیا بات ہے؟ اس درخت میں پھل کیوں نہیں آیا؟ اُس وقت حضرت عمرؓ کو یاد آیا اور عرض کیا، یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے یاد آیا یہ درخت میرے ہاتھ کا لگایا ہوا ہے، اور پورا واقعہ سُنایا، اس کے بعد آپؐ نے اس درخت کو اکھاڑ کر دوبارہ اس گڑھے میں رکھ کر پھر مٹی ڈالدی، اس کے بعد وہ درخت اُسی سال پھل لے آیا، اور حضرت سلمانؓ آزاد ہو گئے،

اس واقعہ کی تفصیل سے معلوم ہوا کہ کھجوروں کے تین سو درختوں پر ایک ساتھ اور ایک ہی سال میں

پھل آجانا یہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تھا، اسی لئے ہم نے اس کو مفصل بیان کیا،

اب دوسری شرط کا بھی پڑھ لیجئے کہ کیسے معجزانہ طور پر پوری ہوئی؟

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مالِ غنیمت یا کسی اور جگہ سے ایک بیضہ کی مقدار میں سونا آیا آپؐ نے دریافت کیا، سلمان کہاں ہے؟ حضرت سلمانؓ حاضر ہوئے تو وہ سونا آپؐ نے اُن کو دیدیا، اور فرمایا لو یہ سونا لے جاؤ اور اس سے اپنے مالک کا قرضہ اُتار کر آزادی حاصل کرلو، حضرت سلمانؓ بولے، حضور اس تھوڑے سے سونے سے کیا بنے گا؟ آپؐ نے فرمایا، جاؤ، اللہ تعالیٰ اسی سے تمہارا قرضہ ادا کرادے گا،

حضرت سلمانؓ نے آپؐ کا حکم پاکر وہ سونا عثمان کو دیا تو وہ بھی دیکھ کر یہ کہنے لگا، اتنے سے سونے سے کیا ہوگا؟ حضرت سلمانؓ نے کہا پہلے تول کر تو دیکھ، دیکھا تو پورا چالیسؔ اوقیہ ہوا، اس کے بعد غلامی کی زندگی سے آزاد ہوکر خدمتِ نبویؐ میں رہنے لگے،

مصنف تاریخ اسلام لکھتے ہیں کہ حضرت سلمانؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بائیسؔ سال حیات رہے، اور بزمانۂ خلافتِ عثمانؓ ۳۳ھ میں وصال فرمایا، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ہ

درحقیقت، کھجوروں کے درختوں کا ایک سال میں پھل لے آنا اور بیضہ کی برابر سونے کا وزن بڑھ جانا یہ دونوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزے تھے،

○ عبداللہ بن سلام کا قبولِ اسلام:

عبداللہ بن سلام کا نام اسلام لانے سے پہلے حصین بن سلام تھا، اسلام لانے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کا نام عبداللہ بن سلام کردیا تھا، توریت کے بڑے عالم تھے، اور یہودی بھی آپ کو زبردست عالم سمجھتے تھے، آپ کا سلسلۂ نسب حضرت یوسف علیہ السلام سے ملتا ہے،

چونکہ آپ توریت کے عالم تھے اس لئے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق آپؐ کی آمد سے متعلق بشارات سے واقف تھے، حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے اپنے اسلام لانے کا واقعہ اس طرح بیان کیا ہے کہ میں اپنے باغ میں اپنی پھوپھی خالدہ بنت الحارث کی کاشت میں مشغول تھا کہ میرے کانوں میں آواز آئی کہ آپؐ قباء تشریف لے آئے ہیں، یہ سنتے ہی بے اختیار میری زبان سے نعرۂ تکبیر بلند ہوا، اور پھوپھی سے کہا، مبارک ہو وہ پیغمبرِ اعظمؐ آگئے جن کا مدت سے انتظار تھا، اس کے بعد سب کام چھوڑ کر دیدار کے لئے حاضر ہوئے، جیسے ہی چہرۂ انور پر نظر پڑی تو دل نے کہا یہ جھوٹے آدمی کا چہرہ نہیں ہے، عبداللہ بن سلام کا بیان ہے میں نے آپ کی زبانِ مبارک سے سب سے پہلے جو الفاظ سُنے وہ یہ تھے:۔

اَیُّھَا النَّاسُ اَفْشُوا السَّلَامَ ــــــ اے لوگو! سلام کو رواج دو،

وَاَطْعِمُوا الطَّعَامَ ——— اور (غریبوں کو) کھانا کھلاؤ،
وَصَلُّوْا وَالنَّاسُ يَنَامُ ——— اور اس وقت نماز پڑھو جب لوگ سو رہے ہوں،
تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ ——— اطمینان سے جنت میں داخل ہو جاؤ۔" (ترمذی شریف)

مختصر یہ کہ عبداللہ بن سلامؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور پر نظر پڑتے ہی حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے، اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، یارسول اللہ میرا اسلام ظاہر کرنے سے پہلے میری قوم سے میرے متعلق یہ معلوم فرمالیں کہ میں کس قسم کا آدمی ہوں، قوم میں میری حیثیت کیا ہے؟ اس کے بعد حضرت عبداللہ پس پردہ ہو گئے، اس کے بعد حضورؐ نے یہود کے لوگوں کو بلایا، ان کے سامنے اسلام پیش کیا، پھر فرمایا: "اے گروہِ یہود! تم مجھے خوب اچھی طرح پہچانتے ہو کہ میں کون ہوں؟ مگر تم اپنی ضد اور ہٹ دھرمی سے نہیں مانتے"، پھر آپ نے دریافت فرمایا: "اچھا یہ بتاؤ کہ عبداللہ بن سلام کیسا شخص ہے؟ اور اس کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟"

ان لوگوں نے جواب دیا: "وہ سید ابن سید ہیں، اعلم بن اعلم ہیں، اور بڑے باپ کا بڑا بیٹا ہے"
اس کے بعد آپؐ نے فرمایا، اچھا اگر وہ مجھ پر ایمان لے آئے تو تم لوگ مجھے اللہ کا نبی مانو گے؟ یہود نے جواب دیا ہم اس کا وہم بھی نہیں کر سکتے کہ وہ آپؐ پر ایمان لائیں، حضرت عبداللہ جو چھپے ہوئے یہ گفتگو سن رہے تھے فوراً باہر نکل آئے اور خوب زور سے کہا: اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔ اسلام کا اعلان سنتے ہی لوگ فوراً بدل گئے، اور اپنے جس عالم کی ابھی تعریف کر رہے تھے اسی مجلس میں کہنے لگے یہ جھوٹے ہیں، چھوٹے باپ کے بیٹے ہیں، یہ بدترین باپ کے بدترین اور نالائق بیٹے ہیں (بخاری، ابن ہشام)

○ یہود مدینہ سے معاہدہ؛

مدینہ میں اسلام کی ترقی دیکھ کر اور انصار و مہاجرین میں مواخات کا سلسلہ قائم ہو جانے سے یہود مدینہ عجیب کش مکش اور تذبذب میں پڑ گئے کہ پیغمبرِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتے ہیں تو اپنی عزت و وقار خاک میں ملتے ہیں، نذر و نیاز تحفے تحائف ملنے کا سلسلہ بند ہو جاتا ہے، مخالفت کرتے ہیں تو جان کا ڈر، ان حالات میں پریشان تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مدینہ کی حفاظت اور داخلی امن و امان قائم رکھنے کی گفت و شنید کے لئے دعوت دی گئی، ان لوگوں نے اس دعوت کو غنیمت سمجھا، اور مندرجہ ذیل شرائط پر معاہدہ ہو گیا،

① یہود کو مذہبی آزادی ہو گی اور ان کے مذہبی امور میں کوئی مداخلت نہیں کی جائے گی،

(۲) یہود اور مسلمان آپس میں دوستانہ برتاؤ رکھیں گے،
(۳) اگر کسی وقت مسلمانوں یا یہودیوں کی کسی سے جنگ ہوجائے تو دشمن کے مقابلہ میں ایک دوسرے کی مدد کریں گے،
(۴) قریش مکہ کو اور ان کے معاونوں کو دونوں فریقوں میں سے کوئی پناہ نہ دے گا،
(۵) مدینہ پر اگر کوئی دشمن حملہ آور ہوگا تو دونوں فریق مل کر اس کا مقابلہ کریں گے،
(۶) کسی دشمن سے اگر ایک فریق صلح کرے گا تو دوسرا فریق اس کا احترام کرے گا، اور اس معاہدہ میں شریک ہوگا،
(۷) خونبہا اور فدیہ کا جو طریقہ پہلے سے جاری چلا آرہا ہے وہ باقی رہے گا،
(۸) اس معاہدہ کے شرکاء کو مدینہ کے داخلی معاملات میں بگاڑ حرام ہوگا،
(۹) مظلوم کی دونوں فریق امداد کریں گے،
(۱۰) فریقین میں اگر کوئی جھگڑے فساد کا خوف ہو تو اس کا فیصلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد ہوگا،
(یہ معاہدہ ہجرت سے پانچ ماہ بعد ہوا) ——— (ابن ہشام، سیرۃ النبیؐ ج ۱)

○ معاہدہ کی خلاف ورزی؛

یہود کے جن قبائل سے آپؐ کا یہ معاہدہ ہوا تھا یہ اکثر دولت مند، زمیندار اور تجارت پیشہ تھے جس کی وجہ سے انصار کو پریشان کرتے تھے، یا یوں سمجھ لیجئے یہ قوم بنیوں جیسی خاصیت رکھتی تھی، اس میں تین بڑے قبیلے شامل تھے، بنو نضیر، بنو قریظہ، بنو قینقاع، ان قبائل کی اکثریت مدینہ منورہ کے قرب وجوار اور خیبر میں آباد تھی، خیبر میں آج تک اُس قوم کے قلعے بنے ہوئے ویران پڑے ہیں، اسی جگہ وہ مشہور درِ خیبر واقع ہے جس کو حضرت علیؓ نے فتح کیا تھا، جس کی وجہ سے آپ کو فاتحِ خیبر کہا جاتا ہے، راقم الحروف کو ۱۳۹۱ھ / ۱۹۷۱ء سفرِ حج کے موقع پر اس درہ اور قلعوں کو دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے،

یہود کی دھوکہ دہی اور چال بازیوں کا اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں ذکر فرمایا ہے،

وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝ (پ۳، ع ۱۶)

"اور اہلِ کتاب کا ایک گروہ کہتا ہے کہ ایمان لانے والوں پر جو (قرآن) نازل ہوا ہے اس پر صبح کو ایمان لاؤ اور دن کے آخر میں اس سے انکار کر بیٹھو، عجب کیا کہ (وہ بھی) پھر جائیں"

مولانا عبدالماجد صاحب دریابادیؒ اس آیت کریمہ کے ضمن میں لکھتے ہیں:-

"مدینہ و مضافاتِ مدینہ کے یہود کی چالیں مسلمانوں کے خلاف عجیب عجیب رہتی تھیں، ایک بار آپس میں صلاح و مشورہ کے بعد یہ سوچا کہ ہم میں بعض صبح کے وقت صداقتِ اسلام کا اقرار کر لیا کریں اور پھر چند گھنٹوں کے بعد اس اقرار سے رجوع کر لیا کریں، اور کہدیا کریں کہ غور و فکر اور مطالعۂ تورات کے بعد اس نئے دین کی تصدیق نہیں ہوئی، اس لئے ہم اس سے نکل آئے ہیں،

اہلِ عرب پر ہمارے علم و اخلاق دونوں کی دھاک تو بیٹھی ہوئی ہے، لوگ کہیں گے آخر کوئی خرابی تو اس نئے دین (اسلام) میں ہے جو ایسے لوگ اس سے باہر نکل گئے، اور عجب نہیں اس تدبیر سے کچھ پرانے مسلمان بھی اُکھڑ جائیں"

پھر لکھتے ہیں،

"تاریخ یہود میں منافقت کی یہی ایک مثال نہیں، خود اُن کی کتابوں میں یہ واقعہ یہ صراحت درج ہے کہ بارہویں صدی عیسوی میں جب اسپین میں اسلامی حکومت تھی تو حکومت کے "مظالم" فرضی یا واقعی کی بناء پر بہت سے یہود نے اپنے ربیّوں کی اجازت اور فتوے کے مطابق اپنے قبولِ اسلام کا اظہار شروع کر دیا تھا، دراں حالیکہ دل میں سب کے سب منکر ہی تھے" (جیوش انسائیکلو پیڈیا جلد اول، ص ۴۳۲، ۴۳۳)

پھر لکھتے ہیں:

"اور آج یہ جو بڑے بڑے فرنگی محققین یہود و مسیحی مستشرقین نے فرنگی زبانوں میں سیرۃ نبویؐ کا طریقہ یہ اختیار کیا ہے کہ اپنے علم و تحقیق، وسعتِ مشرب و بے تعصبی کی دھاک بٹھا کر تمہید بڑے زور کی اٹھاتے ہیں، اور معلوم یہی ہونے لگتا ہے کہ پیمبرِ عرب اور مصلحِ عالم کی نعت اور مقننِ اعظم اور "تمثیلِ موسیٰ" کی منقبت میں دریا کے دریا بہا دیں گے، لیکن آگے چل کر نتیجہ نکالتے ہیں کہ نعوذ باللہ خللِ دماغ سا تھا، یا یہود و نصاریٰ کی کتابوں کے مضامین کہیں سے سُن سُنا کر (معاذ اللہ) چُرا لیتے تھے" (تفسیر ماجدی)

یہود نے صرف ناشائستہ حرکت پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ اسلام اور پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کفارِ مکہ اور دشمنانِ اسلام کو بھڑکاتے اور سازشیں کرتے رہے، اور خفیہ خفیہ مدینہ کے منافقوں سے سازشیں شروع کر دیں، اور معاہدہ کے تینوں شریک بنو نضیر، بنو قریظہ، بنو قینقاع نے غداری کی، جس کی تفصیل سیرت کی بڑی بڑی کتابوں میں دیکھی جا سکتی ہے،

کعب بن اشرف یہ یہودیوں کا سردار اور شاعر تھا، آپؐ کی ہجو میں اشعار کہا کرتا تھا، ایک دفعہ اس نے آپؐ کو قتل کر دینے کا منصوبہ بنایا، آپؐ کی دعوت کی، اور لوگوں کو متعین کیا کہ جب آپؐ تشریف لائیں تو خاموشی سے قتل کر دیں، مگر اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو اس کے منصوبہ سے بذریعہ وحی مطلع کر دیا،

جب پانی سر سے اونچا ہو گیا تو مسلمانوں کو ظلم کے مقابلہ میں اپنی حفاظت کے لئے مدافعت کا حکم دیدیا گیا یعنی جہاد مشروع ہو گیا، جس کی تفصیلات آگے مشروعیت جہاد میں پیش کی گئی ہیں،

۱ھ کے کچھ اور اہم واقعات

بیر رومہ مسلمانوں کے لئے وقف؛

○ سارے مدینہ میں میٹھے پانی کا صرف ایک کنواں تھا، اس کا نام بیر رومہ تھا، اس کا مالک ایک یہودی تھا، جو پانی فروخت کیا کرتا تھا، غربت کی وجہ سے مسلمان پانی خرید بھی نہ سکتے تھے،

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی کی یہ تکلیف دیکھ کر فرمایا: "ہے کوئی سخی جو یہ کنواں خرید کر جنت کے بدلہ مسلمانوں کے لئے وقف کر دے"؟ حضرت عثمان غنیؓ نے خرید کر جنت کے عوض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا،

○ ہجرت کے وقت مقام قبا میں آپؐ نے حضرت کلثوم بن ہدمؓ کے مکان پر قیام فرمایا تھا، اسی سال اُن کا انتقال ہوا،

○ اسی سال اسعد بن زرارہؓ نے وفات پائی، جو اُن چھ انصار میں سے ایک تھے جنھوں نے مکہ جا کر سب سے پہلے اسلام قبول کیا تھا، اور آپؐ کے ہاتھ پر بیعت ہوئے تھے،

○ اسی سال اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی بعمر نو سال رخصتی ہوئی، حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد چھ یا سات کی عمر میں، ہجرت سے قبل آپؐ کا عقد ہو چکا تھا،

○ جب سے مہاجرین مدینہ میں جا کر رہنے لگے تھے تو کسی کے اولاد نہیں ہوئی تھی، اس لئے لوگوں نے یہ مشہور کر دیا تھا کہ مہاجرین کی عورتوں پر یہود نے جادو کر دیا ہے، جس کی وجہ سے اولاد ہونی بند ہو گئی، خدا نے کیا اس کے بعد اسی سال حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی پیدائش ہوئی، تو مہاجرین کو بڑی خوشی ہوئی، آپ کی والدہ حضرت اسماء بنت ابوبکر صدیقؓ ہیں،

○ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو وہاں بخار کی وبا پھیلی ہوئی تھی؛ اور اکثر لوگ اس وبا میں گرفتار تھے، مہاجرین ابھی ابھی اپنا وطن، کاروبار چھوڑ کر آئے تھے، کہ ایک نئے امتحان میں گرفتار ہو گئے،

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابہ کرام کی یہ حالت دیکھ کر بڑا صدمہ ہوا، اور خدا سے دعا کی:۔

"خدایا! اپنی فرماں بردار جماعت کو ثابت قدم رکھیو، مدینہ کی محبت ان کے دلوں میں مکہ سے زیادہ کر دے، یہاں کے ناپ تول میں برکت عطاء فرما، اور بخار کی وباء کا رخ جحفہ کی طرف پھیر دے"

چنانچہ آپؐ کی دعاء قبول ہوئی اور مدینہ ہر قسم کی وباء سے پاک صاف ہو کر مہاجرین کا محبوب وطن بن گیا چنانچہ امیر المؤمنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی مشہور دعاء ہے:

اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ شَھَادَۃً فِیْ سَبِیْلِكَ وَاجْعَلْ مَوْتِیْ فِیْ بَلَدِ رَسُوْلِكَ ط (بخاری)

"یا اللہ! مجھے اپنی راہ میں شہادت نصیب فرما، اور میری موت بھی آپ کے رسولِ پاکؐ کے شہر میں آئے"

خدا نے کیا آپ کی دونوں دعائیں قبول ہوئیں، ابو لولو مجوسی کے ہاتھ سے مدینہ میں شہید ہوئے،

(اس کے بعد ۲ھ کے واقعات پیش خدمت ہیں)

۲ سنہ ہجری مطابق ۱۴ سنہ نبویؐ کے واقعات ایک نظر میں؛

① جنگِ بدر ② تحویلِ قبلہ ③ فرضیت صوم رمضان ④ وجوب صدقۃ الفطر اور نماز عید الفطر ⑤ وجوب نماز عید الاضحیٰ اور قربانی ⑥ وجوب احکام زکوٰۃ، اس کے بعد ان احکامات کی کچھ ضروری تفصیلات پیش خدمت ہیں،

۲ سنہ ہجری کے ماہ شعبان المعظم میں دو اہم حکم نازل ہوئے، ایک تحویلِ قبلہ کا دوسرے صیام رمضان کی فرضیت کا، اس لئے پہلے ان دونوں کا بیان کیا جاتا ہے،

○ تحویلِ قبلہ؛

تحویلِ قبلہ، یعنی ایک قبلہ چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف سے دوسرا قبلہ مقرر ہونا یہ عظیم انقلاب تھا جس سے مسلمانوں کے مستقل وجود اور زندہ قوم ہونے کا اعلان کر دیا گیا،

ابو البشر سیدنا آدم علیہ السلام جب دنیا میں بھیجے گئے تو آپ اور آپ کی اولاد کے لئے سب سے پہلا قبلہ خانۂ کعبہ یعنی بیت اللہ کو بنایا گیا، خانۂ کعبہ دنیا میں خدا کا سب سے پہلا گھر (عبادت خانہ) ہے، جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے:

اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ ۝	"بیشک سب سے پہلا گھر جو لوگوں کے لئے (خدا کی عبادت کے لئے) بنایا گیا وہ یہی مکان (کعبۃ اللہ) ہے"

اسی طرح آدم ثانی یعنی نوح علیہ السلام کا قبلہ بھی خانہ کعبہ تھا، طوفانِ نوح میں جب پوری دنیا غرق ہو گئی، اور بیت اللہ کی عمارت بھی اس طوفان کی نذر ہو گئی تو اس کے بعد بحکم خداوندی حضرت ابراہیمؑ اور

ان کے صاحبزادے حضرت اسمٰعیل علیہما السلام دونوں نے مل کر دوبارہ اس مقدس گھر کو تعمیر فرمایا اور یہی اُن کا اور ان کی امت کا قبلہ رہا، اس کے بعد انبیاء بنی اسرائیل کے لئے بیت المقدس کو قبلہ قرار دیا گیا،

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر جب نماز فرض کی گئی تو بقول بعض علماء ابتداء میں آپ کا قبلہ بھی خانہ کعبہ ہی قرار دیا گیا، آپ خانۂ کعبہ میں نماز ایسے رُخ پر کھڑے ہو کر پڑھا کرتے تھے کہ بیت المقدس کی طرف بھی رُخ رہے، معارف القرآن جلد اول میں ہے آپ حجرِ اسود اور رکنِ یمانی کے درمیان کھڑے ہو کر نماز پڑھا کرتے تھے، اس سمت کھڑے ہونے سے بیت اللہ کے ساتھ بیت المقدس کی طرف رُخ ہو جاتا تھا،

مکہ معظمہ سے ہجرت کرنے اور مدینہ طیبہ میں قیام کرنے کے بعد اور بعض روایات کے مطابق ہجرتِ مدینہ سے کچھ پہلے آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم ہوا کہ آپ بیت المقدس کو اپنا قبلہ بنا لیجئے، حکمِ خداوندی ملتے ہی آپ نے بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھنی شروع کر دی، لیکن آپ کی دلی خواہش یہ تھی کہ میں خانہ کعبہ کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھا کروں، جیسا کہ قرآن کریم کی اس آیتِ کریمہ میں فرمایا گیا:۔

① قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ج | "ہم آپ کے مُنہ کا بار بار آسمان کی طرف اُٹھنا دیکھ رہے ہیں"

اس کے بعد آپ کی دلی خواہش پوری کرنے کی ان الفاظ میں بشارت دی گئی:۔

② فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ص | "اُس لئے ہم آپ کو اسی قبلہ کی طرف متوجہ کر دیں گے جس کے لئے آپ کی مرضی ہے"

حتیٰ کہ ایک دن آپ کی دلی مراد پورا کرنے کی بشارت دیدی گئی:۔

③ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ط | "پھر اپنا چہرہ مسجدِ حرام کی طرف کیا کیجئے"

(پ ۲، ع ۱)

اس آیت کے پہلے نمبر میں آپ کی دلی خواہش کا بیان کیا گیا ہے، دوسرے نمبر پر آپ کی خواہش پوری کرنے کی بشارت دی گئی، تیسرے نمبر پر قبلہ کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دیدیا گیا،

○ تحویلِ قبلہ کا مقصد:

بہت سے دشمنانِ اسلام خانۂ کعبہ کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھنے کو کعبہ پرستی کہدیتے ہیں، حالانکہ اگر غور کیا جائے تو اس میں ایک تو اللہ تعالیٰ کے حکم کے آگے سرِ تسلیم خم کرنا ہے، جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے باوجود اپنی دلی خواہش کے بحکمِ خداوندی بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھنی شروع کر دی، حالانکہ آپ کا دل خانۂ کعبہ کی طرف رُخ کرنے کو چاہتا تھا، جیسا کہ آیت نمبر ۱ میں ابھی بیان ہوا،

○ تحویلِ قبلہ پر یہود کا اعتراض اور اس کا جواب ؛

جب تحویلِ کعبہ کا حکم نازل ہوا تو یہود نے اعتراض کیا کہ مسلمانوں نے ایک جہت چھوڑ کر دوسری جہت کیوں اختیار کی ؟ یعنی ایک قبلہ کو چھوڑ کر دوسرا قبلہ کیوں بنایا ؟ اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب ان الفاظ میں دیا:

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ؕ	"اور اللہ ہی کی ملک ہے مشرق بھی اور مغرب بھی، سو جہاں بھی تم اس کی جانب متوجہ ہوگے وہیں اللہ تعالیٰ کی توجہ موجود ہے"

یعنی کوئی جہت اور سمت ہو سب اللہ کی بنائی ہوئی ہیں، وہی اُن کا مالک ہے، اس لئے جس طرف بھی رُخ کرو اس کی تجلّی موجود ہے، البتہ اگر ہم اپنی مرضی سے رُخ کرتے تو اس میں اختلاف ہوتا، کوئی اپنی مرضی سے مشرق کی طرف رُخ کرتا تو کوئی مغرب وغیرہ کی طرف،

اس کے علاوہ خانہ کعبہ کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھنے کا ایک مقصد مسلمانوں میں یکجہتی، اتفاق و اتحاد اور ایک مرکز پر جمع کرنا بھی ہے، اسلام اگر اس مسئلہ میں لوگوں کی رہنمائی نہ کرتا تو کوئی مشرق کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھتا کوئی مغرب کی طرف، کوئی شمال کی طرف تو کوئی جنوب کی طرف،

غرض اس صورت میں دشمنانِ اسلام طعنہ دیتے کہ یہ مسلمان ایک طرف تو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہمارا خدا ایک اور وحدہٗ لاشریک ہے، اور حالت یہ ہے کہ اُن کا قبلہ تک ایک نہیں، یہ کیسا دین ہے ؟ اس لئے اسلام نے حکم دیا:

وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ حُجَّةٌ ۗ	"اور جس جگہ بھی تم ہوا کرو منہ کرو اسی (کعبہ) کی طرف تاکہ نہ رہے لوگوں کو تم سے جھگڑنے کا موقع"

یعنی مخالفین کو یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ نبی آخر الزماں (صلی اللہ علیہ وسلم) کا قبلہ تو توراۃ و انجیل کی تصریحات کے مطابق کعبہ ہونا چاہئے، اور یہ رسول کعبہ کے بجائے بیت المقدس کا استقبال کرتے ہیں،

○ تحویلِ قبلہ سے لوگوں کا امتحان لینا بھی مقصود تھا ؛

تحویلِ قبلہ کا ایک مقصد قرآن کریم نے یہ بھی بیان فرمایا ہے:-

وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ ط	"اور جس سمتِ قبلہ پر آپ رہ چکے ہیں وہ تو محض اس لئے تھا کہ ہم کو معلوم ہو جائے کہ کون تو رسول (صلی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کا اتباع کرتا ہے اور کون پیچھے ہٹ جاتا ہے"

یعنی تحویل کے حکم سے مسلمانوں کا امتحان لینا مقصود تھا کہ یہ لوگ آپ کا اتباع کرتے ہیں یا پس و پیش کرتے ہیں، نیز یہ بھی دیکھنا تھا کہ کتنے سچے اور آپ کے متبع مسلمان ہیں اور کتنے کچے یا منافق ہیں، اس حکم کے بعد سب کا اندازہ ہو گیا،

○ تحویلِ قبلہ اور مسجد قبلتین؛

چنانچہ جب تحویلِ قبلہ کا حکم نازل ہوا تو مشہور روایت کے مطابق آپ مدینہ کے قریب قبیلہ بنو سلمہ میں گئے ہوئے تھے، اور ظہر با ایک روایت کے مطابق عصر کی نماز پڑھا رہے تھے، دو رکعتیں ہو چکی تھیں کہ نماز ہی کی حالت میں حکم فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ، نازل ہو گیا، آپ نے اسی وقت اپنا رُخ خانہ کعبہ کی طرف کر لیا، اور باقی دو رکعتیں خانہ کعبہ کی طرف رُخ کر کے مکمل فرمائیں جس مسجد میں آپ نماز پڑھا رہے تھے اُس مسجد کا نام "مسجد قبلتین" ہے، اکثر حاجی حضرات اس کی زیارت کرنے بھی جاتے ہیں،

تحویلِ قبلہ کے بیان کے بعد ماہِ صیام کی مشروعیت کا بیان پڑھئے:۔

○ فرضیتِ صیامِ رمضان؛

۲ سنہ ہجری کا دوسرا اہم حکم ماہِ رمضان کے روزوں کی مشروعیت ہے، جو اسلام کا اہم اور تیسرا رکن ہے، اس سے پہلے عاشورہ یعنی دس محرم کا روزہ بطور فرض مسلمان رکھا کرتے تھے، اور حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہر مہینہ کی تیرہ، چودہ، پندرہ یعنی ایامِ بیض کے روزے رکھا کرتے تھے، جب رمضان شریف کے روزے فرض ہو گئے تو عاشورہ کا روزہ اختیاری کر دیا گیا، یعنی جس کا دل چاہے رکھ لے، چاہے نہ رکھے، قرآن مجید میں فرمایا گیا:۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ،	"یعنی رمضان کے مہینہ میں قرآن مجید کا نزول شروع ہوا، وہ (قرآن) انسانوں کے لئے رہنما ہے اور ہدایت کی روشن دلیلیں رکھتا ہے، پس جو کوئی پائے تم میں سے اس مہینہ کو تو لازماً اس کے روزے رکھے"

اس لئے ہر مسلمان کو چاہئے کہ رمضان المبارک کے روزے بغیر کسی شرعی عذر کے نہ چھوڑے، بعض دریدہ دہن اور گستاخ قسم کے لوگ نڈر ہو کر ایسے کفریہ کلمے زبان سے نکال دیتے ہیں کہ انسان دائرۂ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے، مثلاً یہ کہ روزہ وہ رکھے جس کے گھر میں (معاذ اللہ) کھانے کو نہ ہو، علماء نے لکھا ہے کہ ایسا گستاخ شخص کافر ہے، ـــــ درمختار میں ہے:

لَوْ اَكَلَ عَمَدًا شَهْرَةً بِلَا عُذْرٍ يُقْتَلُ،	"یعنی اگر کوئی آدمی (مسلمان) بلا عذرِ شرعی کھلم کھلا

(رمضان میں) کھائے پیئے تو (خلیفۃ المسلمین کو) چاہیے اس کو قتل کی سزا دے"

روزہ کے جسمانی اور روحانی بہت سے فائدے ہیں، اُن کو مختصراً پیش کیا جاتا ہے[1]۔

○ روزہ کا مقصد:

روزہ سے شریعت کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ انسان کی اصلاح ہو، روزہ رکھنے سے انسان میں پرہیزگاری اور نیکی کو فروغ ہوتا ہے، قرآن کریم میں فرمایا گیا:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝ (پ۲، ع۷)	"اے ایمان والو! تم پر روزہ فرض کیا گیا جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا، اس توقع پر کہ تم متقی بن جاؤ"

دوسری جگہ فرمایا:

لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ ۝	تاکہ وہ (روزہ دار) ٹھیک راستہ پر لگ جائیں"

○ روزہ کے روحانی اور جسمانی فائدے:

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

① اَلصِّيَامُ تِرْيَاقٌ يُتَعَمَّلُ لِدَفْعِ السُّمُوْمِ النَّفْسَانِيَةِ (حجۃ اللہ البالغۃ)	"یعنی روزہ تریاق ہے جو نفسانی خواہشات دور کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے"

② روزہ دار کو اپنے نفس پر قابو حاصل ہو جاتا ہے، جس کی وجہ سے نفسانی خواہشیں کمزور اور سست پڑ جاتی ہیں،

③ روزہ دار کو عبادت میں لطف آتا ہے اور طبیعت لگتی ہے،

④ روزہ کی وجہ سے روحانی طاقت و قوت بڑھ جاتی ہے،

⑤ گناہوں سے بے رغبتی ہونے لگتی ہے، کیونکہ پیٹ خالی ہونے کی وجہ سے گناہوں کی قوت کمزور پڑ جاتی ہے، نیکیوں کی طاقت پیدا ہو جاتی ہے، انسان جب پیٹ بھرا ہوتا ہے تو گناہوں کی طرف رغبت ہوتی ہے اور بہت سی باتیں ایسی ہو جاتی ہیں جو دین و دنیا میں ذلت و رسوائی کا سبب ہوتی ہیں،

ان فوائد کے علاوہ اور بہت سے فائدے ہیں،

موجودہ دور کے ڈاکٹر اور اطباء کی رائے ہے کہ بہت سی جسمانی بیماریوں کے لئے روزہ سے بڑھ کر کوئی دوا نہیں، خصوصاً بلغمی بیماریوں میں روزہ تیر بہدف ہے، جس کا دل چاہے تجربہ کر کے دیکھ لے

رمضان کے روزوں کی تکمیل صدقۂ فطر اور نمازِ عید پر ہوتی ہے، اُن کی مشروعیت بھی ۲ھ میں

[1] تفصیل کیلئے ہماری کتاب "تحفۃ الصیام" مطالعہ کریں،

ہوئی، پھر عید الاضحیٰ اور قربانی کی مشروعیت ہوئی، آگے ان کا بیان کیا جاتا ہے،

صدقۃ الفطر، نماز عید الفطر، نماز عید الاضحیٰ اور قربانی کی مشروعیت

اللہ تعالیٰ نے رمضان شریف کے خیریت سے ختم ہونے کی خوشی میں شکریہ کے طور پر صدقہ مقرر فرمایا ہے، اس کو "صدقۂ فطر" کہتے ہیں، رمضان گذرنے کے بعد یکم شوال کو جو عید منائی جاتی ہے اس کو "عید الفطر" کہتے ہیں اور ۱۰ ذی الحجہ کو جو عید مناتے ہیں اس کو "عید الاضحیٰ" کہتے ہیں، عید الاضحیٰ کے موقع پر صاحبِ نصاب پر قربانی بھی فرض ہے،

اِن چاروں کی مشروعیت چونکہ سنہ ۲ ہجری میں ہوئی ہے اس لئے ان کو ایک ہی ساتھ بیان کیا جاتا ہے،

صدقۂ فطر ہر مسلمان صاحبِ نصاب پر واجب ہے، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "ماہِ رمضان کے روزے آسمان و زمین کے درمیان معلق رہتے ہیں اور بغیر صدقۂ فطر ادا کئے اوپر نہیں اُٹھائے جاتے" (یعنی قبول نہیں ہوتے) (تحفۃ الصیام)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آیت قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ۝ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ۝ (یعنی جس نے پاکی حاصل کی اور خدا کا نام لیا پھر نماز پڑھی وہ کامیاب ہوگیا) کی تفسیر دریافت کی گئی تو آپؐ نے فرمایا "یہ آیت صدقۂ فطر کے بارے میں نازل ہوئی ہے،

تفسیر عثمانی میں اس آیت کی تفسیر میں بیان کیا گیا ہے کہ اس آیت کی تفسیر میں بعض سلف کہتے ہیں "تَزَكّٰى" زکوٰۃ سے ہے، مراد یہاں صدقۃ الفطر ہے، اور "ذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ" سے تکبیراتِ عید مراد ہیں، اور "فَصَلّٰى" میں نماز عید کا ذکر ہے، یعنی عید کے روز کا پروگرام یوں ہے: پہلے صدقۃ الفطر، پھر تکبیریں، پھر نماز، (فوائد عثمانیؒ) خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت میں صدقۃ الفطر اور تکبیرات اور نماز عید تینوں کا ذکر ہے،

○ نمازِ عیدین کی مشروعیت کب ہوئی؟

حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لائے تو آپؐ نے دیکھا کہ اہلِ مدینہ دو تہوار مناتے ہیں اور ان میں کھیل تماشے کیا کرتے ہیں، آپؐ نے ان سے پوچھا یہ دو دن جو تم مناتے ہو اس کی کیا وجہ ہے؟ (یعنی کیوں مناتے ہو، ان کی اصلیت اور بنیاد کیا ہے؟) تو اہلِ مدینہ نے جواب دیا ہم زمانۂ جاہلیت یعنی اسلام سے پہلے یہ تہوار اسی طرح منایا کرتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

قَدْ اَبْدَلَكُمُ اللّٰهُ بِهِمَا خَيْرًا مِّنْهُمَا	"اللہ تعالیٰ نے (تمہارے) ان دو تہواروں کے بدلے

يَوْمَ الْأَضْحٰى وَيَوْمَ الْفِطْرِ، (ابوداؤد)	میں اُن سے بہتر دو دن تمہارے لئے مقرر کر دیئے ہیں، ایک یوم الاضحیٰ، دوسرا یوم الفطر۔

اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ آپؐ جب مدینہ پہونچے تو دیکھا اہلِ مدینہ دو دن کھیل تماشے میں گزارتے ہیں تو آپؐ نے ان کی بجائے عید الاضحیٰ اور عید الفطر یہ دو تہوار مقرر فرما دیئے، تہوار بھی ایسے جس سے اسلام کی شان و شوکت اور مسلمانوں کی تنظیم و اتحاد کا مظاہرہ ہوتا ہے، کاش! مسلمان اس کی روح اور مقصد کو سمجھ کر یہ تہوار منائیں، اور سیر و تفریح نہ سمجھیں،

○ قربانی؛

صدقۂ فطر اور نماز عید الفطر جیسے انعامات کے بعد عید الاضحیٰ اور قربانی کا حکم نازل ہوا، اور ارشاد ہوا

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ــــ	"پس آپؐ اپنے رب کی نماز پڑھئے اور قربانی کیجئے"

مفسرین حضرات نے اس آیت کی کئی تفسیریں کی ہیں، ایک تفسیر یہ بھی ہے کہ اس میں فَصَلِّ سے نمازِ عید اور وَانْحَرْ سے عید الاضحیٰ کے موقع پر قربانی مراد ہے (کشف الرحمٰن)

قربانی کی مزید روشنی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان احادیث سے حاصل کیجئے، صحابۂ کرامؓ نے پوچھا

يَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَا هٰذِهِ الْأَضَاحِيُّ	یعنی یارسول اللہؐ ان قربانیوں کی حقیقت و تاریخ کیا ہے؟

تو آپؐ نے جواب دیا:

سُنَّةُ أَبِيْكُمْ إِبْرٰهِيْمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ،	"یہ تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے"

صحابۂ کرامؓ نے جو ہر نیک کام پر حریص رہتے تھے، پھر دریافت کیا:

قَالُوْا فَمَا لَنَا فِيْهَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ بِكُلِّ شَعْرَةٍ حَسَنَةٌ، قَالُوْا فَالصُّوْفُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ بِكُلِّ شَعْرَةٍ مِّنَ الصُّوْفِ حَسَنَةٌ، (احمد، ابن ماجہ)	صحابہؓ نے عرض کیا، یارسول اللہؐ! ہمارے لئے ان قربانیوں میں کیا اجر و ثواب ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا قربانی کے ہر بال کے بدلہ میں ایک نیکی، صحابہؓ نے پھر عرض کیا تو کیا اُون کا بھی یہی اجر ہے؟ آپؐ نے فرمایا ہاں! اُون والے جانور کی قربانی کا اجر و ثواب بھی اسی حساب سے ملے گا (یعنی) ہر بال کے عوض میں نیکی"

○ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمَدِيْنَةِ عَشْرَ سِنِيْنَ يُضَحِّيْ (ترمذی شریف)	(ہجرت کے بعد) مدینہ طیبہ میں دس سال مقیم رہے، اور آپؐ برابر (ہر سال) قربانی کرتے رہے"

ان احادیث سے قربانی کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے،

○ فرضیتِ زکوٰۃ:

ماہِ رمضان کے روزوں کی طرح زکوٰۃ بھی اسلام کا اہم رکن ہے، جس کی اہمیت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ قرآن پاک کی تقریباً ۳۲ آیات میں زکوٰۃ کو صلوٰۃ یعنی نماز کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، مزید یہ کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانۂ خلافت میں مانعینِ زکوٰۃ سے کفار کی طرح جہاد کیا، اور قرآن وحدیث میں زکوٰۃ ادا نہ کرنے والوں کے متعلق بڑی وعیدیں آئی ہیں، جس سے اس کی اہمیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے،

"زکوٰۃ" کے ایک معنی تزکیہ یعنی پاک کرنے کے بھی ہیں، گویا جس مال پر شرعاً زکوٰۃ واجب ہو اس کی زکوٰۃ ادا کر دی جائے تو وہ مال پاک ہو جاتا ہے،

زکوٰۃ کی فرضیت کا حکم اگرچہ مکہ معظمہ میں نازل ہو چکا تھا، جیسا کہ سورۂ مزمل کی اس آیت کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے،

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ط (پ۲۹، سورۂ مزمل، ع ۱۲)	"اور (فرض) نماز کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو، اور اللہ تعالیٰ کو اچھی طرح (خلوص کے ساتھ) قرض دو"

اس کے علاوہ اور بھی تفصیلات ہیں جن سے مکہ میں زکوٰۃ کی فرضیت کا حکم نازل ہونے کا معلوم ہوتا ہے، ان تفصیلات کو ہم نے اپنی کتاب "اسلام کا نظامِ زکوٰۃ" میں جمع کر دیا ہے، البتہ تفصیلی احکامات ۲ھ میں مدینہ طیبہ پہنچ کر ملے،

اس کے بعد "جہاد" کا بیان کیا جاتا ہے، جو سنہ ہجری میں مشروع ہوا،

مشروعیت جہاد

جیسا کہ سلسلہ مکہ کے واقعات کے ضمن میں بیان کیا جا چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مشرکین مکہ کے ظلم وستم سے بچنے کے لئے مسلمانوں کو جہاد کی اجازت دیدی اس سلسلہ میں سب سے پہلی آیت یہ نازل ہوئی:۔

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ۝ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِم بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَن يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ ۗ (پ۱۷، ع ۱۳)	جن لوگوں سے لڑائی کی جاتی ہے اُن کو حکم دیا جاتا ہے کہ اب وہ بھی لڑیں، کیونکہ اُن پر ظلم کیا گیا ہے، اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان مظلوموں کی مدد کرنے پر پوری طرح قادر ہے، یہ مظلوم لوگ وہ ہیں جو بلاوجہ محض اتنا کہنے پر کہ ہمارا رب اللہ ہے اپنے گھروں سے نکال دیئے گئے۔

مفسرین حضرات نے لکھا ہے مشروعیتِ جہاد کے سلسلہ میں یہ پہلی آیت ہے جس میں کفار کی طرف سے ظلم وزیادتی کی صورت میں مسلمانوں کو مدافعت کی اجازت دی گئی،

جس طرح واقعۂ ہجرت سے اسلام کی روشن تاریخ کا آغاز ہوتا ہے اسی طرح جہاد کی مشروعیت سے مسلمانوں کے روشن مستقبل کا آغاز ہوا،

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نبوت ملنے کے بعد تیرہ سال مکہ معظمہ میں رہے، اس عرصہ میں آپ خود بھی اور صحابہ کرام بھی دشمنانِ اسلام یعنی کفار کے مظالم صبر وشکر سے برداشت کرتے رہے، مدینہ طیبہ تشریف لے آنے کے بعد بھی آپ کی پوری کوشش رہی کہ تصادم کے بجائے امن وامان کے ساتھ رہا جائے، اس عرصہ میں آپ کو حکم تھا:

○ كُفُّوا أَيْدِيَكُمْ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ ○ فَاعْفُوا وَاصْفَحُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ ۗ	"اپنے ہاتھ روکے رکھو، اور قائم رکھو نماز" "پس تم اس وقت تک معاف کرتے رہو جب تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم بھیجے"

لیکن جب مشرکین نے مدینہ میں بھی چین سے نہ رہنے دیا تو پھر حق تعالیٰ کی طرف سے حکم مل گیا:۔

وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ	"اور لڑو ان کافروں سے یہاں تک کہ نہ باقی رہے فساد

وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ	اور حکم رہے خدا تعالیٰ ہی کا۔

کیونکہ اسلام کے نزدیک فتنہ وفساد قتل سے بھی زیادہ سخت اور بُرا ہے، جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:۔

وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ	"اور شرک کا فتنہ قتل سے کہیں زیادہ ہے"

آخر برداشت کی بھی کوئی حد ہوتی ہے، تیرہ سال مکہ میں ہر قسم کے مظالم برداشت کرتے رہے، خدا کے گھر کعبۃ اللہ اور حق کی خاطر اپنے وطن کو چھوڑ کر مدینہ آگئے، یہاں بھی چین سے نہ بیٹھنے دیا، قرآن کے الفاظ میں ان فرشتہ صفت ہستیوں کا جرم یہ تھا:۔ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِم بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَن يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ ۔۔۔۔۔۔۔۔

بقول اکبر الٰہ آبادی مرحوم ؎

ریٹ لکھائی رقیبوں نے جا جا کے تھانے میں ؛ کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں

○ جہاد کے مقدس نام پر دشمنانِ اسلام کا اعتراض اور اس کا جواب ؛

سنہ ہجری کے واقعات کے ضمن میں بیان کیا جا چکا ہے کہ جہاد کی مشروعیت سنہ ہجری میں ہوئی یعنی ظہورِ اسلام سے تیرہ ۱۳ سال بعد مدینہ میں مشروعیت ہوئی، اس کے باوجود بھی دشمنانِ اسلام طعنہ دیتے ہیں کہ اسلام بزورِ شمشیر پھیلا ہے، حالانکہ پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا تیرہ ۱۳ سالہ زمانۂ نبوت پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ مشرکین نے آپؐ پر جو مظالم کئے اس کی مثال ایک لاکھ چوبیس ہزار کے قریب انبیاءِ کرام کی تاریخ میں بھی نہیں ملتی،

آیئے اس تیرہ سالہ دَور کے مظالم پر ایک سرسری نظر ڈال لیں:۔

① اللہ کے گھر خانۂ کعبہ میں عبادت سے روکنے کے لئے راستہ میں کانٹے بچھا کر راستہ بند کر دیا کرتے تھے،

② اور نماز پڑھتے وقت خانہ کعبہ میں آپؐ کی پشتِ مبارک پر غلاظت ڈال کر کھڑے دیکھتے اور آپؐ کا مذاق اڑاتے رہتے،

③ اپنے برائے آپؐ کا مذاق اڑاتے، کوئی معاذ اللہ آپؐ کو مجنون کہتا، تو کوئی جادوگر بتلاتا،

④ آپؐ دینی تبلیغ کے لئے جدھر جاتے تو آپؐ کا حقیقی چچا ابولہب سائے کی طرح ساتھ ساتھ کہتا پھرتا، لوگو! اس کی بات نہ سننا، (معاذ اللہ) اس کا دماغ چل گیا،

⑤ اسی پر بس نہ کیا بلکہ آپؐ کے خلاف مقاطعہ (بائیکاٹ) کی تجویز پاس کر کے شعب ابی طالب میں آپؐ کو اور آپؐ کے ساتھی مسلمانوں کو تین سال تک نظر بند رکھا، اور نظر بند افراد کے پاس کھانے پینے تک کی چیزیں لے جانے یا فروخت کرنے کی پابندی لگا دی، بھوک پیاس کی شدت سے معصوم بچے روتے بلبلاتے، لیکن ان سخت دل کفار پر ذرہ برابر اثر نہ ہوتا، اور اُن کے دل پتھر سے بھی زیادہ سخت

ہو گئے تھے، ایسے روح فرسا حالات میں آپؐ ان دشمنانِ اسلام کو زبان تک سے کوئی ایک لفظ بھی نہیں کہتے تھے جواب دینا تو بڑی بات ہے،

⑥ جب آپؐ کو حق تعالیٰ کی طرف سے حکم ملا وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ تو حکم ملتے ہی سرکردہ روسائے قریش کو دعوت دی، سب نے کھانا کھایا، اس کے بعد آپؐ پیغامِ حق سنانا ہی چاہتے تھے تو سب کپڑے جھاڑ اُٹھ کر چل دیئے، دوبارہ پھر دعوت دی تو سب نے مذاق اڑانا شروع کر دیا، آپؐ نے اس بیہودہ حرکت کو برداشت کیا اور جواب میں ایک لفظ بھی نہیں کہا،

⑦ آپؐ نے نبوت ملنے کے بعد گھر میں آکر بتلایا تو سب سے پہلے حضرت خدیجہؓ، حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت علیؓ، حضرت زیدؓ ایمان لائے، غور کیا جائے یہ ہستیاں کس کے ڈر یا کس لالچ سے ایمان لائی تھیں؟

⑧ اسی طرح حضرت ابوذر غفاریؓ کے کانوں میں آواز پڑی کہ مکہ میں "محمد" (صلی اللہ علیہ وسلم) نام کے کوئی صاحب کہتے ہیں "میں اللہ کا نبی ہوں" یہ سنکر حاضرِ خدمت ہوئے، چہرۂ انورؐ پر نظر پڑتے ہی اسلام لے آئے، پھر واپس جا کر اپنے قبیلہ کو اسلام کی دعوت دی، تو اُن کی دعوت پر نصف قبیلہ اسلام لے آیا،

⑨ تاریخ بتلاتی ہے کفار مکہ کے مظالم کی وجہ سے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مظلوم مسلمانوں کو ہجرتِ حبشہ کی اجازت دی تو تراسی مرد اور دس عورتیں حبشہ ہجرت کر گئے،

⑩ شاہِ حبشہ نجاشی کو مشرکینِ مکہ نے مسلمانوں کے خلاف بھڑکانے کی کتنی کوششیں کیں لیکن مسلمانوں کے خلاف ہونے کی بجائے وہ خود ہی مسلمان ہو گیا، تو یہ کس کے ڈر سے اسلام لایا تھا؟

⑪ اسی طرح مدینہ طیبہ کے جن لوگوں نے مکہ کے مقام منیٰ میں اسلام قبول کیا تھا وہ کس جبر یا کونسی تلوار کے ڈر سے کیا تھا؟

⑫ پھر آپؐ نے ان حضرات کے ساتھ حضرت مصعب بن عمیرؓ کو دین سکھلانے کے لئے بھیجا تو ان کے وعظ و نصیحت سے متاثر ہو کر اہلِ مدینہ کس ذوق و شوق سے حلقہ بگوشِ اسلام ہوتے چلے گئے،

⑬ اب ذرا اس پر غور کر لیا جائے کہ جب آپؐ اہل مکہ سے مایوس ہو گئے تو دینِ اسلام کا پیغام پہنچانے کے لئے طائف تشریف لے گئے تو آپؐ کے ساتھ اہلِ طائف نے جو گستاخیاں کیں تاریخ کے اوراق اُن کے شاہد ہیں،

⑭ طائف سے واپسی کے بعد قریش کی طرف سے گستاخیوں میں اور اضافہ ہو گیا، نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ ایک دن آپؐ کے قتل کا فیصلہ کر لیا، اس فیصلہ کی اطلاع بذریعہ وحی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپؐ کو مل گئی، حتیٰ کہ مکہ معظمہ سے ہجرت کا آپؐ کو حکم مل گیا،

⑮ ہجرت کی نیت سے آپؐ نے مکہ سے سفر شروع کر دیا، تو آپؐ کی گرفتاری پر سو اونٹوں کے انعام کا اعلان کر دیا،

الغرض نبوت ملنے سے لے کر سفرِ ہجرت تک یہ تیرہ سال آپؐ نے اور آپؐ کے صحابہؓ نے ایسے تکلیف دہ گزارے ہیں کہ ہم اُن کا تصور بھی نہیں کر سکتے، یہ مقامِ نبوت کی برکت تھی کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ میں قوتِ برداشت پیدا فرما دی تھی،

ہم نے آپؐ کی تیرہ سالہ مکی حیاتِ مقدسہ کا اشارۃً پندرہ نمبروں میں ذکر کیا، کیونکہ یہ واقعات تفصیلاً ہم اسی کتاب میں پہلے پیش کر چکے ہیں، ہمارا دعویٰ ہے کہ آپؐ کا بڑے سے بڑا مخالف اور دشمن ان تیرہ سال میں ایک واقعہ بھی ایسا پیش نہیں کر سکتا کہ آپؐ نے اپنے کسی دشمن کو جواب میں ایک لفظ بھی کہا ہو، پھر دشمنانِ اسلام کا یہ الزام کہ آپؐ نے اسلام بزورِ شمشیر پھیلایا آپؐ پر بہتان اور ظلمِ عظیم نہیں تو اور کیا ہے؟

یہ پندرہ اشارات تو اُس زمانۂ مبارک سے تھے جب مسلمان کمزور تھے، ایسے حالات میں انسان بے بس اور مجبور ہوتا ہے، اس کو اپنا بچاؤ ہی مشکل ہوتا ہے، وہ جواب کیا دے گا! اس لئے ایسے حضرات کے جواب میں ہم صرف ایک واقعہ پیش کر کے غور و فکر کی درخواست کرتے ہیں،

۸ھ میں آپؐ فتح مکہ کے موقع پر مکہ تشریف لاتے ہیں تو کفارِ مکہ آپؐ پر کیے گئے مظالم کے انتقام سے لرزہ براندام ہیں، لیکن آپؐ نے اُن سب مجرموں کو یہ فرما کر معاف فرما دیا:-

لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ط | "آج تم پر کوئی الزام نہیں"

اس سے زیادہ درگزر اور معافی کی مثال آج کے ترقی پسند دور میں کوئی پیش کر سکتا ہے؟ جب کہ قرآن بتلاتا ہے کہ:

اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً ط | "بادشاہ جب کسی بستی میں (فاتحانہ) داخل ہوتے ہیں تو اُسے تہ و بالا کر دیتے ہیں، اور وہاں والوں کو جو عزت دار ہوتے ہیں اُنھیں وہ ذلیل کر دیتے ہیں"

سُبْحَانَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ،

○ جہاد کس کو کہتے ہیں؟

جہاد اسلام کی خاص اصطلاح ہے، کفار سے اسلام کی خاطر جو جنگ کی جائے اس کو "جہاد" کہتے ہیں، جہاد کرنے والے کو "مجاہد" یا "غازی" کہتے ہیں، اور جو اس نیک راہ میں جنگ کرتے کرتے مر جائے اس کو "شہید" کہتے ہیں،

شہید کے متعلق قرآن پاک میں فرمایا گیا۔

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ (پ۲، ع۳)

اور جو لوگ خدا کی راہ میں شہید کئے جائیں اُن کو یوں نہ کہو کہ وہ مُردے ہیں بلکہ وہ لوگ زندہ ہیں، لیکن تم ان کی زندگی کا ادراک نہیں کر سکتے۔

غزوۂ بدر میں جب کچھ صحابہ شہید ہو گئے تو نا سمجھ کافروں نے یہ کہنا شروع کیا کہ ان لوگوں نے بیکار لڑ کر خواہ مخواہ اپنی زندگی ختم کر دی، اور زندگی کے عیش و آرام سے محروم ہو گئے، اس آیت میں اُن کو جواب دیا جا رہا ہے، کہ تم جس معنی میں انھیں مُردہ سمجھ رہے ہو وہ مردہ نہیں بلکہ زندوں سے کہیں بڑھکر ہر لذت سے بہرہ ور ہو رہے ہیں،

اسلامی اصطلاح میں ایسے مقتول کو شہید کہتے ہیں، شہید کی اس حیات کی قوت کا ایک اثر اس کے جسدِ (جسم) ظاہری تک بھی پہنچتا ہے، کہ اس کا جسد باوجود گوشت پوست ہونے کے خاک سے متاثر نہیں ہوتا، اور مثل جسدِ زندہ کے صحیح و سالم رہتا ہے، جیسا کہ احادیث و مشاہدات شاہد ہیں،

یہی جذبۂ شہادت تھا جو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثار صحابہ میں بھرا ہوا تھا، اور کفار اس کو بڑھکر حیران رہ جاتے ہیں، پھر یہ کہ وہ حضرات آجکل کے فوجیوں کی طرح بیت المال سے نہ تنخواہ لیتے تھے نہ اپنے آپ کو حکومت کا ملازم سمجھتے تھے، بلکہ اپنے کو اسلام کا خادم سمجھتے تھے،

چنانچہ حضرت عُمیرؓ صحابی کا واقعہ ہے کہ انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سُنا کہ آپؐ نے فرمایا: اُٹھو اور بڑھو ایسی جنت کی طرف جس کا عرض (چوڑائی) آسمان و زمین سے بھی زیادہ ہے اور متقی لوگوں کے لئے بنائی گئی ہے، حضرت عمیرؓ نے عرض کیا، یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میری تمنا ہے میں بھی اُن (جنتی) لوگوں میں سے ہوتا، آپؐ نے (بشارت دیتے ہوئے) فرمایا: تم بھی ان میں سے ہو، اس کے بعد ترکش میں سے چند کھجوریں نکال کر کھانے لگے، کھاتے کھاتے کہنے لگے ان کھجوروں کے ختم ہونے کا کہاں تک انتظار کروں یہ کہہ کر وہ کھجوریں پھینک دیں اور تلوار لے کر مجمع میں گھس گئے، اور شہید ہونے تک لڑتے رہے،

(حکایات صحابہؓ)

یہ تو مثال کے طور پر ہم نے ایک واقعہ بیان کیا ہے، اس کے علاوہ اور بہت سے جاں نثار صحابہؓ کے واقعات ہیں جن کو کتاب کے طویل ہو جانے کے خوف سے قصداً ترک کر رہے ہیں،

یہ جذبہ صرف مردوں میں ہی نہیں بلکہ اس زمانہ کی عورتیں اپنی اولاد کی پرورش اور تربیت اسی نیت سے کرتی تھیں کہ میری اولاد بڑی ہو کر اسلام کے لئے کفار سے جہاد کرے، اس سلسلہ میں ہم اپنی کتاب

"تعلیم النساء" سے عبرت و سبق کے لئے ایک واقعہ پیش کرتے ہیں،

○ خنساء نام کی ایک مشہور شاعرہ اور صحابیہ ہیں، امیر المؤمنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت ۱۴ھ میں قادسیہ کی مشہور جنگ ہوئی، اُن کے چار بیٹے تھے، اس جنگ میں اپنے چار بیٹوں کے ساتھ شریک ہوئیں، اور لڑائی سے ایک روز پہلے اپنے لڑکوں کو خوب نصیحت کی اور جنگ میں شرکت کے لئے خوب اُبھارا، اور نصیحت کرتے ہوئے بولیں،

"میرے بیٹو! تم اپنی خوشی سے مسلمان ہوئے اور تم نے اپنی خوشی سے ہجرت کی، اس ذات کی قسم! جس کے سوا کوئی معبود نہیں، جس طرح تم ایک ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے ہو اسی طرح ایک باپ کی اولاد بھی ہو، میں نے نہ تمہارے باپ سے خیانت کی، نہ تمہارے ماموں کو رُسوا کیا، نہ میں نے تمہاری شرافت پر دھبہ لگایا، نہ میں نے تمہارے نسب کو خراب کیا، تمہیں معلوم ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے مسلمانوں کے لئے کافروں سے لڑائی میں کتنا ثواب رکھا ہے؟ تمہیں یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ آخرت کی باقی رہنے والی زندگی دنیا کی فانی اور ناپائیدار زندگی سے ہزار ہا درجے بہتر ہے، ارشادِ خداوندی ہے:۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ (پ۴، ع۱۱)	"اے ایمان والو! تکالیف پر صبر کرو (اور کفار کے مقابلہ میں) صبر کرو اور مقابلہ کے لئے تیار رہو، تاکہ تم پورے کامیاب رہو۔"

اس کے بعد بی بی خنساء نے اپنے بیٹوں کی طرف متوجہ ہو کر کہا:

"دیکھو! میرے بیٹو! کل صبح جب تم نیند سے بیدار ہو تو بہت ہوشیاری سے لڑائی میں شریک ہونا، اور اللہ تعالیٰ سے دشمنوں کے مقابلہ میں مدد مانگتے ہوئے آگے بڑھنا، اور جب دیکھو کہ لڑائی زور شور سے شروع ہو گئی اور اس کے شعلے بھڑکنا شروع ہو گئے اور گھمسان کا رن پڑنے لگا ہے تو کافروں کے غول میں گھس جانا، اور کفار کے سردار کا مقابلہ کرنا، انشاء اللہ سیدھے جنت میں جاؤ گے۔"

چنانچہ صبح کو جب جنگ شروع ہوئی تو چاروں بھائیوں میں سے ایک ایک آگے بڑھتا اور کافروں سے دل کھول کر لڑتا، یہاں تک کہ اللہ کے راستہ میں شہید ہو جاتا، اس کے بعد دوسرا بڑھتا اور شہید ہونے تک لڑتا رہتا، حتیٰ کہ یکے بعد دیگرے چاروں بھائی شہید ہو گئے، جب والدہ کو ان کی شہادت کی خبر ملی تو خدا کا شکر ادا کیا اور فخر کے طور پر کہا:۔

"خدا کا شکر ہے کہ مجھے ان بیٹوں کی شہادت سے شرف بخشا، مجھے امید ہے اس کی رحمت سے جنت میں میں بھی اُن کے ساتھ رہوں گی"

خلاصہ یہ کہ جہاد اس لئے کیا جاتا ہے یا جہاد کا مقصد یہ ہے کہ فتنہ وفساد ختم کر کے اللہ کے دین اور اس کے نام کا بول بالا ہو اور اسلام کی حکومت قائم ہو،

غزوات وسرایا کی تعداد

آمدم برسر مطلب؛

جہاد کی مشروعیت پر دشمنانِ اسلام کے اعتراض اور اس کے جواب کے بعد اب ہم اپنے موضوع کی طرف واپس آتے ہیں،

غزوات اور سرایا؛

علمائے سیر اور محدثین نے جہاد کے دو حصے کر دیئے ہیں، ایک غزوہ، دوسرا سریہ،

غزوہ، اس جنگ کو کہتے ہیں جس میں حضور سرورِ عالم بنفسِ نفیس شریک ہوئے، غزوہ کی جمع غزوات ہے،

سریہ، جس جنگ میں آپ خود شریک نہیں ہوئے اور اپنی بجائے کسی اور کو سپہ سالار یا امیر بنا کر بھیجدیا، سریہ کی جمع سرایا ہے،

تعداد غزوات ۲۷ ——— تعداد سرایا ۳۹

مگر جن غزوات میں آپ تشریف لے گئے اُن میں نو غزوے ایسے ہیں جن میں جنگ کی نوبت آئی، وہ غزوے یہ ہیں:-

① غزوۂ بدر ② غزوۂ اُحد ③ غزوۂ احزاب ④ غزوۂ بنی قریظہ ⑤ غزوۂ بنو المصطلق ⑥ غزوۂ خیبر ⑦ غزوۂ فتح مکہ ⑧ غزوۂ حنین ⑨ غزوۂ طائف،

قرآن کریم میں جن غزوات کا تذکرہ ہے ان میں سب سے زیادہ اہم غزوۂ بدر ہے، اس کا بیان پیش خدمت ہے،

جنگِ بدر کا بیان اگلے صفحہ سے ملاحظہ فرمائیے،

جنگِ بدر

بدر ایک کنویں کا نام ہے، اس کے آس پاس کے تمام میدان اور بستی کو آجکل بدر یا مقام بدر کہتے ہیں، یہ مدینہ سے جنوب کی طرف تقریباً اسّی میل کے فاصلہ پر ہے، اب یہاں کافی بڑی آبادی پختہ مکانات اور کئی مسجدیں ہیں، ایک احاطہ میں شہدائے بدر کے مزارات ہیں، احاطہ کے باہر قریب ہی ایک مسجد ہے، اس کا نام "مسجد بدر" ہے، اس کی صحیح وجہ تسمیہ معلوم نہیں، ممکن ہے یہ اس مقام کی قدیم مسجد ہو، اور مقام کی مناسبت سے "مسجدِ بدر" نام رکھ دیا ہو،

اسی میدان میں سترہ رمضان المبارک ۲ھ بروز جمعہ کفر و اسلام یا حق و باطل کی وہ فیصلہ کن جنگ ہوئی تھی جس کو قرآنِ کریم میں "یَوْمَ الْفُرْقَانِ" (فیصلہ کا دن) فرمایا گیا ہے (پ۹، ع ۱) یہاں فیصلہ کے دن سے مراد "یوم بدر" ہے،

تیرہ سال تک کفار کے مسلسل ظلم و ستم کا شکار رہنے کے بعد اہلِ اسلام کی مشرکینِ مکہ سے یہ سب سے پہلی کھلی اور بڑی جنگ تھی، جس پر مسلمانوں کی موت و حیات کا دار و مدار تھا، خود حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے اسی میدان میں اللہ کے حضور دعا کرتے ہوئے فرمایا:

"خدایا! تو نے مجھ سے جو وعدۂ نصرت (امداد) فرمایا ہے اس کو پورا فرما، خدایا! اگر یہ مٹھی بھر مسلمان ہلاک ہو گئے تو پھر روئے زمین پر تیری عبادت کرنے والا کوئی بندہ باقی نہ رہے گا"

(مسلم شریف)

اس جنگ کے لئے قریش اور مشرکینِ مکہ نے زبردست تیاریاں کی تھیں، جس کا بیان آگے آرہا ہے، کفار کی تیاریوں کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ اُن کے لڑنے والوں کی تعداد ایک ہزار تھی اور تمام مسلح تھے، جب کہ مسلمان صرف ۳۱۳ تھے، جن کے پاس ستر اونٹ اور صرف دو گھوڑے اور آٹھ تلواریں اور کچھ زرہیں تھیں، اُن اونٹ اور گھوڑوں پر یہ مجاہدینِ اسلام باری باری سوار ہوتے تھے، اس بے سروسامانی کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی برحقؐ اور اہلِ حق کی ایسی مدد اور فتح عطاء فرمائی، کہ دنیا کی تاریخ اس جیسی مثال پیش نہیں کر سکتی، اللہ تعالیٰ نے اپنے اس انعام کا قرآن کریم میں ان الفاظ میں ذکر فرمایا ہے:-

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ط

"اور تمہاری مدد کر چکا ہے اللہ بدر کی لڑائی میں اور تم کمزور تھے"

فضائے بدر کو آپ بیتی یاد ہے اب تک ؎ یہ وادی نعرۂ توحید سے آباد ہے اب تک

اب اس جنگ کے لئے مشرکین کی تیاریوں کا بیان کیا جاتا ہے:۔

○ مشرکینِ مکہ کی تیاریاں؛

ہجرتِ مدینہ کے بعد بھی مشرکینِ مکہ چین سے نہ بیٹھے بلکہ اب اُن کا اشتعال اور جذبۂ انتقام جنون کی حد تک بڑھ گیا۔ پہلے صرف مشرکینِ مکہ ہی آپؐ کی مخالفت کیا کرتے تھے، ہجرت کے بعد مدینہ کے منافقین اور یہود مدینہ کو اپنے ساتھ ملا کر آپؐ کے خلاف ایک محاذ بنا لیا، اور پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کا محفوظ مقام یعنی مدینہ طیبہ میں امن و امان سے رہنا بھی برداشت نہ کر سکے، چنانچہ اس سلسلہ میں مشرکین کی طرف سے بہت سے اقدامات کئے گئے، مثلاً:۔

① انصارِ مدینہ کو دھمکی آمیز خطوط لکھنے شروع کر دیئے،

② منافقین کو ورغلاتے اور مسلمانوں کے خلاف بھڑکاتے اور کان بھرتے رہے،

③ یہودِ مدینہ کو خط لکھکر آپؐ کے خلاف سازباز کرتے رہے، اور ان سے مل کر ایک محاذ بنا لیا،

④ کرز بن جابر الفہری قریش کا ایک سردار مکہ سے مدینہ آیا تو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور اہلِ مدینہ کے چرتے ہوئے جانوروں کو جنگل سے چرا کر لے گیا، (ابن ہشام)

⑤ ایک مرتبہ سعد بن معاذؓ مدینہ سے عمرہ کے لئے مکہ گئے تو ابوجہل نے اپنی خباثت کا ان الفاظ میں اظہار کیا: ("اے سعدؓ!) تم نے صابیوں (بے دینوں) کو اپنے یہاں پناہ دی ہے، میں نہیں دیکھ سکتا کہ تم لوگ مکہ میں آکر طواف کرو، اگر تم امیہ بن خلف کے ساتھ نہ ہوتے تو یہاں سے زندہ نہیں جا سکتے تھے"

حضرت سعدؓ نے فوراً جواب دیا: "خدا کی قسم! اگر تم نے ہمیں مکہ آنے سے روکا تو ہم وہ کریں گے جو تمہارے حق میں اس سے بھی زیادہ سخت بات ہوگی، ہم تمہارا مدینہ کا راستہ روک دیں گے، (یعنی شام کی تجارت کا راستہ) (عہد زریں بحوالہ بخاری شریف)

⑥ مشرکین کی ان ریشہ دوانیوں اور سازشوں کی وجہ سے مدینہ کے حالات ایسے مخدوش ہو گئے تھے کہ اس کا اندازہ نسائی شریف کے ان الفاظ سے کیا جا سکتا ہے:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوَّلَ مَا قَدِمَ الْمَدِيْنَةَ يَسْهَرُ مِنَ اللَّيْلِ (نسائی شریف)	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب شروع شروع مدینہ تشریف لائے تو راتیں جاگ کر گذارا کرتے تھے"

⑦ انتہا یہ ہے اس جنگ کی تیاری کے لئے تجارت کے نام پر قریش کے ایک ایک فرد سے رقم لی گئی حتیٰ کہ عورتوں تک نے بھی حصہ لیا، اس طرح آبجکل کے حساب سے تقریباً چالیس لاکھ روپیہ جمع ہوئے، پھر

جس جس قبیلہ نے اس میں حصہ لیا تھا ان کا ایک ایک نمائندہ اس تجارتی قافلہ میں شریک ہوا، ان نمائندوں کی تعداد چالیس یا ستر تھی، اس قافلہ کا رئیس ابوسفیان کو بنایا گیا، جن کو لے کر یہ شام گیا، اس قافلہ کی حفاظت کو آڑ بنا کر ابوجہل نے جنگی جنون پیدا کیا، ــــــ اب اس کا حال پڑھئے:۔

○ ابوجہل کی طرف سے جنگ کی تیاری؛

ماہ رمضان المبارک ۲ھ میں یہ افسوسناک واقعہ پیش آیا کہ ابوجہل نے مکہ میں یہ افواہ پھیلا دی کہ ہمارا تجارتی قافلہ شام سے مال لے کر آرہا ہے، "محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس کو لوٹنے کا فیصلہ کر لیا ہے، اس لئے سب لوگ مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لئے تیار ہو جائیں، اور ایک ہزار نوجوانوں کی فوج لے کر روانہ ہوا، اس کے ساتھ سات سو اونٹ اور تین سو گھوڑے صرف سواری کے لئے تھے، یعنی ایک ہزار کی فوج میں ایک فرد بھی پیدل نہ تھا، اور تمام لوگ ہتھیاروں، تیروں، کمانوں، تلواروں سے لیس تھے، جن کے کھانے کے لئے روزانہ دس اونٹ ذبح کئے جاتے تھے،

ناظرین غور کریں کہ یہ تجارتی قافلہ کے بچاؤ کی آڑ میں جنگ کی تیاری نہیں تو اور کیا تھا، پھر ابوسفیان اپنے تجارتی قافلہ کو بچا کر صاف مکہ پہنچ گیا، اور ابوجہل کو اطلاع کرائی کہ ہمارا قافلہ صحیح سلامت مکہ پہنچ گیا، اس لئے تم بھی واپس آجاؤ، مگر ابوجہل بڑے متکبرانہ انداز میں بولا، اب تو میں جب تک بدر کے چشمہ پر ڈیرے ڈال کر تین دن تک ناچ رنگ کی رنگ رلیاں نہ منالوں اور اپنا دل خوش نہ کرلوں اس وقت تک مکہ واپس نہ جاؤں گا،

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو سبق حاصل کرنے کے لئے اس آیت میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے:۔

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ خَرَجُوا مِن دِيَارِهِم بَطَرًا وَرِئَاءَ النَّاسِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ ۚ (پ۹، ع ۲)	"اور تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو اپنے گھروں سے شیخی مارتے اور لوگوں کے دکھانے کے لئے نکل آئے، اور اُن کی حالت یہ ہے کہ وہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں"

اس آیت کی تفسیر کے ضمن میں لکھا ہے کہ ابوجہل لشکر لے کر بڑی دھوم دھام اور باجے گاجے کے ساتھ نکلا تھا، تاکہ مسلمان مرعوب ہو جائیں، اور دوسرے قبائل عرب پر مشرکین کی دھاک بیٹھ جائے، راستہ میں ابوسفیان کا پیغام پہنچا، کہ قافلہ سخت خطرہ سے بچ نکلا ہے، اب تم مکہ واپس آجاؤ، ابوجہل نے نہایت غرور سے کہا کہ ہم اس وقت واپس جا سکتے ہیں جب بدر کے چشمہ پر پہنچ کر مجلس طرب و نشاط منعقد کرلیں، گانے والی عورتیں خوشی اور کامیابی کے گیت گالیں، شرابیں پئیں، مزے اڑائیں، اور تین روز

تک اونٹ ذبح کر کے قبائل عرب کی ضیافت کا انتظام کریں، تاکہ یہ دن عرب میں ہمیشہ یادگار رہے، اور آئندہ کے لئے ان مٹھی بھر مسلمانوں کے حوصلے پست ہو جائیں، کہ پھر کبھی ہمارے مقابلہ کی جرأت نہ کریں، اسے کیا خبر تھی کہ جو منصوبے باندھ رہے ہیں اور تجویزیں سوچ رہے ہیں وہ سب خدا کے اختیار میں ہیں، چلنے دے یا نہ چلنے دے بلکہ چاہے تو انہی پر الٹ دے، چنانچہ یہی ہوا، بدر کے پانی اور جام شراب کی جگہ انھیں موت کا پیالہ پینا پڑا، محفل سرود و نشاط تو منعقد نہ کر سکے، ہاں نوحہ و ماتم کی صفیں "بدر" سے "مکہ" تک بچھ گئیں، (تفسیر عثمانی)

○ مسلمانوں میں تشویش اور حضورؐ کا صحابہ سے مشورہ؛

ابوسفیان جس قافلہ کو لے کر شام گیا تھا اس کی اطلاع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی کہ وہ قافلہ مال تجارت سے بھرپور واپس مکہ جا رہا ہے، اس لئے آپؐ نے صحابہ کرام کو بغرض مشورہ جمع کیا،

اُدھر ابوجہل نے مکہ میں یہ مشہور کر دیا کہ ہمارا قافلۂ تجارت جو ابوسفیان کی قیادت میں قیمتی ساز و سامان سے لیس آ رہا ہے مسلمانانِ مدینہ نے اس کو لوٹ لینے کا فیصلہ کر لیا ہے، اس لئے اس کے بچاؤ کے لئے سب لوگ جلدی تیار ہو جائیں، چونکہ اس میں مشرکینِ مکہ کے کم و بیش ہر شخص کا سرمایہ لگا ہوا تھا اس لئے ابوجہل کا یہ نعرہ کامیاب رہا،

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ابھی تجارتی قافلہ کے متعلق سوچ ہی رہے تھے کہ ابوجہل کے قافلہ کا معلوم ہوا کہ قافلہ بچاؤ کا نعرہ لگا کر ایک بڑے اور مسلح قافلہ کو لے کر مدینہ کی طرف بڑھا چلا آ رہا ہے، اس خبر کو سنکر تشویش ہونا لازمی بات تھی، کیونکہ یہ لوگ ہجرت کے بعد بھی ستو ستو پچاس پچاس کی ٹکڑیاں وقتاً فوقتاً بھیجتے رہتے تھے،

اس تشویشناک صورتِ حال کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بذریعہ وحی وعدہ فرمایا کہ ان دونوں قافلوں میں سے آپؐ کے صحابہ کو جو پسند ہو اس کے مقابلہ میں ان کو کامیاب کروں گا، چونکہ اکثر صحابہ غربت کی وجہ سے بے سروسامان تھے مسلح مشرکین سے لڑنے کی بظاہر کوئی صورت نہیں تھی، اس لئے بعض صحابہ کا خیال تھا کہ تجارتی قافلہ کا تعاقب مناسب رہے گا، مگر مشیتِ ایزدی یہ تھی کہ اب کفار سے مقابلہ ہو کر حق کا بول بالا ہو، اور کفر کی کمر توڑ دی جائے، اور اس فیصلۂ خداوندی کا حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اشارہ مل چکا تھا، مزید آپؐ کو یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ ابوجہل کے اس قافلہ میں سردارانِ قریش میں سے بڑے بڑے سب ہی شریک ہیں، اور ان کی موت ان کے مقتل کی طرف کھینچ کر لائی ہے،

بہرحال ایک طرف تجارتی قافلہ دوسری طرف ابوجہل کے قافلہ کی مدینہ کی طرف یلغار سے عجیب صورتِ حال پیدا ہو گئی جس کی وجہ سے آپؐ نے صحابہ کرام سے مشورہ فرمایا، مہاجرین کی طرف سے

حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ وغیرہ نے جواباً عرض کیا کہ ہم سب تعمیلِ حکم کرتے ہوئے اپنی ..... جانیں قربان کرنے کو تیار ہیں، حضرت مقدادؓ نے کھڑے ہو کر عرض کیا:

"یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو حکم ملا ہے آپؐ اس کا اعلان فرمایئے، ہم بنی اسرائیل کی طرح آپ کو یہ جواب نہیں دیں گے: اِذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ ۝ (اے موسیٰ) تو اور تیرا رب چلا جا اور تم دونوں لڑو ہم تو یہیں بیٹھے ہیں"، ہم آپؐ کو یقین دلاتے ہیں کہ آپؐ کے حکم کی تعمیل میں دشمن سے دائیں سے بائیں سے، آگے سے پیچھے سے ہر طرف سے لڑیں گے۔

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے ان حوصلہ افزا جوابات سے بہت خوش ہوئے مگر انصار کی طرف سے خاموشی تھی، آپؐ کو خیال ہوا چونکہ ان سے ہمارا معاہدہ ہے کہ دشمن اگر مدینہ پر حملہ آور ہوا تو ہمارے ساتھ مل کر جنگ کریں گے، اور مشرکین سے مدینہ سے باہر جنگ کے آثار ہیں اس لئے ممکن ہے انصار اس جنگ میں ساتھ نہ دیں،

حضرت سعد بن معاذ انصاریؓ آپؐ کا مطلب سمجھ گئے اور عرض کیا یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آپؐ خصوصیت سے ہمارا جواب چاہتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا، ہاں! حضرت سعدؓ نے جواب دیا:

"یارسول اللہؐ ہم آپ پر ایمان لائے ہیں آپؐ کی (نبوت کی) تصدیق کی ہے، اور آپؐ سے عہد و پیمان کیا ہے، اب آپؐ کو کیا فکر، آپؐ خدا کے حکم کا اعلان فرمایئے، اُس خدا کی قسم! جس نے آپؐ کو نبی بنا کر بھیجا ہے اگر آپؐ حکم دیں گے کہ سمندر میں کود جاؤ، تو ہم حکم ملتے ہی سمندر میں کود جائیں گے، کل آپؐ جب دشمن سے جنگ کریں گے تو آپؐ دیکھیں گے کہ ہم لوگ دشمن کے مقابلہ میں کس صبر کے ساتھ کیسی ثابت قدمی کا ثبوت پیش کرتے ہیں، ہمیں امید ہے اللہ تعالیٰ ہماری خدمات سے کل آپؐ کی آنکھیں ٹھنڈی کر دے گا"

انصار کے سردار اور نمائندہ حضرت سعدؓ کے جواب سے آپؐ کو اتنی خوشی ہوئی کہ آپؐ کا چہرۂ مبارک دمکنے لگا، اس کے بعد آپؐ نے خوش خبری سنائی، کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ ابوجہل یا ابوسفیان دونوں قافلوں میں سے جس کو تم چاہو اس پر فتح و نصرت دیدوں گا، پھر آپؐ نے فرمایا: خدا کی قسم! میں اپنی آنکھوں سے روسائے قریش کے ہر شخص کے قتل ہونے کی جگہ دیکھ رہا ہوں، اور زمین[1] پر ہاتھ رکھ کر بتایا کہ اس جگہ فلاں قریشی مارا جائے گا اور یہاں فلاں قتل ہوگا، اس کے بعد آپؐ نے روانگی کے انتظامات شروع کر دیئے،

[1] قصص القرآن جلد ۲ بحوالہ صحیح مسلم،

○ بدر کی طرف روانگی ؛

صحابۂ کرام کے مشورے اور حوصلہ افزا جوابات کے بعد حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ سے بارہ رمضان المبارک کو تین سو تیرہ ۳۱۳ مسلمانوں کے مختصر سے قافلہ کو لے کر بدر کی طرف روانہ ہوئے، تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان تین سو تیرہ ۳۱۳ کے ساتھ کچھ نوعمر جن کے دلوں میں جذبۂ جہاد تھا ساتھ چل دیئے تھے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ سے باہر "بیر ابی عنبہ" پر پہونچ کر تمام لوگوں کا معائنہ فرمایا، تو جو نوعمر جہاد میں جانے کے قابل نہ تھے اُن کو ہدایت فرمائی کہ مدینہ واپس چلے جائیں،

ان نوعمر مجاہدین کے نام یہ ہیں :-

عبداللہ بن عمر، اسامہ بن زید، رافع بن خدیج، براء بن عازب، اُسید بن حُضیر، زید بن ارقم، زید بن ثابت، عمیر بن وقاص رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین، لیکن حضرت عُمیر بن ابی وقاصؓ یہ حکم سنکر رونے لگے، سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی ناز برداری فرماتے ہوئے ساتھ چلنے کی اجازت دیدی، چنانچہ قربان گاہ بدر میں پہونچ کر اس نوعمر نے جامِ شہادت نوش فرمایا، اور صرف سولہ سال کی عمر میں گلشنِ اسلام کے لئے اپنے خون کا نذرانہ پیش کر کے اپنے بعد آنے والی نسلوں کے لئے روشن مثال قائم کر گئے، یہ شہید ہونے والے نوخیز عمیر بن وقاصؓ سعد بن وقاصؓ کے چھوٹے بھائی تھے، (عہد زریں ص ۱۱۴)

جب مجاہدینِ اسلام کا یہ قافلہ جہاد کے لئے رواں دواں تھا تو پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہِ محبت اُن پر پڑی تو ان حضرات کی خستہ حالی دیکھ کر اُن کے حق میں یوں دعاء فرمائی :-

"الٰہ العالمین یہ ننگے پاؤں چل رہے ہیں، ان کو سواری عطاء فرما، یہ ننگے بدن ہیں ان کو لباس عطاء فرما، یہ خالی پیٹ ہیں ان کو سیر فرما" (عہد زریں، ص ۱۱۴)

جب آپؐ بدر پہنچے تو دیکھا قریشی کفار اپنے لشکر کے ساتھ میدان کے اچھے اونچے اور چشموں والے حصہ پر قبضہ کر کے مورچے بنا کر بیٹھ گئے ہیں، مسلمانوں کے ٹھیرنے کے لئے کوئی مناسب جگہ باقی نہ تھی، صرف ایک ایسا حصہ باقی تھا جو نشیب میں اور ریتلا تھا، حتیٰ کہ اس حصہ میں پینے کا پانی تک نہ تھا، آدمی جب چلتا تو پاؤں زمین میں دھنس جاتے، آخر مجبوراً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی زمین پر اُترنے کا حکم دیا،

.....

حضرت خباب بن المنذر انصاری صحابی ایسے جنگی معاملات میں بہت ہوشیار تھے، انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپؐ کا اس جگہ کا منتخب فرمانا وحیِ الٰہی کی وجہ سے ہے یا جنگی حکمت عملی سے ؟ آپؐ نے فرمایا، نہیں، یہ قیام کسی وحی کی وجہ سے

نہیں، اگر تمہارے ذہن میں کوئی اس سے بہتر تدبیر ہو تو پیش کرو، اس کے بعد انھوں نے اپنی رائے پیش کرتے ہوئے عرض کیا ہمیں آگے بڑھکر چشمہ کے قریب قبضہ کرنا چاہیے، اور نشیب میں حوض کھود کر چشمہ کا رخ اس کی طرف کر لینا چاہیے، آپؐ نے حضرت خبابؓ کی رائے پسند فرمائی، اور آگے بڑھکر چشمہ پر قبضہ کر لیا، جس سے کچھ سہولت ہوگئی، اور آپؐ نے مشرکین تک کو اس چشمہ سے پانی لینے کی اجازت دیدی،

اس تنگی کی حالت میں آپؐ نے بارش کے لئے اللہ کے حضور دعا فرمائی، پھر اسی میدان میں اللہ تعالیٰ نے ایسا انعام فرمایا کہ مسلمانوں کے لئے یہی میدان نعمت و رحمت بن گیا، اور کفار کا منتخب کردہ میدان ان کے لئے زحمت و مصیبت بن گیا، اس کا بیان آگے "بدر میں انعام خداوندی" کے ذیل میں پڑھئے:۔

○ بدر میں مسلمانوں پر انعاماتِ خداوندی؛

مسلمان بظاہر جن پریشان کن حالات سے گذر رہے تھے کفار تو ان کو دیکھ کر بڑے خوش تھے، لیکن قدرت اُن پر ہنس رہی تھی کہ یہ لوگ اپنے ظاہری کرّ و فر سے خوش ہیں، مگر اپنے انجام سے بے خبر ہیں، آپؐ ۱۲ رمضان المبارک کو مدینہ سے روانہ ہوئے اور ۱۷ رمضان المبارک ۲ھ مطابق ۱۰ اپریل ۶۲۳ء کو عشاء کے وقت بدر پہنچے، اور ۱۷ کی صبح جمعہ کے دن یہ فیصلہ کن جنگ ہوئی،

مجاہدینِ اسلام سفر کی تھکاوٹ سے چُور چُور تھے، ظاہر بات ہے اس حالت میں صبح دشمن سے جنگ کرنا آسان نہ تھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس شب میں سوائے سالارِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے باقی سب مجاہدین نے رات خوب سو کر گذاری، اور آپؐ ساری رات اللہ کے حضور نماز، دعاء، تضرّع و زاری میں مصروف رہے، طلوعِ فجر ہوتے ہی آپؐ نے اعلان فرمایا "یَاعِبَادَ اللّٰہِ اَلصَّلٰوۃَ" (اے اللہ کے بندو نماز کا وقت ہوگیا) آپؐ کی ایک آواز پر سب مسلمان جمع ہوگئے، پھر آپؐ نے نماز پڑھائی، نماز کے بعد فضیلتِ جہاد پر بیان فرمایا،

غور کریں صبح کو معرکۂ حق و باطل پیش آنے والا ہے ایسی حالت میں صحابہ کا رات بھر آرام کی نیند سونا یہ انعامِ خداوندی تھا، ورنہ ایسے وقت تو آدمی کا چین سے بیٹھنا بھی مشکل ہوجاتا ہے، یہ نیند کا غلبہ اس لئے تھا تاکہ رات کو سو کر کل جنگ کے وقت جاق و چوبند ہوجائیں،

اللہ تعالیٰ نے اپنے انعامات کا اِس آیت میں ذکر فرمایا ہے:

اِذْ یُغَشِّیْکُمُ النُّعَاسَ اَمَنَۃً مِّنْہُ وَیُنَزِّلُ عَلَیْکُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّیُطَہِّرَکُمْ بِہٖ وَیُذْہِبَ عَنْکُمْ رِجْزَ الشَّیْطٰنِ وَلِیَرْبِطَ عَلٰی قُلُوْبِکُمْ وَیُثَبِّتَ بِہِ	"اُس وقت کو یاد کرو جب اللہ نے تمہیں تسکین دینے کو اپنی طرف سے تم پر غنودگی اور اونگھ طاری کی، اور تم پر آسمان سے پانی نازل کیا تاکہ اس پانی سے تم کو پاک کردے اور تم سے شیطانی وسوسہ کی آلودگی کو زائل کردے

الْاَقْدَامَ ۝	اور تاکہ تمہارے دلوں کو تقویت عطا کرے اور اس
(پ۹، ع۱۶)	بارش کی وجہ سے تمہارے قدموں کو جما دے۔"

اس آیت کی تفسیر میں شیخ التفسیر مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ لکھتے ہیں :-

"بدر" کا معرکہ فی الحقیقت مسلمانوں کے لئے بہت ہی سخت آزمائش اور عظیم الشان امتحان تھا، وہ تعداد میں تھوڑے تھے بے سروسامان تھے، فوجی مقابلہ کے لئے تیار ہو کر نہ نکلے تھے، مقابلہ پر اُن سے تگنی تعداد کا لشکر تھا جو پورے ساز و سامان سے کبر و غرور کے نشہ میں سرشار ہو کر نکلا تھا، مسلمان اور کافروں کی پہلی ہی قابلِ ذکر ٹکر تھی، پھر صورت ایسی پیش آئی کہ کفار نے پہلے سے اچھی جگہ اور پانی وغیرہ پر قبضہ کر لیا، مسلمان نشیب میں تھے، ریت بہت زیادہ تھی، جس میں چلتے ہوئے پاؤں دھنستے تھے، گرد و غبار نے الگ پریشان کر رکھا تھا، پانی نہ ملنے سے ایک طرف غسل و وضو کی تکلیف دوسری طرف تشنگی ستا رہی تھی، یہ چیزیں دیکھ کر مسلمان ڈرے کہ بظاہر آثار شکست کے ہیں، شیطان نے دلوں میں وسوسہ ڈالا کہ اگر واقعی تم خدا کے مقبول بندے ہوتے تو ضرور تائید ایزدی تمہاری طرف ہوتی اور ایسی پریشان کن اور یاس انگیز صورتِ حال پیش نہ آتی، اُسی وقت حق تعالیٰ نے اپنی رحمتِ کاملہ سے زور کا مینھ برسایا جس سے میدان کی ریت جم گئی، غسل و وضو کرنے اور پینے کے لئے پانی کی افراط ہو گئی، گرد و غبار سے نجات ملی، کفار کا لشکر جس جگہ تھا وہاں کیچڑ اور پھسلن سے چلنا پھرنا دشوار ہو گیا، جب یہ ظاہری پریشانیاں دُور ہوئیں تو حق تعالیٰ نے مسلمانوں پر ایک قسم کی غنودگی طاری کر دی، آنکھ کھلی تو دلوں سے سارا خوف و ہراس جاتا رہا،

بعض روایات میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر صدیقؓ "رات بھر" عریش میں مشغولِ دعا رہے، اخیر میں حضورؐ پر خفیف سی غنودگی طاری ہوئی، جب اس سے چونکے تو فرمایا خوش ہو جاؤ کہ جبرئیلؑ تمہاری مدد کو آ رہے ہیں، عریش سے باہر تشریف لائے تو سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ (اب شکست کھائے گا یہ مجمع اور پیٹھ پھیر کر بھاگے گا) زبانِ مبارک پر جاری تھا، بہرحال اُس بارانِ رحمت نے بدن کو احداث (ناپاکی) سے اور دلوں کو شیطان کے وساوس سے پاک کر دیا، اُدھر ریت کے جم جانے سے ظاہری طور پر قدم جم گئے، اور اندر سے ڈر نکل کر دل مضبوط ہو گئے،، (فوائد عثمانی)

خلاصہ یہ کہ اس آیت کی تفسیر سے اُن تمام انعامات کی تفصیل معلوم ہو گئی جو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر

بدر کے میدان میں فرمائے تھے، جن کی وجہ سے مشرکین کو شکستِ فاش سے دوچار ہونا پڑا، ان انعامات کو آگے خلاصہ میں ملاحظہ فرمائیے،

○ مجاہدینِ اسلام کی صف بندی؛

جہاد کی فضیلت و ترغیب کے بعد سالارِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کے مقابلہ میں پہلے مجاھدینِ اسلام کی صف بندی فرمائی، صف بندی کے وقت آپؐ کے دستِ مبارک میں ایک تیر تھا، جس کے اشارہ سے آپ آگے پیچھے نکلے ہوئے مجاہد کو سیدھا ہونے کا حکم دیتے تھے (ابن سعد)

○ حضرت سوادؓ کی دل میں چھپی ہوئی تمنا پورا کرنے کا حیلہ؛

مجاہدین کی صف میں ایک صحابی حضرت سوادؓ بھی تھے، اُن کو اپنی شہادت سامنے نظر آرہی تھی، ان کی تمنا تھی کہ کسی طرح آپؐ کے جسم مبارک کا بوسہ لے لوں، حضرت سوادؓ مجاہدین کی صف سے ذرا آگے نکلے ہوئے تھے، آپؐ نے ان کے پیٹ پر تیر کا ہلکا سا چوکا لگا کر فرمایا یَاسَوَادُ اِسْتَوِ (اے سواد سیدھے ہوجاؤ) اس سے سوادؓ کو موقع مل گیا اور عرض کیا: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اس چوکے سے مجھے تکلیف پہنچی ہے، لہٰذا اس کا بدلہ دیجئے، آپؐ نے اپنے جسمِ مبارک سے کُرتہ اُٹھا کر فرمایا، لو بدلہ لے لو، آپؐ کے کُرتہ اٹھاتے ہی حضرت سوادؓ نے دیوانہ کی طرح بوسہ لیا، اور عرض کرنے لگے، یارسول اللہؐ کیسی تکلیف کیسا بدلہ، میں نے تو اس حرکت کی جرأت اس لئے کی کہ شاید آج یہ آپؐ کی آخری زیارت ہو، یہ سنکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو دُعائیں دیں، (ابن ہشام)

○ سالارِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے میدانِ جنگ میں سایہ؛

آغازِ جنگ سے پہلے صحابہ کرام نے آپؐ سے اجازت لے کر آپؐ کے لئے ایک اونچی جگہ پر سایہ دار کھجوروں کی شاخوں کا عریش (چھپر) بنادیا، تاکہ آپؐ وہاں سکون سے یادِ خدا کرتے رہیں، اور مجاہدین کی کمان بھی کرتے رہیں، اس کے بعد آپؐ اور آپ کے رفیقِ غار صدیق اکبرؓ اس عریش میں داخل ہوکر یادِ خدا میں مشغول ہوگئے، اور حضرت سعد بن معاذؓ تلوار لئے پہرہ دیتے رہے،

حضرت علیؓ فرماتے ہیں دورانِ جنگ میں اس عریش کی طرف گیا تو دیکھا آپؐ سجدہ میں پڑے ہوئے یَاحَیُّ یَاقَیُّوْمُ بِرَحْمَتِکَ اَسْتَغِیْثُ کا ورد فرمارہے ہیں،

○ بارگاہِ ربُّ العزت میں فریاد؛

حدیث میں ہے کہ عریش میں آپؐ اللہ کے حضور دعاء، تضرع وزاری میں مصروف ہوگئے، اور مانگنے میں آپؐ نے کوئی کمی نہ کی،

آپؐ نے دعا کرتے ہوئے کہا: "اے اللہ! آج اگر تو نے ان مٹھی بھر اپنے نام لیواؤں کو ختم کر دیا تو پھر روئے زمین پر کوئی تیرا نام لیوا اور عبادت کرنے والا نہ رہے گا"۔

کبھی آپؐ فرماتے: "اے اللہ! تو نے مجھ سے جو وعدہ فرمایا ہے اس کو پورا فرما، اے اللہ تیری ہی مدد کی ضرورت ہے"، حدیث میں ہے آپؐ اپنے دونوں ہاتھ اُٹھائے دعا فرماتے فرماتے اتنے محو ہوئے کہ چادر شانۂ مبارک سے نیچے گر گئی، آپؐ کی بے قراری دیکھ کر حضرت ابوبکرؓ سے نہ رہا گیا، اور عرض کیا یا نبی اللہؐ! بس اب انتہا ہو گئی، اللہ نے جو وعدہ کیا ہے وہ پورا کرے گا، تھوڑی دیر بعد آپؐ نے سر مبارک ہلاتے ہوئے فرمایا: "ابوبکر! مبارک ہو خوش ہو جاؤ اللہ کی مدد تمہارے پاس آ گئی اور یہ جبرئیل علیہ السلام ہیں"۔

اس کی تفصیل خلاصۃ العامات میں پیش کی جا رہی ہے:

خلاصۃ انعامات:

میدانِ بدر میں تمام حالات بظاہر مسلمانوں کے خلاف تھے اور مسلمانوں کی کامیابی کے ظاہر میں لوگوں کے لئے کوئی آثار نہیں تھے، لیکن پیغمبرِ برحق جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے جاں نثار صحابہ کا خدا کی امداد پر پختہ یقین تھا ——— خداوند کریم کی ایسے ہی لوگوں کے لئے بشارت ہے:

وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ط

"اور جو اللہ پر بھروسہ رکھے گا تو خدا تعالیٰ اس کیلئے کافی ہے"۔

میدانِ بدر میں انعاماتِ خداوندی

اسی توکل علی اللہ کا نتیجہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کمزور و بے سروسامان بندوں پر بے شمار انعامات فرمائے، ان میں سے چند انعامات کا خلاصہ یہاں پیش کیا جاتا ہے، ان میں سے ہر انعام کئی کئی انعامات کا مجموعہ ہے:۔

پہلا انعام، نزولِ بارش:

اس کا بیان پہلے گزر چکا ہے، بظاہر یہ ایک انعام ہے، لیکن اس کی وجہ سے کئی انعامات ہوئے، جیسا کہ انعام نمبر ۲ میں بیان کیا گیا ہے،

دوسرا انعام:

بارش کی وجہ سے پانی کی سہولت ہوئی، اور مجاہدین نے اچھی طرح وضو اور غسل کیا، خوب پاک صاف ہوئے، پانی کی قدر ان مقامات میں ہوتی ہے جہاں تنگی ہو ——— وضو، غسل کے علاوہ پانی سے دوسرا

ضروریات پوری کرنے میں بھی سہولت ہوگئی،

تیسرا انعام؛

اسّی میل کا سفر طے کرکے مدینہ سے جس طرح مجاہدینِ اسلام بدر پہنچے، اس کا بیان پہلے گذر چکا، اسی سفر میں یہ حضرات روزہ سے بھی تھے، جس کی وجہ سے تھکان ہوجانا یقینی بات تھی، ایسا آدمی دشمن سے کیسے جنگ کرسکتا ہے؛ پانی کی سہولت ہوجانے سے سب لوگوں نے غسل کیا، اس کے بعد سب لوگ رات بھر آرام کی نیند سوئے، جس سے جسم ہلکا ہوگیا، اور صبح کو دشمن کے ساتھ بے جگری سے ایسے لڑے کہ دشمن کو گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیا،

چوتھا انعام؛

بارش کی وجہ سے میدانِ جنگ ایسا ہموار ہوگیا کہ جس پر چلتے ہوئے پاؤں دھنستے تھے اب اس پر دوڑ کر چلنے لگے، اور وہی میدان دشمن کے لئے مصیبت بن گیا کیچڑ ہوجانے کی وجہ سے پھسل پھسل کر گرنے لگے، آتے حملہ آور ہوکر اور خود ہی پھسل کر گر جاتے،

پانچواں انعام؛

ایک انعام یہ فرمایا کہ کفار کی تعداد تھوڑی دکھلائی گئی، جس سے مسلمانوں کے حوصلے بڑھ گئے، اگر کہیں کفار کی تعداد زیادہ دکھلائی جاتی تو حوصلے پست ہوجاتے اور میدانِ جنگ میں بزدلی کا ثبوت دیتے، اسی کو قرآن کریم میں فرمایا گیا؛

اِذْ يُرِيْكَهُمُ اللّٰهُ فِيْ مَنَامِكَ قَلِيْلًا ؕ وَلَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِيْرًا لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ ؕ (پ۱۰، ع۱)	اے پیغمبر! وہ وقت بھی قابلِ ذکر ہے جب اللہ نے آپکو آپکے خواب میں اُن کافروں کو تھوڑا دکھلایا، اور اگر آپکو وہ اُن کی کثرت دکھلاتا تو اے مسلمانو! تم ہمت ہار دیتے، اور جنگ کے بارے میں تم جھگڑنے لگتے، لیکن اللہ نے تم کو ان باتوں سے محفوظ رکھا۔

○ امداد کے لئے ملائکۃ اللہ کا نزول؛

فرشتوں کے ذریعہ امداد یہ بہت بڑا انعام ہے، اور یہ بھی کئی انعاموں کا مجموعہ ہے، ان انعامات کو اس آیتِ کریمہ میں بیان کیا گیا ہے؛

اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ سَاُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ	وہ وقت یاد کیجئے جب آپکے رب نے فرشتوں کو حکم کیا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں، سو تم ایمان والوں

الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ۔	کے دلوں میں رعب ڈالے دیتا ہوں، سو تم ان (کافروں) کی گردنوں پر خوب ضرب لگاؤ اور ان کافروں کی ہر ایک پور اور جوڑ پر چوٹ مارو۔

بدر کی اس جنگ میں شیطان کفار کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکانے کے لئے قبیلۂ بنی کنانہ کے سردار اعظم سراقہ بن مالک کی صورت میں اپنی ذرّیت کی فوج لے کر نمودار ہوا، اور ابوجہل وغیرہ کو اطمینان دلایا کہ ہم سب تمھاری مدد و حمایت پر ہیں، بنی کنانہ کی طرف سے بے فکر رہو (کیونکہ ان سے قریش کی چھیڑ چھاڑ رہتی تھی)،

جب بدر میں زور کا رن پڑا اور شیطان کو جبرئیل علیہ السلام اور دوسرے فرشتے نظر آئے تو ابوجہل کے ہاتھ میں سے ہاتھ چھڑا کر الٹے پاؤں بھاگا، ابوجہل نے کہا "سراقہ" عین وقت پر دغا دے کر کہاں جاتے ہو؟ کہنے لگا میں تمھارے ساتھ نہیں رہ سکتا، مجھے وہ چیزیں دکھائی دے رہی ہیں جو تم کو نظر نہیں آتیں، (یعنی فرشتے) خدا کے (یعنی اس خدائی فوج کے) ڈر سے میرا دل بیٹھا جاتا ہے، اب ٹھہرنے کی ہمت نہیں، کہیں کسی سخت عذاب اور آفت میں نہ پکڑا جاؤں، (فوائد عثمانی)

○ اس سے فرشتوں کا میدانِ بدر میں مسلمانوں کی مدد کے لئے نازل ہونا صاف طور پر معلوم ہو گیا، اس کے علاوہ حدیث میں ہے کہ بدر میں ملائکہ کو لوگ اپنی آنکھوں سے ایسے دیکھتے تھے جیسے انسان، کیونکہ شیطان بھی انسانوں کی شکل میں اپنی ذرّیت کو لے کر آیا تھا، (جیسا کہ پیچھے بیان کیا گیا) مسلمانوں کو بھی اس وقت ایسی ہی فوج کی ضرورت تھی جو نظر آئے تاکہ تقویت حاصل ہو اور حوصلے بڑھیں، جیسا کہ درج ذیل واقعات سے معلوم ہوتا ہے،

○ سہیل بن حنیف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بدر کے دن ہم نے یہ دیکھا کہ ہم میں سے جب کوئی شخص کسی کافر کی طرف اشارہ کرتا تو ہماری تلوار اس تک پہنچنے نہ پاتی تھی کہ اس کا سر کٹ کر زمین پر گر جاتا تھا،

○ ایک صحابی ایک کافر کو مارنے کے لئے اس کا پیچھا کر رہے تھے، یکایک اس کافر کے کوڑا لگنے کی بڑے زور کی آواز ان کے کان میں آئی، اور ایک آواز کان میں یہ بھی آئی "اے حیزوم! آگے بڑھ" (حیزوم جبرئیلؑ کے گھوڑے کا نام ہے)، وہ صحابی کہتے ہیں مارنے والا تو کوئی نظر نہ آیا مگر وہ کافر آگے مرا ہوا پڑا تھا، اور اس کی ناک پھٹ گئی تھی، اور کوڑے کی چوٹ سے نیلی پڑ گئی تھی،

○ ایسے ہی حضرت عباسؓ کو جس صحابی نے گرفتار کیا تھا وہ بہت ہی نحیف و کمزور تھے، جب اُن سے پوچھا کہ تم نے عباس جیسے پہلوان کو کیسے گرفتار کر لیا! تو کہنے لگے اس وقت میری ایک ایسے آدمی نے امداد کی جس کو نہ میں نے اس سے پہلے کبھی دیکھا اور نہ اُس کے بعد دیکھا،

غرض یہ کہ اللہ تعالیٰ نے کمزور مسلمانوں کی اپنی برگزیدہ مخلوق فرشتوں سے ایسی مدد فرمائی کہ اس کو کفار نے بھی مشاہدہ کیا اور مسلمانوں نے بھی، اور فرشتوں کے ہاتھ سے مرے ہوئے علیحدہ پہچانے جاتے تھے۔

حضرت ربیع بن انسؓ سے روایت ہے کہ بدر کے دن فرشتوں کی مار کے مقتول انسانوں کے مقتولوں سے علیحدہ پہچانے جاتے تھے، اور ملائکہ کے مقتول کی گردنوں پر اور پوروں پر آگ سے جلے ہوئے جیسے سیاہ نشان تھے۔

○ آغازِ جنگ:

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک سے مجاہدین کی صف بندی فرمائی، اس کے بعد عریش (چھپر) میں تشریف لے گئے، اور خداوند کریم کے حضور عجز و نیاز سے مناجات شروع کر دی، کامیابی کی بشارت کے بعد باہر تشریف لائے، تو دونوں طرف کی فوجیں صف بستہ اور جنگ چھڑنے کے انتظار میں آمنے سامنے کھڑی تھیں، جس کا نقشہ قرآن کریم نے ان الفاظ میں پیش کیا ہے:

قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ (پ۳، ع۱۰)

"یقیناً ان دو جماعتوں میں جو ایک دوسرے کے مقابل تھے تمہارے لئے بڑی عبرت آموز نشانی تھی، (ان میں سے) ایک جماعت تو اللہ کی راہ میں جنگ کر رہی تھی، اور دوسرا فریق کافروں کا تھا،

بہرحال دونوں طرف کی فوجوں میں جنگ کا آغاز ہوا تو میدانِ جنگ عجیب نقشہ پیش کر رہا تھا، کسی کا باپ مسلمانوں کی صف میں تو بیٹا کفار کی صف میں، کسی کا بیٹا مسلمانوں کی صف میں تھا تو باپ کفار کی صف میں، چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اپنے لختِ جگر (جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) عبدالرحمٰن کے مقابلہ میں تلوار میان سے نکالے کھڑے تھے، اسی طرح حضرت عمرؓ نے اپنے ماموں کو موت کی نیند سلا دیا، حضرت حذیفہؓ اپنے باپ عتبہ کے مقابلہ میں آکر کھڑے ہو گئے،

ادھر سالارِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مشت خاک ہاتھ میں لے کر "شَاهَتِ الْوُجُوْهُ" (کہ دشمنانِ اسلام روسیاہ اور ذلیل و خوار ہوں) کہہ کر کفار کی طرف پھینک دی، خدا کی قدرت سے اس ایک مشت خاک نے ایسا کام کیا کہ اس کے ذرات تمام کفار کی آنکھوں میں ایسے گھسے کہ سب آنکھیں ملنے لگے، دراصل یہ خدائی فعل تھا جو اس نے اپنے پیغمبرِ برحق صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے کرایا، اسی کو قرآن کریم میں فرمایا گیا،

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ

"پس تم نے ان کافروں کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے

وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۔ نے اُن کو قتل کیا اور جس وقت آپ نے ان کی طرف خاک

کی مٹھی پھینکی تو وہ آپ نے نہیں پھینکی بلکہ وہ اللہ نے پھینکی تھی (تاکہ کافروں کو شکست ہو)

یعنی بظاہر کنکریاں (اے نبیؐ) تم نے اپنے ہاتھ سے پھینکی تھیں، لیکن کسی بشر کا یہ فعل عادۃً ایسا نہیں ہو سکتا، کہ مٹھی بھر کنکریاں ہر سپاہی کی آنکھ میں پڑ کر ایک مسلح لشکر کی ہزیمت (شکست) کا سبب بن جائیں، یہ صرف خدائی ہاتھ تھا جس نے مٹھی بھر سنگریزوں سے فوجوں کے مُنہ پھیر دیئے، تم بے سر و سامان قلیل التعداد مسلمانوں میں اتنی قدرت کہاں تھی کہ محض تمہارے زور بازو سے کافروں کے ایسے ایسے مُنڈ مارے جاتے، یہ تو خدا ہی کی قدرت کا کرشمہ ہے کہ اس نے ایسے متکبر سرکشوں کو فنا کے گھاٹ اتارا، ہاں یہ ضرور ہے کہ بظاہر کام تمہارے ہاتھوں سے لیا گیا اور ان میں وہ فوق العادت قوت پیدا کر دی جسے تم اپنے کسب و اختیار سے حاصل نہ کر سکتے تھے، یہ اس لئے کیا گیا کہ خدا کی قدرت ظاہر اور مسلمانوں پر پوری مہربانی اور خوب اچھی طرح احسان کیا جائے،

(فوائد عثمانیؒ)

○ جذبۂ جہاد میں دو بھائیوں کا ابوجہل کو قتل کرنے کا شوق ؛

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ جنگ بدر کا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ جب صف بندی ہو گئی تو کیا دیکھتا ہوں کہ میرے دونوں طرف حضرت عفراء انصاری کے دو کم سن نونہال حضرت معاذؓ اور معوذؓ کھڑے ہوئے ہیں، اُن کو دیکھ کر مجھے خیال آیا، جنگ کے وقت یہ دونوں میرے لئے تور کا ڈٹ بن جائیں گے، میں ہاتھ کیسے چلاؤں گا، میں دل میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ ان دونوں بھائیوں میں سے ایک بھائی نے میرے کان میں آہستہ سے پوچھا، چچا! کیا آپ ابوجہل کو پہچانتے ہیں؟ پھر یہی بات اسی طرح دوسرے بھائی نے پوچھی، حضرت عبدالرحمٰنؓ ان دونوں بھائیوں کی یہ بات سُنکر مسکرائے، اور جواب دیا، ہاں پہچانتا ہوں، مگر اس سے تمہارا کیا مطلب ہے؟

اُن دونوں نے جواب دیا، جناب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بہت گستاخیاں کرتا ہے اس لئے ہم نے قسم کھائی ہے کہ آج یا وہ نہیں یا ہم نہیں، حضرت عبدالرحمٰنؓ نے جواب دیا، جب وہ سامنے پڑے گا تو بتلا دوں گا،

تھوڑی ہی دیر گذری تھی تو ابوجہل گھوڑے پر سوار نظر پڑا، میں نے ان دونوں بھائیوں سے کہا، بیٹا! دیکھو تمہارا شکار وہ گھوڑے پر سوار جا رہا ہے، یہ سنتے ہی دونوں بھائی ایسے تاک میں لگ گئے جیسے شکاری شکار کی تاک میں، تھوڑی ہی دیر گذری تھی کہ حضرت معاذؓ ابوجہل تک پہنچے اور تلوار سے اتنے زور کا وار کیا کہ اس کی ٹانگ کٹ گئی، اور زخم اتنا گہرا آیا کہ خون کے ساتھ پنڈلی کی نلی کا مغز بھی بہنے لگا، ابوجہل کے

بیٹے عکرمہ (جو فتح مکہ کے وقت مسلمان ہوئے) نے اپنے باپ کو گرتے دیکھا تو حضرت معاذؓ کی طرف جھپٹا، اور اُن کے مونڈھے پر ایسے زور سے تلوار ماری کہ بغل کے پاس تھوڑا سا ہاتھ کھال میں اٹکا ہوا رہ گیا، اس کے باوجود اتنی ہمت کہ اس ہاتھ کو کمر پر لٹکا کر سارے دن دوسرے ہاتھ سے لڑتے رہے، جب وہ ہاتھ لڑنے میں رکاوٹ پیدا کرنے لگا تو اس کو پاؤں کے نیچے دبا کر بدن سے جُدا کر دیا، لیکن خدا کی قدرت دیکھئے ہاتھ جُدا کر دینے کے بعد بھی حضرت عثمانؓ کے زمانۂ خلافت تک زندہ رہے،

حضرت معاذؓ کے اس حملہ سے ابوجہل مَرا نہیں تھا، اس لئے اُن کے بھائی حضرت معوذؓ اس کے پاس پہنچے، انھوں نے بھی اس کے زخم لگائے، پھر اس کو اس طرح چھوڑ کر آگئے اور خود جنگ کے گھمسان رَن میں گھُس گئے اور دشمن سے لڑتے لڑتے جامِ شہادت نوش کیا، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ۝

ابتدائی مُقابلہ

عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ولید بن عتبہ کا مقابلہ حضرت حمزہ بن مُطلبؓ
حضرت علی بن ابی طالبؓ اور حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہم سے :

عتبہ اور شیبہ دونوں بھائی تھے، اور ولید عتبہ کا بیٹا تھا، ان لوگوں نے عرب کے دستور کے مطابق آگے بڑھکر مسلمانوں کو للکارا کہ آؤ کون بہادر ہمارے مقابلہ میں آتا ہے؟ اس للکار پر تین انصاری نوجوان مقابلہ پر آئے تو یہ کہکر اُن سے لڑنے سے انکار کر دیا کہ یہ ہماری جوڑ اور قوم (قریش) کے نہیں ہیں، ان کے کبر و غرور کی یہ بات سُنکر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہؓ، حضرت علیؓ، اور حضرت عبیدہؓ کو بھیجا، حضرت حمزہؓ نے عتبہ کا ایک ہی وار میں ڈھیر کر دیا، اور حضرت علیؓ نے ولید کو ٹھکانے لگایا، حضرت عبیدہؓ شیبہ کی طرف بڑھے، ان دونوں میں مقابلہ ہونا شروع ہوا تو شیبہ کی تلوار حضرت عبیدہؓ کی ٹانگ پر پڑی، جس سے اُن کی پنڈلی کٹ گئی، حضرت علیؓ کی اُدھر نگاہ پڑی تو فوراً اُدھر آئے اور انھوں نے شیبہ کا کام تمام کیا، اور حضرت عبیدہؓ کو اپنے کندھے پر اٹھا کر خدمتِ نبویؐ میں لے گئے،

یہ ہولناک جنگ چند گھنٹوں میں ختم ہوگئی، اور تھوڑی سی دیر میں میدان جنگِ کربلا کا نقشہ پیش کرنے لگا، کفار کے ہاں سناٹا چھا گیا، قریش کے ستر بڑے بڑے سردار قتل کر دیئے گئے، ان مقتولین میں گیارہ وہ سرغنے بھی تھے جنھوں نے دار الندوہ مکہ میں بیٹھ کر آپؐ کے قتل کا فیصلہ کیا تھا، وَتِلْكَ الْاَیَّامُ نُدَاوِلُهَا بَیْنَ النَّاسِ ۚ ستر قیدی بنا لئے گئے، اور میدانِ جنگ میں مشرکین اپنے سرداروں کی لاشیں بڑی چھوڑ گئے، کفار کے کیمپ میں صفِ ماتم بچھ گئی، مکہ میں کہرام مچ گیا، شکست کا سُنکر کفار کو پہلے تو

یقین نہ آیا، لیکن حقیقت کب تک چھپ سکتی تھی، سب پر عیاں ہو گیا، ایک مہینہ تک قومی سوگ منایا، اس کے بعد سارے مکہ میں منادی کرادی کہ کوئی شخص ان مرنے والوں پر گریہ وزاری نہ کرے، کیونکہ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اُن کے ساتھیوں کو یہ خبر پہنچ گئی تو وہ لوگ بہت خوش ہوں گے،

مقتول کفار کی لاشیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ایک گڑھا کھود کر اس میں ڈال دی گئیں،

ابوجہل کی لاش کی تلاش؛

جب جنگ ختم ہو گئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوجہل کی لاش تلاش کرنیکا حکم دیا، اس کو اگرچہ معوذؓ و معاذؓ نے مار مار کر قریب المرگ کر دیا تھا، حضورؐ کے حکم سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کفار کی لاشوں میں دیکھنے کے لئے گئے، تو دیکھا ایک جگہ پڑا دم توڑ رہا ہے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اس کے سینہ پر چڑھ کر بیٹھ گئے، ابوجہل نے آنکھیں پھاڑ کر دیکھا، اس وقت بھی مغرورانہ اور متکبرانہ کلام نہ چھوڑا، اور کہنے لگا، او بکریاں چرانے والے تو بہت اونچی جگہ چڑھ کر بیٹھا ہے،

پھر پوچھا کون جیتا کون ہارا؟ حضرت عبداللہؓ نے جواب دیا اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم، پھر اس نے پوچھا تو کس لئے آیا ہے؟ تو حضرت عبداللہؓ نے جواب دیا، میں تیرا سر قلم کروں گا، اس پر وہ بولا، دیکھ میری یہ تلوار بہت تیز ہے، اس سے کاٹنا، اور ذرا میرا سر شانوں کے قریب سے کاٹنا تاکہ دیکھنے والے سمجھیں کہ یہ بڑے آدمی کا سر ہے،

پھر کہنے لگا، میرا یہ آخری پیغام محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو پہنچا دینا کہ اس زخم کھانے کے بعد میرے دل میں تمہاری طرف سے بغض پہلے سے بھی زیادہ بڑھ گیا ہے، حضرت عبداللہؓ فرماتے ہیں اس کے بعد میں نے اس کا سر قلم کر کے حضورؐ کی خدمت میں پیش کر دیا، اور اس کا پیغام پہنچایا، تو آپؐ نے فرمایا "اَللّٰہُ اَکْبَرُ" یہ میرا اور میری امت کا فرعون تھا جس کا شر موسیٰؑ والے فرعون کے شر سے بڑھا ہوا تھا، کیونکہ اس نے تو غرغرہ کے وقت کلمہ پڑھنا شروع کر دیا تھا، مگر اس کے غرور میں فرق نہ آیا، اس کے بعد ابوجہل کی تلوار آپؐ نے عبداللہ بن مسعودؓ کو عطاء فرمادی، (سیرۃ المصطفیٰ ج ۲ ص ۹۹، ۱۰۰)

ابولہب کا حشر؛

ابولہب کسی مجبوری کی وجہ سے جنگ بدر میں قریش کے ساتھ نہ آسکا تھا اور اس نے اپنی جگہ کسی کو قائم مقام بنا کر بھیجدیا تھا، قریش کے شکست کھانے کا تو کسی کو وسوسہ تک بھی نہ تھا، اس لئے سب کی نگاہیں اس طرف لگی ہوئی تھیں کہ جنگ کا نتیجہ کیا نکلتا ہے، ابولہب کو بھی رات دن یہی فکر ستائے جا رہا تھا جب اس نے قریش کی عبرتناک شکست کا سُنا تو یقین نہ آیا، آخر سنتے سنتے یقین کرنا پڑا، حضرت عباسؓ

زوجۂ ام الفضل نے ایک لکڑی اس کے سر میں اتنے زور سے ماری کہ اس کا سر پھٹ گیا، اول تو شکست کا صدمہ پھر عورت کے ہاتھ سے پٹ جانا ان دونوں کا صدمہ پھر مرض طاعون کا پھوڑا نکل آیا، جس کے صدمہ اور تکلیف کی وجہ سے ایک ہفتہ میں مرگیا، لاش میں اتنی بدبو ہوگئی کہ کوئی آدمی اس کے قریب بھی نہ جاسکتا تھا، اسی حالت میں لاش تین دن تک پڑی رہی، بیٹوں نے بدنامی کی وجہ سے مزدوروں کو بلاکر گڑھے میں لکڑیوں سے ڈلوا کر مٹی سے دبوادیا،

○ اُمیّہ بن خلف کا انجام؛

یہ اُمیہ وہی ہے جو حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کو اسلام لانے کے جرم میں طرح طرح کی ایذائیں دیا کرتا تھا یہ اپنے قتل کی پیشین گوئی مکہ معظمہ میں سُن چکا تھا، اس لئے جنگِ بدر میں شریک ہونے سے جی چُراتا تھا، ابوجہل نے جب لوگوں کو اپنے قافلہ بچاؤ کی دُہائی دے کر جنگ پر اُبھارا تو امیہ نے خاموشی اختیار کرلی، ابوجہل نے پھر اُبھارا اور کہا تم اپنے قبیلہ کے سردار ہو اگر تم شریک نہیں ہوگے تو تمہارے قبیلہ کے لوگ کیسے شریک ہوں گے؟ ابوجہل جب اصرار ہی کرتا رہا تو مردہ دلی سے شرکت کا وعدہ کرلیا، اس کے بعد اپنی بیوی اُم صفوان سے کہا کہ میرا سامانِ سفر تیار کردو، بیوی نے کہا تمہیں کیا یہ بات یاد نہیں رہی کہ محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) نے کہا تھا کہ امیہ میرے صحابہ کے ہاتھ سے مارا جائے گا، امیہ نے کہا مجھے خوب یاد ہے، اسی لئے میرا دل جانے کو نہیں چاہ رہا، بس تھوڑی دُور جاکر خاموشی سے واپس آجاؤں گا،

لیکن قدرت کو اس کا مارا جانا منظور تھا اس لئے اس کی موت کھینچکر بدر تک لے گئی، بدر میں پہنچا تھا کہ حضرت بلالؓ کی اس پر نگاہ پڑگئی، دیکھتے ہی چیخے، اور کہا دیکھنا آج یہ بچکر بھاگ نہ جائے، انصار نے جب اپنے مہاجر بھائی کی آواز سُنی تو اُسے قتل کردیا،

○ الغرض یہ کہ ابوجہل، عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ولید بن عتبہ، امیہ بن خلف جو اسلام اور پیغمبر اسلامؐ کی دشمنی میں پیش پیش تھے اسی جگہ قتل ہوئے جہاں ایک روز پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معجزانہ انداز میں نشانات بتلائے تھے، جس سے قریشِ مکہ اور کفارِ مکہ کی طاقت کو ایسا دھکا لگا کہ پھر مُنہ دکھانے کے قابل نہ رہے اور اسلام زندہ و تابندہ طاقت بن کر اُبھرا، باقی ماندہ کفار کے خلاف دلوں میں انتقامی جذبات کا لاوا پکنے لگا، جس کا نتیجہ غزوۂ اُحد میں سامنے آیا،

○ تعداد شہدائے بدر؛

جیسا کہ بیان کیا جاچکا ہے کہ مسلمان مجاہدین کی تعداد تین سو تیرہ (۳۱۳) تھی، یہ تعداد اصحابِ طالوت کے برابر تھی، اصحابِ طالوت کا ذکر پارہ نمبر ۲ فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوْتُ رکوع ۱۶ کی تفسیر میں دیکھ لیا جائے،

ان مجاہدین میں چھیاسٹھ مہاجرین اور دو سو تیس انصاری تھے، کل چودہ حضرات شہید ہوئے، ان میں چھ مہاجرین اور آٹھ انصاری تھے، ان شہداء کو اُن ہی خون آلود کپڑوں میں جو دورانِ جنگ پہنے ہوئے تھے بغیر غسل دیئے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ جنازہ پڑھکر بدر کے قبرستان میں دفن کر دیا،

جہاں یہ شہداء آرام فرما ہیں وہاں ایک احاطہ بنا کر منڈیر بنا دی ہے، اللہ تعالیٰ ان شہداء پر تا ابد اپنی رحمتوں کی بارشیں نازل فرمائیں جنھوں نے اپنے خون سے باغِ اسلام کی آبیاری کی، اور قیامت تک اسلام کا نام روشن کر گئے،

○ واقعۂ بدر میں عبرت و موعظت ؛

اس واقعہ میں سب سے اہم دو سبق ہیں، ایک تو کفار کی تعداد و تیاری، کبر و غرور، جس کے نتیجہ میں عبرتناک شکست کا منہ دیکھنا پڑا، دوسری طرف چند غریب و مسکین پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہوئے اللہ کا کلمہ بلند کرنے کا جذبہ اپنے سینوں میں لئے خدا کے توکل پر اس کی امداد کا سہارا لئے خالی ہاتھ میدانِ جنگ میں آکر کھڑے ہو گئے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی کہ "یا اللہ! یہ آپ کے نام لیوا تیرا کلمہ بلند کرنے کا جذبہ لئے ہوئے میدان میں آکر کھڑے ہو گئے ہیں، اگر آپ چاہیں کہ آئندہ آپ کا کوئی نام لینے والا پردۂ زمین پر رہے تو ان کی امداد فرمائیے، ورنہ ختم فرمادیں"

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کی دعا کو ایسا شرفِ قبولیت بخشا کہ کفار انگشت بدنداں رہ گئے کہ یہ کیا ہو گیا؟ سچ ہے اللہ کا فرمان کہ:

كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِإِذْنِ اللّٰهِ ؕ	"بارہا تھوڑی سی جماعت غالب ہوئی ہے بڑی جماعت پر اللہ کے حکم سے"

رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ

۲ھ کے کچھ اور واقعات

جنگِ بدر چونکہ اسلام کی پہلی جنگ تھی دل چاہا کہ اس کا کچھ تفصیل سے بیان کر دیا جائے، تاکہ ہم جیسے کمزور ایمان والوں کے ایمان میں حرارت پیدا ہو، اس کے بعد اب ۲ھ کے کچھ اور واقعات پیش کئے جاتے ہیں:۔

○ حضرت رقیہؓ بنت النبیؐ کی وفات ؛

حضرت رقیہؓ بنت النبیؐ حضرت عثمان غنیؓ کی زوجہ تھیں، جنگِ بدر کے موقع پر آپ بیمار تھیں، اس لئے

حضورؐ نے حضرت عثمانؓ کو جنگ میں شریک ہونے سے روک دیا تھا، اور فرمایا تھا تم اپنی زوجہ رقیہؓ کی تیمارداری کرو، چونکہ آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے رُکے تھے اس لئے آپ کا شمار بھی بدریین میں کیا گیا ہے، حضرت اسامہ بن زیدؓ فرماتے ہیں جب جنگ بدر میں فتح کی خوش خبری مدینہ پہنچی ہے اس وقت ہم لوگ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کو قبر میں رکھ کر مٹی دے رہے تھے، اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دوسری صاحبزادی حضرت ام کلثومؓ کا نکاح حضرت عثمانؓ سے کر دیا، اس کے بعد سے حضرت عثمانؓ کا "ذی النورین" لقب ہو گیا،

- اسی سال غزوۂ بدر کے بعد آپؐ نے عید الفطر کی نماز پڑھائی،
- اسی سال صدقۂ فطر واجب ہوا،
- اسی سال عید الاضحیٰ کی نماز اور قربانی کی مشروعیت ہوئی، جن کا بیان ہم پہلے کر چکے ہیں،

○ حضرت فاطمہؓ کا حضرت علیؓ سے نکاح؛

۲ھ ہجری کے آخری مہینہ ذی الحجہ میں ہوا، سب سے پہلے صاحبزادی سے نکاح کا پیغام حضرت ابوبکر صدیقؓ نے پیش کیا، پھر حضرت عمر فاروقؓ نے، مگر عمر میں مناسبت نہ ہونے کی وجہ سے آپؐ نے انکار فرما دیا، ان حضرات کے مشورہ سے حضرت علیؓ نے شرماتے شرماتے زبانی درخواست پیش کی، حضورؐ نے بحکم خداوندی درخواست منظور فرمالی، گویا حضرت علیؓ کی منگنی ہو گئی، جس میں ہمارے زمانہ کی طرح کسی قسم کی کوئی رسم نہ تھی،

اس کے بعد ایک روز سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ صحابۂ کرام کو مسجد نبویؐ میں جمع کر کے خود خطبہ پڑھ کر نکاح فرما دیا، اس وقت حضرت فاطمہؓ کی عمر پندرہ ۱۵ سال اور حضرت علیؓ کی اکیس ۲۱ سال تھی،

اس کے بعد مسلمان آنکھیں کھول کر پڑھیں کہ جنت کی عورتوں کی سردار کو سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنا جہیز دیا اور رخصتی کیسے کی؟

یمنی چادریں ۲ عدد، توشک (گدا) بچھانے کے لئے جنمیں رُوئی کی بجائے کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی ۲ عدد، کمبل ۱ عدد، تکیہ ۱ عدد، لکڑی کا پیالہ ۱ عدد، چکی آٹا پیسنے کی ۱ عدد، پانی کا مٹکا ۱ عدد،

یہ تھا کل جہیز دو جہاں کے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نورِ نظر بیٹی کا، جس کو آج کے دَور کا مسلمان یہ کہدے گا کہ ایسا جہیز انسانیت اور شرافت کی توہین ہے،

یہ تھے وہ واقعات جو ۲ھ ہجری میں پیش آئے، جن کو ہم نے مختصراً بیان کیا، اب ۳ھ ہجری کے واقعات کا خلاصہ پیش خدمت ہے،

سنہ ۳ ہجری کے اہم واقعات

واقعات تو بہت ہیں مگر ہم نے اگلے صفحات میں مندرجہ ذیل چند اہم واقعات بیان کئے ہیں،
○ غزوۂ غطفان ○ دعثور کا قبولِ اسلام ○ کعب بن اشرف یہودی کا قتل ○ ابو رافع یہودی کا قتل ○ غزوۂ اُحد ○ ابی بن خلف کا حشر ○ شراب کی حرمت وغیرہ،

○ غزوۂ غطفان؛ ـــــــــ محرم الحرام سنہ ۳ھ مطابق اپریل سنہ ۶۲۴ء

عرب کے دو قبیلے بنی ثعلبہ اور بنی محارب دعثور بن الحارث کی قیادت میں ایک لشکر لے کر مدینہ میں لوٹ مار اور ڈاکہ زنی کا پروگرام بنا کر نکلے، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم ہوا، تو آپؐ کچھ صحابہؓ کو لے کر مدینہ کی حفاظت کے لئے روانہ ہوئے،

دعثور کو جب آپؐ کی آمد کا معلوم ہوا تو ڈر کر اپنے ساتھیوں کو لے کر پہاڑوں پر بھاگ گیا، اتفاق کی بات اسی رات بارش ہوگئی جس سے آپؐ کے اور دوسرے حضرات کے کپڑے بھیگ گئے، آپؐ نے اور دوسرے ساتھیوں نے کپڑے اتار کر سوکھنے کے لئے پھیلا دیئے، اور آپؐ ایک درخت کے نیچے لیٹ گئے، دعثور نے آپؐ کو لیٹا ہوا دیکھا تو پہاڑ سے اُتر کر ایک دم نیچے آگیا، اور تلوار میان سے نکال کر کہنے لگا، اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) بتاؤ اب تم کو میرے ہاتھ سے کون بچائے گا؟ آپؐ نے بڑے اطمینان و سکون سے جواب دیا، مجھے میرا اللہ بچائے گا،

○ دعثور کا قبولِ اسلام؛

دعثور آپؐ کے اس پُر اعتماد اور پُر سکون جواب سے ایسا مرعوب ہوا کہ کانپنے لگا، اور تلوار ہاتھ سے گر گئی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین سے تلوار اٹھا کر دعثور سے دریافت فرمایا، اب تو بتا کہ مجھ سے تجھے کون بچائے گا! اس نے جواب دیا کوئی نہیں، آپؐ کو اس کی پریشانی دیکھ کر رحم آگیا اور اس کا قصور معاف فرما دیا،

دعثور پر رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے اس خلقِ عظیم کا اتنا گہرا اثر ہوا کہ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھکر غلامانِ اسلام کی صف میں شامل ہو گیا، دعثور کے اسلام قبول کرنے کے واقعہ میں ان لوگوں کے لئے کتنا بڑا سبق ہے جو بہتان باندھتے ہیں کہ اسلام بزورِ شمشیر پھیلا ہے، ہم نے اس واقعہ کو بھی سبق حاصل کرنے کے لئے لکھا ہے،

○ **کعب بن اشرف یہودی کا قتل؛** ——— ربیع الاول ۳ھ مطابق مئی ۶۲۴ء

مسلمانوں کی جنگِ بدر میں فتح سے مشرکین اور یہودی اور آپؐ کے دوسرے دشمن اتنے بوکھلائے کہ مسلمانوں سے بدلہ لینے کی تیاریاں کرنے لگے، کعب بن اشرف مدینہ کے مشہور یہودی کو مشرکینِ مکہ کی شکست سے بڑا صدمہ ہوا، اور چالیس آدمیوں کا ایک قافلہ اپنے ساتھ لے کر اظہارِ تعزیت کے لئے مکہ گیا، وہاں پہنچ کر جنگِ بدر میں قتل ہونے والے کفار کے مرثیے پڑھ پڑھ کر لوگوں کے جذبات خوب بھڑکائے، اُن کے جذباتِ قومی کو خوب اُبھارا، ابوسفیان کو غیرت دلائی، جس کا اثر یہ ہوا کہ لوگوں نے غلافِ کعبہ پر ہاتھ رکھ کر عہد کیا کہ ہم اپنے مقتولین کا بدلہ لئے بغیر چین سے نہ بیٹھیں گے،

اسی کعب بن اشرف نے علماءِ یہود کے وظائف مقرر کئے ہوئے تھے، جس کی وجہ سے یہ لوگ اس کے زرخرید غلام بنے ہوئے تھے، یہ شاعر بھی تھا جن میں اسلام کا مذاق اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو (برائی) کیا کرتا تھا جس کی وجہ سے مسلمانوں کو اس پر بڑا غصہ آیا کرتا تھا، آپؐ مسلمانوں کو صبر و برداشت کی ہدایت فرماتے رہتے تھے، غرض اس کی بہت سی حرکتیں ایسی تھیں جن کی وجہ سے اسلام میں انسان کا قتل جائز ہو جاتا ہے، یہ (۱) اسلام کا مذاق اُڑایا کرتا تھا (۲) آپؐ کی شان میں گستاخانہ اشعار کہا کرتا تھا (۳) مسلمان عورتوں کے خلاف اشعار لکھ لکھ کر لوگوں کے جذبات برانگیختہ کیا کرتا تھا، (۴) لوگوں کو اسلام کے اور آپؐ کے خلاف بھڑکا کر مقابلہ کے لئے اُکسایا کرتا تھا (۵) آپؐ کو گالیاں بکا کرتا تھا، (۶) آپؐ کے قتل کے منصوبے بنایا کرتا تھا،

ان وجوہ اور دل آزار حرکات کی وجہ سے آپؐ نے اس کے قتل کا حکم دیدیا، اس کے بعد محمد بن مسلمہؓ اپنے دودھ شریک بھائی ابو نائلہ کو اپنے ساتھ لے کر رات کے وقت اس کے گھر گئے، اور اس کو بلا کر سر کے بال خوب زور سے پکڑ کر اس کا سر قلم کر کے زمین کو اس کے شر سے پاک کر دیا، (ابن ہشام، سیرۃ النبیؐ ج ۱)

اس کا کچھ حال پیچھے صفحہ پر بھی بیان کیا جا چکا ہے، اس کو پڑھکر یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ اس کا قتل ایسا ہی درست تھا جیسے جسم سے کسی زہریلے پھوڑے یا ناسور کو نکال کر باہر پھینک دینا،

○ ابورافع یہودی کا قتل؛ ——— جمادی الثانی ۳ھ مطابق اگست ۶۲۴ء

یہ بھی ایک یہودی اور مدینہ کا بہت بڑا بنئے قسم کا تاجر تھا، کعب ابن اشرف کے قاتل قبیلہ اوس کے لوگ تھے، ان کی اس جرأت کو دیکھ کر قبیلہ خزرج کو خیال آیا کہ اس دوسرے گستاخ اور دریدہ دہن یہودی کو ہم قتل کرنے کی سعادت حاصل کریں، ان لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت حاصل کی، اور قبیلہ خزرج کے چند حضرات حضرت عبداللہ بن عتیکؓ کی زیر قیادت روانہ ہوئے، لیکن آپؐ نے ان حضرات کو یہ ہدایت فرمائی کہ کسی بچہ یا عورت کو قتل نہ کیا جائے،

ابورافع خیبر کے ایک قلعہ میں رہتا تھا، جب مسلمان اس کے قلعہ کے قریب پہونچ گئے تو ان کے امیر نے اپنے ساتھیوں سے کہا تم لوگ یہیں ٹھہرو میں قلعہ کے اندر داخل ہونے کا کوئی راستہ نکالتا ہوں، حضرت عبداللہ بن عتیکؓ قلعہ کے دروازہ کے قریب پہونچ کر کپڑا سر پر ڈال کر ایسے بیٹھ گئے جیسے کوئی قضاءِ حاجت کرتا ہے، چوکیدار سمجھا کہ یہ اندر یعنی قلعہ کا آدمی ہے، اس نے آواز دی اے اللہ کے بندے اگر آتے ہو تو آجاؤ ورنہ میں دروازہ بند کرتا ہوں، یہ سنکر حضرت عبداللہ فوراً قلعہ میں داخل ہوگئے، اور چھپ کر ایک طرف کو بیٹھ گئے، ابورافع اوپر کی منزل میں خوش گپیوں اور قصہ گوئی میں مصروف تھا، رات گئے قصہ گوئی کا سلسلہ ختم ہوا تو باہر سے آئے ہوئے لوگ اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے گئے، دربان نے ان لوگوں کے چلے جانے کے بعد قلعہ کا دروازہ پھر بند کر دیا، اور کنجیاں ایک جگہ لٹکا دیں،

حضرت عبداللہؓ فرماتے ہیں جب سب سو گئے تو میں نے آہستہ سے کنجیاں اتاریں اور دروازہ کھول کر ابورافع کے پاس پہونچ گیا، جو دروازہ کھول کر اندر داخل ہوتا تو اس کو اندر سے بند کر لیتا تاکہ کسی کو خبر نہ ہو،

حضرت عبداللہؓ فرماتے ہیں مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ ابورافع کس کمرہ میں ہے، اُدھر رات کا اندھیرا، اس لئے میں نے ابورافع کو آواز دی، اس نے میری آواز پر کہا، کون؟ اس کی آواز سُنکر میں اسی طرف چلا، اور اندھیرے میں تلوار کا وار کیا، مگر پہلا وار خالی گیا، ابورافع چیخا، حضرت عبداللہؓ نے ہمدردانہ لہجہ میں پوچھا، ابورافع یہ کیسی آواز ہے؟ اس نے جواب دیا ابھی کسی نے مجھ پر حملہ کیا ہے،

اس کے بعد حضرت عبداللہؓ نے دوسرا حملہ کیا، جس سے وہ زخمی ہوگیا، اس کے بعد اس تلوار کی نوک اس کے پیٹ میں اتنے زور سے دبائی کہ پیچھے تک نکل گئی، اس دلیری اور جرأت سے حضرت عبداللہؓ نے کام تمام کیا، صبح کو سب نے سُن لیا کہ رات کو کسی نے ابورافع کو قتل کر دیا، اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے قتل کی خوشخبری سُنائی،

○ غزوۂ اُحد؛ ——— شوال ۳ھ مطابق نومبر ۶۲۴ء

احد مدینہ سے تقریباً دو میل کے فاصلہ پر ایک پہاڑ کا نام ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس پہاڑ کے متعلق ارشاد ہے: ھٰذَا جَبَلٌ یُحِبُّنَا وَ نُحِبُّہٗ کہ اس پہاڑ کو ہم سے محبت ہے اور ہمیں اس سے محبت ہے، یہ پہاڑ شرقاً غرباً پونے چار میل ہے،

جنگِ بدر کے ایک سال بعد مسلمانوں کی کفار سے یہاں دوسری اہم اور تاریخی جنگ ہوئی، اسی مناسبت سے اس کو غزوۂ یا جنگِ اُحد کہتے ہیں، یہ جنگ، شوال کو ہوئی جنگِ بدر میں عبرتناک شکست پر کفار بہت شرمندہ اور غضبناک تھے، ابوسفیان نے یہ عہد کیا تھا کہ جب تک اس شکست کا مسلمانوں سے بدلہ نہ لے لوں گا اس وقت تک نہ تو غسل کروں گا اور نہ جسم پر پہنے ہوئے کپڑے تبدیل کروں گا، نہ سر میں تیل ڈالوں گا، یہاں تک کہ کفار کی عورتیں اپنے مردوں کو غیرت دلا دلا کر بدلہ لینے پر اُبھارا کرتی تھیں اور کہتی تھیں کہ لعنت ہو تمہاری زندگی پر قوم کے اتنے بڑے بڑے سرداروں کو قتل کرا کر چین سے بیٹھے ہو آرام کی نیند سوتے ہو، ایک طرف تو یہ عار تھی، دوسری طرف یہ مشکل پیش آگئی تھی کہ غزوۂ بدر کے بعد شام کا تجارتی سفر بند ہو گیا تھا، اسی راستہ سے کھانے پینے کی چیزیں بھی شام سے آتی تھیں، اس لئے بڑی مشکل میں پھنس گئے تھے، عراق کے راستہ سے شام جانے کا نیا راستہ نکلا تھا، کچھ دنوں بعد وہ بھی بند ہو گیا، اس مسئلہ کے حل کی اب کفار کے سامنے دو ہی صورتیں تھیں،

(۱) یا تو مسلمانوں سے دب کر صلح کر لی جائے، (۲) یا جنگ کے ذریعہ اس رکاوٹ کو دُور کیا جائے،

اس لئے دوسری صورت اختیار کرنے کا فیصلہ کیا گیا، تاکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے یہ کانٹا نکل جائے، اور خطرہ کی کوئی صورت ہی باقی نہ رہے، اس مہم کو سر کرنے کے لئے جو سردار مارے گئے تھے، ان کے اقارب نے تمام عرب کو غیرت دلائی اور اہلِ مکہ سے اپیل کی کہ تجارتی قافلہ جو شام سے مال لایا ہے وہی جنگِ بدر کا سبب بنا تھا، اس لئے سب اس کو اسی مہم کی نذر کر دیں تاکہ ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے ساتھیوں سے اپنے مقتولین کا بدلہ لے سکیں، اس تجویز کو سب نے منظور کر لیا، اور ۳ھ میں قریش کے ساتھ بہت سے دوسرے قبائل بھی مدینہ پر چڑھائی کرنے کی غرض سے نکل پڑے، حتیٰ کہ عورتیں بھی ساتھ آئیں، تاکہ جوش دلاتی رہیں اور موقع آنے پر مردوں کو غیرت دلا کر پسپائی اور پیچھے ہٹنے سے روک سکیں، کفار کا یہ لشکر جو تین ہزار افراد پر مشتمل اور اسلحہ وغیرہ سے پوری طرح لیس تھا، اور ابوسفیان کی سربراہی میں مکہ سے روانہ ہو گیا،

○ حضرت عباسؓ کا خط کے ذریعہ آپؐ کو اطلاع دینا؛

قریش کی اس تیاری کی اطلاع آپؐ کے چچا حضرت عباسؓ رضی اللہ عنہ نے ایک قاصد کے ذریعہ دی، اور اس کو ہدایت کی کہ جتنا جلد ہو یہ خط محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچا دے اس وقت حضرت عباسؓ اسلام

لالچ تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابہ سے مشورہ ؛

آپؐ نے صحابۂ کرامؓ سے مشورہ لیا کہ کفار کا مقابلہ مدینہ میں رہ کر کیا جائے یا مدینہ سے باہر نکل کر، آپؐ کا منشاءِ مبارک یہ تھا کہ مدینہ میں رہ کر مقابلہ کیا جائے، عبداللہ بن اُبَی رئیس المنافقین (جس نے جنگ بدر کے بعد ظاہر میں اسلام قبول کر لیا تھا) سے بھی پہلی مرتبہ مشورہ لیا تو اس کی رائے بھی آپ کے موافق تھی، کیونکہ اس صورت میں دشمن کا مقابلہ کامیابی اور آسانی سے کیا جا سکتا ہے، لیکن بعض نوجوان جو جنگِ بدر میں شرکت کی سعادت سے محروم رہ گئے تھے، ان کا شوقِ شہادت بے چین کر رہا تھا مُصر ہوئے کہ ہمیں مدینہ سے باہر نکل کر مقابلہ کرنا چاہیئے تاکہ دشمن یہ نہ سمجھ لے کہ ہم بزدل یا کمزور ہیں، کثرتِ رائے یہی ہوئی کہ مدینہ سے باہر نکل کر مقابلہ کرنا چاہیئے، اسی بحث و تمحیص میں آپ اندر مکان میں تشریف لے گئے، اور زرہ پہن کر باہر تشریف لائے، اُس وقت بعض لوگوں کو خیال ہوا کہ ہم نے آپؐ کی رائے کے خلاف مدینہ سے باہر جنگ کرنے پر مجبور کیا یہ اچھا نہیں ہوا،

یہ صورتِ حال دیکھ کر صحابہ نے خدمتِ نبویؐ میں عرض کیا، یا رسول اللہؐ اگر آپؐ کا مشورہ باہر نکل کر مقابلہ کرنے کا نہ ہو تو اندر سے ہی مقابلہ کیجئے، آپؐ نے فرمایا، ایک پیغمبر کو سزاوار نہیں کہ جب وہ زرہ پہن لے اور ہتھیار لگا لے تو پھر بدون قتال کئے بدن سے اُتار دے،

مجاہدین کی روانگی اور منافقین کی قافلہ سے علیحدگی ؛

جب آپؐ مدینہ سے باہر تشریف لے گئے تو تقریباً ایک ہزار آدمی آپؐ کے ساتھ تھے، مگر عبداللہ بن اُبی تقریباً تین سو آدمیوں کو (جن میں بعض سیدھے مسلمان بھی تھے) راستے سے یہ کہتا ہوا واپس ہو گیا کہ جب میرا مشورہ نہ مانا اور جو چھلے لوگوں کی رائے پر عمل کیا تو ہم کو لڑنے کی ضرورت نہیں، ہم کیوں خواہ مخواہ اپنے کو ہلاکت میں ڈالیں ؟ بعض بزرگوں نے اس کو سمجھایا بھی مگر اس پر کچھ اثر نہیں ہوا، آخر آپؐ سات سو آدمیوں کی جمعیت لے کر میدانِ جنگ میں پہنچ گئے، ابوسفیان بھی تین ہزار کی جمعیت لے کر پہنچ چکا تھا،

مجاہدین کا جائزہ اور بچوں کا جذبۂ جہاد ؛

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ سے باہر نکل کر مجاہدین کا جائزہ لیا تو ان میں کچھ نو عمر بچے بھی تھے آپؐ نے ان کو واپس جانے کا حکم دیا، ان میں ایک نو عمر رافع بن خدیجؓ بھی تھے، جب جائزہ لیا جا رہا تھا تو انھوں نے یہ ترکیب کی کہ پنجوں کے بل کھڑے ہو گئے، تاکہ حضورؐ مجھے واپس نہ کر دیں، اور جہاد میں شرکت کی سعادت سے محروم رہ جاؤں، آپؐ نے اُن کا یہ جذبہ دیکھ کر پاس کر دیا، اور جہاد میں جانے کی اجازت

مل گئی، ان کی عمر کے ایک اور نوجوان سمرہ بن جندبؓ بھی تھے، یہ رونے لگے کہ رافع کو اجازت مل گئی اور میں رہ گیا، انھوں نے عرض کیا، یارسول اللہؐ! میں رافع سے تگڑا ہوں، اور ان کو پچھاڑ سکتا ہوں، چنانچہ آپؐ نے دونوں کی کشتی کرائی تو سمرہ نے ان کو پچھاڑ دیا، اس ترکیب سے اُن کو بھی اجازت مل گئی،

○ صف بندی اور مجاہدین کو ہدایات؛

نماز فجر سے فراغت کے بعد آپؐ نے مجاہدینِ اسلام کی اس ترکیب سے صف بندی فرمائی کہ مدینہ منورہ سامنے اور اُحد پہاڑ پشت کی جانب تھا، اور پچاس تیر اندازوں کا دستہ اس پہاڑی درہ پر جہاں سے خطرہ تھا کہ دشمن حملہ نہ کردے مقرر فرمادیا، اس پہاڑ کا نام "جبل الرماۃ" ہے، یعنی تیر اندازوں کا پہاڑ، ان پچاس تیر اندازوں کا سردار حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا، اور یہ تاکید فرمائی کہ ہم خواہ غالب ہوں یا مغلوب مگر تم اس جگہ سے نہ ہلنا،

○ جنگ کا آغاز، مسلمانوں کی فتح؛

جنگ شروع ہوئی تو دونوں طرف سے بہادر نکلنے شروع ہوئے، ابتداء میں مسلمان غالب رہے، اور کفار کے بائیس۲۲ سرداروں کو موت کی نیند سُلادیا، کافروں کے حوصلے پست ہوگئے، اور بدحواس ہوکر بھاگنے لگے، ابوسفیان کی بیوی ہندہ اور دوسری عورتیں اُن کو غیرت دلانے کو آئی تھیں، پائنچے چڑھا کر اِدھر اُدھر بھاگتی نظر آئیں،

○ مسلمانوں کے درّہ پر ہٹ جانے سے جنگ کا پانسہ پلٹ گیا؛

مجاہدین نے مالِ غنیمت پر قبضہ کرنا شروع کردیا، یہ منظر جب جبل الرماۃ پر متعین تیر اندازوں نے دیکھا تو سمجھے کہ اب مکمل فتح ہوچکی، دشمن بھاگ رہا ہے، اب یہاں بیکار ٹھہرنے سے کیا فائدہ؟ ہمیں بھی چل کر دشمن کا تعاقب کرنا چاہئے، اور غنیمت میں حصہ لیں، حضرت عبداللہ بن جبیرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد یاد دلایا، وہ سمجھے کہ آپؐ کے ارشاد کا اصلی منشاء ہم پورا کرچکے، اب یہاں ٹھہرنے کی ضرورت نہیں ہے یہ خیال کرکے سب غنیمت پر جا پڑے، حضرت عبداللہ بن جبیرؓ اور ان کے گیارہ ساتھی درّہ کی حفاظت پر باقی رہ گئے،

○ مشرکین کا مسلمانوں پر اچانک حملہ؛

مشرکین کا ایک دستہ خالد بن ولید کے زیرِ کمان شکست کھاکر درّہ کی طرف سے جارہا تھا، خالد کی نگاہ درّہ کی طرف پڑی کہ یہ تو خالی پڑا ہے، خالد اُس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، اس لئے انھوں نے مسلمانوں پر اسی طرف سے حملہ کردیا، دس بارہ تیر انداز ڈھائی سو سواروں کی یلغار کو کہاں تک روک

سکتے تھے! پھر بھی حضرت عبداللہ بن جبیرؓ اور ان کے رفقاء نے مقابلہ کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی، حتیٰ کہ لڑتے لڑتے سب نے جان دیدی، رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین،

مسلمان مجاہدین اس درّہ کی طرف سے مطمئن تھے، انھیں کیا خبر تھی کہ ہمارے پیچھے ایسا ہو گیا ہے اچانک خالد بن ولید کی کمان میں مشرکین کا رسالہ اُن کے سروں پر طوفان کی طرح جا پہنچا، سامنے سے مشرکین کی جو فوج شکست کھا کر بھاگی جا رہی تھی پیچھے پلٹ پڑی، مسلمان دونوں طرف سے گھر گئے، اور ایسے زور کا رن پڑا کہ ذرا سی دیر میں جنگ کا پانسہ پلٹ گیا، اور مسلمان جیتی ہوئی بازی ہار گئے، تھوڑی سی دیر میں بہت سے مسلمان شہید اور بہت سے زخمی ہو گئے،

○ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ؛

اسی افراتفری میں ایک بدبخت کافر ابن قمیہ نے ایک بھاری پتھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر پھینکا، جس سے آپؐ کا دندانِ مبارک شہید اور چہرۂ مبارک زخمی ہو گیا، ابن قمیہ نے آپؐ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا، مگر مصعب بن عمیرؓ نے (جن کے ہاتھ میں اسلام کا جھنڈا تھا) مدافعت کی، اور حملہ آور کا مقابلہ کرتے کرتے جان دیدی،

○ نبی کریمؐ کی شہادت کی افواہ اور مسلمانوں میں اضطراب؛

مصعب بن عمیرؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت مشابہ تھے، اس لئے کسی شیطان کافر نے یہ افواہ اُڑا دی کہ اِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ قُتِلَ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) شہید ہو گئے، چونکہ افراتفری پھیلی ہوئی تھی اور کفار کے اچانک حملہ سے مسلمانوں کے ہوش و حواس جاتے رہے تھے، اس افواہ سے اور بھی بدحواس ہو گئے، اس بدحواسی کے عالم میں اپنے پرائے کا امتیاز نہ رہا، اور ایک دوسرے پر تلوار چلنے لگی،

وفاتِ نبیؐ کی افواہ سے مدینہ میں اضطراب

○ معزز خواتین کی میدانِ اُحد کی طرف روانگی؛

اسی افراتفری میں جب مسلمانوں کو اپنا بھی ہوش نہ تھا کسی دشمن نے مدینہ میں یہ افواہ اڑا دی کہ آپؐ (نعیب دشمناں) اُحد کی جنگ میں وفات پا گئے ہیں، اس روح فرسا افواہ سے مدینہ کی عورتیں تک سراسیمہ ہو گئیں، اور صاحبزادی حضرت فاطمہؓ، حضرت عائشہ صدیقہؓ اور دوسری عورتیں اُحد کی طرف نکل پڑیں، جنگ اس وقت بند ہو چکی تھی، حضرت علیؓ اور صاحبزادی حضرت فاطمہؓ نے زخموں کو دھویا، اس کے باوجود خون بند نہ ہوا تو صاحبزادی نے بوریا جلا کر زخموں میں بھرا تب جا کر خون بند ہوا، (بخاری)

○ مصعب بن عمیرؓ جن کو حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعتِ عقبہ کے وقت مدینہ کے مسلمانوں کی تعلیم اور تبلیغ کے لئے بھیجا تھا جنگِ اُحد میں شہید ہو گئے، اُن کی بیوی کا نام حمنہ تھا، ان خاتون کے بھائی اور ماموں بھی شہید ہو گئے، پہلے اُن کو بھائی کی شہادت کی خبر ملی تو اِنَّا لِلّٰہِ پڑھ کر صبر کیا، پھر ان کو بتایا گیا کہ تمہارے شوہر حضرت مصعبؓ بھی شہید ہو گئے ہیں تو ایک دم چیخ نکلی، گویا شوہر کا اتنا سخت صدمہ ہوا،

○ اسی طرح آپؐ کی پھوپھی حضرت صفیہؓ کو جب اپنے بھائی حضرت حمزہؓ کی شہادت اور ان کی لاش مسخ کرنے کا معلوم ہوا تو ان کی لاش دیکھنے آئیں تو حضرت زبیرؓ نے اپنی والدہ کو دور ہی روک دیا، کہ عورت ہونے کی وجہ سے کبھی اثر زیادہ لیں، مگر انھوں نے جواب دیا، بیٹا! مجھے معلوم ہے کہ میرے بھائی کی لاش کو ناک کان وغیرہ کاٹ کر دشمنوں نے مسخ کر دیا ہے، مگر ہمارے لئے تو یہ فخر کی بات ہے، بیٹا! میں نہ روؤں گی نہ چیخوں گی نہ چلاؤں گی، صرف دعاء کر کے آجاؤں گی، (ابن ہشام)

○ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت انسؓ کی والدہ اُمِّ سلیمؓ مشکیزوں میں میدانِ جنگ کے زخمیوں کو پانی پلاتی پھرتی تھیں جب مشکیزہ خالی ہو جاتا تو بھر بھر کر لے آتیں، (مسلم شریف)

○ ایک خاتون جن کا نام حضرت کلثومؓ بنت رافع تھا بیتاب و بے قرار ہو کر گھر سے باہر نکل آئیں، اور دریافت کیا کون کون شہید ہوا؟ لوگوں نے اُن کو بتلایا تمہارے بھائی، باپ، بیٹے اور شوہر سب شہید ہو گئے، تو اُن بے قرار خاتون نے کہا مجھے تو ہمارے پیشوا سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا بتلاؤ کہ کیا حال اور کیا خبر ہے! لوگوں نے بتلایا، حضورؐ بحمداللہ بعافیت ہیں، تو ان کو سکون ہوا، اور کہنے لگیں حضورؐ زندہ ہیں تو پھر کسی کے مارے جانے کا غم نہیں، اور یہ مصرع پڑھا ؎

کُلُّ مُصِیْبَۃٍ بَعْدَکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ جَلَلٌ

آپؐ کی خیریت کے بعد یا رسول اللہؐ ہر مصیبت حقیر اور بے حقیقت ہے

○ شہادت کی افواہ پر حضرت انس بن النضرؓ کی کفار سے جنگ!

یہ انس بن نضرؓ حضرت انسؓ کے چچا ہیں، یہ جنگِ بدر میں شرکت کی سعادت سے محروم رہ گئے تھے، جس کا انھیں بڑا صدمہ تھا، اس لئے آرزو کیا کرتے تھے کہ کسی غزوہ میں شرکت کی سعادت نصیب ہو جائے، تو دل کی حسرت پوری کروں، جب آپؐ کی شہادت کی افواہ سنی تو کہنے لگے اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) قتل ہو گئے تو محمدؐ کا خدا تو زندہ ہے، جس کے نام پر اور جس کی رضا کے لئے آپؐ نے جہاد و قتال کیا، اور جان دیدی، ہمیں بھی چاہئے اُس پر قربان ہو جائیں، یہ کہتے ہوئے دشمن کی صفوں میں گھس گئے اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے، شہید ہونے کے بعد جسم کے زخم شمار کئے گئے تو تیر اور تلواروں کے اسّی زخم تھے، اُن کے بھتیجے

حضرت انس بن مالکؓ کہتے ہیں زخموں کی کثرت سے ان کا جسم اتنا چھلنی ہو گیا تھا کہ پہچاننا مشکل ہو رہا تھا، صرف اُن کی بہن نے ان کی انگلی کے بچپن کے ایک نشان سے پہچانا،

○ **ابیّ بن خلف کا حشر:** اُس انتشار سے فائدہ اٹھا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اس نے حملہ کرنا چاہا، بدقسمت اور بدبخت ہجرت سے قبل جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ میں جہاں ملتا تو مذاق کرتا، اور یوں کہتا "اے محمدؐ! (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے پاس ایک گھوڑا ہے اس کا نام "عود" ہے، میں اُس کو کھلا پلا کر خوب تیار کر رہا ہوں، تم جب بھی میرے ہاتھ لگ گئے تو اس پر سوار ہو کر تم کو قتل کروں گا" آپؐ نے ایک مرتبہ اُس کو جواب دیا تھا انشاء اللہ میں ہی تجھے قتل کروں گا،

چنانچہ اُحد میں یہ گھوڑے پر سوار یہ کہتا ہوا آگے آیا "اے محمدؐ! اگر تم آج مجھ سے بچ گئے تو میری خیر نہیں" صحابہ نے چاہا کہ اس کو قتل کر دیں، آپؐ نے فرمایا ذرا اس کو قریب آنے دو، جب وہ قریب آیا تو آپؐ نے حضرت حارث بن صمہؓ سے نیزہ لے کر اس کی گردن پر ذرا سا چوکہ لگایا جس سے وہ چیخ اٹھا، اس کے ساتھیوں نے کہا گھبرانے کی کوئی بات نہیں، یہ تو معمولی سی خراش ہے، اُبیّ نے جواب دیا تمھیں معلوم نہیں یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مار ہے، مجھے خوب یاد ہے ایک مرتبہ مجھ سے کہا تھا کہ تو میرے ہاتھ سے مرے گا، خدا کی قسم! اس خراش کی اتنی تکلیف ہے کہ حجاز کے تمام باشندوں کی ہلاکت کے لئے کافی ہے، اس لئے مجھے یقین ہے کہ اب میں بچوں گا نہیں، چنانچہ اُحد سے واپس ہوتے ہوئے مقام سرف پہنچ کر اس کا دم نکل گیا،

یہ صرف ایک واقعہ ہے جو آپؐ کے دستِ مبارک سے پیش آیا، تاکہ لوگ عبرت حاصل کریں، ورنہ آپؐ تو اپنوں اور غیروں سب کے لئے رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجے گئے تھے جیسا کہ آگے "دشمنوں کے حق میں دعاء" کے ضمن میں بیان کیا گیا ہے،

صحابۂ کرامؓ کی جاں نثاری کے چند واقعات

درّہ پر متعین مجاہدین کی ذرا سی غلطی کا نتیجہ یہ ہوا کہ جنگ کا پانسہ پلٹ گیا، حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنی تکلیف پہنچی کہ آپؐ گڑھے میں گر پڑے، چہرۂ مبارک میں خود کی کڑیاں گھس گئیں، جس کی وجہ سے چہرۂ مبارک سے خون بہنے لگا، ایسے وقت میں بہت سے جاں نثار آپؐ پر جان فدا کرنے کے لئے آگے بڑھتے اور آخر دم تک بچاؤ کرتے رہے،

① اس خون کو حضرت مالک بن سنان انصاریؓ نے چوس کر صاف کیا، آپؐ نے اُن کی اس فداکاری پر دعاء دیتے ہوئے فرمایا تجھے جہنم کی آگ نہ چھوئے گی، جو اُن کے لئے بشارت تھی،

② خود کی کڑیاں جو چہرۂ مبارک میں گھس گئی تھیں حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اُن کو نکالنا چاہا تو حضرت ابوعبیدہ بن الجراح نے قسم دے کر روک دیا، اور عرض کیا خدا کے لئے مجھے یہ خدمت انجام دینے کا موقع دیں، اور کڑیاں اپنے ہاتھ سے نکالنے کی کوشش کی، جب کامیابی نہ ہوئی تو اپنے دانتوں سے کھینچکر نکالا جس میں ان کے دو دانت بھی شہید ہو گئے،

③ خون نکل جانے سے آپؐ میں اتنی کمزوری آگئی تھی کہ آپنے پہاڑ پر چڑھنا چاہا تو چڑھ نہ سکے، حضرت ابوطلحہؓ بیٹھ گئے تو آپؐ ... اُن کے کندھے پر پاؤں رکھ کر پہاڑ پر چڑھے، اور ابوطلحہؓ کو بشارت دیتے ہوئے فرمایا، "طلحہ تو نے اپنے لئے جنت لازم کرلی"

آپؐ کے پہاڑ پر چڑھنے کا مقصد یہ تھا کہ جاں نثار صحابہ اور کافر دیکھ لیں کہ خدا کے فضل سے میں زندہ ہوں اور افواہوں کا سدِباب ہو جائے،

صحابہ کرام چونکہ کفار کا پیچھا کرتے کرتے دور تک چلے گئے تھے اور ان کو یہ معلوم نہ رہا تھا کہ آپؐ کہاں ہیں؟ سب سے پہلے آپؐ پر حضرت کعبؓ کی نظر پڑی تو انھوں نے بلند آواز سے پکارا: "مسلمانو! رسول اللہؐ یہاں ہیں، ادھر آؤ، یہ سنتے ہی لوگ پروانوں کی طرح دوڑتے ہوئے واپس آئے،

جب آپؐ پہاڑ پر چڑھے تو ابوسفیان نے دیکھ لیا اور فوج لے کر پہاڑ پر چڑھنے کی کوشش کرنے لگا تو صحابہ کرام نے اس پر پتھروں کی ایسی بارش کی کہ اسے اپنی جان بچانے کا فکر پڑ گیا، اور آپؐ کو زندہ سلامت دیکھ کر افسوس کرتے ہوئے کہنے لگا ہمارے اس جنگ کرنے سے تو کچھ بھی فائدہ نہ ہوا،

کفار کے اس حملہ کی وجہ سے مسلمانوں کے ہوش وحواس جاتے رہے تھے، لیکن مہاجرین وانصار میں بہت سے ایسے جاں نثار اور فداکار حضرات تھے جنھوں نے آپؐ کی حفاظت کو اپنی خوش نصیبی اور نجات کا ذریعہ سمجھ رکھا تھا،

④ ان میں ایک حضرت طلحہؓ بھی تھے جو دشمنوں کے تیر اپنے ہاتھ سے روک رہے تھے، گویا ہاتھ سے ڈھال کا کام لے رہے تھے، جس ہاتھ سے بچاؤ کر رہے تھے وہ ہاتھ شل ہو گیا تھا (بخاری)

حضرت عائشہؓ اپنے والد بزرگوار حضرت صدیق اکبرؓ کے حوالہ سے بیان کرتی ہیں کہ ہم نے اُحد کے دن حضرت طلحہؓ کے جسم پر ستر سے زیادہ زخم دیکھے،

⑤ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ جب قریش نے آپؐ پر ہجوم کیا تو انصار میں سے سات آدمی آپؐ کے پاس تھے، ساتوں انصاری آپؐ کی حفاظت کرتے کرتے باری باری شہید ہو گئے، اور حضرت سعدؓ نے جنگِ بدر پر جانے سے پہلے جو بات کہی تھی اس کو سچ کر کے دکھا دیا،

⑥ حضرت ابو دجانہؓ کی جاں نثاری ؛

کفار جب آپؐ پر تیروں کی بارش کر رہے تھے تو ابو دجانہؓ آپؐ کے سامنے ڈھال بن کر کھڑے ہو گئے ، اُن کی کمر پر تیروں کی بارش ہوتی رہی، آپ بے حس و حرکت کھڑے تیروں کی بارش اپنی کمر پر لیتے رہے، لیکن تیروں کی اتنی بارش کے باوجود خدا نے کیا آپ زندہ رہے، اور مسیلمہ کذاب کے ساتھ جنگ میں آپ شریک تھے اس میں آپ شہید ہو گئے، یہ جنگ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے زمانۂ خلافت میں ہوئی ،

⑦ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاسبان صحابۂ کرامؓ ؛

ویسے تو تقریباً تمام صحابہ کو ہی اس کا فکر رہتا تھا کہ خدانخواستہ کوئی دشمن آپ کو تکلیف نہ پہنچادے لیکن اُحد کے موقع پر خصوصیت سے آپؐ کی حفاظت کے لئے صحابہؓ نے یہ ذمہ داری اپنے اوپر لی ہوئی تھی، جن کے نام یہ ہیں :-

نمبر	اسمائے گرامی حضرات مہاجرین	نمبر	اسمائے گرامی حضراتِ انصار
۱	حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ	۱	حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہ
۲	حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ	۲	حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ
۳	حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ	۳	حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ
۴	حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ	۴	حضرت حارث بن صمہ رضی اللہ عنہ
۵	حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ	۵	حضرت سہیل بن حنیف رضی اللہ عنہ
۶	حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ	۶	حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ
۷	حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ	۷	حضرت اُسید بن حضیر رضی اللہ عنہ

(ابن سعد)

○ نبی رحمتؐ کی دشمنوں کے حق میں دُعا ؛

کفار نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ کے ساتھ ابتدائے اسلام سے اور اب جنگِ اُحد کے موقع پر جو کچھ کیا اس کو ناظرین نے پڑھ لیا، اس سے ہر انصاف پسند انسان یہ فیصلہ آسانی سے کر سکتا ہے کہ اس کا ردِ عمل اور جواب ہم جیسے انسانوں کی طرف سے کیا ہوگا ،

لیکن نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود مصائب برداشت کئے، اپنے ساتھیوں کے ساتھ مظالم اپنی آنکھوں سے دیکھے، لوگوں نے عرض بھی کیا کہ یا رسول اللہؐ اس سے بڑھکر بد دعا کا وقت کونسا ہوگا!

لیکن آپؐ نے فرمایا:

اِنِّیْ لَمْ اُبْعَثْ لَعَّانًا وَلٰکِنْ بُعِثْتُ دَاعِیًا وَّرَحْمَۃً، اَللّٰھُمَّ اھْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ، (مسلم شریف و شفاء)	"میں لعنت کرنے کے لئے نبی بنا کر نہیں بھیجا گیا ہوں بلکہ مجھے تو خدا نے لوگوں کو اپنی طرف بلانے والا اور رحمت بنا کر بھیجا ہے، اے اللہ! میری قوم کو ہدایت فرما کیونکہ یہ مجھے جانتے نہیں۔"

میدانِ اُحد میں مسلمانوں پر رحمتِ خداوندی:

زخم خوردہ مسلمانوں کا اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر کفار کی زیادتیوں اور اپنے ساتھی شہداء کی جدائی کے صدمہ سے جو حال ہوگا ہم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے، ایک سمجھدار انسان صرف اتنی سی بات سے اندازہ کر سکتا ہے کہ ان کے صدمہ کا رُخ بدلنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اُن کے دلوں پر سکینہ نازل فرمایا، سکینہ ایک قلبی کیفیت کا نام ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَیْکُمْ مِّنْ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَۃً نُّعَاسًا یَّغْشٰی طَآئِفَۃً مِّنْکُمْ وَطَآئِفَۃٌ قَدْ اَھَمَّتْھُمْ اَنْفُسُھُمْ یَظُنُّوْنَ بِاللّٰہِ غَیْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاھِلِیَّۃِ ط (پ۴، ع ۷)	"پھر تم پر اُتارا تنگی کے بعد امن کو جو اُونگھ تھی کہ انچانک ڈھانک لیا اس اونگھ نے بعضوں کو تم میں سے اور بعضوں کو فکر پڑ رہا تھا اپنی جان کا، خیال کرتے تھے اللہ پر جھوٹے خیال جاہلوں جیسے۔"

یعنی اس جنگ (احد) میں جن کو شہید ہونا تھا ہو چکے اور جن کو ہٹنا تھا ہٹ گئے، اور جو میدان میں باقی رہے ان میں سے مخلص مسلمانوں پر حق تعالیٰ نے ایک دم غنودگی طاری کر دی، لوگ کھڑے کھڑے اونگھنے لگے، حضرت طلحہؓ کے ہاتھ سے کئی مرتبہ تلوار چھوٹ کر زمین پر گر پڑی، یہ ایک حسی اثر اس باطنی سکون و اطمینان کا تھا جو ایسے ہنگامۂ رست و خیز میں مؤمنین کے قلوب پر محض خدا کے فضل و رحمت سے وارد ہوا، اس کے بعد دشمن کا خوف و ہراس سب کافور ہو گیا، (فوائد عثمانی)

یہ کیفیت عین اس وقت پیش آئی جب لشکرِ مجاہدین میں نظم و ضبط ختم ہو گیا تھا، بیسیوں لاشیں خاک و خون میں تڑپ رہی تھیں، سپاہی زخموں سے چُور چُور تھے، حضورؐ کے قتل کی افواہ نے رہے سہے ہوش و حواس بھی کھو دیئے تھے، گویا یہ سونا بیدار ہونے کا پیام تھا، غنودگی طاری کر کے جیسے بدر میں جنگ سے پہلے سفر کی تھکان اُتاری تھی ایسے ہی اُحد میں غنودگی طاری کر کے جنگ سے پیدا شدہ ساری تھکن دُور کر دی اور متنبہ

فرمادیا کہ خوف و ہراس اور تشویش و اضطراب کا وقت ختم ہو چکا، اب مامون و مطمئن ہو کر اپنا فرض انجام دو،
چنانچہ اس کے بعد فوراً صحابہؓ نے حضورؐ کے گرد جمع ہو کر لڑائی کا محاذ قائم کر دیا، تھوڑی دیر بعد مطلع صاف تھا، دشمن سامنے سے بھاگتا نظر آیا، مسلمان میدانِ اُحد میں رہے، اور کفار ایسے میدان چھوڑ کر بھاگے کہ پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا، ورنہ فاتح قوم تو اپنے مقابل کا نام و نشان تک مٹا کر ہٹتی ہے، یہ اس بات کی علامت تھی کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کا کفار کے دلوں میں اتنا رعب بٹھا دیا تھا کہ انھوں نے میدان چھوڑ کر چلے جانے میں ہی عافیت سمجھی،

○ شہداء اور زخمی مجاہدین کی تلاش؛

جب قلبی سکون ہوا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ میدانِ جنگ کو دیکھو کس مجاہد کا کیا حال اور کیا خبر ہے؛ ویسے تو اس جنگ میں ستر صحابہ کرام شہید ہوئے جن میں اکثر انصاری تھے، مشرکین نے اُن شہداء کی لاشوں کی اتنی بے حرمتی کی کہ ان کے ناک، کان کاٹ کر مُثلہ بنا دیا، اور بعض بدبخت لوگوں نے اُن کو ہار بنا کر پہنا، کتاب کی طوالت کے خوف سے چند شہداء کا ذکر کرتے ہیں، جس سے ان حضرات کے جذبۂ اسلام کا اندازہ ہو جائے گا،

○ سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ؛

آپ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ہوتے ہیں، جنگِ اُحد میں آپ جس بے جگری اور بہادری سے لڑ کر کفار کو تہ تیغ کر رہے تھے اس سے کفار بڑے خوف زدہ تھے، جس کی طرف تلوار اُٹھائی وہیں ڈھیر ہو گیا، آپ اس جنگ میں "وحشی" غلام کے حملہ سے شہید ہوئے، وحشی ایک جگہ آپ کی تاک میں چھپ کر بیٹھ گیا، اس کے مالک نے لالچ دیا تھا کہ اگر تو نے حضرت حمزہؓ کو قتل کر دیا تو میں تجھے آزاد کر دوں گا حضرت حمزہؓ میدانِ جنگ میں اس کے سامنے سے گذرے تو آپ کے پیٹ میں ایسا نیزہ مارا کہ آر پار ہو گیا، نیزہ لگنے کے بعد آپ چند قدم چل کر گر پڑے اور اسی وقت انتقال فرما گئے،

غزوہ جنگِ بدر میں حضرت حمزہؓ کے ہاتھ سے مارا گیا تھا، اس کی بیٹی ہندہ نے آپ کے ناک کان کاٹے پیٹ چاک کر کے کلیجہ نکال کر کچا چبانا چاہا، مگر حلق کے نیچے نہیں اُترا، اور رکھنے لگی، آج دل ٹھنڈا ہوا اور اپنا زیور اُتار کر انعام میں وحشی کو دیدیا،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا کی لاش اس حالت میں دیکھی تو بہت صدمہ ہوا، دل بھر آیا، اور دعاء دیتے ہوئے فرمایا: "چچا تم پر اللہ کی رحمت ہو" پھر فرمایا: "اگر تمھاری بہن بی بی صفیہ کے صدمہ کا خیال نہ ہوتا تو میں تمھاری لاش یونہی بے گور و کفن میدان میں چھوڑ دیتا اور درندے اس کو کھاتے پھر قیامت

کے دن اُن کے بیٹوں سے اُٹھائے جاتے،

یہی وحشی فتح مکہ کے وقت اسلام لے آئے، اُن کے اسلام لانے کا حال بھی پڑھ لیجئے،

○ وحشی کا قبولِ اسلام کا واقعہ ؛

یہ فتح مکہ کے وقت اسلام قبول کرنے کے لئے حاضرِ خدمت ہوئے تو صحابہ نے عرض کیا، یہ وحشی وہی ہے جس نے آپؐ کے محترم چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا، آپؐ نے چچا کے شہید کرنے کا پورا واقعہ اُن سے دریافت کیا تو ان کو بہت شرم آئی، آخر تعمیلِ حکم کرتے ہوئے بادل ناخواستہ واقعہ سُنایا، بادلِ ناخواستہ اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا صدمہ ہرا ہو جائے گا، حضورؐ نے ان کو مسلمان کر لیا اور فرمایا اگر ہو سکے تو میرے سامنے نہ آیا کرو، کیونکہ تمہیں دیکھ کر مجھے چچا کا صدمہ ہرا ہو جاتا ہے،

وحشی اسلام قبول کرنے کے بعد زمانۂ کفر جیسے وحشی نہ رہے تھے، کیونکہ حضرت حمزہؓ کو تو اپنے آقا کی غلامی سے آزاد ہونے کے لئے شہید کیا تھا، اور اسلام جہنم سے آزادی حاصل کرنے کے لئے قبول کیا تھا، اس لئے آپؐ کے حکم کی اتنی سختی سے تعمیل کی کہ جب حاضرِ خدمت ہوتے تو آپؐ کے پیچھے بیٹھتے،

اسلام لانے کے بعد اس فکر میں رہے کہ کسی طرح قتلِ حمزہؓ کا کفارہ ادا کروں، چنانچہ مسیلمہ کذاب جس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانۂ خلافت میں اسی نیزہ سے اس کو قتل کیا جس سے حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کو کیا تھا، اور اسی جگہ پیٹ میں مارا جس جگہ حضرت حمزہؓ کے مارا تھا، اس کے بعد اگر کوئی وحشی سے کہتا کہ تم نے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کو شہید کیا تھا جس سے آپؐ کو بے حد صدمہ پہنچا تھا تو وحشی نیچی نگاہ کر کے جواب دیتے کہ جی ہاں، مگر یہ بھی بات ہے میرا یہ گناہ تو زمانۂ کفر کا تھا، اسلام لانے کے بعد پھر میں نے اسی تلوار سے ایسے شخص کو قتل کیا جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمسر ہونے اور نبوت کا دعویٰ کیا تھا تاکہ حضرت حمزہؓ کے قتل کا کفارہ ہو جائے،

○ حضرت حنظلہؓ غسیلِ ملائکہ کی شہادت ؛

اُن کا باپ ابوعامر فاسق کافر اور اسلام کا دشمن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں جنگ کر رہا تھا، حضرت حنظلہؓ نے اپنے باپ کو قتل کرنے کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت چاہی، تو آپؐ نے اجازت نہیں دی، جنگِ اُحد میں حضرت حنظلہؓ کا ابوسفیان سے مقابلہ ہو گیا، انھوں نے ابوسفیان پر حملہ کرنے کی کوشش کی، مگر پیچھے سے شداد بن اوس نے اُن پر ایسا حملہ کیا کہ وہیں شہید ہو گئے،

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشاہدہ فرمایا کہ فرشتے اُن کو غسل دے رہے ہیں، اُن کی بیوی جمیلہ (جو رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی کی بہن تھیں) سے معلوم کرایا کہ حنظلہ کی رات کی کوئی خاص بات ہے؟

تو بیوی نے بتلایا جب جہاد کا اعلان ہوا تو یہ ہمبستر ہو رہے تھے غسل کا وقت نہ ملا اسی حالت میں جہاد میں شرکت کے لئے چل دیئے، میدانِ جنگ میں جب تلاش کی جارہی تھی تو یہ شہید ہو چکے تھے اور سر کے بالوں سے پانی ٹپک رہا تھا، اسی لئے ان کو غسیلِ ملائکہ کہا جاتا ہے،

یہ ابو عامر وہی ہے جو کفار کی طرف سے اس غزوہ میں مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لئے سب سے پہلے میدان میں آیا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے جب مدینہ طیبہ تشریف لے آئے تو اسلام کو خوب عروج ہوا، یہ مدینہ میں رہتا تھا اور لوگ اس کی بڑی عزت کیا کرتے تھے، اسلام کے عروج سے اس کا وقار اور عزت سب ختم ہونے لگے، اس لئے یہ اپنی عزت خاک میں ملتی دیکھ کر مکہ آگیا، اور مشرکین کو اسلام اور پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بھڑکانے کی مہم شروع کر دی، حتیٰ کہ ان کے ساتھ غزوۂ اُحد میں مقابلہ میں آیا، حضورؐ نے اس کا نام ابو عامر فاسق رکھدیا،

③ عمرو بن الجموحؓ کی شہادت؛

یہ لنگ سے اتنے معذور تھے کہ شرعاً اُن پر جہاد میں شرکت معاف تھی، ان کے چار بیٹے تھے جو ہر غزوہ میں شرکت کی سعادت حاصل کرتے رہتے تھے، جنگِ اُحد کے وقت انھوں نے اپنے بیٹوں سے کہا اس مرتبہ میں بھی جہاد کے لئے چلوں گا، بیٹوں نے کہا آپ تو شرعاً معذور ہیں، آپ نہ جائیں، مگر یہ جانے پر اصرار کرتے رہے، اسی جذبۂ عشق میں خدمتِ نبویؐ میں پہنچے، اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے بیٹے مجھ کو جہاد میں جانے سے روکتے ہیں حالانکہ میں جانے کے قابل ہوں، آپؐ نے ارشاد فرمایا، اللہ تعالیٰ نے تم کو معذور کیا ہے، ایسی حالت میں تم پر جہاد فرض نہیں، اُدھر ان کے بیٹوں سے فرمایا، اگر یہ جانا چاہتے ہیں اور ان کا جذبہ ہے تو مت روکو جانے دو، شاید ان کے نصیب میں شہادت لکھی ہو، اس کے بعد وہ جہاد میں شرکت کے لئے گھر سے چلے اور چلتے وقت یہ دعاء کی:۔

اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِی الشَّھَادَۃَ وَلَا تَرُدَّنِیْ اِلٰی اَھْلِیْ،	اے اللہ! مجھ کو شہادت نصیب فرمانا اور اپنے گھر والوں کی طرف واپس نہ لوٹانا،

خدا نے اُن کی دعاء قبول فرمائی، اور شہادت سے نواز دیئے گئے، اُن کی زوجہ نے ان کی لاش کو مدینہ لے جانے کے لئے اونٹ پر رکھا اور مدینہ کی جانب جانے کے لئے رُخ کیا، تو اونٹ بیٹھ گیا، جب اُس کا رُخ اُحد کی طرف موڑا تو فوراً دوڑنے لگا، کئی مرتبہ ایسا ہوا، اس کے بعد اُن کی بیوی نے خدمتِ نبویؐ میں عرض کیا تو آپؐ نے دریافت کیا کہ انھوں نے گھر سے روانہ ہوتے وقت کچھ کہا تھا؛ تو بیوی نے اوپر والی دعاء کا بتلایا

تو آپؐ نے فرمایا اسی وجہ سے اونٹ مدینہ کی طرف نہیں جاتا، اس کے بعد ان کو عبداللہ بن عمرو بن حرام کے ساتھ ایک ہی قبر میں اُحد پر دفن کر دیا، (دیکھا آپ نے مدینہ سے چلتے وقت جو دعا مانگی تھی وہ کتنی جلدی قبول ہوئی)

④ میدانِ اُحد میں حضرت قتادہ کی آنکھ کی پتلی باہر نکل آنا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے واپس رکھ دینے سے پہلے سے زیادہ روشن ہو جانا،

حضرت قتادہ بن النعمان رضی اللہ عنہ جنگِ اُحد میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور کے سامنے آڑ بن کر کھڑے ہو گئے، تاکہ دشمنوں کا کوئی تیر آپؐ کے چہرۂ مبارک پر آکر نہ لگ جائے، اگر لگے بھی تو میرے چہرہ پر حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں دشمن کا ایک تیر میری آنکھ پر آکر ایسا لگا کہ آنکھ کی پُتلی باہر نکل آئی، میں اس پُتلی کو ہتھیلی پر لئے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپؐ نے دیکھ کر بڑا افسوس کیا اور دعا دیتے ہوئے فرمایا اے اللہ! قتادہ کی آنکھ تیرے نبیؐ کی حفاظت میں باہر آگئی، قیامت کے دن اس کے چہرہ کو (دوزخ کے گرد و غبار سے) محفوظ رکھنا، اس کے بعد آپؐ نے اُس پُتلی کو اٹھا کر اپنے دستِ مبارک سے واپس رکھ دیا، تو وہ آنکھ اسی وقت ٹھیک ہو گئی اور روشنی پہلے سے تیز ہو گئی، دراصل یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تھا، اور اس قسم کے بہت سے معجزے ہیں جن کے بیان کا یہ موقع نہیں،

مختصر یہ کہ اس غزوہ میں صحابۂ کرام نے بڑی جاں نثاری و فداکاری کا ثبوت دیا، اور ستر صحابہؓ نے اپنی جانیں راہِ خدا میں ہنستے کھیلتے قربان کر کے زندۂ جاوید مثال قائم کر دی،

⑤ شہداء کی تجہیز و تکفین؛

تلاش کر کے شہداء کی لاشیں ایک جگہ جمع کی گئیں تو ستر صحابۂ کرام شہید ہوئے، جن میں اکثر شہید انصار تھے، کفار کے ۲۲ یا ۳۳ آدمی قتل ہوئے، ان شہداء کی غربت و تنگی کی یہ حالت تھی کہ کفن کا کپڑا بھی پورا نہ تھا، مصعب بن عمیرؓ جو نازپروردہ تھے اور جن کے متعلق ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ دو سو درہم کا قیمتی لباس پہنا کرتے تھے آج اُن کے کفن کی یہ حالت تھی کہ اگر سر ڈھانکتے تھے تو پاؤں کھُل جاتے تھے، پاؤں ڈھکتے تو سر کھُل جاتا تھا، آخر آپؐ نے فرمایا ان کا سر کپڑے سے ڈھانک دو اور پاؤں اذخر گھاس سے چھپا دو یہی کیفیت حضرت حمزہ کی تھی، حضورؐ نے اپنے چچا کی لاش کے لئے وہی مصعب بن عمیرؓ والا طریقہ اختیار فرمایا، ان حضرات کے ساتھ تو اتنا ہوا کہ اذخر گھاس سے پاؤں ڈھک دیئے لیکن بعض شہداء کی تنگی کی یہ کیفیت تھی ایک چادر میں دو شہیدوں کو رکھ کر دفن کیا گیا، بلکہ ایک روایت کے مطابق ایک چادر میں تین تین شہید ملا کر دفن کئے گئے، دفن میں آپؐ نے اس کا لحاظ رکھا کہ جس شہید کے قرآن مجید زیادہ یاد تھا اس کو پہلے اس کے بعد کم یاد والے کو رکھا، اور اسلام کے حکم کے مطابق نمازِ جنازہ پڑھا کر تمام شہداء کو بغیر غسل دیئے دفن

کر دیا، یہ سب شہداء جبل اُحد کے قریب چہار دیواری (احاطہ) میں آرام فرما ہیں، بیچ میں ایک چبوترہ پر سید الشہداء حضرت حمزہؓ کا مزار ہے، اس مزار میں آپ کے ساتھ آپ کے بھانجے عبداللہ بن جحشؓ بھی مدفون ہیں، اور مصعب بن عمیرؓ بھی یہیں مدفون ہیں، باقی حضرات ایک چھوٹے احاطہ میں علیحدہ مدفون ہیں، سیدنا حمزہؓ کے مزار کے جنوب میں ایک پہاڑ ہے، اسی کا نام "عینین" ہے، یہاں اب نئی مسجد بنادی ہے، پہلے یہاں آبادی نہیں تھی، اب کافی آبادی ہوگئی ہے، اور دن بدن اس میں اضافہ ہوتا جاتا ہے، آگے چل کر شاید جبل عینین ختم ہی ہو جائے،

اِسلام کی حقانیت اور شہداء کے زندہ ہونے کا کھلا ثبوت

اللہ کے راستہ میں جانیں قربان کرنے والوں اور شہداء کے متعلق قرآن پاک میں ارشاد ہے:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۝

"اور جو لوگ اللہ کے راستہ (جہاد) میں مارے گئے، اُن کو مُردہ مت خیال کرو، بلکہ وہ (ایک ممتاز حیات کے ساتھ) زندہ ہیں، روزی پاتے رہتے ہیں"

قرآن پاک کے اس فرمان کی صداقت کا مشاہدہ اس واقعہ سے کیا جا سکتا ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ کے زمانۂ خلافت میں چھیالیس ۴۶ سال بعد سیلاب کی وجہ سے شہدائے اُحد کی قبریں کھل گئیں، یہاں سے ایک نہر بھی نکالنی تھی، اس لئے اُن نعشوں کو دوسری جگہ منتقل کیا گیا تو وہ لاشیں اپنی اصلی حالت پر تر و تازہ تھیں، حضرت عبداللہ بن عمروؓ کا ہاتھ اُن کے سینہ پر رکھا ہوا تھا، اس کو اپنی جگہ سے اُٹھایا تو سینہ کے زخم سے خون فوارہ کی طرح اُبلنا شروع ہوگیا، اس کے بعد ہاتھ چھوڑ اگیا تو وہ زخم کی جگہ واپس جا کر رُک گیا، اور خون رُک گیا،

اُسی وقت کا یہ واقعہ ہے کہ کھدائی کرتے ہوئے حضرت حمزہؓ کے پاؤں میں کھدال لگ گئی تو فوراً خون بہنے لگا، یہ واقعات شہداء کی حیات کی مُنہ بولتی، جیتی جاگتی تصویر ہیں،

دنیا کی زندہ قوموں اور حکومتوں کا قاعدہ ہے کہ اگر ان کے فوجی اپنے ملک کا دفاع اور بچاؤ کرتے کرتے جان دیدیتے ہیں تو انکی یادگار قائم کرتے ہیں، اسلام کے جن جاں نثاروں نے اسلام کی بقاء اور تحفظ کے لئے جس طرح ہنستے کھیلتے اپنی جانوں کی قربانی خدا کے حضور پیش کی وہ رہتی دنیا تک تاریخ کے اوراق میں سنہرے حروف میں محفوظ رہے گی، اور اُحد اس کی شہادت دیتا رہے گا، انہی حضرات کی قربانیوں کا نتیجہ ہے کہ آج اسلام دنیا کے کونے کونے میں پھیلا ہوا نظر آتا ہے، اس لئے ہم بھی اس "تذکرہ" میں ان شہدائے اسلام کے اسماءِ گرامی درج کرتے ہیں، اس سے ناظرین کو یہ فیصلہ کرنے میں آسانی ہوگی کہ اسلام کی تاریخ کتنی محفوظ اور روشن ہے،

اسمائے گرامی شہدائے اُحد رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین

نمبر شمار	اسم مبارک	نمبر شمار	اسم مبارک	نمبر شمار	اسم مبارک	نمبر شمار	اسم مبارک
۱	حمزہ بن عبدالمطلبؓ	۱۹	حارث بن اوسؓ	۳۷	سہل بن قیسؓ	۵۵	عتبہ بن ربیعؓ
۲	عبداللہ بن جحشؓ	۲۰	عمرو بن معاذؓ	۳۸	سبیع بن حاطبؓ	۵۶	عباد بن سہلؓ
۳	شماس بن عثمانؓ	۲۱	حارث بن انسؓ	۳۹	سوبیق بن حاطبؓ	۵۷	عبداللہ بن عمروؓ
۴	مصعب بن عمیرؓ	۲۲	حارث بن عبداللہؓ	۴۰	صخرہ بن عمروؓ	۵۸	عمرو بن جموحؓ
۵	انس بن نضرؓ	۲۳	حارث بن ثابتؓ	۴۱	سہل بن قیسؓ	۵۹	خلاد بن عمروؓ
۶	انیس بن قتادہؓ	۲۴	حارثہ بن عمروؓ	۴۲	عبداللہ بن جبیرؓ	۶۰	عمارہ بن زیادؓ
۷	ابوحبیرہ بن حارثؓ	۲۵	حبیب بن زیدؓ	۴۳	عبداللہ بن عمروؓ	۶۱	ابوالیمنؓ
۸	اوس بن ارقمؓ	۲۶	حنظلہ بن ابی عامرؓ	۴۴	عبداللہ مجذر بن زیادؓ	۶۲	یزید بن سکنؓ
۹	ایاس بن اوسؓ	۲۷	خارجہ بن زیدؓ	۴۵	عبادہ بن خشخاشؓ	۶۳	عمرو بن قیسؓ
۱۰	اوس بن ثابتؓ	۲۸	سعد بن ربیعؓ	۴۶	نعمان بن عبد عمروؓ	۶۴	قیس بن عمروؓ
۱۱	رفاعہ بن وقشؓ	۲۹	خباب بن قیظیؓ	۴۷	عامر بن اُمیہؓ	۶۵	قیس بن مخلدؓ
۱۲	ثابت بن وقشؓ	۳۰	صیفی بن قیظیؓ	۴۸	عبید بن تیہانؓ	۶۶	مالک بن سنانؓ
۱۳	عمرو بن ثابتؓ	۳۱	خیثمہ بن حارثؓ	۴۹	یسارؓ	۶۷	نوفل بن ثعلبہؓ
۱۴	سلمہ بن ثابتؓ	۳۲	ذکوان بن عبد قیسؓ	۵۰	عبید بن معلیٰؓ	۶۸	یزید بن حاطبؓ
۱۵	ثابت بن عمروؓ	۳۳	رافع بن مالکؓ	۵۱	عباس بن عبادہؓ	۶۹	وہب بن قابوسؓ
۱۶	ثابت بن وحداحؓ	۳۴	رافع بن عنزہؓ	۵۲	عامر بن مخلدؓ	۷۰	حارث بن عقبہؓ
۱۷	ثعلبہ بن سعدؓ	۳۵	رفاعہ بن عمروؓ	۵۳	عمرو بن ایاسؓ		رضی اللہ تعالیٰ عنہم وعن کل الصحابۃ اجمعین
۱۸	ثقب بن فروہؓ	۳۶	سعد بن سویدؓ	۵۴	عمرو بن مطروفؓ		

ماخوذ

از "زیارۃ الحرمین" و "رحمۃ للعالمین ج ۲" و "معین الحجاج" از قاری شریف احمد

مدینہ واپسی؛

شہداء کی تجہیز و تکفین سے فارغ ہو کر آپؐ مدینہ تشریف لاکر پہلے کی طرح دینی کام اور لوگوں کی تعلیم و تربیت میں مصروف ہو گئے اور ذوالفقار (تلوار) صاحبزادی حضرت فاطمہؓ کو دی جو خون آلود تھی، فرمایا اس کو دھو دو آج اس نے خوب کام کیا، آپؐ کے بخیر و عافیت واپس تشریف لے آنے پر اہلِ مدینہ نے اطمینان کا سانس لیا، اور تمام غم و تفکرات دُور ہو گئے،

جنگِ اُحُد سے سبق،

اس اہم جنگ سے کئی سبق حاصل ہوتے ہیں :-

① نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پہاڑی پر متعین مجاہدین کا آپؐ کے حکم کا غلط مطلب سمجھنے کی ذرا سی چُوک سے میدانِ جنگ کا نقشہ ہی بدل گیا، اور مسلمان جیتی ہوئی جنگ ہار گئے،

② جس کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت تکلیف پہنچی، اور اللہ ہی نے اپنی رحمت سے آپؐ کو بچایا،

③ اسی چُوک کے نتیجہ میں ستر صحابہ کرام شہید ہو گئے، اور بہت سے زخمی ہوئے، اس حادثہ کی وجہ سے مسلمانوں کو بڑا صدمہ ہوا،

④ سب سے بڑا سبق یہ ملتا ہے کہ انسان کو اللہ کی مدد پر بھروسہ رکھنا چاہئے، اس نے ایک سال پہلے ۳۱۳ کی قلیل اور بے سروسامان جماعت کو ایک ہزار مسلح کفار کے مقابلہ میں کامیاب کیا تھا، ..... جنگِ اُحد میں تعداد کی زیادتی اور تیاری کچھ کام نہ آئی، اور ستر صحابہ کرامؓ شہید ہو گئے،

اس لئے

مسلمانوں کو ظاہری ساز و سامان پر بھروسہ نہ کرنا چاہئے، کامیابی و ناکامی سب خدا کے قبضۂ قدرت میں ہے،

○ شراب کی حرمت کا حکم؛

عرب میں شراب نوشی کی وبا عام تھی، حتیٰ کہ اسلام نے تیرہ ۱۳ سال مکہ معظمہ میں اس کے بعد تین ۳ سال مدینہ منورہ میں یعنی نزولِ اسلام کے سولہ ۱۶ سال گذر جانے کے باوجود مسلمانوں کو شراب نوشی سے نہ روکا، لیکن بعض سلیم الطبع لوگ ایسے بھی تھے کہ وہ زمانۂ جاہلیت یعنی قبل از اسلام بھی اس سے نفرت کیا کرتے تھے، ان میں ایک شخصیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بھی تھی، آپ سے کسی نے شراب سے نفرت کی وجہ دریافت کی تو جواب دیا، یہ ایسی خبیث اور گندی چیز ہے کہ اس کو پینے کے بعد انسان کو حلال و حرام اور اپنے

پرائے کا امتیاز نہیں رہتا، پھر آپ نے اپنی آنکھوں دیکھا واقعہ بیان فرمایا کہ ایک شخص نے اپنی انگلی پر کھانے کے لئے نجاست لگائی اس کے بعد وہ اس کو چاٹنے کے لئے اپنے مُنہ کے قریب لے جاتا جب اس کو بدبو معلوم ہوتی تو ہاتھ نیچے کر لیتا، جس سے اندازہ ہوا کہ شراب کا عادی بے حس ہو جاتا ہے، اسی لئے شریعت نے اس کو اُم الخبائث فرمایا ہے،

جو آدمی کسی نشہ کا عادی ہوتا ہے اس سے اس کا چھُڑانا بڑا مشکل ہوتا ہے، بلکہ بعض مرتبہ تو آدمی اس کے چھوڑنے سے بیمار ہو جاتا ہے، مثلاً کوئی پان کا عادی یا سگریٹ نوش آدمی ہو یا افیون کا عادی ہو تو اس کو یہ چیزیں چھُڑانی مشکل ہوتی ہیں، اور جو شراب کا عادی ہو تو اس کی یہ عادت چھُڑا دینا معجزہ سے کم نہیں، یہ اسلام ہی کا اعجاز ہے کہ اس نے ایسی قوم سے جو شراب پانی کی جگہ پینے کی عادی تھی اس سے ایسی حکمت سے چھُڑائی کہ سننے والا حیران رہ جاتا ہے، اور اس اعتراف پر مجبور ہو جاتا ہے کہ یہ اسلام ہی کا اعجاز ہے،

○ شراب چھڑانے میں حکیمانہ انداز:

جو قوم شراب نوشی کی ایسی عادی ہو اس سے اُس کا چھُڑانا آسان بات نہیں، لیکن اسلام نے جس حکیمانہ طریقہ پر اس ام الخبائث کو چھُڑایا یہ اسلام ہی کا اعجاز ہے، چنانچہ اس کو ایک دم حرام نہیں کیا، بلکہ آہستہ آہستہ یہ عادت بد چھڑائی، بعض صحابہ کرامؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ شراب اور جوا یہ ایسے خبیث کام ہیں کہ اس میں آدمی کا روپیہ پیسہ بھی برباد ہوتا ہے اور انسان ہوش وحواس بھی کھو بیٹھتا ہے، تو اس کا کیا حکم ہے؟ اس سوال پر پہلی آیت یہ نازل ہوئی:-

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ط	"لوگ آپ سے شراب اور جوئے کا حکم (شرعی) پوچھتے ہیں"

اس کا جواب دیا گیا:

قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ط	"آپ لوگوں سے کہدیں کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لئے کچھ فائدے بھی ہیں، لیکن ان دونوں کا گناہ ان کے فائدے سے بہت بڑھا ہوا ہے"

یعنی ان دونوں میں فائدہ سے زیادہ نقصان ہے، اور شراب میں سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ آدمی کے ہوش وحواس ہی جاتے رہتے ہیں، ماں بیوی، بیٹی سب برابر ہو جاتے ہیں، چنانچہ بعض صحابہ ایسے محتاط تھے کہ اس آیت کے نازل ہوتے ہی شراب کا استعمال ترک کر دیا، مگر چونکہ اس میں صاف اور واضح طور پر شراب کی ممانعت نہیں کی گئی تھی، اس لئے حضرت عمرؓ رضی اللہ عنہ نے کہا، اَللّٰهُمَّ بَيِّنْ لَنَا بَيَانًا شَافِيًا، اس کے بعد دوسری آیت یہ نازل ہوئی:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ

"اے ایمان والو جب تم نشہ کی حالت میں ہو تو اس وقت تک جب تک تم زبان سے جو کچھ کہتے ہو اُسے سمجھنے لگو نماز کے قریب نہ جاؤ"

اس دوسری آیت میں بھی شراب بالکل حرام نہیں کی گئی، بلکہ یہ فرمایا گیا کہ نشہ کی حالت میں نماز نہ پڑھو، مفسرین نے اس کا شانِ نزول یہ بیان کیا ہے کہ کچھ صحابۂ کرام ایک دعوت میں جمع تھے، جس میں شراب بے تواضع کی گئی، اتنے میں مغرب کا وقت ہو گیا، تو ایک صاحب نماز پڑھانے کے لئے کھڑے ہو گئے انھوں نے سورۂ کافرون پڑھی اور نشہ کی حالت میں لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ کی بجائے اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ پڑھ دیا، اس پر یہ آیت يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا نازل ہوئی، اس دوسری آیت کے نزول پر حضرت عمرؓ نے وہی کہا، اَللّٰهُمَّ بَيِّنْ لَنَا بَيَانًا شَافِيًا۔

اس دوسری آیت پر مولانا عثمانیؒ لکھتے ہیں، چونکہ عرب میں شراب کا رواج عام اور انتہا کو پہنچا ہوا تھا اس کا دفعۃً چھڑا دینا سہل نہ تھا، اس لئے نہایت حکیمانہ تدریج سے اوّلاً قلوب میں اس کی نفرت بٹھلائی گئی اور آہستہ آہستہ حکمِ تحریم سے مانوس کیا گیا،

اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی،

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝

"اے ایمان والو! واقعی بات یہ ہے کہ شراب اور جُوا اور بتوں کے تھان اور فال کھولنے کے تیر یہ سب ناپاک کام شیطان کے ہیں، لہٰذا ان سے بچتے رہو، تاکہ تم نجات پاؤ"

اس آیت میں صاف طور پر فرما دیا گیا کہ بُت پرستی کی طرح شراب اور آیت میں بیان فرمودہ چیزیں اور کاموں سے بچو، چنانچہ حضرت عمر فاروقؓ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ سنتے ہی ایک دم چلا اُٹھے، اِنْتَهَيْنَا اِنْتَهَيْنَا، اس آیت کے نازل ہوتے ہی لوگوں نے شراب کے مٹکے توڑ ڈالے، شراب خانے برباد کر دیئے مدینہ کی گلی کوچوں میں شراب پانی کی طرح بہتی پھرتی تھی، سارا عرب اس گندی شراب کو چھوڑ کر معرفتِ ربانی اور محبت و اطاعتِ نبویؐ کی شراب طہور سے مخمور ہو گیا، اور اُمّ الخبائث کے مقابلہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ انقلاب ایسا کامیاب رہا جس کی نظیر تاریخ میں نہیں مل سکتی، (فوائد عثمانیؒ)

مولانا دریابادیؒ لکھتے ہیں،

"کیسا ڈسپلن تھا بارگاہِ نبوت کا اور کیسی اصلاحی قوت تھی عرب کے اس اُمّی حکیم کی کہ

دم کے دم میں بڑے بڑے پرانے اور عمر بھر کے شرابیوں اور جواریوں کو پاکباز و متقی بلکہ پاکبازوں اور صالحین کا سردار بنا دیا، سچ کہا ہے اکبر الہ آبادی مرحوم نے ؎

خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے ؎ کیا نظر تھی جس نے مُردوں کو مسیحا کر دیا

(تفسیر ماجدی)

○ شراب کے استعمال کرنے کا وبال:

کتنے افسوس اور رونے کا مقام ہے کہ اسلام نے تو شراب کو اُمّ الخبائث بتلایا اور آج یورپین اقوام بھی اس کے نقصانات اور مضر اثرات کا اعتراف کرنے پر مجبور ہو رہی ہیں، اور اس سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے ہاتھ پیر مار رہی ہیں، مگر ہمارے مسلمان بھائی اس کے جواز کے لئے مختلف اور طرح طرح کے حیلے بہانے تراشتے رہتے ہیں، کوئی کہتا ہے یہ شراب وہ نہیں جس کو اسلام نے حرام کیا ہے، کوئی کہتا ہے اُس زمانہ کی جو شراب تھی اس کے استعمال سے انسان کے ہوش و حواس جاتے رہتے تھے، اِس زمانہ کی شراب سے تو انسان میں چستی آتی ہے، دماغ روشن ہو جاتا ہے، آدمی اس کو پی کر کام زیادہ کرتا ہے، وغیرہ وغیرہ، ایسے ہی لوگوں کے لئے پیغمبر عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے چودہ سو سال پہلے پیش گوئی فرما دی تھی کہ:

يَشْرَبُ نَاسٌ مِنْ اُمَّتِي الْخَمْرَ يُسَمُّوْنَهَا بِغَيْرِ اسْمِهَا،	"میری اُمت میں بعض لوگ شراب پئیں گے اور اس کا نام بدل کر دوسرا رکھ لیں گے"

شراب پینے کی وجہ سے انسان اور برائیوں کا شکار ہو جاتا ہے، غالباً پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے لوگوں کے لئے اسی حدیث میں وعید بیان فرمائی:

يُعْزَفُ عَلٰى رُءُوْسِهِمْ بِالْمَعَازِفِ وَالْمُغَنِّيَاتِ،	اُن کے سامنے آلاتِ لہو و لعب (طبلہ، سارنگی، ہارمونیم وغیرہ) بجائے جائیں گے اور گانے والی عورتیں اُن کے سامنے گائیں گی"

(جس کا مشاہدہ بڑے بڑے ہوٹلوں میں رات دن ہوتا رہتا ہے) آگے اس جرم کی سزا بیان فرمائی:-

يَخْسِفُ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ وَيَجْعَلُ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ (ابن ماجہ)	"اُن لوگوں کو اللہ تعالیٰ زمین میں غرق کر دے گا، اور ان میں سے بعض لوگوں کو بندر اور خنزیر بنا دے گا"

مسلمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیشین گوئی پر غور کریں کہ اس زمانہ میں حرف بحرف پوری ہو رہی ہے یا نہیں؟ اللہ اس عذاب سے بچائے اور اپنی پناہ و امان میں رکھے، آمین

○ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب میں ملوث و منسلک دس قسم کے

لوگوں پر لعنت فرمائی ہے (۱) شراب نچوڑنے والا (۲) بنانے والا (۳) پینے والا (۴) پلانے والا (۵) شراب اٹھا کر لانے والا (۶) شراب جس شخص کے لئے اٹھا کر لائے (۷) شراب فروش (۸) خریدنے والا (۹) شراب کو ہبہ کرنے والا (۱۰) شراب کی فروخت کا پیسہ کھانے والا، (معارف القرآن ج ۱ بحوالہ ترمذی شریف)

ہم نے شراب کے متعلق اتنی تفصیل اس لئے پیش کی آجکل اس کے استعمال کی وبا، بڑھتی جارہی ہے، اور مسلمان اس کو عیب اور گناہ سمجھنے کی بجائے قابلِ فخر سمجھتے ہیں،

سنہ ۳ ہجری کے کچھ اور واقعات

○ حضرت حفصہؓ کا عقد؛

حضرت حفصہؓ حضرت عمر فاروقؓ کی صاحبزادی بیوہ ہوگئی تھیں، ان کے پہلے شوہر حضرت خنیسؓ جنگ بدر میں شہید ہوگئے تھے، عمر فاروقؓ کی درخواست پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ماہِ شعبان سنہ ۳ ہجری میں اپنی زوجیت میں لے کر اُم المؤمنین ہونے کا شرف بخشا،

○ حضرت زینبؓ سے عقد؛

حضرت زینبؓ بنت خزیمہ بھی بیوہ ہوگئی تھیں، ان کے شوہر مشہور صحابی عبداللہؓ بن جحش جنگ اُحد میں شہید ہوگئے تھے، آپؐ نے ان سے ماہ رمضان المبارک سنہ ۳ ہجری میں عقد فرما کر شرفِ زوجیت بخشا، حضرت زینبؓ کا لقب اُم المساکین ہے،

○ حضرت فاطمہؓ سے ماہِ رمضان المبارک کی ۱۵ تاریخ کو نواسہ رسولؐ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی پیدائش ہوئی،

○ بنت النبیؐ حضرت اُم کلثومؓ کا حضرت عثمانؓ سے عقد؛

ایک سال قبل جنگِ بدر کے موقع پر حضرت رُقیہؓ بنت رسولؐ زوجہ حضرت عثمانؓ کا انتقال ہوگیا تھا، اس کے بعد آپؐ نے دوسری صاحبزادی "اُم کلثومؓ" کا حضرت عثمانؓ سے عقد کر دیا، اسی مناسبت سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو "ذی النورین" کے لقب سے بھی یاد کیا جاتا ہے ؛

سنہ ۴ ہجری کے کچھ اہم واقعات

(۱) سنہ ۴ھ کے ماہ شعبان میں نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی ولادت ہوئی، آپ اپنے برادرِ محترم سیدنا حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے عمر میں تقریباً ایک سال چھوٹے ہیں، سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ان دونوں نواسوں کے متعلق ارشاد فرمایا:

اَلْحَسَنُ وَالْحُسَیْنُ سَیِّدَا اَشْبَابِ اَھْلِ الْجَنَّةِ،	حسن وحسین (رضی اللہ عنہما) جنت کے نوجوانوں کے سردار ہوں گے۔

(۲) اسی سال ام المؤمنین حضرت زینبؓ بنتِ خزیمہ المعروف "ام المساکین" کا نکاح سے آٹھ ماہ بعد انتقال ہوا، آپ کا نکاح رمضان المبارک ۳ھ میں ہوا تھا،

(۳) اسی سال ماہ شوال میں ام المؤمنین حضرت اُم سلمہؓ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عقد ہوا، آپ بیوہ تھیں اور پہلے شوہر کا نام ابوسلمہ تھا،

(۴) اسی سال حضرت عثمان ذی النورینؓ کے صاحبزادے عبداللہؓ کا جو حضرت رقیہؓ سے پیدا ہوئے تھے چھ سال کی عمر میں انتقال ہوا، یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے تھے،

(۵) اسی سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن ثابتؓ مشہور کاتبِ وحی کو یہود کی عبرانی زبان سیکھنے کا حکم دیا کیونکہ یہود پر آپؐ کو اعتبار نہ تھا وہ اپنی مرضی کے مطابق کاٹ چھانٹ کر لیا کرتے تھے، اور آپؐ کو دھوکہ دینے کی کوشش کیا کرتے تھے،

(۶) اسی سال غزوۂ بنو نضیر اور غزوۂ بدر صغریٰ ہوئے،

(۷) اسی سال کفار نے حضرت خبیبؓ کو سولی پر چڑھایا، اور واقعۂ رجیع اور بیرِ معونہ کا روح فرسا واقعہ پیش آیا، اس لئے اب اُن کا مختصر سا حال بیان کیا جاتا ہے:

(۱) واقعۂ رجیع: ——— ماہِ صفر سنہ ۴ھ

مشرکینِ مکہ جنگِ بدر میں شکستِ فاش کھانے کے بعد خاموش نہیں بیٹھے تھے، اور حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہ کو تکالیف پہونچانے کے نئے نئے منصوبے بناتے رہتے تھے، اسی منصوبے کے

تحت جنگِ اُحد میں مسلح ہوکر مکہ سے تین سو میل کا فاصلہ طے کرکے مدینہ جنگ کرنے کے لئے آئے، اور اُحد سے واپس ہوتے وقت ابوسفیان آئندہ سال پھر جنگ کی دھمکی دے کر گیا،

چنانچہ ۴ھ میں ان لوگوں نے سازش کا جال بچھایا اور چند آدمی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجے، ان لوگوں نے آکر آپؐ سے کہا ہمارے قبیلہ کے لوگ اسلام قبول کرنے کو تیار ہیں، چند آدمی آپؐ ہمارے ساتھ بھیجدیں، تاکہ ان کو دینِ اسلام کے محاسن (اچھی باتیں) سنائیں،

آپؐ نے حضرت عاصمؓ بن ثابت کی سرکردگی میں دس آدمی بھیجدیے، لیکن ان لوگوں نے غداری کی اور ان حضرات کو گرفتار کرلینے کی کوشش کی، گرفتار کرنے والوں کی تعداد دو سو بیان کی گئی ہے، مگر اتنی بڑی تعداد کا دس صحابہ کرام نے مقابلہ کیا، حتیٰ کہ مقابلہ کرتے کرتے آٹھ حضرات شہید ہوگئے، جس جگہ یہ حضرات شہید ہوئے اس جگہ کا نام "رجیع" تھا، اسی مناسبت سے اس واقعہ کو "سریۂ رجیع" کہتے ہیں، بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ یہ دس آدمی گشت پر تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کی گشتی جماعتیں مدینہ کے اِدھر اُدھر روانہ فرمادیا کرتے تھے تاکہ دشمنوں کی دیکھ بھال رکھیں، یہ دس حضرات گشت پر تھے، کہ دو سو کفار نے اُن کو گھیرلیا، اس میں مقابلہ کرتے کرتے شہید ہوگئے،

حضرت عاصمؓ کے ساتھ اُن لوگوں نے غداری کی، اور ایسے حالات نظر آنے لگے کہ کفار ان کے مرنے کے بعد اُن کی لاش کی بے حرمتی کریں گے، چنانچہ ان لوگوں نے چند آدمیوں کو بھیجا کہ اُن کے بدن سے گوشت کا ایک ٹکڑا کاٹ لائیں، مگر اس سے پہلے ہی حضرت عاصمؓ نے دو دعائیں کی،

پہلی دُعاء یہ کی: "اے اللہ! ہماری اس حالت کی خبر اپنے رسولؐ کو پہنچادے" چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی آپؐ کو اس واقعہ سے مطلع فرمادیا، اور آپؐ نے اپنے صحابہ کو بتلایا،

دُوسری دُعاء یہ کی: "اے اللہ! میں آج تیرے دین کی حفاظت (کے لئے) لڑرہا ہوں، تو میرے گوشت (یعنی جسم) کی کافروں سے حفاظت فرما" جسم کی حفاظت کی دعاء آپؓ نے اس لئے کی کہ آپ کے ہاتھ سے جنگِ اُحد میں سلافہ کے دو بیٹے قتل ہوئے تھے، سلافہ نے منت مانی تھی کہ میں عاصم کی کھوپڑی میں جب تک شراب نہیں پیوں گی میرا دل ٹھنڈا نہ ہوگا، اور اس کے لئے سو اونٹ انعام کے رکھے تھے، کہ جو شخص اُن کا سر کاٹ کر لائے گا اس کو سو اونٹ انعام دوں گی،

حضرت عاصمؓ کے جسم کی حیرت انگیز طریقہ پر حفاظت،

کفار نے شہادت کے بعد اُن کا سر کاٹنا چاہا تو شہد کی مکھیوں اور ایک روایت کے مطابق بھڑوں کا لشکر اُن کی حفاظت کے لئے آگیا، کفار کی ہمت نے جواب دیدیا اور یہ فیصلہ کیا کہ رات کو جب مکھیاں اُڑجائیں گی

اس وقت سر کاٹ لیں گے، خدا کی قدرت دیکھئے رات کو ایک سیلاب آیا اور آپ کی لاش کو بہا کر لے گیا، کافر یہ ماجرا دیکھ کر حیران رہ گئے کہ یہ کیا ہوا! (تاریخ اسلام میر محمدیؒ)

○ حضرت خبیبؓ اور حضرت زیدؓ بن دثنہ کفار کی قید میں؛

دس حضرات میں سے آٹھ شہید ہو گئے، صرف حضرت خبیبؓ اور حضرت زیدؓ زندہ بچے، ان کو گرفتار کر لیا اور مکہ لے جا کر قریش کے ہاتھ فروخت کر دیا،

حضرت زیدؓ کو امیہ بن خلف کے بیٹے نے اپنے باپ کے بدلہ میں قتل کرنے کے لئے خرید لیا،

حضرت زیدؓ کا قتل؛

امیہ کا بیٹا آپ کو حدِ حرم سے باہر تنعیم میں لے گیا تاکہ آپ کو قتل کر دے، آپ کے قتل کو دیکھنے کے لئے لوگ جمع ہو گئے، قتل سے پہلے ابوسفیان نے پوچھا، اے زید! تجھے خدا کی قسم، سچ سچ بتلا، اگر تیری بجائے ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر دیں تو تجھے یہ بات پسند ہے؟

آپ نے جواب دیا، مجھے تو یہ بھی پسند نہیں کہ آپ کے کانٹا چبھے، یہ جواب سنکر ابوسفیان بولا، میں نے محمدؐ کے ساتھیوں کو ان سے جتنی محبت کرتے دیکھا خدا کی قسم! اس کی مثال نہیں ملتی،

اس کے بعد جلاد نے تلوار آپ کی گردن پر ماری، اور آپ شہید ہو گئے، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ہ

حضرت خبیبؓ کی شہادت؛

کفار نے آپ کو کافی دن بھوکا پیاسا ایک گھر میں بند رکھا، آپ جس گھر میں قید تھے ایک دن اس گھر کے مالک کا بچہ چھری ہاتھ میں لئے ہوئے حضرت خبیبؓ کے پاس پہنچ گیا، آپ نے اس کو اپنی گود میں بٹھا لیا، جب بچہ کی ماں کی نگاہ ادھر پڑی تو دیکھا بچہ خبیبؓ کی گود میں ہے، دیکھتے ہی بچہ کی ماں نے زور سے چیخ ماری کہ کہیں میرے بچہ کو مار نہ ڈالے،

حضرت خبیبؓ نے کہا کیا تو یہ سمجھتی ہے کہ میں اس بچہ کو قتل کر دوں گا، تجھے معلوم نہیں کہ یہ کام مسلمان کا نہیں، آخر ظالم کفار نے چند روز بعد پھانسی دینے کے لئے تختۂ دار کے نیچے لے جا کر کھڑا کر دیا، اور یہ سمجھ کر کہ شاید اب موت کو سامنے دیکھ کر خبیبؓ اسلام ترک کر دے، کفار نے کہا اگر اسلام چھوڑ دو تو اب بھی جان بخشی ہو سکتی ہے، تو آپ نے جواب دیا کہ جب تک جان ہے تو اسلام بھی ہے، اسلام نہیں تو زندہ رہنے سے کیا فائدہ؛

اس کے بعد کفار نے پوچھا، اس اخیر وقت میں کوئی تمنا ہو تو بتلاؤ، آپ نے جواب دیا، میں چاہتا ہوں اپنی زندگی کے آخری لمحات میں دو رکعت نماز پڑھ کر اپنے رب سے ملوں، کفار آپ کے چہرے کو بار بار دیکھتے تھے،

مگران کو تعجب ہوتا تھا کہ اس نوجوان کی موت سامنے کھڑی ہے اور اس پر خوف و ہراس نام کو بھی نہیں، آپ نے وضو کر کے بڑے اطمینان سے نماز پڑھی، اور دو رکعت پڑھکر سلام پھیر دیا، اور فرمایا میں نے نماز کی دو رکعت مختصر کر کے اس لئے سلام پھیرا ہے کہ کبھی تم لوگوں کو خیال ہو کہ یہ جان بچانے کے لئے نماز لمبی کر رہا ہے، ورنہ دل یہ چاہتا تھا کہ یہ آخری نماز ہے، اس کی لمبی رکعتیں کر کے خوب لذت و سکون حاصل کروں،

اس کے بعد آپ کو تختۂ دار پر لٹکا دیا گیا، تختہ پر کھڑا کر کے آپ کا منہ قبلہ سے پھیر دیا، تو آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی: فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ (یعنی جدھر بھی منہ کرو اُدھر ہی اللہ موجود ہے) اس کے بعد آپ نے رب کریم کے حضور دعا کرتے ہوئے التجا کی، "اے اللہ! ہم نے تیرے رسول پاکؐ کا پیام پہونچا دیا ہے تو آپؐ رسولؐ کو ہمارا آخری سلام پہونچا دے، اور ہماری اس حالت کی خبر کر دے جو ہم پر گذر رہی ہے"، اسی وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی، آپ نے حضرت خبیبؓ کے سلام کا جواب دیتے ہوئے فرمایا "وَعَلَیْکُمُ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ"، اور صحابہؓ سے فرمایا کہ جبرئیل علیہ السلام خبیبؓ کا سلام پہنچا رہے ہیں، اُن کو کفار نے تختۂ دار پر لٹکا دیا ہے، اور پھانسی دے کر ان کی لاش کو تختۂ دار پر لٹکا ہوا چھوڑ دیا ہے، تاکہ لوگ دیکھکر خوش ہوں، اور چند پہریدار مقرر کر دیئے ہیں کہ کوئی لاش اُتار کر نہ لے جائے"، مگر مدینہ سے حضرت زبیرؓ اور حضرت مقدادؓ ان کی لاش لینے کے لئے آئے اور پہریداروں کو غافل پا کر لاش اُتار کر اونٹ پر سوار ہو کر تیز رفتاری سے نکل آئے،

صاحبِ تاریخ اسلام لکھتے ہیں پہریدار ہوش میں آئے تو دیکھا لاش غائب ہے، اِدھر اُدھر دوڑے اور ان دونوں حضرات تک پہونچ گئے، دونوں نے لاش نیچے رکھ کر مقابلہ کرنا شروع کیا، دفعۃً زمین شق ہوئی اور چالیس دن کے بچھڑے ہوئے سعادتمند فرزند کو اپنی گود میں چھپا لیا، رضی اللہ تعالیٰ عنہ،

○ واقعۂ بیرِ معونہ؛ ——————— ماہ صفر سنہ ۴ھ

بیر کے معنی کنویں کے ہیں۔ یہ واقعہ ایک کنویں کے قریب پیش آیا تھا، اس لئے اس کو بیرِ معونہ کہتے ہیں، نجد کا رہنے والا قوم بنی عامر کا ایک شخص جس کی کنیت ابو براء تھی خدمتِ نبویؐ میں حاضر ہوا، آپؐ نے اس کو دعوتِ اسلام دی تو اس نے یہ عذر پیش کیا کہ میں تو مسلمان ہو جاتا، مگر مجھے اپنی قوم کا خیال ہے کہ پہلے وہ مسلمان ہو جائے اگر حضورؐ میرے ساتھ چند صحابہ کو بھیجدیں جو اُن کو دعوتِ اسلام دیں، تو امید ہے وہ لوگ مسلمان ہو جائیں گے، اور میں بھی اُن کے ساتھ اسلام لے آؤں گا،

آپؐ نے ابو براء سے فرمایا "مجھے اہلِ نجد کی طرف سے اندیشہ ہے کہ کہیں میرے صحابہ کو تکلیف پہنچائیں"، ابو براء نے جواب دیا ایسا نہیں ہوگا، کیونکہ نجد کا حاکم میرا بھتیجا ہے، آپ فکر نہ کریں میں ضامن ہوں،

آپؐ نے حضرت منذر بن عمروؓ کی زیرِ امارت ستر صحابہ کرامؓ جن میں اکثر حافظِ قرآن اور قاری تھے

بھیج دیئے، ان میں اکثر اصحابِ صُفہ تھے، ان حضرات نے بیرِ معونہ کے پاس پہونچ کر قیام کیا، اور تین حضرات عامر بن طفیل (قوم کے رئیس) کے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دعوتِ اسلام سے متعلق خط لے کر گئے، اس رئیس (عامر بن طفیل) نے حضرت حرام کو قتل کر دیا، اور نجد کے آس پاس جو قبیلے رہتے تھے ان کے پاس اپنے آدمی دوڑا دیئے کہ جلدی مسلح ہو کر آجائیں، جب لوگ تیار ہو کر آگئے تو بنی عامر (ابو براءؓ) ان کو لے کر آگے بڑھا، اور صحابہ کو گھیرے میں لے کر قتل کر دیا، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

اتفاق سے کعب بن زیدؓ کے علاوہ سب حضرات شہید ہو گئے، حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا بڑا صدمہ ہوا، آپ نے چالیس دن فجر کی نماز میں "قنوتِ نازلہ" پڑھی، اس کے بعد اُن لوگوں کو اپنے کئے پر پشیمانی ہوئی، تو خدمتِ نبویؐ میں حاضر ہو کر توبہ کر کے اسلام لے آئے تو آپؐ نے قنوت پڑھنی بند کر دی،

○ غزوۂ بنو نضیر؛ ——— ربیع الاول ۴ھ

یہ غزوہ واقعۂ بیرِ معونہ کے نتیجہ میں ظہور پذیر ہوا، جس میں عامر بن طفیل نے ستر صحابۂ کرام کو شہید کر دیا تھا، عمرو بن اُمیہ جب بیرِ معونہ سے واپس ہوئے تو عامر کے دو کافر آدمی عمرو بن اُمیہ کے ساتھ ایک باغ میں ٹھیرے، انھوں نے سوچا ستر صحابہ کا بدلہ تو جب ہوگا لیا جائے گا پہلے ان دونوں کو ہی ختم کر دوں، انھوں نے دونوں کو قتل کر دیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ان لوگوں سے معاہدہ تھا جس کی عمرو بن اُمیہ کو خبر نہ تھی،

بنو نضیر بھی بنی عامر کے حلیف تھے، جس کی وجہ سے بربنائے معاہدہ دیت کا کچھ حصہ اُن پر بھی واجب ہوتا تھا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ حصہ لینے کے لئے حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور چند دوسرے صحابہ کو ساتھ لے کر بنو نضیر کے پاس گئے، اور جا کر ایک دیوار کے سایہ میں بیٹھ گئے، بنو نضیر ظاہر میں تو آپ سے بڑی خندہ پیشانی سے پیش آئے، لیکن اندر ہی اندر یہ سازش کی کہ ایک شخص کو چھت پر بھیجا کہ اوپر سے پتھر گرا کر آپؐ کو ختم کر دیا جائے، تھوڑی ہی دیر گذری تھی کہ اللہ تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السلام کو بھیج کر اس سازش سے آگاہ کر دیا، آپؐ اس دیوار کے نیچے سے فوراً اُٹھ کر مدینہ تشریف لے آئے، یہود کو جب آپؐ کے چلے جانے کا علم ہوا تو افسوس کرنے لگے، آپؐ نے صحابۂ کرام کو یہود کی اس ناشائستہ حرکت اور بدعہدی کا سُنایا، اس کے بعد بنی نضیر پر حملہ کی تیاری کا حکم دیدیا،

بنو نضیر کا محاصرہ اور جلاوطنی؛

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم عبداللہؓ بن اُم مکتوم کو مدینہ کا عامل مقرر فرما کر آپؐ بنو نضیر کی طرف روانہ ہو گئے، اور جا کر ان کے قلعوں کا محاصرہ کر لیا، بنو نضیر نے اندر گھس کر دروازے بند کر لئے، آپؐ نے پندرہ دن محاصرہ رکھا، اس کے بعد یہ لوگ تنگ آ کر معافی کے خواستگار ہوئے، آپؐ نے فرمایا تمہیں دس دن کی مہلت

ہی، دس دن میں مدینہ خالی کردو، تمہیں اجازت ہے اپنے بال بچوں کو جہاں چاہو لے جاؤ اور اپنے اونٹوں پر جتنا سامان لے جاسکے ہو اجازت ہے، اس حریص قوم نے اپنے مکانوں کے کواڑ اور چوکھٹیں اتار کر سب کھنڈر بنادیئے، اور جلاوطن ہو کر اکثر خیبر میں جا کر بس گئے، کچھ شام چلے گئے،

مہاجرین وانصار میں سلسلۂ مواخاۃ قائم ہونے کے بعد انصار نے جس ایثار کا ثبوت دیا وہ اپنی مثال آپ ہے مگر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تھے، کہ اب انصار کا کچھ بوجھ کم ہوجائے، اس لئے آپؐ نے انصار سے فرمایا کہ یہود جو مال واسباب چھوڑ کر گئے ہیں اگر آپ لوگ چاہیں تو اس کو مہاجرین وانصار میں برابر تقسیم کردیا جائے اور اگر تمہاری اجازت ہو تو سب مال مہاجرین کو دیدیا جائے، اس کے بعد یہ لوگ اپنے پاؤں پر کھڑے ہوجائیں گے تو تمہارا بوجھ ہلکا ہوجائے گا، اور آپ لوگوں کے مکان خالی کردیں گے، انصار کی نمائندگی کرتے ہوئے حضرت سعدؓ بن عبادہ اور حضرت سعدؓ بن معاذ نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم آپ کی تجویز کے سامنے نہ صرف سرِ تسلیم خم کرتے ہیں بلکہ ہماری درخواست ہے یہ مال بھی ہمارے مہاجر بھائیوں کو دیدیں اور مہربانی کرکے ہمارے گھروں کو نہ چھوڑیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان حضرات کے جواب سے بڑے خوش ہوئے اور دعاء دیتے ہوئے فرمایا: "یا اللہ! انصار اور ان کی اولاد پر رحم فرما"

○ غزوۂ بدرِ صغریٰ: ــــــــــــــــــــ ماہِ شعبان یا ذیقعدہ ۴ھ

جنگِ اُحد کے موقع پر ابوسفیان واپس ہوتے وقت دھمکی دے گیا تھا کہ آئندہ سال ہمارے تمہارے درمیان جنگ ہوگی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھ پندرہ سو[۱۵۰۰] صحابہ کو لے کر میدانِ بدر کی طرف روانہ ہوئے بدر پہونچ کر آپؐ نے ابوسفیان کا انتظار فرمایا، مگر ان لوگوں کی ہمتیں اتنی پست ہوچکی تھیں کہ گرانی اور قحط وغیرہ کے بہانے کرکے راستہ سے واپس ہوگئے، بدر آنے کی ہمت ہی نہیں ہوئی، اس لئے آپؐ واپس تشریف لے آئے، (ابن ہشام) غزوۂ بدرِ صغریٰ کو "بدرِ موعد" بھی کہتے ہیں،

سنہ ہجری
کے
چند اہم واقعات

جن کا اگلے صفحات میں بیان کیا گیا ہے،

① پردہ کا شرعی حکم ② غزوۂ بنی المصطلق ③ واقعۂ افک، حضرت عائشہؓ پر بہتان،
④ تیمم کی مشروعیت ⑤ غزوۂ خندق یا احزاب،

○ پردے کا حکم؛

پردے کا حکم واقعۂ افک سے پہلے سنہ ہجری میں اُم المؤمنین حضرت زینبؓ بنت جحش کے ولیمہ کے موقع پر نازل ہوا، اس وقت یہ آیتِ حجاب نازل ہوئی،

وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَاسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ الآیۃ

آجکل مغرب زدہ لوگ آزادیٔ نسواں اور مردوں اور عورتوں کے برابر حقوق دلانے کا ایسا نعرہ لگا رہے ہیں جیسے عورتیں غلامی کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی ہیں، اس نعرہ سے ایسے ایسے شریف گھرانے متاثر ہوتے جا رہے ہیں، کہ جس گھر کی شریف زادیوں کے پردہ کی برکت سے ہاتھ تک نظر نہیں آتے تھے اب وہ بڑی بیباکی سے بے پردہ پھرتی نظر آتی ہیں، ان لوگوں نے ذہنوں کو اتنا پراگندہ بنا دیا ہے کہ لوگ یہ سمجھنے لگے ہیں کہ خالم بدھن مسلمانوں کی ترقی میں اسلام ہی رکاوٹ ہے، حالانکہ تاریخ شاہد ہے کہ مسلمانوں (خصوصاً خیر القرون کے مسلمانوں) کو جو عروج دنیاوی حاصل ہوا دنیا کی تاریخ اس کی مثال پیش نہیں کر سکتی، اُس زمانہ کے مقابلہ میں ہمارے زمانہ کے مسلمانوں کا کوئی عزت و وقار ہی نہیں، بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ آج مسلمان کو جو ذلت و رسوائی کا منہ دیکھنا پڑ رہا ہے وہ دین کو چھوڑنے کا نتیجہ ہے،

پردہ چھوڑ دینے کا اثر عورتوں میں بے حیائی، بے شرمی کی صورت میں ہم سب کے سامنے ہے، ضرورت ہے مسلمان اسلام کے بتائے ہوئے راستہ پر گامزن ہوں، اور حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی روشن تعلیمات

سے ہدایت حاصل کریں، اس لئے پردہ سے متعلق مختصر سا بیان کیا جاتا ہے،

قرآن کریم میں بڑی صراحت کے ساتھ کئی جگہ پردہ کے متعلق واضح ہدایات دی گئی ہیں، اس سلسلہ میں پہلے نمبر پر یہ آیت کریمہ ملاحظہ فرمائیے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا گیا ہے کہ اے نبیؐ آپ اپنی ازواج بیٹیوں اور مسلمان عورتوں کو پردہ کے متعلق ہمارا حکم سنا دیجئے،

(۱) يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَنْ يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ط

"اے نبیؐ! اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور دوسرے مسلمانوں کی عورتوں سے فرما دیجئے کہ وہ اپنی چادریں اوپر سے اوڑھ کر تھوڑی سی منہ کے آگے لٹکا لیا کریں، اس سے وہ جلدی پہچان لی جایا کریں گی"

ناظرین صرف اسی آیت سے اندازہ کر سکتے ہیں کہ پردہ کی کتنی اہمیت ہے، جس کی وجہ سے امہات المومنین یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی بیویوں، بیٹیوں اور مسلمان عوام کی بہو بیٹیوں غرض سب کو پردہ کا حکم بتلا دینے کا حکم دیا گیا،

مفسرین حضرات نے اس آیت کے ذیل میں ایک حدیث نقل کی ہے کہ حضرت عائشہؓ کی خدمت میں قبیلہ بنو تمیم کی کچھ بیبیاں (عورتیں) حاضر ہوئیں، جو لباس باریک پہنے ہوئے تھیں، حضرت صدیقہؓ نے اُن کو ڈانٹا کہ تم کیسی مسلمان ہو جو یہ غیر مسلموں کا لباس پہنے ہوئے ہو (تفسیر ماجدی)

ذٰلِكَ أَدْنَىٰ کا مطلب ہے کہ اس شریفانہ لباس سے ہر شخص کو اول نظر میں معلوم ہو جائے گا کہ یہ شریف اور عزت دار بیبیاں ہیں، بے حیا اور بے غیرت نہیں ہیں، اس لئے ان سے چھیڑ چھاڑ کی جرأت راہ چلتے ہوئے بدمعاشوں کو نہ ہوگی (تفسیر ماجدی)

○ صحابۂ کرام کے ذریعہ کسی گھر سے کوئی چیز مانگنے کی تعلیم!

(۲) وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَاسْأَلُوهُنَّ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ ط ذٰلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ ط (پ۲۲، ع ۴)

"اور جب اُن (بیبیوں) سے کوئی چیز مانگو تو پردہ کے باہر سے مانگا کرو، یہ بات تمہارے اور ان کے دلوں کے پاک رہنے کا عمدہ ذریعہ ہے"

یعنی مرد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کے سامنے نہ جائیں، کوئی چیز مانگنی ہو تو پردہ کے پیچھے سے مانگیں، اسی سے یہ حکم بھی معلوم ہو گیا کہ اگر کسی غیر کے مکان پر کوئی چیز لینے جانا پڑے تو کس طرح مانگے!

مرد و عورت کو نگاہ نیچی رکھنے کا حکم!

پردہ سے بہت سے مفاسد اور گناہوں کا دروازہ بند ہو جاتا ہے، حرام کاری اور زنا جیسے سخت گناہ اکثر

بے پردگی کا نتیجہ ہوتے ہیں، اسلام نے اس سے محفوظ رہنے کے لئے بہت سی احتیاطی تدابیر بتلائی ہیں، مثلاً مردوں کو حکم دیا گیا کہ:

(۳) قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ

"آپ مسلمان مردوں سے کہدیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں"

اسی طرح عورتوں کے لئے فرمایا گیا:

(۴) وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ، (پ ۱۸، ع ۱۰)

"(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) مسلمان عورتوں سے فرمادیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں اور بجز اس (چہرے اور ہاتھ اور پاؤں) کے جو خود بخود ظاہر رہتے ہیں اپنی زینت کو کسی پر ظاہر نہ ہونے دیں اور اُن کو چاہئے کہ دوپٹوں (اوڑھنیوں) سے اپنے گریبانوں کو چھپائے رکھیں" (بیان القرآن)

آیت اپنے مطلب کی خود تشریح کر رہی ہے، اس لئے مزید تشریح کی ضرورت نہیں،

عورت غیر محرم سے پسِ پردہ کیسے بات کرے؟

عورت کو اگر کسی غیر محرم سے بات کرنی ہی پڑجائے تو حکم دیا گیا:

(۵) فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ (پ ۲۲، ع ۱)

"تم (غیر محرم لوگوں سے) بات کرنے میں نزاکت مت کرو کہ ایسے شخص کو خیال (فاسد) ہونے لگتا ہے جس کے دل میں خرابی ہے" (بیان القرآن)

غور کریں کہ بات کرنے کا طریقہ بھی ایسا بتلادیا جس سے بات کرنے والے کے دل میں شیطانی وسوسہ بھی نہ آئے، کیونکہ یہی چیز زنا کا ذریعہ بن جاتی ہے، جب عورت ذرا سخت جواب دے گی تو آدمی خیال کرے گا کہ یہ عورت تو بڑی کرخت ہے، دوبارہ بات کرتے ہوئے بھی گھبرائے گا،

اس تمام بیان کا خلاصہ یہ نکلا کہ عورت کا بے پردہ گھر سے باہر نکلنا، بازاروں میں پھرنا، باتیں کرنا سراسر فساد و شر ہیں،

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

اِنَّ الْمَرْاَةَ عَوْرَةٌ فَاِذَا خَرَجَتْ اِسْتَشْرَفَهَا الشَّيْطَانُ (ترمذی، مشکوٰۃ)

"عورت چھپے رہنے کی چیز ہے، جب وہ باہر نکلتی ہے تو شیطان اس کی تاک میں لگ جاتا ہے"

تاکہ اس کی طرف سے کسی کو بدنگاہی اور خیالِ بد میں مبتلا کردے، بدنگاہی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

زِنَا الْعَیْنِ النَّظَرُ (مشکوٰۃ) ــــــ "آنکھ کا زنا نگاہ بازی ہے"

○ پردے میں ازواج مطہراتؓ کی احتیاط:

ام المؤمنین حضرت اُمِّ سلمہؓ فرماتی ہیں ایک مرتبہ میں اور آپ کی دوسری بیوی حضرت میمونہؓ دونوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں، کہ اتنے میں عبداللہ بن مکتومؓ (جو نابینا تھے) اندر داخل ہونے لگے تو حضورؐ نے ہم دونوں سے فرمایا تم پردے میں چلی جاؤ، حضرت اُم سلمہؓ نے عرض کیا، یارسول اللہؐ وہ تو نابینا ہیں، تو آپؐ نے جواب دیا تم تو نابینا نہیں، تم تو دیکھتی ہو، (ترمذی، ابوداؤد، مشکوٰۃ وغیرہ)

غور کرنے کی بات ہے عبداللہ بن مکتومؓ اوّل تو صحابی پھر نابینا دوسری طرف ازواج مطہراتؓ، مزید حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سامنے موجود، اس کے باوجود پردہ میں اتنی احتیاط،

○ جس حجرۂ مبارک میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ اسی حجرہ میں رہتی رہیں..... صرف درمیان میں دیوار کھڑی کرادی تھی، جب آپ کے والد حضرت ابوبکر صدیقؓ کی وفات ہوئی تو حضورؐ کے پہلو میں دفن کئے گئے تب بھی اسی طرح رہتی رہیں، لیکن جب حضرت عمرؓ بھی وہیں دفن کئے گئے تو اس کے بعد بغیر پردہ کے وہاں نہیں آتی تھیں، اور فرماتی تھیں ایک شوہر دوسرے والد تھے، اب تیسری ہستی سے اسلامی بھائی ہونے کا رشتہ ہے،

اللہ اکبر! کیا ٹھکانا ہے تقویٰ کا، کہ مردہ جبکہ قبر میں دفن ہے اس سے بھی پردہ،

○ ایک خاتون کی حضورؐ کی اقتدا میں نماز پڑھنے کی تمنا اور آپؐ کا جواب:

نماز اتنی اہم عبادت ہے اس کے متعلق ایک خاتون صحابیہ اُم حمیدؓ ساعدیہ نے خدمتِ نبویؐ میں عرض کیا یارسول اللہؐ میرا دل چاہتا ہے کہ میں آپ کی اقتدا میں مسجدِ نبویؐ میں نماز پڑھا کروں، آپؐ نے ارشاد فرمایا میں تمہارا مقصد سمجھ گیا، مگر بات یہ ہے کہ تیری نماز گھر کی کوٹھڑی میں افضل ہے دالان میں پڑھنے سے، اور دالان میں نماز پڑھنا افضل ہے صحن میں پڑھنے سے اور صحن میں نماز پڑھنا افضل ہے مسجد میں پڑھنے سے (مسند احمد)

اس حدیث پر شیخ التفسیر علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں،

خیال کرو کہ نماز اہم العبادات ہے، مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز عام مساجد کی نماز سے ہزار گنا فضیلت رکھتی ہے، سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں نماز ادا کرنا وہ دولت ہے جس کے مقابلہ میں کل دنیا کی دولتیں ہیچ ہیں، عموماً مقتدی وہ لوگ ہیں جن سے بڑھکر بجز انبیاء کے کوئی پاکباز، مطہر و مزکّٰی جماعت آسمان کے نیچے نہیں ہوئی، اسلامی سوسائٹی ایسے رجالی و نسائی پر

مشتمل ہے، جن کی عفت مآب زندگی امتِ محمدیہ کے لئے غضِ بصر و تحفظِ عصمت کی تعلیم کا اعلیٰ نمونہ بننے والی تھی، وقت کا تقاضا یہ ہے کہ ہر لمحہ تازہ وحی اور نئے نئے احکام و اصلاحی قوانین سے مستفید ہونے کے لئے ہر مرد و عورت دربارِ نبوت میں حاضر ہوا کرے، عام فضا ایسی ہے کہ مسلمان ظاہر و باطن میں خدا سے اور غیر مسلم مسلمانوں سے خوف کھاتے تھے، ایسی پاک فضاء اور ایسے مقدس ماحول میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواتینِ اسلام کو پیرس، لندن میں نہیں میلوں تھیٹروں میں نہیں، باغوں اور پارکوں میں نہیں، سیر و تماشے کے لئے نہیں بلکہ مدینہ طیبہ میں مسجد نبویؐ میں خود اپنی اقتداء میں اتقیائے امت کی جماعت میں نماز ادا کرنے کے لئے اس قدر مقید کیا، اور ان کی نام نہاد آزادی یا یوں کہو کہ اُن کے جوہرِ شرافت اور گوہرِ عصمت کی حفاظت پر ایسے سخت پہرے بٹھلائے اور اختلاطِ رجال و نساء کو اتنی شدت سے روکا کہ گویا عورتوں پر اجتماعی عبادت کا دائرہ بالکل ہی تنگ فرما دیا، آخر ان تمام احکام و ہدایت کی علت کیا تھی، یہی نہ کہ تخمِ فتنہ کو اختلاطِ جنسین کی آبیاری سے نشو و نما نہ ملے"

(ماخوذ از حجابِ شرعی تصنیف مولانا عثمانیؒ)

پردہ کے متعلق بیان کرنا ہمارے موضوع سے خارج ہے، اتنا بیان بھی اس لئے کر دیا کہ ۵ھ میں پردے کا حکم آیا، اب اس بیان کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ان الفاظ پر ختم کرتے ہیں کہ:-

لَوْ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَاٰی مَا اَحْدَثَتِ النِّسَآءُ بَعْدَہٗ لَمَنَعَھُنَّ کَمَا مُنِعَتْ بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ، (بخاری، مسلم)	"اگر آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کی حالت دیکھتے تو بنی اسرائیل کی عورتوں کی طرح... (مسلمان) عورتوں کو باہر نکلنے سے حکماً منع فرما دیتے"

غور کریں اُم المؤمنین نے یہ الفاظ چودہ سو سال پہلے فرمائے تھے، اور اگر آج کی عورت کو دیکھتیں تو کیا فرماتیں! اس سے وہ عورتیں سبق حاصل کریں جو جلوسوں کی قیادت اور جلسوں میں بیباکی سے تقریریں کرتی پھرتی ہیں، دعاء ہے اللہ تعالیٰ ہر مسلمان مرد و عورت کو اپنے دین پر چلنے کی توفیق دے، آمین،

○ غزوۂ بنی المصطلق ـــــــــ شعبان ۵ھ مطابق دسمبر ۶۲۶ء

بنی المصطلق ایک قبیلہ تھا، اس کے سردار کا نام حارث تھا، یہ شخص قریش کے ساتھ مل کر غزوۂ احد میں مسلمانوں سے جنگ کر چکا تھا، جنگِ اُحد سے واپس جانے کے بعد اُس نے مسلمانوں سے جنگ کی تیاریاں شروع کر دی تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس کی تیاری کا علم ہوا تو آپؐ نے زید بن حارثہؓ کو مدینہ کا

کا گورنر مقرر کر کے اس کے مقابلہ کے لئے روانہ ہو گئے،

اس غزوہ میں ازواج مطہرات میں سے حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت ام سلمہؓ آپ کے ساتھ تھیں، آپ کا معمول تھا اگر کسی سفر میں ازواج کو ساتھ لے جانے کی ضرورت ہوتی تو قرعہ کے ذریعہ جن کا نام آتا اُن کو ساتھ لیجاتے تھے، مجاہدین اسلام کا ان سے مقابلہ ہوا تو دشمن ذرا سی دیر میں زیر ہو گیا، اور حارث کے لشکری ذرا سی دیر میں بھاگ کھڑے ہوئے، دس آدمی اُن کے قتل ہوئے اور بہت سے قیدی بنالئے گئے، ان قیدیوں میں بہت سی عورتیں بھی تھیں، قیدیوں کے علاوہ دو ہزار اونٹ پانچ ہزار بکریاں اور بہت سا مال غنیمت بھی ہاتھ آیا، اسی غزوہ کو غزوۂ مریسیع" بھی کہتے ہیں، اسی غزوہ میں قصۂ افک بھی پیش آیا جس میں منافقین نے حضرت عائشہؓ پر تہمت لگائی، جس کی تفصیل آگے بیان کی گئی ہے،

○ واقعۂ افک؛

واقعۂ افک سے وہ تہمت اور بہتان مراد ہے جو رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی نے اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے خلاف باندھا تھا، اس وقت پردہ کا حکم نازل ہو چکا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ بنی المصطلق سے واپس آرہے تھے. اس سفر میں یہ واقعہ پیش آیا

جب آپؐ غزوۂ بنی المصطلق سے واپس آرہے تھے تو حضرت عائشہؓ علیحدہ اونٹ پر سوار تھیں، آپ ہودج میں بیٹھ کر پردہ چھوڑ دیتیں، جمال (اونٹ والا) ہودج اونٹ پر رکھ دیتا، ایک منزل پر قافلہ ٹھیرا ہوا تھا، روانگی سے پہلے حضرت عائشہؓ کو قضائے حاجت کی ضرورت پیش آئی، تو قافلہ سے ذرا فاصلہ پر پردہ کی جگہ تشریف لیگئیں، آپ کے گلے میں موتیوں کا ایک ہار تھا، وہ بھی اپنا نہ تھا، بلکہ آپ کی بہن حضرت اسماءؓ کا تھا، اتفاق کی بات وہ ہار ٹوٹ کر گر گیا، آپ اس کے ٹوٹے اور بکھرے ہوئے موتی تلاش کرنے لگیں، اتنے میں قافلہ روانہ ہو گیا، آپ اول تو کم عمر پھر بدن ہلکا پھلکا، مزید ہودج پر پردہ، اس لئے جمال کو یہ اندازہ نہ ہوا کہ ہودج خالی ہے، غرض جمال نے بغیر تحقیق کئے اونٹ چلنا کر دیا، حضرت عائشہؓ جب واپس آئیں تو دیکھا وہاں قافلہ کا ایک آدمی بھی نہیں، میدان صاف ہے، آپ ماشاء اللہ بڑی عاقلہ تھیں، اُس وقت آپ نے فیصلہ کیا کہ میرا یہاں سے کہیں جانا خلاف مصلحت ہے، کیونکہ آگے جا کر جب مجھے قافلہ میں نہ پائیں گے تو تلاش کرتے ہوئے واپس یہیں آئیں گے، اس فیصلہ کے بعد آپ وہیں ٹھیر گئیں، رات کا وقت تھا، قافلہ سے الگ رہ جانے کا طبیعت پر اثر علیحدہ، پھر نیند کا غلبہ، اس لئے چادر لپیٹ کر لیٹ گئیں، اور آپ کو نیند آگئی،

حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ قافلہ کی گری پڑی چیز کی دیکھ بھال کے لئے قافلہ سے کچھ پیچھے رہا کرتے تھے وہ اس جگہ صبح کے وقت پہونچے، تو ان کی نگاہ پڑی کہ کوئی آدمی سا پڑا سو رہا ہے، حیران رہ گئے،

قریب آکر اندازہ ہوا کہ یہ تو اُم المؤمنین حضرت عائشہؓ ہیں، وہ بھی اس لئے پہچان لیا کہ پردہ کا حکم آنے سے پہلے ان کو دیکھا تھا، دیکھ کر گھبرا گئے، اور گھبرا کر زور سے اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ پڑھا، جس سے اُم المؤمنینؓ کی آنکھ کھل گئی، اور فوراً چہرہ چادر سے ڈھانک لیا، حضرت صفوانؓ نے آپ کے قریب اونٹ لاکر بٹھلا دیا، آپ باپردہ اس پر سوار ہوگئیں، حضرت صفوانؓ نے اونٹ کی نکیل پکڑ کر دوپہر کے وقت قافلہ میں جا ملایا،

عبداللہ بن ابی منافق بڑا خبیث، بدباطن اور دشمنِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھا، اسے یہی بات ہاتھ لگ گئی، اور بدبخت نے واہی تباہی بکنا شروع کر دیا، بعض بھولے بھالے مسلمانوں نے بھی (مثلاً مردوں میں سے حضرت حسانؓ، حضرت مسطحؓ اور عورتوں میں سے حضرت حمنہ بنت جحشؓ) منافقین کے مغویانہ پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر اس قسم کے افسوسناک تذکرے شروع کر دیئے، جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت صدمہ ہوا، ایک مہینہ تک یہی چرچا ہوتا رہا، آپ سنتے اور بغیر تحقیق کچھ نہ فرماتے، دل ہی دل میں کُڑھتے، حضرت عائشہؓ کو اس واقعہ اور پروپیگنڈہ کا پتہ چلا تو صدمہ سے بیمار پڑ گئیں، رات دن رونے کے سوا کوئی کام نہ تھا، ایک منٹ کو بھی آنسو نہ رُکتے تھے، آپ کو اتنا صدمہ ہوا، آپ فرماتی ہیں دل چاہتا تھا کنویں میں گر کر زندگی ختم کر لوں،

اسی دوران حضرت عائشہؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر اپنے گھر چلی آئیں، اس کے بعد آپؐ اُن کے گھر تشریف لے گئے، اور فرمایا "اے عائشہؓ مجھ کو تمہارے متعلق یہ خبر ملی ہے اگر تم بے قصور ہو اور تمہارا دامن پاک ہے تو بہت جلد اللہ تعالیٰ تمہاری برأت نازل فرما دے گا، اور خدانخواستہ اگر تم سے خطاء سرزد ہوئی ہے تو تمہیں توبہ کرنی چاہیے، اس وقت حضرت عائشہؓ کے والدین بھی موجود تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دونوں سے جواب دینے کے لئے کہا، مگر کسی نے جواب نہ دیا، آخر مجبوراً خود ہی بولیں اور کہنے لگیں مجھے معلوم ہے کہ اس واقعہ کا آپ کو یقین آگیا ہے، اس لئے اگر میں کہوں کہ بے قصور ہوں تو آپ کو یقین نہ آئے گا، اور اگر اقرار کروں تو جھوٹا اقرار کس طرح کروں؟ خدا خوب جانتا ہے کہ میں بے خطاء ہوں اور بے قصور ہوں، اور میں یوسفؑ کے باپ کی طرح یوں ہی کہتی ہوں:

فَصَبْرٌ جَمِیْلٌ ؕ وَاللّٰہُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰی مَا تَصِفُوْنَ ۝	"اب صبر ہی بہتر ہے، اور اللہ ہی سے مدد مانگتا ہوں اس بات پر جو تم ظاہر کرتے ہو"

اس وقت حضرت عائشہؓ غصہ سے کانپ رہی تھیں، اسی وجہ سے آپ کو یعقوب علیہ السلام کا نام یاد نہ رہا، اور یوں کہا "میں یوسفؑ کے باپ کی طرح یونہی کہتی ہوں" کے الفاظ استعمال کئے،

ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کے آثار نمودار ہونے شروع ہوئے، پیشانی مبارک پر پسینہ آنا شروع ہوا، گردن نیچے جھک گئی اور گھر کے سب آدمی خاموش ہو کر بیٹھ گئے، نزولِ وحی

کے بعد آپ نے پیشانی سے پسینہ پونچھتے ہوئے صدیقہ عائشہ رضؓ کی طرف رُخِ انور کر کے فرمایا،

"اے عائشہ! مبارک ہو، اللہ تعالیٰ نے تیری برأت کا مژدہ سنا دیا"

اس واقعہ کا بیان اِنَّ الَّذِیْنَ جَآءُوْا بِالْاِفْكِ سے وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ تک پورے ایک رکوع میں کیا گیا ہے (ملاحظہ ہو پارہ نمبر ۱۸ کا رکوع ۸، سورۂ نور)

بشارت کا پروانہ مل جانے کے بعد حضرت عائشہؓ کی والدہ اُمِّ رومان نے کہا بیٹی اُٹھ، اور حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کا شکریہ ادا کر، حضرت صدیقہؓ نے (از راہِ ناز) جواب دیا میں تو اس خدا کا شکر ادا کروں گی جس نے میرے اوپر اتنا بڑا احسان فرمایا، آپ فرماتی ہیں میں یہ سمجھ رہی تھی کہ اللہ تعالیٰ میری پاک دامنی اور بے گناہی کی خبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ خواب یا الہام کر دیں گے، مجھے یہ خیال بلکہ دل میں وسوسہ بھی نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ میری برأت کا اعلان اپنے کلام پاک یعنی قرآن مجید میں فرمائے گا، اور قیامت تک بچے، بڑے، بوڑھے، جوان اس کی تلاوت کرتے رہیں گے، مسجد کی محراب و منبر سے اس کا اعلان ہوتا رہے گا،

○ تیمم کی مشروعیت؛

تیمم کی مشروعیت یہ صدقہ ہے اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کا، جب آپ کا ہار گم ہو گیا تو اس کی تلاش میں یا اس وجہ سے کہ قافلہ کو جب آپ کی عدم موجودگی کا علم ہوا تو ایسی جگہ رُکنا پڑا جہاں پانی نام کو بھی نہ تھا، نماز کا وقت آ گیا تو لوگوں کو پریشانی ہوئی کہ اب کیا کیا جائے، تو مندرجہ ذیل آیت کریمہ میں تیمم کا حکم نازل ہوا،

وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَیَمَّمُوْا صَعِیْدًا طَیِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَیْدِیْكُمْ مِّنْهُ ؕ (پ ۶، ع ۶)

"اور اگر تم بیمار ہو یا حالتِ سفر میں ہو تم میں سے کوئی شخص استنجے سے (فارغ ہو کر) آیا ہو یا تم نے بیبیوں سے قربت کی ہو پھر تم کو پانی نہ ملے تو تم پاک مٹی سے تیمم کر لیا کرو، اور اپنے چہروں اور ہاتھوں کا مسح کر لیا کرو"

○ غزوۂ خندق یا احزاب ——— شوال ۵ھ مطابق فروری ۶۲۷ء

یہ دونوں نام ایک ہی غزوہ کے ہیں، قرآن کریم کی ایک سورۃ کا نام بھی سورۂ احزاب ہے، جس میں اس غزوہ کا بیان ہے،

غزوۂ خندق خندق کی وجہ سے کہا جاتا ہے، اَحزاب کے معنی ہیں جماعتیں، چونکہ قریش مکہ اور عرب کے تمام قبائل اور یہود کی تمام جماعتیں مل کر مدینہ پر حملہ کے لئے آئی تھیں، اس لئے اَحزاب کہتے ہیں،

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کے قبیلہ بنو نضیر کو مدینہ سے جلا وطن کر دیا تھا،

اور یہ قبیلہ خیبر میں جاکر رہنے لگا تھا، خیبر جاکر بھی یہ قوم چین سے نہ بیٹھی اور اسلام اور پیغمبرِ اسلام کے خلاف شب و روز جوڑ توڑ میں لگی رہتی تھی، یہود کے تین اور بڑے مشہور قبیلے تھے، بنی قینقاع، بنی نضیر، بنی قریظہ، یہ سب قبیلے قریش مکہ اور قبائلِ عرب کو آپؐ کے خلاف بھڑکاتے رہتے تھے، اور سب نے مل کر مسلمانوں کے خلاف متحدہ محاذ بنالیا تھا، ۷ھ میں غزوۂ ذات الرقاع، دومۃ الجندل، بنی مصطلق یہ سب غزوے اسی قوم کی سازش کا نتیجہ تھے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کرتے تھے:

"اے محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) تم اس دھوکہ میں نہ رہنا کہ ہم نے قریش کو (بدر میں) شکست دیدی ہے، قریش کو جنگ کا تجربہ نہ تھا، ہم سے مقابلہ ہوا تو ہم بتادیں گے کہ جنگ کس کو کہتے ہیں اور جنگجو کیسے ہوتے ہیں (ابوداؤد)

یہ قوم بڑی مالدار تھی اور مدینہ کے قرب وجوار میں رہائشی محلات، مضبوط قلعے اور باغات تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی گستاخیاں کرتے رہتے تھے، اسلام نے ملاقات کے وقت اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کا مسنون طریقہ جاری فرمایا، جو دعائیہ کلمات ہیں، مگر یہ خبیث ذہنیت لوگ آپؐ کی مجلس میں آتے تو اَلسَّامُ عَلَیْکُمْ کہتے، جس کے معنی ہیں تمہیں موت آئے، ایسے ہی آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوکر اُنْظُرْنَا کی بجائے رَاعِنَا کہتے، جس کے معنی ہیں "اے ہمارے چرواہے"، (معاذ اللہ) اور نیچی گردن کرکے ہنستے، ان کی حرکت پر سیدھے مسلمان دھوکہ میں یہی لفظ کہدیتے، اس لئے اُن کو حکم ہوا:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَ قُوْلُوا انْظُرْنَا	"اے ایمان والو "رَاعِنَا" مت کہا کرو، اور "اُنْظُرْنَا" کہا کرو

جن حضرات کو سردی کے زمانہ میں کبھی مدینہ کی حاضری نصیب ہوئی ہو تو ان کو اندازہ ہوگا کہ کتنی سخت سردی پڑتی ہے، عوام اس کی شدت کا اندازہ کریں کہ نلوں کا پانی بھی جم جاتا ہے، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام کے ساتھ ایسی سردی میں یہ خندق کھودی، صحابہ خندق کی مٹی نکالتے جاتے تھے اور جوش وشوق میں پڑھتے جاتے تھے،

نَحْنُ الَّذِیْنَ بَایَعُوْا مُحَمَّدًا ؛ عَلَی الْجِهَادِ مَا بَقِیْنَا اَبَدًا

ہم لوگ وہ ہیں جنھوں نے محمدؐ کے ہاتھ پر بیعت کی ہے، جب تک ہماری جان میں جان ہے کافروں سے اللہ کے لئے جہاد کرتے رہیں گے ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جاں نثار صحابہ کے جذبہ کو دیکھ کر دعائیں دیتے ہوئے فرماتے،

اَللّٰهُمَّ لَا عَیْشَ اِلَّا عَیْشُ الْاٰخِرَةِ ؛ فَاغْفِرِ الْاَنْصَارَ وَالْمُهَاجِرَةِ

"اے اللہ! بلاشبہ حقیقی زندگی آخرت کی زندگی ہے، پس انصار و مہاجرین کی مغفرت فرمادیں"

خود حضورؐ خندق کھودتے ہوئے پڑھتے جاتے تھے:

وَاللّٰهِ لَوْلَا اللّٰهُ مَا اهْتَدَيْنَا ؕ وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا

"خدا کی قسم! اگر اللہ کی توفیق ہمارے شاملِ حال نہ ہوتی تو ہم کبھی ہدایت نہ پاتے اور نہ صدقہ دیتے اور نہ نماز پڑھتے۔"

فَأَنْزِلَنْ سَكِينَةً عَلَيْنَا ؕ وَثَبِّتِ الْأَقْدَامَ إِذْ لَاقَيْنَا

"اے اللہ! ہم پر سکون و اطمینان نازل فرما اور لڑائی کے وقت ہمیں ثابت قدم رکھ۔"

إِنَّ الْأُولَىٰ قَدْ بَغَوْا عَلَيْنَا ؕ إِذَا أَرَادُوا فِتْنَةً أَبَيْنَا

ان لوگوں نے ہم پر بڑا ظلم کیا، یہ لوگ جب بھی ہم کو کسی فتنہ میں مبتلا کرنا چاہتے ہیں تو ہم اس کو کبھی قبول نہیں کرتے۔" (تفسیر عثمانی، سیرۃ النبیؐ ۱۷)

الغرض یہ کہ غزوۂ خندق بھی اسی سازشی قوم کی سازشوں کا نتیجہ تھا، جو اپنی نوعیت کا پہلا اور بڑا سخت تھا، کیونکہ دس ہزار اور بعض کے نزدیک چوبیس ہزار فوج ابوسفیان کی کمان میں مدینہ پر حملہ کے لئے اس نیت سے آئی تھی کہ مسلمانوں کا نام صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جائے، اس فوج میں قریشِ مکہ و عرب کے تمام قبائل اور تمام یہودی شامل تھے، پھر سردی کا موسم تھا، مزید بہت سے صحابہ کئی دن کے فاقہ سے تھے، مگر ان حضرات کے حوصلے صرف اس وجہ سے بلند تھے کہ دونوں جہان کے سردار حضور سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کے ساتھ عام مزدوروں کی طرح خندق کھودنے میں شریک تھے،

خندق کس کے مشورہ سے کھودی گئی؟

آپؐ کو جب یہ معلوم ہوا کہ ابوسفیان کی کمان میں اتنی بڑی تعداد میں دشمن حملہ کرنے کے لئے آرہے ہیں تو آپؐ نے صحابۂ کرام سے مشورہ فرمایا کہ مدینہ میں رہ کر مقابلہ کیا جائے یا مدینہ سے باہر نکل کر؟ حضرت سلمان فارسیؓ نے رائے دی کہ مدینہ کے اردگرد خندق کھود کر مدینہ میں رہتے ہوئے دشمن کا مقابلہ کیا جائے، آپؐ نے حضرت سلمانؓ کی رائے کو پسند فرمایا اور آپ تین ہزار جاں نثار صحابہؓ کو ساتھ لے کر تیار ہو گئے، اور اپنے دستِ مبارک سے خود نشان لگا کر دس دس صحابہ پر دس دس گز زمین کھدائی کے لئے تقسیم کر دی، اور چھ دن میں پانچ گز گہری اور پانچ گز چوڑی اور ساڑھے تین میل لمبی خندق کھود کر مجاہدینِ اسلام نے تیار کر دی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی خندق کی کھدائی میں مصروف رہے، اس سے پہلے آپؐ مسجدِ قبا، اور مسجد نبویؐ کی تعمیر اور اب مسلمانوں کے ساتھ خندق کھودنے میں مصروف رہے، آج اس دنیا میں بڑے سے بڑا کوئی ملک یا مزدوروں کے حقوق دلانے کا نعرہ لگانے والے لیڈر کوئی ایسی ایک مثال بھی پیش کر سکتے ہیں؟

خندق کھودتے وقت صحابہ نے بھوک کی شکایت کی اور پیٹ کھول کر دکھلائے تو ہر ایک کے پیٹ پر ایک ایک پتھر بندھا تھا تاکہ کسی کو بھوکا ہونے کا شبہہ نہ ہو، آپؐ نے اپنا پیٹ کھول کر دکھلایا تو ایک کے بجائے دو پتھر بندھے ہوئے تھے،

○ حضرت جابرؓ کی طرف سے حضورؐ کی دعوت اور کھانے میں برکت؛

حضرت جابرؓ کو جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بھوک کا اندازہ ہوا تو بے قرار ہوگئے، گھر جاکر بیوی کو واقعہ سنایا اور پوچھا گھر میں کچھ کھانا ہے؟ بیوی نے جواب دیا یہ بکری پلی ہوئی کھڑی ہے، اور تین سیر کے قریب جَو کا آٹا ہے، حضرت جابرؓ نے بکری ذبح کی اور کہا تم کھانا تیار کرو میں حضورؐ کو جاکر عرض کرتا ہوں، حضرت جابرؓ نے جاکر عرض کیا، حضورؐ! میں نے آپ کے لئے تھوڑا سا کھانا تیار کرایا ہے، کھانا دو تین آدمیوں کے لائق ہے، چاہیں تو ایک دو حضرات کو ساتھ لے لیں، آپؐ نے دریافت فرمایا، کھانا کتنا ہے؟ حضرت جابرؓ نے کھانے کی مقدار بتلادی کہ اتنا ہے، آپؐ نے فرمایا بہت ہے،

اس کے بعد تمام اہلِ خندق میں اعلان کرادیا کہ جابر کے ہاں سب کی دعوت ہے، اور حضرت جابرؓ سے فرمایا میرے پہنچنے تک ہانڈی چولھے سے مت اتارنا اور میرے آنے پر روٹی پکانا، اس کے بعد آپؐ سب کو ساتھ لے کر جابرؓ کے گھر روانہ ہوئے، حضرت جابرؓ کو اس کی خبر نہ تھی کہ تمام لشکر کی دعوت کر دی ہے، جابرؓ کی نگاہ جب لشکر پر پڑی تو گھبرا گئے کہ اتنا تھوڑا سا کھانا کتنے آدمی کھائیں گے؟ جاکر بیوی سے کہا کہ حضورؐ تو سارے لشکر کو لا رہے ہیں، مجھے تو بڑی شرمندگی ہوگی، سمجھدار بیوی نے دریافت کیا، کیا حضورؐ نے کھانے کی مقدار پوچھی تھی؟ تو حضرت جابرؓ نے اثبات میں جواب دیا، اور کہا میں نے مقدار بھی بتلادی تھی، یہ سُنکر اہلیہ نے کہا تب کوئی فکر کی بات نہیں، اب تو لشکری ہمارے نہیں بلکہ حضورؐ کے مہمان ہیں، آپؐ نے پہونچ کر سالن اور آٹے پر دَم کیا، اور فرمایا اب روٹی پکواؤ، جب روٹی تیار ہوگئی تو فرمایا اب کھلانا شروع کرو، خدا کی قدرت سے وہ چند آدمیوں کا کھانا تقریباً ایک ہزار صحابہؓ نے خوب پیٹ بھر کر کھایا، حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ صحابہ کھا کھا کر جا رہے تھے مگر خدا کی قسم! سالن اور روٹیوں میں کمی نہیں آرہی تھی، اور دونوں چیزیں ویسی ہی نظر آرہی تھیں،

یہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک معجزہ ہے، اس کے علاوہ کھانے میں برکت کے اور بہت سے معجزے ہیں، چونکہ یہ معجزہ غزوۂ خندق کے موقع پر پیش آیا تھا اس لئے یہاں بیان کیا گیا،

پتھر کی چٹان نہ ٹوٹنے پر صحابہ کی شکایت؛

اسی دوران ایک چٹان ایسی نکل آئی کہ کسی سے نہ ٹوٹی، توڑتے توڑتے سب عاجز آگئے، آخر تنگ آکر خدمتِ نبوی میں حاضر ہوکر شکایت کی، آپ کھدائی میں مصروف تھے، اسی حالت میں پھاوڑا لے کر

پہونچے، ایک ہی پھاوڑا مارا تھا کہ چٹان ریزہ ریزہ ہو گئی، یہ آپؐ کا معجزہ تھا، مسلمان خندق کھود کر فارغ ہوئے تو دس ہزار کفار کا لشکر جرار پہونچ گیا،

○ خندق کو دیکھ کر کفار کی حیرانی؛

کفار خندق کو دیکھ کر حیران رہ گئے، کیونکہ ان لوگوں نے اس سے پہلے ایسی خندق نہ دیکھی تھی، یہ فارس کا طریقہ تھا، اس لئے باہر رُک کر مدینہ کا محاصرہ کر لیا، اور یہیں سے سنگباری شروع کر دی، اور سوائے خندق عبور کرنے کے اور تمام حربے استعمال کرنے شروع کر دیئے، کفار کا یہ حملہ بڑا زبردست تھا، کیونکہ یہ تین طرف سے کیا تھا جس سے سارا مدینہ دہل گیا تھا،

اللہ تعالیٰ نے اس بھیانک منظر کا نقشہ اس آیت میں کھینچا ہے:

إِذْ جَاءُوكُمْ مِنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ مِنْكُمْ وَإِذْ زَاغَتِ الْأَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّونَ بِاللَّهِ الظُّنُونَا هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ وَزُلْزِلُوا زِلْزَالًا شَدِيدًا	"جب چڑھ آئے (کفار) تم پر اوپر کی طرف سے اور نیچے سے اور جب کہ آنکھیں کھُل کی کھُلی رہ گئی تھیں، اور کلیجے مُنہ کو آنے لگے تھے اور تم لوگ اللہ پر طرح طرح کے گمان کر رہے تھے، اس موقع پر ایمان والوں کی آزمائش کی گئی اور وہ نہایت سخت سے ہلائے گئے"

حملہ کی شدت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ ایک دن تو ایسا گذرا کہ دن بھر جنگ ہوتی رہی جس کی وجہ سے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) دن بھر مورچہ سے نہ ہٹ سکے، اسی وجہ سے آپؐ کی ظہر، عصر، مغرب، عشاء کی چار نمازیں بھی قضاء ہو گئیں، جس کی وجہ سے آپؐ نے کفار کے حق میں بددعاء فرمائی،

خندق کہاں کھودی گئی تھی؟

یہ خندق اس طرف کھودی گئی تھی جہاں مساجد خمسہ بنی ہوئی ہیں، اور اکثر حاجی حضرات ان کی زیارت کرنے بھی جاتے ہیں، اسی میدان میں ایک مسجد علیحدہ بنی ہوئی ہے، اس کی بارہ سیڑھیاں ہیں، اس کا نام "مسجد احزاب" اور "مسجد الفتح" بھی ہے، غزوۂ خندق کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیر، منگل، بدھ تین روز اس مسجد میں نماز پڑھی اور فتح و نصرت کے لئے دعاء مانگی، اسی لئے اس کو "مسجد الفتح" بھی کہتے ہیں، اس مسجد سے نیچے اُتر کر مسجد سلمان فارسیؓ، مسجد ابوبکرؓ، مسجد عمرؓ، مسجد علیؓ، ان حضرات کے نام سے منسوب پختہ مساجد بنی ہوئی ہیں، غزوۂ خندق کے وقت ان حضرات کے یہاں ڈیرے خیمے لگے ہوئے تھے، اسی میدان میں خندق تھی،

○ حضرت صفیہ کی بہادری،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حفاظت کی وجہ سے عورتوں اور بچوں کو ایک قلعہ میں رکھ دیا تھا، یہ قلعہ

یہود بنی قریظہ کی آبادی سے قریب تھا، اور حضرت حسان بن ثابتؓ کو حفاظت و نگرانی کے لئے بٹھا دیا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی حضرت صفیہ بھی اسی قلعہ میں تھیں، ان کی نگاہ پڑی کہ ایک یہودی قلعہ کے باہر چکر لگا رہا ہے، حضرت صفیہؓ نے حضرت حسانؓ سے کہا دیکھو اس کو روکو اور قلعہ میں داخل ہونے سے پہلے اس کو قتل کر دو، تاکہ دوسرے یہودی اس کا انجام دیکھ کر قلعہ کی طرف رُخ کرنے کی ہمت نہ کریں، حضرت حسانؓ کچھ نرم اور کمزور طبیعت کے تھے، اس لئے حضرت صفیہؓ کی بات سن کر خاموش ہو گئے، اور اس طرف کوئی توجہ نہ دی، مجبوراً حضرت صفیہؓ اٹھیں اور خیمہ کا ایک کھونٹا اکھاڑ کر یہودی کے سر میں ایسا مارا کہ چکرا کر گر پڑا، اور سر پھٹ گیا، حضرت صفیہؓ نے حضرت حسانؓ سے کہا جاؤ اب اس کا سر کاٹ کر قلعہ کے نیچے پھینک دو تاکہ یہودی ڈر جائیں، اور عورتوں کے قلعہ کی طرف رُخ نہ کریں، حضرت حسانؓ میں اتنی ہمت بھی نہ تھی کہ سر کاٹ لائیں، آخر یہ کام بھی حضرت صفیہؓ کو ہی انجام دینا پڑا، یہودی یہ سمجھے معلوم ہوتا ہے اس قلعہ میں عورتوں کی حفاظت کے لئے فوج متعین ہے، اس لئے کسی کو حملہ کی جرأت نہ ہوئی،

○ منافقین کی حیلہ سازیاں؛

تین ہزار مجاہدین اسلام کے ساتھ مدینہ سے شرما شرمی یا حالات کی مجبوری کی وجہ سے منافقین بھی آگئے تھے، جب دیکھا موسم سخت ہے، محاصرہ کی وجہ سے رسد کی آمد بند ہو گئی، اور فاقوں کی نوبت آگئی ہے، اور راتیں جاگ کر گزارنی پڑ رہی ہیں، کفار کا بے پناہ ہجوم نیزوں اور پتھروں کی بارش کر رہا ہے تو گھبرا کر میدان چھوڑ کر بھاگنے کی سوچنے لگے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف حیلے بہانے شروع کر دیئے، قرآن کریم نے اس کا بیان یوں فرمایا:

يَقُولُونَ إِنَّ بُيُوتَنَا عَوْرَةٌ ۛ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۚ إِن يُرِيدُونَ إِلَّا فِرَارًا ۝	"کہتے تھے کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں، حالانکہ وہ ذرا بھی غیر محفوظ نہیں ہیں، یہ محض بھاگنا ہی چاہتے ہیں!!"

یعنی بہانے کرنے لگے کہ ہمارے گھر کھلے پڑے ہیں، کہیں چور ڈاکو گھس کر لوٹ نہ لیں، چنانچہ جو منافق آپ سے واپس جانے کی اجازت مانگتا آپؐ فوراً اجازت دیدیتے، اس طرح تین ہزار میں سے بہت سے منافق بہانے کر کے بھاگ گئے، کہاں دس ہزار مسلح کفار کہاں تین ہزار بلکہ تین ہزار سے بھی کم مسلمان، بس خدا پر بھروسہ اور اسی پر توکل تھا،

○ قریش میں پھوٹ اور مایوسی کے بادل؛

قریش جنہوں نے مدینہ کا محاصرہ کیا تھا خدا نے ان میں پھوٹ ڈال دی، اسی دوران نعیمؓ بن مسعود اشجعی جو قبیلہ غطفان کے رئیس تھے، خاموشی سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا، یا رسول اللہ میں آپ پر ایمان لے آیا ہوں، لیکن میری قوم کو میرے ایمان لانے کی خبر نہیں، اگر اجازت ہو تو میں کوئی تدبیر

ایسی کروں کہ یہ محاصرہ ختم ہو، اس کے بعد نعیم بن مسعودؓ نے ایسی عاقلانہ اور لطیف تدبیر کی کہ مشرکین اور بنو قریظہ میں پھوٹ پڑ گئی، اور بنو قریظہ قریش کی امداد سے کنارہ کش ہو گئے، بنو قریظہ کے کنارہ کش ہونے سے ابو سفیان کی ہمت ٹوٹ گئی، اور قریش سے مخاطب ہو کر بولا، بنو قریظہ کی وعدہ خلافی سے ہم مصیبت میں گرفتار ہو گئے ہیں

○ مسلمانوں کی غیبی امداد؛

دشمنوں کو مدینہ کا محاصرہ کئے ایک مہینہ گذر گیا تو تنگ آ گئے، بنو قریظہ کے علیحدہ ہو جانے سے اور پریشان ہوئے، کھانے پینے کا سامان ختم ہونا شروع ہو گیا، مزید پریشانی یہ کہ سخت سردی اور ناقابلِ برداشت، اس پر قدرت کی طرف سے ہوا کا طوفانی عذاب، جس سے ابو سفیان اور تمام قافلہ والوں کی ہمتوں نے جواب دیدیا، یہ اللہ کی طرف سے مسلمانوں کی غیبی امداد اور انعام تھا، جس کو قرآن پاک میں فرمایا گیا،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَاءَتْكُمْ جُنُودٌ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا وَجُنُودًا لَمْ تَرَوْهَا وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا ۝ (پ ۲۱، ع ۱۸)	اے ایمان والو! اللہ کے اُس احسان کو یاد کرو، جو اس نے تم پر اس وقت کیا تھا جب تم پر بہت سے لشکر چڑھ آئے تھے، پھر ہم نے تمہاری ان مخالف فوجوں پر ایک آندھی بھیجی اور ایسی فوجیں بھیجیں جن کو تم نے نہیں دیکھا، اور جو کچھ تم کر رہے تھے اللہ تعالیٰ سب دیکھ رہا تھا۔ (کنز الرحمٰن)

ابو سفیان پہلے ہی ہمت چھوڑ بیٹھا تھا، اُدھر ذیقعدہ کا مہینہ آ گیا، جسے تمام اہل عرب محترم مانتے تھے کہ اسی دوران اللہ تعالیٰ کے حکم سے طوفانی آندھی سے کفار کے خیمے اُکھڑ کر گرنے شروع ہو گئے، ریت کے ذرات اُڑ کر آنکھوں میں پڑنے لگے، چھوٹے چھوٹے پتھر اُڑ کر تڑا تڑ لگنے لگے، چولھے بجھ گئے، پکانے کے برتن اِدھر اُدھر لڑھکنے لگے، غرض اس بھیانک منظر سے سب کافر خوف زدہ ہو گئے، ابو سفیان نے گھبرا کر اعلان کرا دیا کہ اب یہاں ٹھیرے رہنا دیکھتی آنکھوں موت کے مُنہ میں جانا ہے، اور رات کی رات تمام کفار میدان چھوڑ بھاگے، اور خدا نے مجاہدین اسلام اور اہل مدینہ کو ان کے شر سے محفوظ رکھا،

سنہ ۶ ہجری
کے
چند اہم واقعات

① رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمرہ پر روانگی، ② کفار کی طرف سے رکاوٹ،
③ کفار کا حضرت عثمانؓ کو مکہ میں روک لینا، ④ بیعتِ رضوان،
⑤ صلحِ حدیبیہ، مسلمانوں کی فتحِ مبین، ⑥ سربراہانِ عرب و عجم کو دعوتِ اسلام کے خطوط،

○ عمرہ پر روانگی ——— ذیقعدہ سنہ ۶ھ

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں ایک خواب دیکھا کہ ہم نے مکہ معظمہ جاکر عمرہ ادا کیا، اس خواب کے متعلق قرآن پاک میں فرمایا گیا:

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ لَا تَخَافُوْنَ ط (پ ۲۶، ع ۱۲، سورۃ الفتح)

"بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو سچا خواب دکھلایا جو واقع کے مطابق ہے، کہ تم ضرور مسجدِ حرام میں انشاء اللہ امن و امان کے ساتھ داخل ہوگے، اپنے سر منڈواتے اور بال کتراتے ہوگے اور تمہیں کسی طرح کا خوف نہ ہوگا"

اس خواب میں کسی وقت اور مدت کی تعیین نہ تھی، مگر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کو بیت اللہ کی زیارت اور جدائی کو چھ سال گذر گئے تھے، اس لئے صحابہ یہ خواب سُنکر بے تاب ہوگئے اور عمرہ کی تیاریاں شروع کردیں، حتیٰ کہ یکم ذیقعدہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تقریباً پندرہ سو صحابہ کو لے کر عمرہ کے لئے روانہ ہوگئے، ذوالحلیفہ پہونچ کر آپؐ نے اور صحابہؓ نے عمرہ کا احرام باندھ لیا،

○ قریش کی گھبراہٹ و رکاوٹ؛

قریش کو جب معلوم ہوا تو بڑے گھبرائے، اور مشورہ کیا کہ کس طرح آپؐ کو مکہ میں داخلہ سے روکا جائے، آخر فیصلہ کرلیا کہ چاہے ہماری گردنیں کٹ جائیں، خون کی ندیاں بہہ جائیں ہم مسلمانوں کو مکہ میں کسی بھی قیمت پر داخل

نہ ہونے دیں گے، حالانکہ ان کے ہاں کا قاعدہ یہ تھا کہ حج و عمرہ سے دشمن کو بھی نہیں روکتے تھے، اور ذیقعدہ کے مہینہ کا احترام بھی کرتے تھے، مگر یہاں تمام قاعدوں اور حرمت و احترام کو بالائے طاق رکھ دیا، اور مسلمانوں کو روکنے کے لئے خالد بن ولید (جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے) کی سربراہی میں دو سو کفار جن میں ابوجہل کا بیٹا عکرمہ بھی تھا روانہ ہو گئے،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب معلوم ہوا تو آپ راستہ بدل کر پہاڑی راستوں سے نکلتے ہوئے مقام "حدیبیہ" پہونچ گئے، آپ کی ناقہ "قصوا" چلتے چلتے "حدیبیہ" پہونچ کر بیٹھ گئی، اور کوشش بسیار کے باوجود اٹھنے کا نام نہ لیا، اس وقت آپ نے فرمایا "حَبَسَهَا حَابِسُ الْفِيلِ" (اونٹنی کو ہاتھیوں کے روکنے والے نے روک دیا) یہ واقعہ اصحاب فیل کی طرف اشارہ ہے، "حدیبیہ" مکہ معظمہ سے تقریباً دس میل کے فاصلہ پر ایک کنوئیں کا نام ہے، اسی مناسبت سے تاریخوں میں اس جگہ کا نام "حدیبیہ" آتا ہے، اور آجکل اس کو "شمیسیہ" کہتے ہیں،

○ حدیبیہ میں معجزہ کا ظہور؛

حدیبیہ میں پانی پہلے ہی کم تھا، ایک کنواں تھا، اس میں جو تھوڑا سا پانی تھا وہ بھی ختم ہو گیا، صحابہ کرام نے شکایت کی کہ نہ وضو کے لئے پانی ہے نہ پینے کے لئے، آپ کے پاس ایک لوٹے میں پانی تھا جس سے آپ نے وضو کر لیا تھا، آپ نے اپنا دستِ مبارک اس لوٹے میں رکھ دیا تو آپ کی انگلیوں سے فوارہ کی طرح پانی بہنے لگا، اور پندرہ سو آدمیوں نے فراخی سے اپنی ضروریات پوری کیں، موسیٰ علیہ السلام نے پتھر پر عصا مارا تو بارہ چشمے نکلے تھے، ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں سے پانی کے فوارے چھوٹ گئے،

○ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر ایک لاکھ آدمی بھی ہوتے تب بھی پانی میں کمی نہ ہوتی، (بخاری و مسلم)

بہرحال آپ کے پندرہ سو صحابہ کے ساتھ احرام باندھے ہوئے حدیبیہ پہونچنے کی خبر سے قریش بڑے گھبرائے اور حالات کا پتہ چلانے کے لئے مختلف لوگ بھیجے، ان میں ایک شخص عروہ بن مسعود ثقفی بھی تھا،

عروہ وہاں صحابہ کی جاں نثاری اور اطاعت و عظمتِ رسول کا منظر دیکھ کر حیران رہ گیا، کہ آپ کے اعضاء وضو کا پانی زمین پر گرنے سے پہلے متبرک سمجھ کر ہاتھوں پر لے لیتے ہیں، اور سینہ و آنکھوں میں مل لیتے ہیں، اگر کوئی آدمی اس سے محروم رہ جاتا ہے تو دوسرے آدمی کے ہاتھوں کی تری پر اپنا ہاتھ پھیر کر اس سے اپنی آنکھوں اور دل کو ٹھنڈا کر لیتا ہے، یہ حالت دیکھ کر عروہ واپس مکہ آ گیا، اور قریش سے اپنے تاثرات اس طرح بیان کئے:

○ عروہ بن مسعود ثقفی کے تاثرات؛

عروہ نے مکہ پہنچ کر اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے کہا:

"اے اہل مکہ! میں نے بڑے بڑے بادشاہوں، قیصر و کسریٰ و نجاشی کے درباروں کی حالت

دیکھی ہے، مگر جو رنگ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ ان کے ساتھیوں کا دیکھا ہے ویسا میری آنکھوں نے کہیں نہیں دیکھا، میں نے دیکھا کہ محمدؐ کے منہ کا دھوون ان کے صحابہ نے لڑلڑ کر آپس میں تقسیم کیا اور کسی کو قطرہ نصیب نہیں ہوا تو دوسرے کے تر ہاتھوں کو چھو کر نمی سے اپنی آنکھوں اور سینہ کو مل لیا، ایسی تابعدار جماعت جس کی یہ حالت ہو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے بلند آواز سے بات نہ کرے اور زبان سے حکم نکلتے ہی ہر شخص اس طرح جھپٹ پڑے کہ تعمیل کو عزت اور کارنامہ سمجھے، ایسی جماعت تمہارے روکے رُک نہیں سکتی" (سیرۃ النبیؐ، تاریخ اسلام میرٹھی)

○ بیعتِ رضوان؛ ——— ذیقعدہ ۶ھ

"حدیبیہ" سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان غنیؓ کو مکہ بھیجا کہ قریش سے جاکر یہ بات کہہ دیں کہ ہمارا مقصد کسی سے جنگ کرنا نہیں، ہم تو صرف "عمرہ" کرنے آئے ہیں، اس سے فارغ ہو کر واپس مدینہ چلے جائیں گے، قریش نے حضرت عثمانؓ کو جواب دیا کہ تم چاہو تو خانۂ کعبہ کا طواف کرلو، مگر ہم محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اجازت ہرگز ہرگز نہ دیں گے، حضرت عثمانؓ نے جواب دیا میں حضورؐ کو چھوڑ کر طواف نہیں کرسکتا، (ابن ہشام)

آخر کفار نے آپ کو نظر بند کر دیا، اور مشہور یہ ہو گیا کہ آپ کو قتل کر دیا، اس خبر سے آپ کو تشویش ہوئی اور فرمایا میں قریش کو اس جرم کی سزا دیئے بغیر خاموش نہیں بیٹھوں گا، اس کے بعد آپؐ نے ببول (کیکر) کے ایک درخت کے نیچے صحابۂ کرام سے بیعت لی، "یہ ہاتھ عثمان کی جگہ ہے اور یہ بیعت عثمان سے بیعت ہے" اور یہ وعدہ لیا کہ اگر عثمان کے قتل کی خبر صحیح نکلی تو ہم کفار سے بدلہ لئے بغیر چین سے نہ بیٹھیں گے، کفار کو جب اس بیعت کا علم ہوا تو گھبرا کر حضرت عثمانؓ کو چھوڑ دیا، قرآن کریم میں اس بیعت کو "بیعتِ رضوان" فرمایا گیا ہے اور بیعت کرنے والے حضرات کی ان الفاظ میں تعریف فرمائی گئی ہے،

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ،	"بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان مسلمانوں سے راضی ہوا جبکہ وہ ایک درخت کے نیچے آپؐ سے بیعت کر رہے تھے"

صلح حدیبیہ ذیقعدہ ۶ھ مسلمانوں کی فتح،

صلح حدیبیہ فتح مکہ کی تمہید ہے!

قریش اس سے پہلے عروہ بن مسعود ثقفی اور دوسرے کفار کو بھیج کر آپؐ کے حالات معلوم کرا چکے تھے، اس لئے پہلے سے گھبرائے ہوئے تھے، اب بیعتِ رضوان کا سنکر پاؤں تلے سے زمین ہی نکل گئی، اور حضرت عثمانؓ کو چھوڑ دینے میں ہی اپنی عافیت سمجھی، اور فیصلہ کیا اب آپؐ سے صلح کر لینا ہی اچھا ہے، اس لئے اپنے مشہور خطیب سہیل بن عمرو

کر بھیجا کہ صلح کا کوئی راستہ نکالے، مگر صلح کی صورت میں یہ شرط ضرور ہونی چاہئے کہ اس سال حدیبیہ سے ہی واپس چلے جائیں،

مسلمانوں کی فتح؛

غور سے دیکھا جائے اور ابتداءِ اسلام سے واقعۂ حدیبیہ تک اگر قریش کی تاریخ پر ایک نظر ڈالی جائے تو یہ پہلا موقع ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح میں عافیت سمجھی، ورنہ اس سے پہلے تو ان کا ہر قدم پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کو ختم کرنے کے لئے اٹھتا تھا، اس لئے قریش کا صلح کی کوشش کرنا یہ مسلمانوں کی فتح ہوئی، اُدھر حضورؐ کو بھی اب حکمِ خداوندی مل چکا تھا کہ اب اسلام کی ترقی کا راستہ کفار سے صلح ہی پر موقوف ہے، اس لئے گفت و شنید کے بعد معاہدۂ صلح لکھنے کا فیصلہ ہو گیا، آپؐ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے معاہدہ لکھنے کو فرمایا اور فرمایا: پہلے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ لکھو، سہیل نے کہا ہم بسم اللہ الخ نہیں جانتے، آپؐ بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ لکھوائیں، اس کے بعد آپؐ نے فرمایا: لکھو من محمد رسول اللہ، یعنی یہ معاہدہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے ہے، سہیل نے پھر اعتراض کیا اگر ہم آپؐ کو اللہ کا رسول مانتے تو جھگڑا ہی کیا تھا، یہی تو بنائے فساد ہے، اس اعتراض کے بعد آپؐ نے فرمایا اچھا یوں لکھو "من محمد بن عبد اللہ" (مسلم شریف)

پھر آپؐ نے حضرت علیؓ سے فرمایا، "رسول اللہ" کے الفاظ مٹا دو، مگر حضرت علیؓ نے کہا، یا رسول اللہؐ میرے میں اتنی ہمت نہیں کہ میں ان الفاظ کو مٹانے کی جرأت کروں، آپؐ نے کفار کے نمائندہ سہیل کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا:

"خدا کی قسم! میں اللہ کا سچا رسول ہوں اگرچہ تم تکذیب کرتے رہو" پھر آپؐ نے حضرت علیؓ سے فرمایا، لاؤ مجھے وہ جگہ دکھلاؤ جہاں تم نے "رسول اللہ" لکھا ہے، حضرت علیؓ نے بتلایا، آپؐ نے اپنے دستِ مبارک سے خود مٹا دیا، اور فرمایا: علی اب لکھو "محمد بن عبد اللہ"۔

اس ردّ و کد کے بعد مندرجہ ذیل شرائط عہد نامۂ صلح میں لکھی گئیں:۔

① یہ معاہدہ دس سال کے لئے ہے، جس پر فریقین کاربند رہیں گے،

② اس سال مسلمان حدیبیہ سے ہی واپس چلے جائیں،

③ آئندہ سال صرف تین دن کے لئے زیارت کے لئے آسکتے ہیں،

④ مسلح ہو کر یعنی ہتھیار لگا کر نہ آئیں، البتہ عرب کے دستور کے مطابق مسافروں کی طرح میان میں تلوار لے کر آسکتے ہیں،

⑤ اس معاہدہ کے بعد مکہ کا اگر کوئی باشندہ خواہ وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہو مدینہ چلا جائے گا تو مسلمانوں کو واپس

کہ بھیجنا ہوگا، اور اگر مدینہ کا کوئی باشندہ مکہ آجائے گا تو قریش اس کو واپس نہ کریں گے،

⑥ ہر قبیلہ آزاد ہوگا چاہے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ رہے چاہے قریش کے ساتھ،

○ شرائطِ صلح سے مسلمانوں کو صدمہ؛

صلح نامہ کی شرائط پڑھنے سے ہر مسلمان کہتا ہے کہ یہ شرائط تو ایسی ہیں جن سے کفار کی فتح اور مسلمانوں کی کمزوری معلوم ہوتی ہے، چنانچہ صلح کے وقت صحابہ کرام کو بھی تشویش ہوئی،

چنانچہ حضرت عمر فاروقؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جذبات سے بے قابو ہو کر عرض کیا، یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آپ اللہ کے برحق اور سچے نبی نہیں؟ آپؐ نے فرمایا، بلاشبہہ میں اللہ کا سچا اور برحق نبی ہوں، پھر حضرت عمرؓ نے عرض کیا، یا رسول اللہ! کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟ آپؐ نے فرمایا بلاشبہہ ہم حق پر ہیں، اس پر حضرت عمرؓ نے پھر کہا، پھر یہ ذلت آمیز معاہدہ کیوں کریں؟ آپؐ نے فرمایا میں اللہ کا نبی ہوں، میں اس کے حکم کے خلاف کوئی کام نہیں کر سکتا،

بہرحال حضرت عمرؓ کے یہ جذبات اسلام اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت کا اظہار ہیں، اور یہ جذبات صرف ان ہی کے نہیں بلکہ اور بہت سے مسلمانوں کے بھی تھے، جیسا کہ شرائط صلح مکمل ہونے کے بعد ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ نے حضورؐ سے عرض کیا، یا رسول اللہ! یہ صلح مسلمانوں پر بہت شاق گذر رہی ہے اور مسلمان بڑے افسردہ ہیں،

○ حضرت عمر کا اعترافِ بے ادبی؛

اگرچہ حضرت عمرؓ نے یہ سب باتیں اسلام اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جوشِ محبت میں سرزد ہوئی تھیں، لیکن آپ کو اس حرکت پر بڑا صدمہ ہوا، اور اس کے کفارہ کے لئے انھوں نے نمازیں پڑھیں، روزے رکھے، خیرات کی، غلام آزاد کئے، (سیرۃ النبیؐ ج ۱)

○ صلحِ حدیبیہ، فتحِ مبین؛

ظاہر بین نگاہیں صلح حدیبیہ کو اپنی کمزوری سمجھ رہی تھیں، لیکن قرآن نے اس کو فتح مبین فرمایا:

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ـــــــــــ "اے پیغمبرؐ ہم نے آپ کو ایک صاف اور کھلی فتح دی ہے"

جب یہ آیتِ فتح نازل ہوئی تو صحابہ کو تعجب ہوا اور دریافت کرنے لگے یا رسول اللہ! کیا یہ فتح ہے؟ آپؐ نے جواب دیا، ہاں بڑی فتح ہے، کیونکہ جو قوم آپ سے بات کرنا بھی گوارا نہ کرتی تھی اب وہ بیعتِ رضوان کا سنکر ایسی گھبرائی کہ اب صلح کرنے میں ہی اپنی عافیت سمجھی، اور ان کے غرور کا بت پاش پاش ہو گیا،

چنانچہ اس صلح کے بعد کافروں اور مسلمانوں کو بے تکلفی سے ملنے جلنے کا موقع ملا، کفار مسلمانوں سے اسلام

کی باتیں سنتے اور ان مقدس مسلمانوں کے حالات و معاملات بچشم خود دیکھتے تو خود بخود ان کے دل اسلام کی طرف کھنچتے، نتیجہ یہ ہوا کہ صلح حدیبیہ سے فتح مکہ تک تقریباً دو سال کی قلیل مدت میں اتنی کثرت سے کفار مشرف باسلام ہوئے کہ کبھی نہ ہوئے تھے، حدیبیہ میں آپؐ کے ساتھ صرف ڈیڑھ ہزار جانباز تھے، لیکن فتح مکہ کے وقت دس ہزار کا لشکر جرار آپؐ کے ساتھ تھا، گویا "صلح حدیبیہ" اسلام کی ترقی کی بنیاد تھی،

صلح کے بعد آپؐ نے اور صحابہ کرام نے قربانی کر کے سر منڈا کر احرام کھول دیئے، چونکہ اس معاہدہ سے مسلمان شکستہ دل تھے، آپؐ نے جب قربانی کر کے احرام کھولنے کو فرمایا تو صحابہ خاموش رہے، اور حکم نبویؐ سنکر پس و پیش میں پڑ گئے، آپؐ نے ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ سے کہا اور صحابہ کرام کے پس و پیش کا بتلایا تو ام المؤمنینؓ نے کہا اس صلح سے مسلمان شکستہ خاطر اور افسردہ ہیں، اس لئے آپؐ ان سے کچھ کہنے کی بجائے اپنی طرف سے پہلے قربانی کر کے حلق کرا دیں، پھر یہ حضرات خود بخود آپؐ کا اتباع کرنے کو اپنی سعادت سمجھیں گے، آپؐ نے ایسا ہی کیا، آپؐ کو دیکھتے ہی صحابہ ایک دوسرے سے سبقت کرنے کی کوشش میں لگ گئے، معاہدہ کے بعد آپؐ حدیبیہ میں کچھ دن ٹھیر کر مدینہ واپس تشریف لے آئے،

سربراہانِ عرب و عجم کو دعوتِ اسلام کے خطوط،

اخیر ۶ھ یا... اوّل ۷ھ

صلح حدیبیہ کے بعد آپؐ کے مدینہ منورہ پہنچتے ہی صلح کے اثرات ظاہر ہونے شروع ہو گئے، لوگوں کے دلوں سے خوف و ہراس دور ہونا شروع ہوا، راستوں میں امن و امان کی وجہ سے لوگوں نے ادھر اُدھر ایک دوسرے کے ہاں آنا جانا شروع کیا، تو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے محسوس کیا کہ اب وقت آگیا ہے کہ سربراہان مملکت اور شیوخ کو دعوتِ اسلام دی جائے، اس لئے آپؐ نے ۶ھ کے ماہ ذی الحجہ میں خطوط لکھوانے شروع کئے، اور تیاری میں ۶ھ ختم ہو گیا اور محرم الحرام ۷ھ سے خطوط بھجوانے کا سلسلہ شروع فرمایا،

اسی لئے بعض اہل سیر نے اس واقعہ کو ۷ھ کے ضمن میں بیان کیا ہے، اُس زمانہ میں اور آج کے ہمارے زمانہ میں بھی دستور رہا ہے کہ جس خط پر بھیجنے والے کا نام یا حاکم وقت کی مہر نہ ہو تو وہ جعلی یا غیر معتبر سمجھا جاتا ہے، اس لئے آپؐ نے دعوت ناموں پر لگانے کے لئے چاندی کی مُہر بنوائی، یہ مُہر تین سطروں میں اس طرح کندہ تھی: نیچے "محمدؐ" درمیان میں "رسول" اوپر "اللہ" (بخاری و مسلم)

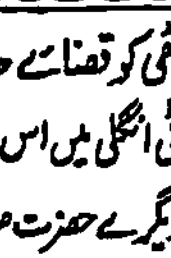

آپؐ نے ان خطوط پر یہی مہر لگائی تھی، آپؐ اس انگوٹھی کو قضائے حاجت کے وقت اُتار کر رکھ دیا کرتے تھے، ورنہ اکثر اوقات سیدھے ہاتھ کی چھوٹی انگلی میں اس طرح پہنے رہتے تھے کہ نگینہ ہتھیلی کی جانب رہتا تھا، آپؐ کے وصال کے بعد یکے بعد دیگرے حضرت صدیقؓ و فاروقؓ و ذوالنورینؓ خلفاءِ ثلاثہ کے ہاتھ میں رہی، آخر خلافتِ عثمانی کے چھٹے سال جب کہ حضرت عثمان چاہِ اریس پر بیٹھے ہوئے انگلی سے نکال کر اس کو ہاتھ میں اُچھال رہے تھے کنویں میں گر گئی، اور ہر چند کہ سارا پانی نکلوا دیا گیا مگر نہ ملنی تھی نہ ملی، اس مبارک انگشتری کے گم ہونے سے جس میں سلیمانی انگشتری کی خاصیت تھی آخر سلطنتِ اسلامی میں اختلال کا دروازہ کھلا اور سوئے ہوئے فتنے ایسے جاگے کہ اس کا نتیجہ آج ہماری آنکھوں کے سامنے ہے (تاریخ اسلام میرٹھی)

جب خطوط کی تیاری مکمل ہو گئی تو آپؐ نے صحابہ کرام کو جمع کر کے یہ خطبہ دیا:

"اَیُّھَا النَّاسُ! اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے مجھے تمام دنیا کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے، دیکھو! عیسیٰ علیہ السلام کے حواریین کی طرح اختلاف نہ کرنا، کہ اگر قریب جانے کو کہا تو تیار ہو گئے، اور دور جانے کو کہا تو زمین پر بوجھ بن کر بیٹھ گئے"، (سیرۃ النبیؐ ج ۱)

آپؐ نے جن شیوخ و سربراہوں کو خطوط لکھے ان میں سے چند نام یہ ہیں:-

نمبر	نام سربراہ	نام پیغامبر
۱	ہرقل قیصر روم	حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ
۲	جریج بن مینا مقوقس شاہِ مصر	حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ
۳	خسرو پرویز کسریٰ (فارس) ایران و افغانستان	حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ
۴	اصحمہ، نجاشی، شاہِ حبشہ	حضرت عمرو بن اُمیہ ضمیری رضی اللہ عنہ
۵	منذر بن ساویٰ شاہ بحرین	حضرت علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ
۶	ہوذۃ بن علی شاہِ یمامہ	حضرت سلیط بن عمرو انصاری رضی اللہ عنہ
۷	حارث بن شمر غسانی امیر بلقاء دمشق	حضرت شجاع بن وہب رضی اللہ عنہ
۸	جعفر و عبداللہ ابناء جلندری شاہانِ عمان	حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ

(نور البصر فی سیرۃ خیر البشرؐ)

فرمان والاشان حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم بنام سلطان مقوقس مصر

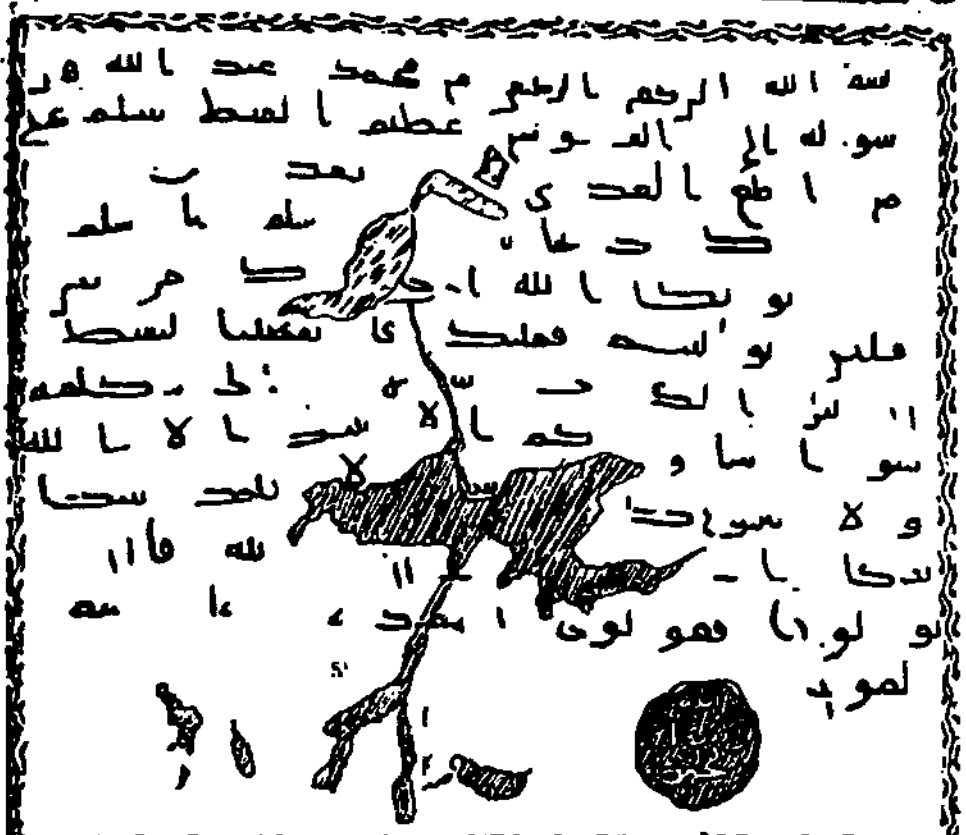

بسم اللہ الرحمن الرحیم من محمد عبد اللہ ورسولہ الی المقوقس عظیم القبط سلام علی من اتبع الھدیٰ۔ اما بعد فانی ادعوک بدعایۃ الاسلام اسلم تسلم یؤتک اللہ اجرک مرتین فان تولیت فعلیک مایتبع القبط یا اھل الکتاب تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا وبینکم الا نعبد الا اللہ ولا نشرک بہ شیئا ولا یتخذ بعضنا بعضا ارباباً من دون اللہ فان تولوا فقولوا اشھدوا بانا مسلمون ؎ نامۂ مبارک کے بعض الفاظ اس سے کچھ مختلف ہیں جو کتب سیر میں درج ہیں روایۃ بالمعنیٰ ہیں مفہوم برقرار رہتے ہوئے الفاظ میں یسیر تغیر ہو جانا مستبعد نہیں ؎

نامۂ مبارک کی سند یہ مبارک خط ایک فرانسیسی سیاح نے مصر کے شہروں میں سے اسکندریہ کے گرجا میں ایک قبطی راہب کے پاس سے خریدا تھا اور سلطان عبدالمجید خاں والی دولت عثمانیہ کی خدمت میں اسے لیکر حاضر ہوا اور ہدیۃً پیش کیا سلطان مرحوم نے اسے حفاظت سے دیگر تبرکات نبویہؐ کے ساتھ قسطنطنیہ میں رکھنے کا حکم صادر فرمایا۔ خوش قسمتی سے اس کا عکس ہندوستان میں بھی پہنچ گیا

سربراہوں میں سے بحرین اور عمان کے بادشاہ نے اسلام قبول کیا، ان کے علاوہ ہرقل قیصرِ روم نے آپؐ کے نبی ہونے کا تو اعتراف کیا لیکن سلطنت چھن جانے اور رعایا کے برگشتہ ہوجانے کے خوف سے اسلام قبول نہیں کیا، شاہِ مصر کے پاس جب آپؐ کا نامۂ مبارک پہنچا تو اس کو بڑی عزت و احترام کے ساتھ ہاتھی دانت کے ڈبہ میں رکھ کر مہر لگوا کر برکت کے لئے خزانہ میں رکھوا دیا، مگر اسلام قبول کرنے کے بجائے جواب دیا کہ میں اس دعوت پر غور کر کے جواب دوں گا،

لیکن اس کی عقیدت کا اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اس نے آپؐ کی خدمت میں چند تحفے بھیجے، ان میں ایک گھوڑا جس کا نام دُلدُل تھا، اخیر میں یہ حضرت علیؓ کی سواری کے کام آتا تھا، اور حضرت ماریہ قبطیہؓ جن سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے، ان کے علاوہ کچھ اور چیزیں بھی ہدیہ میں بھیجی تھیں،

○ ان خوش قسمت اسلام لانے والے سربراہوں میں ایک خوش قسمت نجاشی شاہِ حبشہ بھی تھا جس کا نام اصحمہ تھا جس نے ۵ھ نبوی میں مسلمان مہاجرین کو اپنے ملک میں پناہ دی تھی، اس نے مشرکینِ مکہ کی شکایت پر مسلمانوں کو اپنے دربار میں بلا کر حالات معلوم کئے تھے، رجب ۹ھ میں اس کی وفات ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی آپؐ کو اطلاع دی، آپؐ نے اس کی نمازِ جنازہ پڑھی، آپؐ نے اس کو ایک خط میں لکھا کہ اُن مہاجرین کو بھیجدیں جو حبشہ میں قیام پذیر ہیں، اور ایک خط میں لکھا کہ حضرت اُم حبیبہؓ کا عقد مجھ سے کردیں، نجاشی نے دونوں باتوں کی تعمیل کی، مہاجرین کی تمام ضروریات اور سامانِ سفر تیار کر کے دو کشتیوں میں سوار کر کے روانہ کر دیا، اور حضرت اُم حبیبہؓ کا نکاح آپؐ سے کر دیا، اور چار سو دینار مہر اپنے پاس سے ادا کر دیا،

سیرۃ النبیؐ ج ۱ میں ہے:

جو لوگ ہجرت کر کے حبش چلے گئے تھے اُن میں حضرت اُم حبیبہؓ (بنت ابی سفیان) حضرت امیر معاویہؓ کی بہن تھیں، ان کے شوہر کا انتقال ہو چکا تھا، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی کو لکھ بھیجا کہ اُم حبیبہؓ کو شادی کا پیغام سُنا دو، اور میرے پاس بھیجدو، نجاشی نے خالد بن سعیدؓ بن العاص کو مقرر کیا، انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایجاب و قبول ادا کیا، نجاشی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مہر ادا کیا جس کی مقدار چار سو اشرفیاں تھیں، نکاح کے بعد حضرت اُم حبیبہؓ جہاز میں بیٹھ کر روانہ ہو کر مدینہ پہونچیں، اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خیبر میں تشریف رکھتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکثر نجاشی کے حالات حضرت اُم حبیبہؓ سے پوچھا کرتے تھے (سیرۃ النبیؐ ج ۱ بحوالہ تاریخ طبری)

آپؐ نے ہر سربراہ اور شیخ کو علیحدہ علیحدہ خطوط لکھے تھے، ہم یہاں صرف دو نامۂ مبارک درج کرتے ہیں، ایک سلطان مقوقس والیِ مصر کے نام (نامہ مبارک کے اصل کاغذ جس کی تاریخ بھی ساتھ درج ہے) دوسرا قیصرِ روم کے نام،

پیغمبرِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ مبارک

قیصرِ روم ہرقل کے نام

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

مِنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ اِلٰى هِرَقْلَ عَظِيْمِ الرُّوْمِ

سَلَامٌ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى، اَمَّا بَعْدُ فَاِنِّيْ اَدْعُوْكَ بِدِعَايَةِ الْاِسْلَامِ اَسْلِمْ تَسْلَمْ يُؤْتِكَ اللّٰهُ اَجْرَكَ مَرَّتَيْنِ فَاِنْ تَوَلَّيْتَ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ اِثْمُ الْاَرِيْسِيِّيْنَ قُلْ يَاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَنْ لَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۝

ترجمہ:۔ "یہ خط محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے ہرقل شاہِ روم کے نام ہے، جو روم کا بڑا ہے، اس پر سلام ہو جو ہدایت کا اتباع کرے، حمدِ خدا کے بعد (اے ہرقل) میں تجھے اسلام کی دعوت دیتا ہوں، اگر تو نے اسلام قبول کر لیا تو تُو سلامت رہے گا، اور اللہ تعالیٰ تجھ کو دُگنا اجر عطاء فرمائے گا (یعنی ایک اجر عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کا اور دوسرا اجر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان لانے کا) اور اگر تو نے اسلام قبول نہ کیا تو تیری ساری رعایا کا وبال تیری گردن پر رہے گا، اے اہلِ کتاب! اس کلمہ کی طرف آجاؤ جو ہمارے اور تمھارے درمیان مشترک ہے، وہ یہ کہ ہم تم سوائے خدا کے اور کسی کو نہ پوجیں، اور نہ کسی کو اس کا شریک بنائیں، اور تم اگر نہیں مانتے تو تم گواہ رہو کہ ہم خدا کے ہی فرمانبردار ہیں"

قیصر روم ہرقل نے یہ خط سُنکر دریافت کیا کیا آجکل عرب یعنی حجاز کا کوئی شخص ہمارے ملک میں آیا ہوا ہے؟ اگر آیا ہوا ہو تو پتہ چلائیں، تاکہ جس نبی نے یہ خط بھیجا ہے اس کے حالات معلوم کئے جائیں، تلاش کے بعد پتہ چلا ابوسفیان کی سربراہی میں ایک قافلہ آیا ہوا ہے، اس کے بعد ان کو دربار میں بلایا گیا اور قیصر و ابوسفیان کے درمیان جو گفتگو ہوئی وہ یوں بیان کی گئی ہے:

یہ گفتگو اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں:۔

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق قیصرِ روم کے ابوسفیانؓ سے سوالات وجوابات

(۱) قیصر:۔ جس شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے کیا وہ تمہارا عزیز ہے؟

ابوسفیان:۔ جی ہاں،

(۲) قیصر:۔ دعوائے نبوت کرنے والا کیسے خاندان کا ہے؟

ابوسفیان:۔ قریش کے سب سے معزز خاندان کا فرد ہے جو سب سے شریف خاندان ہے،

(۳) قیصر:۔ اس نبی کے خاندان میں کوئی بادشاہ بھی ہوا ہے؟

ابوسفیان:۔ نہیں،

(۴) قیصر:۔ اس کا مذہب قبول کرنے والے غریب لوگ ہیں یا امیر اور روسا؟

ابوسفیان:۔ کمزور اور غریب لوگ زیادہ ہیں،

(۵) قیصر:۔ اس کے ماننے والے گھٹ رہے ہیں یا بڑھتے جارہے ہیں؟

ابوسفیان:۔ دن رات تعداد بڑھتی جارہی ہے،

(۶) قیصر:۔ اس کے حلقہ میں داخل ہونے کے بعد کوئی مرتد بھی ہوا ہے؟

ابوسفیان:۔ آج تک ایک شخص بھی مرتد نہیں ہوا،

(۷) قیصر:۔ اس کے دعوائے نبوت سے پہلے تم لوگ اس کو کیسا جانتے اور سمجھتے تھے؟

ابوسفیان:۔ ہم لوگ متفقہ طور پر اس کو صادق وامین جانتے تھے،

(۸) قیصر:۔ کیا تم لوگوں کی کبھی اس سے جنگ بھی ہوئی ہے؟

ابوسفیان:۔ ہاں،

(۹) قیصر:۔ جنگ کا نتیجہ کیا رہا؟

ابوسفیان:۔ کبھی وہ غالب کبھی ہم غالب،

(۱۰) قیصر:۔ کبھی اس نبی نے وعدہ خلافی بھی کی ہے؟

ابوسفیان:۔ ہم نے آج تک اس سے کوئی وعدہ خلافی کی بات نہیں دیکھی، البتہ آجکل ہمارے اور اس کے درمیان ایک نیا معاہدہ (حدیبیہ) ہوا ہے، دیکھتے ہیں اس معاہدہ کا کتنا پاس کرتے ہیں!

(ابو سفیان نے کہا کہ قیصر کے تمام سوالات کے جوابات میں تو مجھے کوئی بات بڑھا چڑھا کر کہنے کا موقع نہ ملا مگر اس جواب میں بڑھانے چڑھانے کا موقع مل گیا، مگر قیصر نے میری اس بات پر ذرا سی توجہ بھی نہ دی،

قیصر:- وہ نبی کیا کہتا ہے، یعنی کیا تعلیم دیتا ہے؟

ابو سفیان:- وہ کہتا ہے، خدا کو ایک مانو، اسی کی عبادت کرو، اس کا کسی کو شریک نہ بناؤ، بت پرستی چھوڑ دو، نماز پڑھو، زکوٰۃ دیا کرو، صلۂ رحمی یعنی رشتہ داروں کا حق ادا کرو،

اس گفتگو کے بعد قیصر نے کہا، اے ابو سفیان جو باتیں تو نے بتلائیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نبی برحق ہیں، کیونکہ انبیائے بنی اسرائیل کی بھی یہی شان ہوتی تھی، اس کی تعلیم خالص نبوت اور خدا کی بتلائی ہوئی سچی تعلیم ہے، کاش! اگر حکومت کی ذمہ داری اور اس کا بوجھ میری گردن پر نہ ہوتا تو میں اُن کے قدم چومتا اور پاؤں دھو کر پیتا، میں نبی آخر الزماںؐ کی آمد کا منتظر تو تھا مگر میرا خیال یہ نہ تھا کہ آپؐ عرب میں پیدا ہوں گے،

○ خسرو پرویز کو نامۂ مبارک چاک کرنے کی سزا؛

خسرو پرویز شاہ ایران آپؐ کے سفیر حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمیؓ کے ساتھ بڑی بدتہذیبی و بے ادبی سے پیش آیا، اور نامۂ مبارک کو چاک کر ڈالا، آپؐ کو جب معلوم ہوا تو بڑی تکلیف ہوئی، اور فرمایا:

"اللہ تعالیٰ بہت جلد اس کے ملک کو پارہ پارہ کر دے گا"

آپؐ کی یہ پیشین گوئی حرف بہ حرف پوری ہوئی، اور اس کے بیٹے شیرویہ نے اس کو قتل کر دیا، پھر کچھ دن بعد شیرویہ زہر کھا کر مر گیا، حتیٰ کہ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ کے زمانۂ خلافت میں تمام ملک فارس مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا، اور سارے ملک میں پرچم اسلام لہرانے لگا،

۷ھ ہجری کے مشہور واقعات میں سے

○ غزوۂ خیبر ○ عمرۃ القضاء کا بیان،

○ غزوۂ خیبر ——— محرم الحرام ۷ھ مطابق اگست ۶۲۸ء

خیبر مدینہ منورہ سے شمال کی جانب ستر میل کے فاصلہ پر یہودیوں نے بہت بڑی کالونی بلکہ زبردست چھاؤنی بنائی ہوئی تھی اور یہود کے تمام قبیلے سمٹ کر یہیں جمع ہو گئے تھے، یہ بڑی فتنہ پرور، سازشی اور سرمایہ دار قوم تھی، اور ہر وقت اس فکر میں لگی رہتی تھی جس طرح بھی ہو اسلام کی بیخ کنی کی جائے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغی جد وجہد میں رکاوٹیں ڈالی جائیں، مسلمانوں کو چین سے بیٹھنے نہ دیا جائے، حالانکہ حضورؐ نے جب بنی نضیر کو مدینہ سے باہر نکالا ہے تو اُن کو کھلی اجازت دیدی تھی جو سامان اپنے ساتھ لے جا سکتے ہوں خیبر لے جائیں، وہاں امن سے رہیں، مگر ان بدنصیبوں نے امن سے رہنے کی بجائے خیبر کو سازشوں کا مرکز اور اڈہ بنالیا، اور مدینہ پر حملہ کی تیاریاں شروع کر دیں، یہود کی تیاریوں کا اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس وقت بیس ہزار جنگجو فوج تھی، یہود و منافقین کی سازشوں کا اس سے اور اندازہ کر لیجئے کہ:

قبیلہ غطفان کا ایک طاقت ور قبیلہ بنو فزارہ تھا، ان کو جب یہ معلوم ہوا کہ خیبر والے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کرنا چاہتے ہیں تو وہ خود خیبر میں آئے کہ ہم تمہارے شریک ہو کر لڑیں گے، آنحضرتؐ کو جب یہ معلوم ہوا تو آپ نے بنو فزارہ کو کہلا بھیجا کہ تم خیبر والوں کی مدد سے باز آؤ، جب خیبر فتح ہو جائے گا تو تم کو بھی حصہ دیا جائے گا، لیکن بنو فزارہ نے انکار کر دیا،

(سیرۃ النبیؐ ج ۱)

اسی طرح جب آپؐ مدینہ سے روانہ ہونے والے تھے تو عبداللہ بن اُبی رئیس المنافقین نے خیبر کے یہودیوں کو روانگی کی اطلاع دیدی، کہ مسلمان تم پر حملہ کرنے کے لئے روانہ ہو رہے ہیں تم اپنی احتیاطی تدابیر اختیار کرلو، اور مال و متاع کو محفوظ کرلو، ان سے خوب جنگ کرو، کسی طرح کا ان سے خوف نہ کرو، یہ بہت تھوڑے آدمی ہیں، اور بالکل بے سروسامان ہیں، نہ اُن کے پاس ہتھیار ہیں نہ کھانے پینے کے لئے رسد ہے، (سیرۃ النبیؐ ج ۱)

خیبر میں یہودیوں کے بڑے بڑے مضبوط قلعے تھے اس وجہ سے یہ لوگ سمجھتے تھے کہ مسلمان ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیبر پر حملہ کے لئے چودہ سو مجاہدینِ اسلام کے ساتھ روانہ ہوئے، ان مجاہدین کے ساتھ دو سو گھوڑے تھے، آپؐ مقام رجیع پر پہونچے تو وہاں فوج کا ایک دستہ متعین فرمادیا، یہ مقام غطفان اور خیبر کے درمیان تھا، آپؐ کی اس تدبیر سے قبیلۂ غطفان خیبر کے یہودیوں سے کٹ گیا، غطفانیوں نے جب یہ صورتِ حال دیکھی تو ان کو اندازہ ہوا کہ ہم خود خطرہ میں ہیں، اب بجائے خیبر کے یہودیوں کی امداد کرنے کے اپنے بچاؤ اور حفاظت کی فکر پڑگئی، اور اہلِ خیبر کی مدد بھول گئے،

○ آپؐ عصر کے وقت "مقام صہبا" پہونچے، پہلے آپؐ نے نماز پڑھی، اس کے بعد کھانا طلب فرمایا تو کھانے کے لئے صرف ستو ملا، آپؐ نے ستو گھولنے کو فرمایا، گھول کر آپؐ نے خود بھی پیا اور مجاہدین کو بھی پلایا، حتیٰ کہ یہیں مغرب کا وقت ہوگیا، تو سب لوگوں نے مغرب کی نماز ادا کی (بخاری)

○ دشمن پر حملہ کرنے میں آپؐ کی سنت؛

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ رات کے وقت خیبر پہونچے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہ تھا کہ رات کے وقت کسی بستی یا آبادی پر حملہ نہیں کرتے تھے، بلکہ صبح کا انتظار فرماتے تھے، صبح (صادق) ہوتے ہی نماز پڑھتے، اگر اس بستی سے اذان کی آواز آجاتی تو حملہ نہ کرتے اور اگر آواز نہ آتی تو حملہ کردیتے، اسی معمول کے مطابق آپؐ نے اذان کا انتظار فرمایا، جب صبح کو اذان کی آواز نہ آئی تو حملہ کی تیاری شروع کردی، (بخاری)

فتح خیبر کے لئے دعاء: خیبر کے قریب پہنچکر آپؐ نے اللہ تعالیٰ کے حضور خیبر کی فتح کے لئے دعاء فرماتے ہوئے عرض کیا، یا اللہ ہمیں اس جگہ اور یہاں کے لوگوں کی شرارت سے محفوظ رکھ پھر اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہتے ہوئے فرمایا خیبر برباد ہوگیا، اور یہ آیتِ کریمہ تلاوت فرمائی، فَاِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ فَسَآءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ

خیبر میں یہودیوں کے کئی قلعے تھے، ان میں سامانِ جنگ، کھانے پینے کی چیزوں کا ذخیرہ کیا ہوا تھا، مسلمانوں نے ان کا محاصرہ کرلیا، اور مسلسل چھ دن محاصرہ کئے رکھا، چھوٹے قلعے تو آسانی سے فتح ہوگئے، لیکن ایک قلعہ جس کا نام "قموص" تھا یہ مرحب یہودی کا پایۂ تخت تھا، مرحب بڑا مشہور پہلوان تھا، اسی کی فتح پر خیبر کی فتح کا دارومدار تھا مجاہدینِ اسلام کی نگاہ اسی پر تھی،

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین و انصار کے کئی بہادروں کو جھنڈا دے کر اس قلعہ پر حملہ کے لئے بھیجا، لیکن فتح ہونے میں نہ آتا، حضرت ابوبکرؓ گئے، حضرت عمرؓ گئے، مگر کامیاب نہ ہوئے، آخر ایک دن آپؐ نے فرمایا کہ کل میں جھنڈا ایسے شخص کو دوں گا جس کے ہاتھ پر خدا خیبر کو فتح کرائے گا یہ اعلان سننے کے بعد صحابہ کرامؓ نے ساری رات بے قراری سے گذاری کہ دیکھئے صبح حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کس خوش قسمت کو جھنڈا دیتے ہیں، صبح ہوئی تو آپؐ نے حضرت علیؓ کو آواز دی تو آپؐ کو بتلایا گیا ان کی تو آنکھیں دُکھ رہی ہیں، مگر آپؐ کے حکم پر وہ فوراً حاضرِ خدمت ہوگئے، آپؐ نے اپنا لعابِ دہن اُن کی آنکھوں میں لگایا، اور ان کے حق میں دعا فرمائی، وہ فوراً ایسے ہوگئے جیسے آنکھوں میں کوئی تکلیف ہی نہ تھی، پھر آپؐ نے اُن کو جھنڈا عطاء فرمایا،

مرحب یہودی سے حضرت علیؓ کا مقابلہ؛

مرحب قلعہ سے نکل کر مقابلہ کے لئے باہر آیا، حضرت علیؓ نے آگے بڑھکر اس کے سر پر اس زور سے تلوار ماری کہ بھیجہ پھاڑ کر جبڑے تک آگئی، (مسلم شریف) خدا نے کیا تمام قلعے مسلمانوں کے قبضہ میں آگئے، اسی جنگِ خیبر میں بابِ خیبر جو عوام میں درِ خیبر کے نام سے مشہور ہے، اس کو ستر آدمی مل کر بھی نہ ہلا سکے تھے، حضرت علیؓ نے تنہا اپنے ہاتھ سے اکھاڑ کر اس سے ڈھال کا کام لیا، اور تاریخ میں "فاتحِ خیبر" کے لقب سے مشہور ہوئے، اس جنگ میں ترانوے یہودی موت کی نیند سُلا دیئے گئے، اور پندرہ مسلمان شہید ہوئے،

یہود کی خیبر میں قیام کی درخواست؛

جب یہود کے تمام قلعوں پر مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا تو یہود نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ ہمیں خیبر میں قیام کی اس شرط پر اجازت دیدیجئے کہ ہم یہاں کے باغات، کھیتی باڑی کی دیکھ بھال کرتے رہیں گے، آپؐ کے ساتھی صحابہ اس کام سے واقف نہیں، ہم لوگ واقف ہیں، آپؐ نے ان کی یہ درخواست اس شرط کے ساتھ منظور فرمائی کہ ساری پیداوار غلّہ اور پھلوں کا آدھا حصہ مسلمان لیں گے اور آدھا تم کو واپس دیدیا جائے گا، آخری بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تک چاہیں گے یہ معاہدہ باقی رہے گا اور جب چاہیں گے ختم کردیا جائے گا،

حضرت عمرؓ نے اپنے زمانۂ خلافت میں تمام یہودیوں کو خیبر سے نکال کر عرب کو پاک کردیا اور یہ لوگ ملکِ شام چلے گئے، (نشر الطیب)

○ خیبر کے یہود کی حضورؐ کے خلاف سازش؛

جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ یہ قوم بڑی سازشی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سخت دشمن تھی، خیبر میں مسلمانوں کے ہاتھوں سے عبرتناک شکست کھا چکے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی خیبر میں قیام کی درخواست

منظور فرما کر ان پر عظیم احسان فرمایا، لیکن اس احسان فراموش قوم نے کوئی خیال نہ کیا، اور ایک عورت زینب بنت حارث کے ساتھ سازش کر کے اس کے ذریعہ بھنی ہوئی بکری میں زہر ڈلوا کر آپؐ کی خدمت میں پیش کیا، آپؐ کے سامنے گوشت رکھا، آپؐ نے ذرا سا ٹکڑا توڑ کر زبان پر رکھا ہی تھا کہ غیب سے گوشت سے آواز نکلی کہ میں زہر آلود ہوں، آپؐ نے اسی وقت وہ لقمہ اگل دیا، اس کے بعد زینب یہودیہ کو بلا کر پوچھا تو اس نے زہر ملانے کا اقرار کیا، پھر آپؐ نے وجہ پوچھی تو اس نے جواب دیا، میں نے زہر اس لئے ملایا تھا کہ اگر آپؐ اللہ کے سچے نبی ہیں تو اللہ تعالیٰ آپؐ کو مطلع کر دے گا، اور اگر آپؐ اپنے دعوائے نبوت میں صادق نہ ہوئے تو لوگ آپؐ سے نجات پا جائیں گے، زہر اتنا سخت تھا کہ ایک صحابی بشر بن البراءؓ نے اس گوشت میں سے کچھ کھایا تھا تو وہ انتقال کر گئے، آپؐ پر بھی اس کا اثر اخیر وقت تک رہا، چنانچہ مرض الوفات میں ایک مرتبہ آپؐ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ خیبر میں یہودیہ کے گوشت کا اثر آج تک مجھے تکلیف دیتا ہے، اگر اس کے اثر سے وفات ہوئی تو سمجھئے کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو مرتبۂ شہادت سے نوازا،

○ عمرۃ القضاء کی تیاری؛

صلح حدیبیہ کے وقت قریش سے یہ طے ہوا تھا کہ اس سال مسلمان بغیر عمرہ کے مدینہ واپس چلے جائیں اور آئندہ سال عمرہ کر کے تین دن بعد واپس چلے جائیں، اس معاہدہ کی وجہ سے فتح خیبر کے بعد عمرۂ قضا کی تیاری شروع کی، آپؐ نے اعلان فرما دیا کہ جو لوگ گزشتہ سال عمرہ کئے بغیر حدیبیہ سے واپس آ گئے تھے وہ عمرۂ قضاء پر چلنے کی تیاری کر لیں، ان میں سے بعض صحابہ خیبر میں شہید ہو گئے، یا وفات پا گئے، ان کی بجائے اور صحابہ شریک ہو کر عمرہ پر روانہ ہو گئے،

قریش مکہ اس معاہدہ کو بھول گئے، اور جب معلوم ہوا کہ آپؐ اکیس سو صحابہ کی جماعت کے ساتھ آ رہے ہیں تو گھبرا گئے، آپؐ کا قافلہ "مرالظہران" پہونچ گیا تھا تو چند نوجوان آپؐ کی خدمت میں بھیجے، اور اس وفد نے آپؐ سے آ کر کہا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپؐ تو کبھی وعدہ خلافی نہیں کرتے، پھر یہ یکایک اتنے بڑے مجمع کے ساتھ آمد کیسی؟

آپؐ نے ان لوگوں کو جواب دیا ہم تو گزشتہ سال کے معاہدہ کے مطابق عمرہ کی قضاء کرنے آئے ہیں، ہمارا لڑنے جھگڑنے کا کوئی ارادہ نہیں، قریش آپؐ کے اس جواب سے لاجواب ہو گئے، اور تمام قریش مکہ خالی کر کے پہاڑوں پر چلے گئے، آپؐ عمرہ ادا کر کے تین دن بعد واپس مدینہ روانہ ہو گئے،

○ خالد بن ولید، عمرو بن العاص، عثمان بن ابی طلحہ حلقہ بگوشِ اسلام؛

اَلْاِسْلَامُ یَهْدِمُ مَاکَانَ قَبْلَهٗ ط اسلام اُن تمام گناہوں کو ختم کر دیتا ہے جو زمانۂ کفر میں کئے ہوئے ہوں، یہ اسلام کی اُن لوگوں کے لئے بشارت ہے جن لوگوں نے اپنی زندگی کفر کی ترقی میں گذاری کہ اسلام قبول کرنے کے بعد ان کے زمانۂ کفر کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں،

خالد بن ولید مشہور جنرل اور سپہ سالارِ اسلام ہیں، زمانۂ کفر میں جنگِ اُحد کے وقت انھوں نے مسلمانوں

کو ایسی زک پہنچائی کہ مسلمان جیتی ہوئی جنگ ہار گئے، اور قریش کے اکھڑے ہوئے قدم جم گئے،

صلح حدیبیہ کو قرآن میں جو فتح مبین فرمایا ہے وہ جسموں سے زیادہ دلوں کو مسخر اور فتح کرنا تھا، خالد نے مکہ سے مدینہ جانے کا ارادہ کیا تاکہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری دے کر کفر سے توبہ کر کے دائرۂ اسلام میں ہو جاؤں، خالد بیان کرتے ہیں کہ حدیبیہ کے موقع پر میں مشرکین کے ساتھ مکہ سے آیا تھا، میں نے دیکھا آپؐ صحابہ کو صلوٰۃ الخوف پڑھا رہے ہیں، میرا ارادہ ہوا کہ اسی حالت میں آپ پر حملہ کر دوں مگر آپؐ کے دل میں اللہ تعالیٰ نے میرے ارادۂ فاسد کا ڈال دیا اور میں حملہ نہ کر سکا، جس سے میں یہ سمجھ گیا کہ واقعی آپؐ اللہ کے نبی ہیں، اور اللہ آپؐ کا محافظ و نگہبان ہے، آپؐ نے ارادہ کیا کہ مدینہ جا کر اسلام قبول کروں، پھر اس ارادہ کا عثمان بن ابی طلحہ سے ذکر کیا تو وہ بھی تیار ہو گئے، اور انھوں نے میرے ساتھ چلنے کا وعدہ کر لیا، جب ہم مدینہ کے لئے روانہ ہوئے تو راستہ میں عمرو بن العاص مل گئے، انھوں نے پوچھا کہاں جا رہے ہو؟ ہم نے اپنا ارادہ بتلایا تو وہ ہم سے پہلے اسی ارادہ سے سفر شروع کر چکے تھے، اب ہم دو کی بجائے تین ہو گئے، تینوں کا واحد مقصد تھا، تینوں ساتھی ایک ساتھ مدینہ میں داخل ہوئے، اور حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی آمد و ارادہ کی اطلاع پہونچائی اور خدمتِ نبوی میں حاضر ہو کر تینوں نے اسلام قبول کر لیا، اور دربارِ رسالتؐ سے حضرت خالدؓ کو سیف اللہ (اللہ کی تلوار) کا تمغۂ امتیاز ملا، مسلمان ہونے کے بعد بڑے بڑے معرکے سر کئے، آپ کے ہی ہاتھوں شام فتح ہوا، اسی طرح حضرت عمرو بن العاصؓ بڑے درجہ کے سپہ سالار ہوئے اور فاتح مصر کہلائے (ابن ہشام)

۸ھ کے کچھ اور واقعات:

- اسی سال حضرت صفیہؓ جو حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے تھیں آپؐ کے نکاح میں آئیں، اور اُم المؤمنین کا شرف حاصل کیا،
- اسی سال حضرت میمونہؓ کو اُم المؤمنین ہونے کا شرف حاصل ہوا، آپ بیوہ تھیں اور پہلے شوہر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ تھے،
- اسی سال غزوۂ خیبر کے وقت گدھے، خچر، درندے اور پنجوں سے پھاڑ کر کھانے والے پرندوں کا گوشت حرام ہوا، (ابن سعد)

۸ھ ہجری
کے اہم واقعات

○ جنگِ مُوتہ ○ فتح مکہ ○ جنگِ حُنین ○ غزوۂ طائف ○

جنگِ مُوتہ

(جمادی الاول ۸ھ ہجری مطابق ستمبر ۶۲۵ء)

"مُوتہ" ملک شام میں ایک جگہ ہے، مدینہ منورہ سے تقریباً ایک ہزار میل کا فاصلہ ہے، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب سربراہانِ مملکت اور رؤسا کو دعوتِ اسلام کے خطوط بھیجے تو اس علاقہ کے رئیس شرجیل بن عمرو غسانی کو بھی ایک خط حضرت حارث بن عمیر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ بھیجا، تو اس نے پہلے تو حکم دیا کہ ان کو باندھ دو، اس کے بعد ان کو قتل کرادیا،

بین الاقوامی اور دنیا کی اقوام کا آج بھی دستور ہے کہ کسی بڑے سے بڑے دشمن ملک کے سفیر کو قتل نہیں کیا جاتا، بلکہ اس کا احترام و حفاظت کی جاتی ہے، اس لئے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے غسانی کو اس بیجا اور ظالمانہ حرکت کی سزا دینے کے لئے جمادی الاول ۸ھ میں تین ہزار مجاہدین کا لشکر بھیجا،

اُدھر بُصریٰ بیت المقدس کے قریب شام کا تجارتی اور مشہور شہر تھا، یہاں رومی سلطنت کا گورنر رہتا تھا، رومیوں کو جب یہ اطلاع ملی تو انھوں نے بھی لڑنے مرنے کی تیاری کرلی، اِدھر مجاہدینِ اسلام مُوتہ پہنچے اُدھر رومیوں کی دو لاکھ فوج پہونچ گئی، اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ یہ کیسی بھیانک جنگ تھی،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ اس جنگ میں شریک نہیں تھے مگر جب مجاہدین کی روانگی کا وقت آیا تو آپؐ نے حضرت زید بن حارثہؓ کو فوج کا پہلا سپہ سالار مقرر فرمایا، اور وصیت فرمائی کہ اگر زیدؓ شہید ہوجائیں تو جعفر بن ابی طالبؓ کو ان کا جانشین بنالیا جائے، وہ بھی شہید ہوجائیں تو عبداللہ بن رواحہؓ کو سردار بنالیا جائے، آپؐ کی زبانِ مبارک سے بعض یہود نے یہ وصیت سُنی تو کہنے لگے یہ تینوں یقیناً شہید ہوجائیں گے،

چنانچہ ایسا ہی ہوا، جنگ شروع ہوئی تو سپہ سالار اوّل زید بن حارثہؓ شہید ہو گئے، اُن کے شہید ہوتے ہی مجاہدینؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کے مطابق حضرت جعفرؓ کو سپہ سالار بنایا، تھوڑی دیر لڑتے ہوئے گذری تھی کہ حضرت جعفرؓ پر بھی حملہ ہوا، اور داہنا ہاتھ کٹ کر گر گیا، آپ نے پرچم اسلام دوسرے ہاتھ میں لے لیا، کچھ ہی دیر گذری تھی کہ دوسرا ہاتھ بھی کٹ کر الگ ہو گیا، حتیٰ کہ کچھ دیر بعد وہ خود بھی شہید ہو گئے،

○ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے جب آپ کی لاش تلاش کی گئی تو جسم پر نوّے سے زیادہ زخم تیر و تلوار کے تھے اور تعریف کی بات یہ ہے کہ سارے زخم سامنے کے رُخ پر تھے، (جو بہادری کی علامت ہے) پشت کی جانب ایک بھی زخم نہ تھا (بخاری)

حضرت جعفرؓ کی شہادت کے بعد حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے پرچم سنبھالا، تھوڑی دیر بعد یہ بھی شہید ہو گئے جس وقت یہ جنگ ہو رہی تھی تو اللہ تعالیٰ نے میدانِ جنگ آپؐ کو ایسے دکھلا دیا جیسے سامنے ہے، آپؐ نے صدمہ کی حالت میں اُن شہداء کے حالات صحابہ کو بتلائے، پھر بتلایا اخیر میں پرچم اسلام خالد بن ولیدؓ نے اپنے ہاتھ میں لے لیا،

○ حضرت خالدؓ کے سپہ سالار بنتے ہی دشمنوں میں ہیجان اور خوف و ہراس پھیل گیا، کیونکہ دشمن جانتے تھے کہ خالد لڑائی لڑنے کے بڑے ماہر اور کیسے بہادر ہیں، پھر دربارِ نبوّت سے "سیف اللہ" (اللہ کی تلوار) کا خطاب ملا ہوا ہے، چنانچہ آپ نے کچھ مجاہدین کو اپنے پیچھے مقرر کر دیا، اور ہدایت دی کہ صبح ہوتے ہی نعرۂ تکبیر لگانا شروع کر دینا، نعرہ سنتے ہی دشمن یہ سمجھا کہ مدینہ سے مسلمانوں کی مدد کے لئے اور فوج آگئی ہے، اور آپس میں کہنے لگے کہ تھوڑی سی فوج نے تو لڑ کر ہمارا یہ حال بنا دیا، مزید فوج آجانے سے تو ہم لوگ ختم ہی ہو جائیں گے،

بخاری کی روایت ہے خالد بن ولیدؓ فرماتے ہیں کہ جنگ مُوتہ میں لڑتے لڑتے میرے ہاتھ سے نو تلواریں بیکار ہوئیں، صرف یمن کی ایک تلوار میرے ہاتھ میں رہی،

غرض صبح سے شام تک حضرت خالد بن ولیدؓ نے اپنے تین ہزار غازیوں کو رومیوں کے ایک لاکھ لشکرِ جرار سے لڑایا، جب شام ہونے کو آئی تو رومیوں نے مسلمانوں کے مقابلہ سے فرار (بھاگنے) کی عار گوارا کی، اور بے اوسان ہو کر بھاگے، مسلمانوں نے تھوڑی دور تک تعاقب کیا، اور اس تعاقب میں کچھ مالِ غنیمت بھی ہاتھ آیا، اس لڑائی میں کُل بارہ مسلمان صحابہ شہید ہوئے،

○ جس وقت یہ جنگ ہو رہی تھی اسی وقت اللہ تعالیٰ نے میدانِ جنگ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کر دیا، آپؐ نے مسلمانوں کو جمع کر کے میدانِ جنگ کا حال بتلایا ــــــ کہ اس وقت لشکرِ اسلام کی خبر یہ ہے کہ اس نے دشمن کا خوب مقابلہ کیا، اور مقابلہ کرتے کرتے زیدؓ شہید ہو گئے، اللہ تعالیٰ نے اس کو

بخش دیا، اس کے بعد جعفرؓ نے جھنڈا ہاتھ میں لیا، ان کو دشمنوں نے چاروں طرف سے گھیر لیا، حتیٰ کہ وہ بھی شہید ہو گئے، اللہ تعالیٰ نے اُن کو بھی بخش دیا، پھر عبداللہ بن رواحہؓ نے جھنڈا ہاتھ میں لیا، وہ بھی لڑتے لڑتے شہید ہو گئے، ان تینوں کے بعد جھنڈا سیف من سیوف اللہ خالد بن ولیدؓ نے اپنے ہاتھ میں لیا، اور بگڑی ہوئی حالت کو سنبھالا،

ایک روایت میں ہے اسی روز سے حضرت خالدؓ سیف من سیوف اللہ کے نام سے پکارے جانے لگے،

حضرت جعفرؓ کو جعفر طیار بھی کہا جاتا ہے، اس کی وجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بیان فرمائی، کہ حضرت جعفرؓ کو اللہ تعالیٰ نے دو باز و عطا فرمائے ہیں، جن سے وہ جنت میں اڑتے پھرتے ہیں، اسی روز سے آپ "ذوالجناحین" اور "طیار" کے لقب سے مشہور ہو گئے،

فتحِ مکہ

(رمضان المبارک ۸ھ مطابق جنوری ۶۳۰ء)

صلح حدیبیہ تمہید فتح مکہ؛

صلح حدیبیہ دراصل فتح مکہ کی تمہید تھی، جس کو بعض صحابہ نے شرائط صلح سنکر از راہِ تعجب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تھا، یارسول اللہ! کیا یہ فتح ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا، ہاں یہ فتح ہے، اور قرآن کریم نے اس کو فتحِ مبین فرمایا:

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ــــــــ "اے پیغمبرؐ! ہم نے آپؐ کو ایک صاف اور کھلی فتح دی ہے"

صحابہ کا آپؐ سے یہ سوال اسلام کی محبت اور جوش میں تھا، اور معاہدہ کی ظاہری شرائط سے اُن حضرات نے یہ سمجھ لیا کہ یہ شرائط تو مسلمانوں کی کمزوری ظاہر کرتی ہیں، مگر ان حضرات کی نگاہیں اُن نتائج تک نہ پہونچیں جنکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دوررس نگاہیں دیکھ رہی تھیں،

اس طرح آپؐ نے جو خواب مدینہ میں دیکھا تھا کہ ہم نے مکہ معظمہ جاکر عمرہ ادا کیا اس خواب کی تعبیر دو سال بعد فتح مکہ کی صورت میں پوری ہوئی، جس کا مسلمانوں نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرلیا،

○ قریش کی طرف سے معاہدہ کی خلاف ورزی؛

فتحِ مکہ کی غیبی صورت یہ ہوئی کہ صلح حدیبیہ کے وقت قریش نے مسلمانوں سے جو معاہدہ کیا تھا انھوں نے خود ہی اس کو توڑ دیا، اس معاہدہ میں یہ طے ہوا تھا کہ قبائلِ عرب کو اس معاہدہ کے بعد اختیار ہے چاہے قریش کے ساتھ رہیں چاہے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ مل جائیں، اس معاہدہ کی رُو سے بنوبکر قریش کے ساتھ اور بنوخزاعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوگئے، زمانۂ جاہلیت میں یہ دونوں قبیلے ایک دوسرے کے دشمن اور خون کے پیاسے رہتے تھے، نزولِ اسلام کی برکت سے اُن کا یہ جذبہ سرد پڑگیا، اور معاہدۂ حدیبیہ ہوجانے کے بعد دونوں فریق مطمئن اور بے فکر ہوگئے، لیکن بنوبکر (جو قریش کے عہد میں تھے) اس معاہدہ سے ناجائز فائدہ اٹھایا،

○ قریش کا بنوخزاعہ پر حملہ؛

قریش کی پشت پناہی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بنوبکر نے بنوخزاعہ پر رات کے اندھیرے میں حملہ کرکے ان کے بچوں اور عورتوں کو قتل کرنا شروع کردیا، قریش نے اُن کی سامانِ جنگ اور دیگر طریقوں سے خوب مدد کی، اور اُن کے سرداروں نے نقاب اوڑھ اوڑھ کر بنوبکر کے ساتھ مل کر جنگ میں خوب حصہ لیا، اور حملہ بھی ایسے

دھوکہ سے کیا، جب بنو خزاعہ پڑے سو رہے تھے، بنو خزاعہ گھبرا کر اٹھے اور جانیں بچانے کے لئے بھاگ کر حرم میں داخل ہو گئے، مگر ان ظالموں نے وہاں بھی پیچھا نہ چھوڑا بہت سے سمجھدار لوگوں نے بنو بکر کے حملہ آور لوگوں سے کہا کہ یہ اللہ کا مقدس گھر حرم محترم ہے، خدا سے ڈرو، اور اس کے مقدس گھر کے تقدس کو پامال نہ کرو، مگر ان کے رئیس "نوفل" نے جواب دیا، آج کوئی خدا نہیں (معاذ اللہ) اور اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا، آج سے زیادہ اچھا موقع پھر نہیں ملیگا۔

(سیرۃ النبیؐ ج ۱)

○ بنو خزاعہ کا وفد حضورؐ کی خدمت میں اور آپؐ کی طرف سے امداد کا وعدہ؛

قوم بنی خزاعہ کا ایک وفد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور آپ سے عرض کیا یا رسول اللہ! بنی بکر اور اُن کے ساتھ مل کر قریش نے ہماری قوم کے لوگوں پر بڑا ظلم کیا ہے اور معصوم بچوں عورتوں تک کو قتل کرنے سے بھی دریغ نہیں کیا،

یا رسول اللہؐ! ہم مظلوم و بیکس ہیں، ہماری مدد کیجئے، مظالم کا سنکر آپؐ کا دل بھر آیا، اور وفد کو تسلی و تشفی دیتے ہوئے فرمایا، تم گھبراؤ نہیں، ہم تم مظلوموں کی ضرور مدد کریں گے،

پھر آپؐ نے اس وفد کو اطمینان دلا کر مکہ واپس بھیج دیا،

○ قریش سے اتمامِ حجت؛

اس کے بعد اتمامِ حجت کے لئے آپؐ نے اپنا ایک نمائندہ قریشِ مکہ کے پاس بھیجا، اور فرمایا اُن کے سامنے یہ تین شرطیں رکھنا کہ ان کو مانیں یا انکار کر دیں،

① بنو خزاعہ کے مقتولین کا خوں بہا ادا کریں،

② قریش بنو بکر کی حمایت ترک کر دیں،

③ معاہدۂ حدیبیہ ختم ہونے کا اعلان کر دیا جائے،

ان تینوں شرائط ماننے کے بجائے معاہدہ فسخ کرنے میں اپنی عافیت سمجھی،

○ قریش کا وفد تجدیدِ معاہدہ کے لئے خدمتِ نبویؐ میں، ناکام واپسی؛

قریش نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نمائندہ کو جواب دیدیا تھا، اُن کے دل میں چور تھا، اب وہ دن بھی نہیں رہے تھے جب حضورؐ کو ستایا کرتے تھے، بلکہ اب قریش خود شب و روز اس غم میں گھلا کرتے تھے کہ دیکھئے کل ہمارا کیا انجام ہو، اس خوف سے ابوسفیان کو مدینہ بھیجا کہ تم جا کر مدینہ میں معاہدۂ حدیبیہ کی تجدید کی کوشش کرو،

خدا کی شان دیکھئے یہ وہی ابوسفیان ہے جو آپؐ کی مخالفت میں پیش پیش رہتا تھا، یہی تھا جو جنگ بدر

بن لایا تھا، یہی میدان اُحد میں پیش پیش تھا، اور مدینہ پر کئی مرتبہ ناکام حملہ کی کوشش کی تھی، آج وہی معاہدہ کی تجدید کے لئے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہے، شرم وندامت کی وجہ سے پانی پانی اور نگاہ نیچے کئے ہوئے معاہدہ کی تجدید کی درخواست کرتا ہے، مگر آپؐ نے جواب تک نہ دیا، مایوس ہو کر حضرت ابوبکرؓ کے پاس گیا، کہ آپ رسول اللہؐ سے عرض کریں، انھوں نے جواب دیا میری ہمت نہیں کہ بات کروں، یہاں سے ناکام ہو کر حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ حتیٰ کہ حضرت فاطمہؓ تک سے عرض کیا، مگر کوئی بھی حضورؐ سے عرض کرنے کے لئے تیار نہ ہوا، آخر ناکام واپس ہو گئے، قریش نے تجدید معاہدہ کے لئے بھیجا تھا، جب جا کر رُوداد سنائی تو سب میں مایوسی کی لہر دوڑ گئی، (ابن ہشام)

○ اُمِّ حبیبہؓ کا اپنے کافر باپ ابوسفیان کے ساتھ برتاؤ:

اُمِّ حبیبہ رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ مطہرہ اور ابوسفیان کی صاحبزادی ہیں، اس سفر میں ابوسفیان اپنی صاحبزادی سے ملنے گئے تو گھر میں بچھے ہوئے بستر پر بیٹھنے کا ارادہ کیا تو اُمِّ حبیبہؓ نے جلدی سے اُٹھ کر بستر لپیٹ دیا، باپ کو تعجب ہوا، بیٹی سے بڑے تعجب سے پوچھا، بیٹی! یہ کیا بات ہے؟ کیا یہ بستر میرے بیٹھنے کے لائق نہ تھا، یا میں اس پر بیٹھنے کے لائق نہ تھا؟

بیٹی نے جواب دیا، ابا جان! بات یہ ہے کہ یہ پاک بستر حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے، آپ چونکہ کافر ہیں اور شرک کی نجاست سے ناپاک ہیں اس لئے مجھے یہ پسند نہیں کہ آپ کو اس پاک بستر پر بٹھاؤں، باپ نے بیٹی سے کہا، اے اُمِّ حبیبہؓ! افسوس تم اتنی جلدی بدل گئیں، (ابن ہشام)

اس کے بعد کے حالات مصنف تاریخ اسلام کے الفاظ میں پڑھئے:

ابوسفیان متفکر تھا کہ مقصود کی تمہید کس طرح اٹھائے، جب بیٹی کا یہ حال ہے تو دوسرے سے کیا توقع؟ آخر حضرت ابوبکرؓ کے پاس آیا اور مطلب ظاہر کر کے چاہا کہ درمیان میں پڑ کر درخواست منظور کرا دیں، مگر حضرت صدیقؓ نے صاف جواب دیدیا، آخر وہاں سے اُٹھ کر حضرت عمر بن الخطابؓ کے پاس آیا اور وہی درخواست کی، مگر یہاں جواب اس سے بھی زیادہ تیز اور طنزیہ ومذاق سے لبریز تھا، کہ ہاں جناب میں ہی تمہاری سفارش کے لئے مناسب ہوں! جس کی حالت یہ ہے کہ ذرا بھی موقع پاؤں تو تم کو ختم کرنے میں دریغ نہ کروں،

یہاں سے مایوس ہو کر صاحبزادی (حضرت فاطمہؓ) کے پاس گیا، جہاں حضرت علیؓ و فاطمہؓ بیٹھے ہوئے تھے اور حضرت حسنؓ شیر خوار سامنے کھیل رہے تھے، ابوسفیان نے بہ ظاہر نرمی حضرت علیؓ سے کہا، اے ابوطالب کے صاحبزادے! تم نیک دل اور کنبہ داری کا زیادہ لحاظ کرنے والے ہو، امید ہے کہ میری درخواست رد نہ کرو گے اور مجھ کو نامراد لوٹتا ہوا نہ دیکھ سکو گے، اس کے بعد منشاء بیان کیا، حضرت علیؓ مسکرائے اور جواب دیا کہ:

افسوس! اے ابوسفیان! جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے کام کا عزم کر چکے ہیں، جس کے بدلنے کی طاقت

ہم کو ہرگز نہیں ہے، یہ مایوس کن فقرہ سُنکر حضرت زہرہؓ کی طرف رُخ کیا، اور کہا کہ اے فاطمہؓ! کیا تم سے ہوسکتا ہے کہ اپنے اس بچے سے کہو (یعنی حضرت حسنؓ سے) کہ مخلوق کو پناہ دلائے اور ہمیشہ کے لئے لوگوں کو احسان مند بنا کر سارے عرب کا سردار و حاکم و مختار قرار پائے، حضرت فاطمہؓ نے جواب دیا میرے بچہ کا یہ کام نہیں، اور آج ابا جان کے خلاف کوئی بھی اہلِ مکہ کو پناہ نہیں دے سکتا، تم یہ خیال دل میں بھی نہ لاؤ اور جو کچھ مناسب سمجھو کرو،

ابوسفیان نہایت پریشان تھا کہ نہ صورت کامیابی ہے نہ بے نیل و مرام واپس ہوجانے کی ذلت و رسوائی کا تحمل، اس کی تمام امیدوں پر پانی پھر چکا تھا، اور اس کی حالت اہلِ ظرافت کا کھلونا بن گئی تھی، خدا کی شان ہے کہ یا وہ وقت تھا کہ اُحد کی تلہٹی میں مسلمانوں کے مقابلہ پر اپنے دل کا حوصلہ نکالنے کو عزت سمجھتا تھا اور یا یہ وقت ہے کہ مدت صلح بڑھ جانے کی درخواست نہ حضرتؐ کی خدمت میں پیش کرنے کی جرأت ہے اور نہ کوئی سفارش کا ذمہ لیتا ہے کہ اس کا ہمکلام ہی بنے، آخر مایوسی کی گھنگھور گھٹائیں اس کو اُمنڈتی ہوئی نظر آئیں، دنیا دفعۃً اس کی نظر میں تاریک ہوگئی، آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا، اور اس نے دبی ہوئی آواز سے کہا کہ اے علی! میں تو کہیں کا بھی نہ رہا، اب مکہ والوں کو کس طرح مُنہ دکھاؤں گا، رشتۂ قرابت کا واسطہ مجھے کہ میں کیا کروں؟ کیونکہ میری عقل ٹھکانے نہیں، اور نہ میرے ہوش و حواس بجا ہیں،

ادھر قریش مکہ بڑی بے چینی سے منتظر تھے کہ دیکھیں ابوسفیان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کس طرح معاملہ کرکے آتے ہیں؟ مکہ پہونچ کر قریش کے سامنے ساری باتیں سنائیں تو سُنکر سب نے ابوسفیان کو لعنت و ملامت کرنی شروع کردی، اور کہنے لگے ہائے افسوس نہ لڑائی کی خبر لائے نہ صلح کی بات سُنائی، اس خبر سے تو ہمارا دن کا سکون اور رات کی نیند بھی ختم ہوگئی،

قریش نے آپؐ کی شرائط ماننے سے پہلے ہی انکار کردیا تھا، اس کے بعد اپنا عیب چھپانے کو ابوسفیان کو بھیجدیا، اس کے ساتھ جیسی گذری ابھی اس کا بیان ہوچکا،

○ جہاد کی تیاری کا حکم اور روانگی؛

قریش نے جب یہ شرائط ماننے سے انکار کردیا تو آپؐ نے مدینہ اور اس کے قرب و جوار میں اعلانِ عام کرادیا کہ مسلمان تیاری کرکے رمضان تک مدینہ منورہ پہنچ جائیں، جذبۂ جہاد سے سرشار اور شہادت کے شائقین تیار ہوکر رمضان سے قبل مرکزِ اسلام مدینہ پہونچ گئے،

جب تیاری مکمل ہوگئی تو رمضان المبارک کے شروع میں دس ہزار صحابۂ کرامؓ کو لے کر بعد نمازِ عصر مدینہ سے روانہ ہوگئے، (بخاری)

آپؐ نے صحابہ کرام کو سختی سے منع فرمادیا کہ کسی سے یہ نہ کہا جائے کہ ہم فلاں جگہ جارہے ہیں، اس کی وجہ یہ تھی کہ اگر قریش کو معلوم ہوگیا تو وہ بھی جنگ کی تیاری کریں گے، اور طرفین میں جنگ سے حرم پاک کی بے حرمتی ہوگی،

○ مدینہ سے لشکرِ اسلام کی روانگی؛

آپؐ کے اعلان پر جب صحابہ کرام جمع ہوگئے تو ۱۰ رمضان المبارک یوم چہارشنبہ (بدھ) بعد العصر دس ہزار توحید کے متوالے شمع رسالتؐ کی معیت میں مدینہ سے مکہ کے لئے روانہ ہوگئے (بخاری)

جب آپؐ جحفہ پہونچے تو راستہ میں آپؐ کے چچا حضرت عباسؓ مع اہل وعیال مکہ سے مدینہ کے لئے آتے ہوئے ملے، آپؐ نے ان کے اہل وعیال کو تو مدینہ بھجوادیا، اور حضرت عباسؓ کو اپنے ساتھ مکہ واپس لے گئے، حضرت عباسؓ خفیہ طور پر پہلے ہی اسلام لاچکے تھے، مگر قریش سے مصلحۃً پوشیدہ رکھا ہوا تھا جیساکہ ابھی بیان ہوا کہ آپؐ کا یہ سفر ۱۰ رمضان المبارک کو شروع ہوا تھا، اس وجہ سے آپؐ اور صحابہ کرام سفر میں روزہ سے ہوتے تھے، مکہ معظمہ سے ستر بہتر میل کے فاصلہ پر "کدید" مقام پر صحابہ کی کمزوری اور مشقت کی وجہ سے روزہ توڑدیا آپؐ کو دیکھ کر صحابہؓ نے بھی توڑدیا، (بخاری)

○ سفر میں روزۂ رمضان کی بحث؛

چونکہ یہ سفرِ جہاد تھا، اگرچہ آپ کا ارادہ کعبۃ اللہ کی حرمت کی وجہ سے جنگ کا نہ تھا، لیکن کفارِ مکہ کی طرف سے مزاحمت کا ڈر تھا، اس لئے آپؐ نے افطار کرادیا، لیکن اگر سفر میں کوئی مشقت نہ ہو تو روزہ رکھنا ہی افضل ہے،

مصنف سیرۃ المصطفیٰؐ لکھتے ہیں:

"رمضان کے روزے کی اگرچہ قضا ممکن ہے لیکن رمضان کے انوار وتجلیات اور فرشتوں کے ہر وقت عروج ونزول کے برکات، شیاطین کے پیروں میں بیڑیاں پڑجانا جنت اور رحمت کے دروازوں کا کھل جانا اور دوزخ کے دروازوں کا بند ہوجانا اور حفاظِ کتاب اللہ کا لیل ونہار کلام اللہ کی تلاوت میں سرشار رہنا اور فرشتوں کا حلقہائے ذکر اور مجالسِ تسبیح وتہلیل اور تلاوتِ قرآن کی محفلوں کو تلاش کرتے پھرنا، یہ باتیں رمضان کے سوا دوسرے مہینہ میں کہاں میسّر آسکتی ہیں؛ اسی وجہ سے حق تعالیٰ شانہٗ فرماتے ہیں:

وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ

یعنی مریض اور مسافر کے لئے اگرچہ افطار جائز ہے لیکن روزہ رکھنا افضل ہے، اور یہی امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مسلک ہے کہ سفر میں روزہ افضل ہے، فتح مکہ کے ارادہ سے جو دس ہزار قدوسیوں کا لشکر ظفر پیکر سفر کررہا تھا وہ جہاد فی سبیل اللہ اور اعلاء کلمۃ اللہ کی غرض سے تھا، اس کے لئے

تو نماز کو بھی مؤخر کیا جاسکتا ہے، جو روزہ سے بلاشبہ افضل ہے، اور دین کا ستون ہے اور ایمان کے بعد سب سے افضل اور بہتر عمل ہے، (سیرۃ المصطفیٰ ۲ ص ۱۷)

○ مرّالظہران پر قیام؛

لشکرِ اسلام بڑھتے بڑھتے مقام "مرّالظہران" پہونچ گیا، یہ جگہ مکہ معظمہ سے تقریباً چار میل کے فاصلہ پر ہے، قریش ابوسفیان کے ناکام واپس آنے سے بڑے پریشان تھے، اور ان کو آپؐ کے دس ہزار صحابہ کے ساتھ آنے کا علم بھی نہ تھا، جب آپؐ مرّالظہران پہونچ گئے تو اونٹ بکریاں چرانے والوں نے مکہ جاکر قریش کو بتلایا، کہ مرّالظہران پر ایک عظیم الشان لشکر آیا ہوا ہے، نہ معلوم کون لوگ ہیں اور کہاں سے آئے ہیں،

○ ابوسفیان کی تفتیش کے لئے روانگی اور گرفتاری؛

یہ خبر سنکر ابوسفیان اور اس کے ساتھ بدیل بن ورقا اور حکیم بن حزام حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے تفتیش کے لئے "مرالظہران" پہنچے تو لشکرِ جرار نظر آیا، دیکھ کر گھبرا گئے اور آنکھیں پھٹی رہ گئیں، حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق ایک ایک ہزار مجاہدین کو علیحدہ علیحدہ دس جگہ ٹھیرادیا گیا، اور آپؐ کی ہدایت اور عرب کے دستور کے مطابق لوگوں نے ہر جگہ آگ روشن کر رکھی تھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھ بھال کے لئے چوکیدار بٹھادیئے تھے، ابوسفیان معلوم کرتا پھر رہا تھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ پہریدار کو جب شبہہ ہوا تو ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں کو گرفتار کرلیا،

○ حضرت عباس کو اہل مکہ کی طرف سے تشویش؛

حضرت عباسؓ فرماتے ہیں مسلمانوں کی تیاریاں دیکھ کر مجھے اہلِ مکہ کی طرف سے تشویش ہوئی کہ اگر آج اہلِ مکہ نے "محمد" صلی اللہ علیہ وسلم سے امن حاصل نہ کیا تو ان کا خاتمہ یقینی ہے، اسی فکر میں غرق ایک تیز رفتار خچر پر سوار ہوکر مکہ کی طرف روانہ ہوگیا، اور یہ سوچتا رہا شاید راستہ میں کوئی آدمی مل جائے تو اہلِ مکہ کو اطلاع کرادوں کہ آج "محمدؐ" سے بچکر نکل بھاگنے کی کوئی صورت نہیں،

حضرت عباسؓ بیان کرتے ہیں میں ایک پہاڑی کے قریب پہنچا تو دو آدمیوں کی آواز میرے کانوں میں آئی، جو آپس میں یوں باتیں کر رہے تھے، یہ لشکر کن لوگوں کا ہے جس کی آگ کی روشنی سے سارا جنگل روشن ہو رہا ہے،

حضرت عباسؓ نے ابوسفیان سے کہا یہ رسول اللہؐ کا لشکر ہے، اے ابوسفیان! خدا کی قسم! اگر تجھ پر رسول اللہؐ کامیاب ہوگئے (یعنی اگر تو قابو میں آگیا) تو تیری گردن اڑادی جائے گی، اس لئے قریش کی خیریت اسی میں ہے کہ آپؐ کی اطاعت قبول کرکے امن کی درخواست کریں،

○ ابوسفیان کا اسلام قبول کرنا:

ابوسفیان مسلمانوں کے قافلوں کو دیکھ کر پہلے ہی گھبرائے ہوئے تھے، حضرت عباسؓ کی باتیں سُنکر تو ہوش ہی جاتے رہے، اور حضرت عباسؓ سے کہنے لگے اب کیا صورت ہو کہ جان بچ جائے؟ حضرت عباسؓ نے کہا، میرے ساتھ چل کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے معافی مانگ لو، یہ سنتے ہی ابوسفیان حضرت عباسؓ کے پیچھے ان کے خچر پر بیٹھ گئے، راستہ میں حضرت عمرؓ کی نظر پڑی تو فوراً پکارے، آج دشمنِ اسلام، دشمنِ نبیؐ خود بخود یہاں پہنچ گیا، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اجازت دیں تو میں اس کی گردن اُڑا دوں، اسی درمیان حضرت عباسؓ نے حضرتؐ سے جان بخشی کی درخواست کی، آپؐ نے حضرت عباسؓ سے کہا، ابوسفیان کو رات بھر کے لئے اپنے خیمہ میں لے جاؤ، صبح کو میرے پاس لانا، صبح کو حضرت عباسؓ ابوسفیان کو لے کر خدمتِ نبویؐ میں حاضر ہوئے، آپؐ نے فرمایا:

"اے ابوسفیان! کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ خدا کو ایک مانو؟"

ابوسفیان بولے، بیشک اللہ ایک ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اگر کوئی دوسرا خدا ہوتا تو اس آڑے وقت میں میری مدد کرتا، اس کے بعد ابوسفیان نے اسلام قبول کر لیا، اور "رضی اللہ عنہ" کہلانے کے حقدار ہو گئے، الغرض ابوسفیان حضرت عباسؓ کی ترغیب پر حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے،

مصنف سیرۃ النبیؐ علامہ شبلیؒ لکھتے ہیں:۔

"ابوسفیان کے تمام پچھلے کارنامے آپؐ کے سامنے تھے، اور ایک ایک چیز اس کے قتل کی دعویدار تھی، اسلام کی عداوت، مدینہ پر بار بار حملہ، قبائلِ عرب کو اشتعال دلانا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خفیہ قتل کرانے کی سازش، ان میں سے ہر چیز اس کے خون کی قیمت ہو سکتی تھی، لیکن ان سب سے بالاتر ایک اور چیز عفوِ نبویؐ تھا"

حضرت عباسؓ کو خیال تھا کہ ابھی ابوسفیان کا دل پوری طرح صاف نہیں ہوا، اور ایسے شخص کا جو عمر بھر تفاخر و حکومت کا عادی رہا ہو مطیع بن کر عام مسلمانوں میں شامل رہنا سہل نہیں ہے، اس لئے انھوں نے عرض کیا یارسول اللہؐ! ابوسفیان کو کوئی اعزاز عطا فرما دیجئے جس سے اُن کو اپنی قوم میں فخر کرنے کا موقع مل جائے، آپؐ نے اُن کا دل رکھنے کے لئے فرمایا، اچھا جو کافر بھی ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے گا اُس کو امان ہے، اور ہم اس کو کچھ نہیں کہیں گے،

کفارِ مکہ نے مسلمانوں پر جو مظالم کئے تھے اور خود حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو کتنا ستایا اور آپؐ کی شان میں گستاخیاں کی تھیں حتیٰ کہ آپؐ کے قتل تک کا فیصلہ کر لیا تھا جس کی وجہ سے آپؐ حضرت ابوبکرؓ کو ساتھ لے کر ہجرت پر مجبور ہو گئے، ان وجوہ سے کفار سراسیمہ اور خوف زدہ تھے کہ دیکھئے آج محمد رسول اللہؐ

صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں؟ اور ان کا خوف زدہ ہونا اس وجہ سے اور بھی حق بجانب تھا کہ آج آپؐ کے پاس طاقت تھی، آپؐ فاتح تھے، آپؐ کو قدرت حاصل تھی کہ آج ان مجرموں اور ظالموں کے ساتھ جو چاہیں کریں، مگر آپؐ دنیاوی بادشاہوں اور حکمرانوں کی طرح نہ تھے،

چنانچہ ایک شخص جو عمر بھر نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) اور مسلمانوں کی مخالفت کرتا رہا تھا فتح مکہ کے وقت ہانپتا کانپتا آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپؐ نے فرمایا:

"خوف نہ کر، میں کوئی (دنیاوی) بادشاہ نہیں ہوں، بلکہ تمہاری طرح خشک گوشت کھانے والی ایک قریشی عورت کا بیٹا ہوں"

مکہ معظمہ میں داخلہ سے پہلے شرائطِ معافی کا اعلان،

اگرچہ آپؐ کا اتنا اعلان بھی کفار کے لئے کافی تھا کہ ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جانے والے کو کچھ نہ کہا جائے گا، وہ اپنے آپ کو محفوظ و مامون سمجھے، مگر اُن کے گھر میں اتنی جگہ کہاں تھی جس میں سارے مکہ کے کافر آجائیں، اس لئے آپؐ نے اِن شرائط کا مزید اضافہ فرمایا:

① خانۂ کعبہ یعنی مسجدِ حرام میں داخل ہو جانے والے کو امن ہے ② اپنے گھر کا دروازہ بند کر کے بیٹھ جانے والے کو امان ہے ③ ہتھیار رکھ دینے والے کو امان ہے، ④ بھاگ جانے والے کو کچھ نہ کہا جائے گا ⑤ حکیم بن حزام اور ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جانے والے کو امان ہے،

(ابن ہشام)

○ صحابۂ کرام کا داخلہ؛ ——— ۲۰ رمضان المبارک ۸ھ یوم جمعۃ المبارک،

مکہ معظمہ میں داخلہ سے پہلے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباسؓ سے فرمایا، اب لشکرِ اسلام مکہ میں داخل ہونے شروع ہوں گے، اس لئے ابوسفیان کو مکہ میں پہلے سے نہ جانے دیں اور سامنے پہاڑیوں پر لیکر کھڑے ہو جائیں، تاکہ جب اسلامی لشکر اُن کے سامنے سے گذریں تو اُن کو دیکھ کر اسلام کی عظمت اور شان و شوکت کا سکہ اُن کے دل میں بیٹھ جائے، حسب الحکم حضرت عباسؓ اُن کو لے کر وہاں کھڑے ہو گئے، اور لشکرِ اسلام گذرنے شروع ہوئے، سب سے پہلے حضرت خالد بن ولیدؓ اپنے ایک ہزار لشکریوں کو لے کر گذرے، جن کے ہاتھوں میں ننگی اور چمکتی ہوئی تلواریں تھیں، جب اُن لوگوں نے نعرۂ تکبیر بلند کیا تو پہاڑیاں تک گونج گئیں، اور سننے والوں کے دل دہل گئے، اس کے بعد ہر لشکر مستانہ وار اور خوشی سے سرشار اپنے سردار کے جھنڈے کے نیچے نعرۂ تکبیر بلند کرتا ہوا گذرتا رہا، اور ابوسفیان تعجب سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتے رہے، آپؐ نے حضرت خالدؓ

کو ہدایت فرمائی کہ مکہ میں داخلہ کے وقت کسی پر تلوار نہ اٹھائی جائے، مگر مشرکین میں سے اگر کوئی ابتداء کرے تو جواب دینا، چنانچہ حضرت خالدؓ جب داخل ہوئے تو بعض کفار نے اُن کی مزاحمت کی تو مجبوراً اُن سے تھوڑی سی جنگ کرنی پڑی، جس میں اٹھائیس کافر مارے گئے، اور دو یا تین مسلمان شہید ہوئے،

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تلواریں چلتی دیکھیں تو حضرت خالدؓ سے باز پرس کی تو انھوں نے عرض کیا: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کفار نے ہم پر حملہ میں پہل کی تو ہم نے حفاظتِ خود اختیاری (اپنے بچاؤ) کے لئے جواب دیا، اس پر آپؐ نے ارشاد فرمایا: اللہ کو یوں ہی منظور تھا،

○ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں کس طرح داخل ہوئے؟

جب سارے قافلے داخل ہو چکے تو آخر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مشہور ناقہ "قصواء" پر سوار اس طرح داخل ہوئے کہ آپؐ کے پیچھے آپؐ کے آزاد کردہ غلام حضرت زیدؓ کے صاحبزادے حضرت اُسامہؓ سوار تھے، اُن کے والد حضرت زیدؓ جنگِ مُوتہ میں شہید ہو گئے تھے، (بخاری)

انصار و مہاجرین آپؐ کو گھیرے میں لئے ہوئے اس طرح چل رہے تھے جیسے پروانے شمع پر نثار ہوتے ہیں، یہاں پہونچ کر دس سال پیچھے کی اُس رات پر ایک نظر ڈالئے جب آپؐ رات کی تاریکی میں اپنے رفیق حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ساتھ مکہ چھوڑ کر ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے تھے، اور دشمنوں نے آپؐ کو زندہ یا مُردہ حالت میں پکڑ کر لانے والے کو سَو اونٹ انعام مقرر کر دیا تھا، آج وہی دشمن نبیِ برحق کے خون کے پیاسے آپ کی رحم و کرم کی نگاہ کے منتظر ہیں،

○ حدیث میں ہے جب آپؐ مکہ میں داخل ہوئے تو (اپنی چچازاد بہن) اُمّ ہانیؓ کے گھر تشریف لے گئے، غسل فرمایا، اس کے بعد آپؐ نے "صلوٰۃ الفتح" کی نیت سے آٹھ رکعتیں پڑھیں (بخاری)

یوم الفتح آپؐ کے لئے بڑی خوشی کا دن تھا، اس کے باوجود داخلہ کے وقت آپؐ گردن جھکائے ہوئے عاجزی کے ساتھ سورۂ فَتَحْنَا کی آیتیں تلاوت کرتے ہوئے داخل ہوئے، اور شکرِ خداوندی ادا کرتے کرتے آپؐ کا سر جھکتے جھکتے ہودج سے لگ گیا، (بخاری)

آپؐ کے چہرۂ مبارک سے خوشی کے ساتھ عجز و انکساری کے جذبات نمایاں نظر آرہے تھے، آپؐ کے داخل ہونے کا منظر لوگ بڑے غور سے دیکھ رہے تھے، کوئی یہ منظر دیکھ کر اس تصور سے خوف زدہ تھا کہ دیکھئے آج میرے ساتھ کیا ہوتا ہے؟ کوئی بغض و حسد سے دل ہی دل میں گھلے جا رہا تھا،

○ مسجدِ حرام میں داخلہ اور بُت شکنی؛

کتنے افسوس اور رونے کا مقام تھا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے جس مقدس گھر کی تعمیر امام الموحدین

اور بُت شکن سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے پاک ہاتھوں سے کرائی تھی، اس پاک گھر میں کفار نے سال کے دنوں کی تعداد کے حساب سے تین سو ساٹھ بُت رکھ کر اس کو ناپاک کیا ہوا تھا، اور خدائے واحد و یکتا کی عبادت کے بجائے بتوں کی پوجا پاٹ کی جاتی تھی،

آپؐ جب حرم پاک میں داخل ہوئے تو آپؐ کے دستِ مبارک میں ایک چھڑی تھی، آپؐ نے اس کی نوک سے اللہ کے گھر کو بتوں کی نجاست سے پاک کیا اور حرم میں موجود لوگوں کی نگاہوں نے یہ معجزہ دیکھا کہ آپ یہ آیت پڑھ کر چھڑی کی نوک سے بُت کی طرف اشارہ فرماتے اور بُت اوندھے مُنہ گر جاتا،

جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ ؕ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ۝ (پ ۱۵، ع ۹)	حق یعنی اسلام آپہنچا اور باطل یعنی شرک گیا گذرا ہوا اور واقعی باطل تو ہے ہی مٹنے والی چیز"

ان بتوں کے علاوہ خانۂ کعبہ کے اندر بھی کفار نے بُت رکھ چھوڑے تھے، آپؐ نے اندر داخل ہونے سے پہلے اونٹنی پر سوار ہو کر خانہ کعبہ کا طواف کیا، اونٹنی پر طواف کرنے کی وجہ علماء نے یہ لکھی ہے کہ صحابۂ کرام دیکھ لیں، کہ طواف کیسے کیا جاتا ہے؟ کیونکہ آپؐ کے بعد آنے والے لوگوں کے لئے یہی فعل اسوہ اور نمونۂ عمل بننے والا تھا،

○ عثمان بن طلحہؓ کلید بردار سے کنجی لیکر خانۂ کعبہ کی صفائی؛

خانۂ کعبہ کا دروازہ زمین سے اونچا ہے یہ کبھی کبھی کھلتا ہے، اس کی کنجی عثمان بن طلحہؓ کے پاس رہتی تھی خانۂ کعبہ کے کلید بردار کو شَیْبِی کہا جاتا ہے،

حضرت عثمان بن طلحہؓ کا بیان ہے کہ خانۂ کعبہ کی کنجی ہمارے پاس رہا کرتی تھی، ہم ہفتہ میں صرف دو شنبہ (پیر) اور پنجشنبہ (جمعرات) کو کھولا کرتے تھے، ہجرت سے پہلے ایک مرتبہ حضورؐ نے دروازہ کھولنے کی فرمائش کی تو میں نے سختی سے انکار کر دیا، آپؐ نے فرمایا، عثمان! وہ وقت جلد آنے والا ہے کہ کنجیاں میرے ہاتھ میں ہوں گی اور میں جس کو چاہوں گا دوں گا، یوم الفتح پر حضورؐ نے حضرت عثمان بن طلحہؓ سے کنجی لے کر خانۂ کعبہ کو کھلوایا تو اُن کو ہجرت والا آپؐ کا فرمان یاد آ گیا، حضرت عثمانؓ سے جب کنجی آپؐ کے دستِ مبارک میں آ گئی تو حضرت عباسؓ نے عرض کیا، حضورؐ! یہ کنجی مجھے عنایت فرما دیجئے، اسی طرح حضرت علیؓ نے بھی درخواست کی، مگر اللہ تعالیٰ نے اسی وقت یہ آیت نازل فرمائی:۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ،

"بیشک اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتیں امانت والوں کو واپس دیدو"

چابی لے کر دروازہ کھولا گیا، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے داخل ہو کر دیواروں پر جتنے بُت بنے ہوئے تھے

سب کو مٹا ڈالا، غضب خدا کا کہ ان مشرکین نے حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسمٰعیلؑ اور حضرت عیسیٰؑ تک کی تصویریں بنا رکھی تھیں، ان سب کو مٹا کر کعبہ کو صاف کر دیا،

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بلالؓ اور حضرت طلحہؓ کو لے کر اندر داخل ہوئے اور کعبۃ اللہ کے اندر داخل ہو کر ہر چہار طرف اَللّٰہُ اَکْبَرُ کا نعرہ بلند کیا، اللہ کا شکر ادا کیا، اللہ کا شکر ادا کرنے کے بعد دروازہ پر تشریف لائے، تو دیکھا حرم پاک لوگوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا ہے، اور لوگ شرم و ندامت خوف و ہراس سے سر جھکائے نگاہیں نیچی کئے مجرموں کی طرح دہشت زدہ کھڑے ہوئے آپؐ کی نگاہِ عفو و درگذر کے منتظر ہیں،

آپؐ نے باب کعبہ پر کھڑے ہو کر خطبہ دیا، اور مجمع کی طرف دیکھا، تو جبارانِ قریش سامنے تھے، ان میں وہ حوصلہ منز بھی تھے جو اسلام کے مٹانے میں سب سے پیش پیش رہتے تھے، وہ بھی تھے جن کی زبانیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر گالیوں کے بادل برسایا کرتی تھیں، وہ بھی تھے جن کی تیغ و سنان نے پیکرِ قدسی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گستاخیاں کی تھیں، وہ بھی تھے جنھوں نے آپؐ کے راستہ میں کانٹے بچھائے تھے، وہ بھی تھے جو وعظ کے وقت آپؐ کی ایڑیوں کو لہو لہان کر دیا کرتے تھے، وہ بھی تھے جن کی تشنہ لبی خونِ نبوت کے سوا کسی چیز سے بجھ نہیں سکتی تھی، وہ بھی تھے جن کے حملوں کا سیلاب مدینہ کی دیواروں سے آ آ کر ٹکرایا تھا، وہ بھی تھے جو مسلمانوں کو جلتی ہوئی ریت پر لٹا کر اُن کے سینوں پر گرم گرم سلاخیں لگایا کرتے تھے، کوئی حضورؐ کے چچا سید الشہداء حضرت حمزہؓ کا قاتل تھا، تو کوئی اُن کا مُثلہ کرنے اور کلیجہ نکال کر چبانے والی تھی،

خطبہ کے بعد آپؐ نے دریافت فرمایا:

یَا مَعْشَرَ قُرَیْشٍ مَا تَرَوْنَ اِنِّیْ فَاعِلٌ بِکُمْ، قَالُوْا خَیْرًا اَخٌ کَرِیْمٌ وَابْنُ اَخٍ کَرِیْمٍ،	"اے قریشی گروہ میرے متعلق تمہارا کیا خیال ہے کہ میں تمہارے ساتھ کیا معاملہ کروں گا؟ تو لوگوں نے عرض کیا، بھلائی کا، آپ شریف بھائی ہیں اور شریف بھائی کے

ان لوگوں کے جواب کے بعد آپؐ نے اعلان فرمایا:

اِنِّیْ اَقُوْلُ لَکُمْ کَمَا قَالَ یُوْسُفُ لِاِخْوَتِہٖ لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ اِذْهَبُوْا فَاَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ (ابن ہشام)	"میں تم سے وہی کہتا ہوں جو یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا، جاؤ تم سب آزاد ہو اور آج تم پر کچھ الزام نہیں"

اس کے بعد آپؐ نے عثمان بن طلحہؓ سے یہ فرماتے ہوئے کنجی واپس دیدی، یہ کنجی اللہ نے تم کو واپس دلائی ہے، آئندہ تمہارے ہی پاس رہے گی، اور غاصب و ظالم کے علاوہ اور کوئی تم سے یہ چابی نہیں چھین سکے گا، اس کے بعد سے آج تک یہ چابی حضرت عثمانؓ بن طلحہ کے خاندان میں چلی آرہی ہے،

○ مکہ کے قرب وجوار کے بتوں کو توڑ ڈالنے کا حکم:

کعبۃ اللہ کو بتوں کی نجاست سے پاک کر دینے کے بعد صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت کو مکہ کے قرب وجوار میں واقع بتوں کو توڑ ڈالنے کے لئے مقرر فرمایا،

○ ۲۵ رمضان المبارک کو حضرت خالد بن ولیدؓ کو عُزّیٰ کو توڑنے کے لئے وادیٔ نخلہ بھیجا، یہ جگہ مکہ معظمہ سے باہر واقع تھی، قریش نے یہ بُت اُس وادی میں نصب کیا ہوا تھا، اور اُن کا یہ سب سے بڑا بُت سمجھا جاتا تھا،

○ حضرت عمرو بن العاصؓ کو سُوَاع بُت کو توڑنے کے لئے بھیجا، یہ قبیلہ ہذیل کا بڑا مشہور بُت تھا، اور مکہ سے تین میل کے فاصلہ پر تھا،

○ ۲۶ رمضان المبارک کو حضرت سعد بن زیدؓ کو مناۃ کے توڑنے کے لئے بھیجا، یہ قبیلۂ بنو کلب کا مشہور بُت تھا، اور جبلِ مشلّل پر نصب تھا،

لات اہلِ طائف کا معبود تھا،

ان کے علاوہ آپؐ نے یہ بھی فرمایا، جو شخص اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہئے اپنے گھر میں ایک بھی بُت نہ چھوڑے، یہ حکم ملتے ہی مسلمانوں نے اپنے گھروں کو بُتوں سے پاک وصاف کر دیا،

○ فتح مکہ کے بعد حضورؐ کے چند روز مکہ میں قیام سے انصار کو فکر:

فتح کے بعد حضورؐ نے کچھ اطمینان کا سانس لیا، اور کعبۃ اللہ کے قرب اور آبائی وطن کی وجہ سے اور بھی سکون حاصل ہوا، پھر آٹھ سال کی جبریہ جُدائی کے بعد اب صاحبِ اختیار واقتدار ہو کر حاضری کا موقع ملا، تو سکون ہونا لازمی تھا، اس لئے چند روز قیام کو دل چاہا اور چند روز مقیم رہے، انصار کے بعض نوجوانوں کو خیال ہوا ایسا معلوم ہوتا ہے فتح حاصل ہونے کے بعد شاید آپؐ مکہ ہی میں ٹھہر جائیں اور مدینہ واپس تشریف نہ لے جائیں،

○ حضورؐ کی طرف سے انصار کی دلداری:

شدہ شدہ یہ بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک بھی پہونچ گئی، تو آپؐ نے انصار کو جمع کیا، اور فرمایا "میرے کانوں میں یہ بات پڑی ہے، یہ بات کس نے کہی ہے"؟

انصار کے بڑے بوڑھوں نے جواب دیا، حضورؐ! ہم نے تو ایسی کوئی بات نہیں کہی، البتہ چند جوشیلے نوجوانوں نے ایسی بات کہدی ہے، ہم اُن کی اس حرکت کی معافی چاہتے ہیں،

اس کے بعد انصار کی دلداری کرتے ہوئے ارشاد فرمایا،

مَعَاذَ اللّٰہِ اَلْمَحْیَا مَحْیَاکُمْ وَالْمَمَاتُ مَمَاتُکُمْ،

"خدا کی پناہ! کہیں ایسا ہو سکتا ہے کہ میں تم کو چھوڑ دوں، میرا جینا اور مرنا تمہارے ساتھ ہے"

(نور البصر فی سیرۃ خیر البشرؐ)

○ فتح مکہ کے بعد اسلام لانے والی چند مشہور ہستیاں؛

مشرکین میں بہت سے ایسے لوگ بھی تھے جو دل میں صداقتِ اسلام کے قائل تھے، لیکن قبائل عرب فتح مکہ کے بعد کے حالات کا جائزہ لے رہے تھے کہ کیا رُخ اختیار کرتے ہیں؟ خدا کی قدرت مکہ فتح ہونے کی دیر تھی کہ لوگ فوج در فوج اسلام میں داخل ہونے شروع ہو گئے اور جو لوگ حالات کا جائزہ لے رہے تھے اب اُن کے اسلام لانے کا راستہ صاف ہو گیا،

ابو سفیان نے تو ہوا کا رُخ دیکھ کر فتح سے پہلے ہی اسلام قبول کر لیا تھا جس کا بیان پہلے کیا جا چکا ہے، ان کے علاوہ حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کے والد ابو قحافہ نے بھی فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کیا، یہ نابینا اور بہت بوڑھے ہو گئے تھے، حضرت ابو بکرؓ ہاتھ پکڑ کر آپ کی خدمت میں لائے تو آپ نے فرمایا، تم نے بڑے میاں کو کیوں تکلیف دی؟ میں خود ان کے پاس چلا جاتا،

ہند جس نے حضرت حمزہؓ کو قتل کرایا تھا اور اُن کا سینہ چاک کر کے کلیجہ نکال کر چبایا تھا یہ عتبہ کی بیٹی اور حضرت معاویہؓ کی والدہ تھیں، انھوں نے بھی اسلام قبول کر لیا،

مدینہ منورہ واپس ہونے سے پہلے مکہ معظمہ کا انتظام

مکہ معظمہ کے لئے امیر اور حرم کعبہ کے لئے مؤذن کا تقرر

آپ خانۂ کعبہ میں ہی تھے کہ نماز کا وقت ہو گیا، آپ نے حضرت بلالؓ کو اذان کا حکم دیا، انھوں نے بیت اللہ کی چھت پر کھڑے ہو کر اذان پڑھی، بہت سے کافر پہاڑیوں پر چڑھے یہ منظر دیکھ رہے تھے کہ یہ بغیر جنگ و جدال کے کیسے کیا ہو گیا؟ کفار کے چند نوجوانوں نے اذان کا مذاق اُڑایا، اُن نوجوانوں میں ایک نوجوان ابو محذورہ بھی تھے، یہ خوش الحان تھے، ان کا واقعہ ہم اسی تذکرہ کے صفحہ پر بیان کر چکے ہیں وہاں دیکھ لیا جائے، ان کو اسلام سے سخت نفرت تھی، مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز سے اُن کی حالت ہی بدل گئی آپ نے ان کو کعبۃ اللہ کا مؤذن مقرر کر دیا اور یہ مرتے دم تک یہ خدمت انجام دیتے رہے تقرر کے وقت سولہ سال عمر تھی، ۵۹ھ میں مکہ معظمہ میں وفات پائی،

جیسے مؤذن کم عمر تھے ایسے ہی مکہ کا امیر بھی کم عمر حضرت عتاب بن اُسیدؓ کو مقرر فرمایا، اُن کی عمر بمشکل بیس سال تھی ـــــــ وَذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَاءُ

ایں سعادت بزورِ بازو نیست ؎ تانہ بخشد خدائے بخشندہ

ابھی آپؐ مکہ ہی میں تھے کہ ماہ شوال میں جنگِ حنین وطائف کے معرکے پیش آگئے، اس لئے ان کا بھی مختصر سا حال بیان کیا جاتا ہے،

جنگِ حُنین؛

(ماہ شوال ۸ھ مطابق فروری سنہ ۶۳۰ء)

فتح مکہ کے بعد آپؐ ابھی مدینہ واپس نہیں ہوئے تھے، کہ آپؐ کو معلوم ہوا کہ قبیلۂ ہوازن وثقیف اپنے ساتھ دوسرے قبائلِ عرب کو ملا کر مکہ معظمہ پر حملہ کی تیاریاں کر رہے ہیں، آپؐ کو جب اُن کی تیاری کا علم ہوا تو دس ہزار مہاجرین وانصار (جو آپؐ کے ساتھ مدینہ سے آئے تھے) اور دو ہزار فتح مکہ کے وقت مسلمان ہونے والے حضرات سب مل کر بارہ ہزار مجاہدینِ اسلام حُنین کی طرف روانہ ہوگئے، اور ۱۰ شوال کو آپؐ حُنین پہونچے، حُنین مکہ معظمہ اور طائف کے درمیان ایک جگہ ہے، اسی جگہ یہ جنگ ہوئی تھی، اسی لئے اس جنگِ حُنین کہتے ہیں، اور اسی کو غزوۂ اوطاس بھی کہتے ہیں، تاریخِ اسلام میں یہ پہلا موقع تھا کہ اتنی بھاری تعداد میں کیل کانٹے سے لیس ہو کر مسلمان مجاہدین دشمن سے مقابلہ کے لئے نکلے، اُدھر کفار کی تعداد بھی چار ہزار کے قریب تھی،

مجاہدین کی اتنی بڑی تعداد دیکھ کر بعض صحابہؓ سے رہا نہ گیا، اور بے ساختہ کہنے لگے "جب ہم تھوڑے تھے اس وقت ہمیشہ غالب آتے رہے آج تو ہماری اتنی بڑی تعداد ہے، کہ کسی سے مغلوب ہونیوالے نہیں، گویا بظاہر اللہ تعالیٰ کی مدد کی طرف سے نگاہ ہٹ گئی، یہ فخریہ جملہ اللہ والوں کی زبان سے اللہ تعالیٰ کو پسند نہ آیا، اور اس کا نتیجہ اسی وقت سامنے آگیا، جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں یوں بیان فرمایا:

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ۝

(پ ۱۰، ع ۱۰)

بلاشبہ اللہ نے لڑائی کے اکثر مقامات پر تمہاری مدد کی ہے، اور خاص کر حُنین کے دن بھی جبکہ تم اپنی کثرتِ تعداد پر خوشی کے مارے پھول گئے تھے، مگر وہ کثرت تمہارے کام نہ آئی، اور تم پر زمین باوجود اپنی وسعت کے تنگ ہوگئی، پھر تم کافروں کو پیٹھ دکھا کر پیچھے ہٹ گئے"

ہوازن وثقیف کے لوگوں کو جب معلوم ہوا کہ مسلمانوں کا عظیم الشان لشکر ہم پر حملہ کرنے کے لئے آرہا ہے تو پہاڑوں میں چھپ گئے، ہوازن قبیلہ تیراندازی کے فن میں سارے عرب میں مشہور تھا، اُن کے ماہر تیرانداز بھی حنین کی پہاڑیوں میں گھات لگا کر بیٹھ گئے، (ابن ہشام)

اسلامی لشکر جب حنین پہنچا تو تیرانداز پہاڑوں سے نکل کر اچانک اُس پر ٹوٹ پڑے، اس اچانک حملے سے مسلمان گھبرا گئے، اور چاروں طرف سے تیروں کی اتنی بارش ہوئی کہ مسلمانوں کو قدم جمانے مشکل ہو گئے، اور فتح مکہ کے بعد جو لوگ نئے نئے مسلمان ہوئے تھے بھاگنے لگے، اور دیکھتے دیکھتے سب کے پاؤں اُکھڑ گئے، زمین باوجود فراخی کے ایسی تنگ ہوئی کہ کہیں پناہ کی جگہ نہ ملتی تھی، یہ ویسا ہی نقشہ ہوا جیسے غزوۂ اُحد میں ہوا تھا، مگر حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم تلوار میان سے نکال کر میدان میں ثابت قدمی سے کھڑے ہوئے یہ ترانہ پڑھتے رہے اور نہ صرف ایک جگہ کھڑے رہے بلکہ آگے بڑھتے رہے ؎

أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ ۚ أَنَا ابْنُ عَبْدُ الْمُطَّلِبْ

"میں سچا نبی ہوں یہ جھوٹ نہیں، میں عبد المطلب کا بیٹا ہوں"

اس کے بعد آپؐ نے ایک مٹھی خاک لے کر اس پر شَاهَتِ الْوُجُوهُ پڑھ کر کفار کی طرف پھینک دی، تو سب آنکھیں ملتے رہ گئے، یہ ویسا ہی معجزہ ہے جیسا جنگِ بدر میں ہوا تھا،

آپؐ کے پاس حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عباسؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ وغیرہ رضی اللہ عنہم تقریباً ستر یا اسّی بلکہ بعض اہلِ سیر کے نزدیک کُل دس نفوس قدسیہ ہی باقی رہ گئے تھے جو اپنی جگہ پہاڑ کی طرح جمے کھڑے رہے، ایک طرف آپؐ کی سواری کی رکاب حضرت عباسؓ اور دوسری طرف ابوسفیان بن الحارث تھامے ہوئے تھے، (بخاری ومسلم)

○ جنگ کا رُخ مسلمانوں کے حق میں؛

جو کچھ مسلمانوں کے ساتھ ہوا یہ اس غرور کا نتیجہ تھا کہ ان کی نگاہ اللہ تعالیٰ کی مدد کی طرف سے ہٹ کر اپنی کثرت کی طرف چلی گئی تھی، اس کے بعد جلد اللہ تعالیٰ نے فضل فرمایا، اور جنگ کا رُخ مسلمانوں کے حق میں بدل گیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی تسکین اور نزولِ ملائکہ کے ذریعہ مدد فرمائی، جیسا کہ اس آیت میں ذکر ہے،

ثُمَّ أَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَأَنْزَلَ جُنُودًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ

"اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ پر اور مسلمانوں پر اپنی طرف سے تسکین اور تسلی نازل فرمائی اور ایسے لشکر بھیجے جو تم کو نظر نہیں آتے تھے اور کافروں کو سخت سزا

آپؐ نے انصار اور بیعتِ رضوان کے وقت شریک صحابہ کو آواز دی، حضرت عباسؓ بلند آواز تھے، آپؐ نے ان سے کہا تم ان کو بلاؤ، حضرت عباسؓ کی آواز کانوں میں پڑتے ہی سب مسلمان دیوانہ وار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اِرد گرد جمع ہوگئے اور آپؐ کو چھوڑ کر چلے جانے پر بڑے نادم و پشیمان ہوئے، اس کے بعد ایسے جم کر لڑے کہ دشمن کو میدان چھوڑ کر بھاگنا پڑا، اور جو سامان ساتھ لائے تھے وہ بھی وہیں چھوڑ بھاگے، یہ لوگ اپنے تمام جانور مال، عورتوں اور بچوں تک کو ساتھ لائے تھے، تاکہ اگر شکست کا سامنا ہو تو مال و دولت، بال بچوں کا خیال نہ آئے، دوسرے اُن لوگوں کا یہ بھی دستور تھا کہ عورتیں میدانِ جنگ میں مَردوں کے حوصلے بڑھاتی رہیں،

غرض جب شکست ہوئی تو سب کچھ چھوڑ کر بھاگے، اب اس سامان کی تفصیل بھی پڑھ لیجئے جو چھوڑ کر بھاگے، ستّر آدمی قتل ہوئے، ہزارہا قیدی بنائے گئے جن میں فقط عورتیں ہی چھ ہزار تھیں، چوبیس ہزار اونٹ تیس ہزار بھیڑ بکریاں، چار ہزار اوقیہ چاندی (تقریباً آجکل کے چالیس پچاس ہزار روپے کے برابر)

(تفسیر ماجدی)

محاصرۂ طائف اور جنگ

(ماہ شوال ۸ھ مطابق فروری ۶۳۰ء)

طائف کے متعلق پہلے بھی بیان ہو چکا ہے، یہاں صرف یہ بتلانا ہے کہ حُنین میں جب ہوازن و ثقیف کو شکست ہوگئی تو اُن کا ایک سردار مالک بن عوف اور اس کے ساتھ بہت سے لوگوں نے بھاگ کر طائف کے قلعہ میں پناہ لی، اور قلعہ میں گھس کر قلعہ کا دروازہ بند کر لیا،

اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم طائف تشریف لے گئے، اور قلعہ کا محاصرہ کر لیا، ان لوگوں نے قلعہ کے اندر کھانے پینے کی چیزوں کا ذخیرہ کر لیا تھا، اس لئے بالکل بے فکر تھے، اور محفوظ بھی تھے، اور مسلمان کھُلے میدان میں ہونے کی وجہ سے غیر محفوظ تھے، یہ لوگ قلعہ کے اندر سے مسلمانوں پر تیر برساتے رہے، جس کی وجہ سے بہت سے مسلمان زخمی ہوگئے، اور بارہ حضرات شہید بھی ہوگئے، مسلمانوں نے قلعہ کی دیوار میں نقب لگانی شروع کی تو دشمن نے لوہے کی گرم سلاخیں گرانی شروع کر دیں،

مسلمانوں کی یہ تکلیف دیکھ کر حضرت عمرؓ نے عرض کیا، یا رسول اللہؐ! آپ ان کے حق میں بددُعا کیجئے، تو آپؐ نے فرمایا مجھے اللہ تعالیٰ نے اس کی اجازت نہیں دی، اس پر حضرت عمرؓ نے عرض کیا جب یہ بات ہے تو پھر لڑنے کی ضرورت ہی نہیں، اس کے بعد آپؐ نے سب مجاہدین کو کوچ کا حکم دیدیا، اور چلتے وقت یہ دعا فرمائی: اَللّٰھُمَّ اھْدِ ثَقِیْفًا وَّاْتِ بِھِمْ "یا اللہ ثقیف کو ہدایت نصیب فرما اور ان کو مسلمان کر کے میرے پاس پہنچا دے" (سیرۃ النبیؐ ج ۱)

پھر یہ قلعہ خود بخود فتح ہو گیا، اور آپؐ کی دعا سے یہ سب لوگ مسلمان ہو گئے، اور مالک بن عوف اُن کا سردار خود خدمتِ نبویؐ میں مدینہ منورہ میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہو گیا،

○ جعرانہ سے عمرہ اور مدینہ منورہ واپسی ؛

جعرانہ طائف سے مکہ آتے ہوئے راستہ میں پڑتا ہے، اور مکہ سے اٹھارہ میل ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم طائف سے جب واپس ہوئے تو جعرانہ سے احرام باندھکر عمرہ ادا فرمایا، اور ۲۷ ذیقعدہ کو تقریباً ڈھائی مہینے بعد مدینہ منورہ پہنچے،

عمرہ سے فارغ ہو کر آپؐ نے مدینہ واپسی کی تیاری شروع کی اور حضرت معاذ بن جبلؓ کو اہل مکہ کو دین کی باتیں بتلانے اور سکھلانے کے لئے معلم و استاد مقرر فرما کر مدینہ روانہ ہو گئے، تقریباً ڈھائی ماہ بعد ذیقعدہ کے مہینہ میں آپؐ صحابہ کرام کے ساتھ واپس پہونچ گئے،

○ مال غنیمت کی تقسیم ؛

حنین میں جو مالِ غنیمت کفار چھوڑ بھاگے تھے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے جعرانہ میں جمع کر دیا گیا، آپؐ نے دس دن انتظار فرمایا کہ شاید ثقیف و ہوازن کے لوگ اپنے عزیز و اقارب کو چھڑانے آئیں، جب کوئی نہ آیا تو اس مالِ غنیمت کو مجاہدین میں تقسیم کر دیا،

تقسیم کے بعد قبیلۂ ہوازن کا ایک وفد خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور اسلام قبول کیا، حضرت حلیمہؓ اسی قبیلہ سے تعلق رکھتی تھیں، ان گرفتار قیدیوں میں آپؐ کی دودھ شریک بہن "شیما" بھی تھیں، جب ان کو مسلمانوں نے گرفتار کیا تو کہنے لگیں میں تمہارے پیغمبرؐ کی رضاعی بہن ہوں، صحابہ نے ان کو خدمتِ نبوی میں پیش کیا تو شیما بولیں، اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں تمہاری رضاعی بہن ہوں، اس کے بعد تصدیق کے لئے پہچان بتلائی کہ آپؐ نے میرے کاٹا تھا تو دانت کا نشان پڑ گیا تھا، وہ نشان یہ ہے، اس پہچان کے بعد آپؐ نے ان کے بیٹھنے کے لئے اپنی چادر بچھادی اور بڑی عزت کی، خوشی کی وجہ سے آنکھوں میں آنسو بھر آئے، اور آپؐ کے اس عزت و احترام کا اُن پر ایسا اثر ہوا کہ اسلام قبول کر لیا، اور ان سے فرمایا اگر تم چاہو تو میرے ساتھ چلو، وہاں رہنا، اور چاہو تو تمہارے گھر بھجوا دوں، انھوں نے اپنی قوم میں جانا مناسب سمجھا تو آپؐ نے اجازت دیدی، چلتے وقت کچھ اونٹ اور بکریاں، تین غلام اور ایک باندی عطا فرمائی، (سیرت مصطفیٰؐ)

○ قیدیوں وغیرہ کی واپسی کی درخواست ؛

ہوازن کا قبیلہ جب اسلام لے آیا تو اپنے قیدیوں وغیرہ کی واپسی کی درخواست کی، آپؐ نے جواب دیا میں نے تو تمہارا دس دن انتظار کیا، تم لوگ دیر سے پہونچے، وہ سب مالِ غنیمت میں تقسیم کر دیا گیا، اس کے بعد

نماز ظہر کے بعد مجاہدین سے ان کے قیدی واپس کر دینے کی درخواست کی، آپؐ کی درخواست پر لوگوں نے چھ ہزار قیدی ہنسی خوشی واپس دیدیئے، آپؐ کے اس احسان اور اخلاق کا ان لوگوں پر جو اثر ہوا ہوگا اس کا ہم لوگ اندازہ نہیں کر سکتے، غالباً اسی وجہ سے یہ لوگ آپؐ کے مدینہ پہنچتے ہی پیچھے پیچھے مدینہ پہونچ کر مسلمان ہوگئے، اور طائف کا قلعہ بغیر جنگ کے فتح ہوگیا،

۸ھ کے کچھ اور واقعات:

فتح مکہ کے بعد کفار میں ہلچل مچ گئی اور لوگ فوج در فوج اسلام میں داخل ہونے لگے، جس کا اشارہ قرآن کریم کی اس سورت میں کیا گیا ہے،

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا	(اے نبیؐ) جب اللہ تعالیٰ کی مدد اور فتح آپہنچے اور آپؐ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے دین میں جوق در جوق داخل ہوتا ہوا دیکھ لیں،

ان اسلام لانے والوں کا شمار بھی مشکل ہے، پھر بھی چند ایسے لوگوں کے نام پیش کئے جاتے ہیں جن سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو روحانی اور جسمانی تکلیفیں پہنچیں کہ اُن کو برداشت کرنا آپؐ ہی کا حوصلہ تھا، مگر اسلام کی خاطر آپؐ نے اُن کو معاف فرمادیا،

① کعب بن زہیر:- یہ شاعر تھے، آپؐ کی ہجو میں بڑے بڑے قصیدے اور اشعار کہا کرتے تھے، غزوۂ طائف کے بعد اُن کی کیفیت یہ ہوگئی کہ ان کو اپنا وجود بوجھ معلوم ہونے لگا، اور خدا کی زمین اپنی وسعت کے باوجود اتنی تنگ معلوم ہونے لگی کہ جی چاہتا تھا زمین شق ہو تو میں اس میں سما جاؤں، اُن کے بھائی بجیرؓ نے مشورہ دیا کہ اسلام قبول کرلو تو حاضرِ خدمت ہو کر اسلام قبول کیا، اسلام قبول کرنے کے بعد حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و توصیف میں قصیدہ لکھا، جو قصیدۂ بانت سعاد کے نام سے مشہور ہے،

② وحشی:- سید الشہداء حضرت حمزہؓ کے قاتل، جنھوں نے اسلام قبول کرنے کے بعد مسیلمۂ کذاب مدعی نبوت کو قتل کیا،

③④ عتبہ، معتب:- یہ دونوں ابولہب کے بیٹے تھے، انھوں نے بھی اسلام قبول کرلیا،

⑤ عکرمہ:- یہ ابوجہل کے بیٹے تھے، اپنے زمانۂ کفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذائیں پہنچانے میں پیش پیش رہتے تھے، اور فتح مکہ کے موقع پر حضرت خالدؓ کے دستے پر حملہ کرنے میں بھی یہی پیش پیش تھے، بلکہ دس مسلمان جو شہید ہوئے تھے ان میں ایک انہی کے ہاتھ سے شہید ہوئے تھے، حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب عکرمہ کے ہاتھوں ایک مسلمان کے شہید ہونے کی اطلاع ملی تو آپؐ نے مسکراتے ہوئے فرمایا قاتل و مقتول

دونوں جنت میں نظر آتے ہیں، صحابہ یہ جملہ سُنکر سمجھ گئے کہ عکرمہ مسلمان ہو جائیں گے، ان کے اسلام لانے کا قصہ طویل ہے، مختصر یہ ہے کہ یہ بھی مسلمان ہو گئے، پھر یہی عکرمہ تھے کہ مسلمان ہونے کے بعد یہ کیفیت ہو گئی تھی کہ جب قرآن کریم کی تلاوت شروع کرتے تو وجد طاری ہو جاتا، اور کہتے جاتے:

هٰذَا كَلَامُ رَبِّيْ، هٰذَا كَلَامُ رَبِّيْ، "یہ میرے رب کا کلام ہے، یہ میرے رب کا کلام ہے"

○ صاحبزادہ حضرت ابراہیمؓ کی ولادت و وفات:

اسی سال حضرت ماریہ قبطیہؓ سے صاحبزادہ حضرت ابراہیمؓ کی ولادت ہوئی، لیکن عمر نے وفا نہ کی، اور بچپن ہی میں انتقال فرما گئے، اس روز اتفاقی بات یہ ہوئی کہ سورج کو گرہن لگا، اہلِ عرب میں مشہور تھا کہ کسی بڑے آدمی کی موت پر ایسا ہوا کرتا ہے، اس واقعہ کے بعد جدید الاسلام بھی یہ کہنے لگے کہ حضرت ابراہیمؓ کی وفات سے سورج کو گرہن لگا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ بات سُنی تو فوراً مسجد میں لوگوں کو جمع کیا، اور ارشاد فرمایا:

اِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَا يَخْسِفَانِ لِمَوْتِ اَحَدٍ مِّنَ النَّاسِ وَلٰكِنَّهُمَا اٰيَتَانِ مِنْ اٰيَاتِ اللّٰهِ فَاِذَا رَاَيْتُمُوْهَا فَصَلُّوْا (بخاری)	"بیشک سورج اور چاند کو کسی انسان کی موت سے گرہن نہیں لگتا، لیکن یہ دونوں اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں، جب تم اُن کو گہن لگا دیکھو تو نماز پڑھا کرو"

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج گرہن ہونے پر دو رکعت نمازِ کسوف پڑھائی، اور اس میں اتنا طویل قیام اور رکوع و سجود کئے کہ اس سے پہلے کبھی دیکھنے میں نہ آیا تھا، (مگر نمازِ کسوف مکروہ وقت میں نہیں پڑھی جائے گی) ایسی حالت میں خدا سے دعا اور استغفار کرتا رہے۔

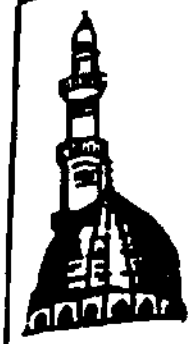

سنہ ۹ھ

کے

چند مشہور واقعات

① غزوۂ تبوک ② مسجدِ ضرار آگ کی نذر ③ صدیقِ اکبرؓ کو امیر الحج بنا کر بھیجنا ،
④ مشرکین کا مسجدِ حرام میں داخلہ بند ⑤ وفود کی آمد ،

غزوۂ تبوک یا جیش العسرۃ ؛ ماہِ رجب سنہ ۹ھ مطابق اکتوبر سنہ ۶۳۰ء

یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری غزوہ ہے ، تبوک زمانۂ رسالتؐ میں ملکِ شام کا ایک شہر تھا ، آجکل یہ سعودی عرب میں شامل اور حکومت کی زبردست چھاؤنی ہے ،

قرآن کریم میں اس غزوہ کو سَاعَةِ الْعُسْرَةِ یعنی "مشکل گھڑی" سے تعبیر فرمایا گیا ہے ، کیونکہ اس غزوہ کے وقت اوّل تو سخت گرمی تھی ، دوسرے مسافت یعنی فاصلہ زیادہ تھا ، تیسرے کھجوریں پکنے کا موسم تھا ، جس پر اہلِ عرب کا گذر تھا ، اور یہی اُن کے پورے سال کی پونجی تھی ، چوتھے اُس زمانہ کی عظیم رومی حکومت سے مقابلہ ، پھر بے سروسامانی ایسی کہ ایک ایک کھجور کو یکے بعد دیگرے چوس کر مجاہدین اوپر سے پانی پی لیتے تھے ، پھر پانی کی نایابی کی وجہ سے اونٹوں کی آلائش نچوڑ کر پینے کی نوبت آگئی ، سواری کی اتنی تنگی کہ دس دس آدمی ایک اونٹ پر باری باری سوار ہوتے تھے ، ان مشکلات کے علاوہ منافقین کی ریشہ دوانیاں علیحدہ ، جو یہ کہہ کر جنگ میں جانے سے روکتے تھے لَا تَنْفِرُوْا فِی الْحَرِّ ط "ایسی سخت گرمی میں مت نکلو" اسی لئے اس کو جیش العسرۃ بھی کہتے ہیں ،

ان ناموافق حالات میں مسلمانوں کا رومی جیسی عظیم طاقت سے ٹکر لینا پہاڑ سے ٹکر لینا تھا ، کیونکہ رومی حکومت کا اس وقت اتنا عروج تھا کہ ہرقل کی قیادت میں ایرانی فوجوں کو مار مار کر ایران کے اندر تک گھس گئی تھیں ، اس خوشی میں ہرقل نے حمص سے ایلیا تک بڑا زبردست اور فاتحانہ جلوس نکالا تھا ، اور خوب جشن منائے تھے ،

آپؐ جب تبوک کے لئے روانہ ہو رہے تھے تو بعض منافقین اشارہ اشارہ میں ایک دوسرے سے کہا کرتے تھے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس جنگ کو بھی عربوں سے جنگ جیسا آسان سمجھ لیا ہے ، خدا

کی قسم! ہمیں تو یہ نظر آرہا ہے کہ کل یہ سب رسیوں سے جکڑے بندھے پڑے ہوں گے (ابن ہشام)

لیکن دوسری طرف یہ کیفیت تھی کہ فتح مکہ کی وجہ سے ایسی دہشت اُن کے دلوں میں بیٹھ گئی تھی کہ ہر وقت رومیوں کو یہی خوف رہتا تھا کہ نہ معلوم مسلمان کب حملہ کر دیں، اور ہر وقت بوکھلائے رہتے تھے، اس بوکھلاہٹ میں ہر وقت یہی منصوبے بناتے رہتے تھے کہ مسلمانوں کے حملہ کرنے سے پہلے ہمیں حملہ کر دینا چاہیے، ہرقل نے مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے اس لئے اور زیادہ تیاری کی کہ منافقین مدینہ اور مدینہ سے باہر خبر وغیرہ کی طرف کے یہودیوں نے ہرقل کو ایک خط اس مضمون کا لکھ بھیجا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا ہے اور عرب لوگ قحط کی وجہ سے بھوکوں مر رہے ہیں، اس لئے ہرقل کو بہانہ مل گیا اور چالیس ہزار مدینہ پر حملہ کے لئے روانہ کر دیئے،

○ غزوۂ تبوک کیوں ہوا؟

یہ غزوہ اس لئے پیش آیا کہ آپؐ کو معلوم ہوا ہرقل شاہ روم شام کے راستہ مدینہ پر حملہ کرنے والا ہے، یہ وحشتناک خبر سنکر آپؐ نے فیصلہ کر لیا کہ اس کی فوج کے حملہ کرنے سے پہلے آگے بڑھکر ہمیں اس پر حملہ کر دینا چاہیے، مگر حالات ایسے تھے کہ حملہ کرنے کی اجازت نہ دیتے تھے، سب سے بڑا اور پہلا مسئلہ تیس ہزار مجاہدین کے لئے سامانِ جنگ وغیرہ کا تھا،

مدینہ طیبہ بلکہ پورا حجاز خشک سالی کی لپیٹ میں قحط سے دوچار تھا، زمینیں پیداوار سے خالی، نہریں اور تالاب خشک پڑے تھے، اور تمام باشندے بڑی تنگی سے گذارہ کر رہے تھے، ایسی حالت میں ظاہر بات ہے مجاہدین سامانِ جنگ کہاں سے اور کیسے لا سکتے تھے؟

○ حضورؐ کی مالداروں سے چندہ کی اپیل؛

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی مرتبہ مالدار لوگوں سے اپیل کی کہ مجاہدین کی امداد کریں، آپ کی اس اپیل پر حضرت عثمان غنیؓ نے دس ہزار دینار، تین سو اونٹ، چار ہزار درہم پیش کئے، (دینار سونے کا اور درہم چاندی کا سکہ ہوتا تھا)،

اسی طرح حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے پاس موجود مال میں سے نصف مال لاکر خدمتِ نبویؐ میں پیش کر دیا، حضرت ابوبکر صدیقؓ اپنے گھر میں موجود مال حتیٰ کہ جھاڑو بھی لے آئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں بزرگوں سے پوچھا گھر میں بھی کچھ مال چھوڑا؟ تو حضرت عمرؓ نے جواب دیا، نصف لایا ہوں، نصف چھوڑ آیا ہوں، حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا، گھر والوں کے لئے اللہ اور اس کا رسولؐ کافی ہیں، حضرت ابوبکرؓ کے اس جواب پر حضرت عمرؓ فرماتے ہیں میں نے اپنے دل میں سوچا تو کسی نیکی میں ابوبکرؓ سے نہیں بڑھ سکتا،

(ابوداؤد، ترمذی)

اسی طرح دوسرے صحابہؓ نے اپنی حیثیت کے مطابق امداد میں حصہ لیا، حتیٰ کہ عورتوں نے اپنے بدن کے زیورات تک اتار کر پیش کر دیئے، اس کے باوجود بعض حضرات ایسے رہ گئے کہ اپنی غربت کی وجہ سے سواری کا بندوبست نہ ہو سکا، اور وہ جہاد کی سعادت سے محروم رہ گئے،

○ جہاد کے لئے روانگی؛

جب تیاری مکمل ہو گئی تو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے محمد بن مسلمہ انصاریؓ کو اپنا نائب مقرر فرمایا اور حضرت علیؓ کو گھر بار کی نگرانی کے لئے چھوڑ دیا، اور آپؐ ماہ رجب بروز پنجشنبہ (جمعرات) تیس ہزار مجاہدین کا لشکر لے کر تبوک کی طرف روانہ ہو گئے، ان مجاہدین کے ساتھ سواری کے دس ہزار گھوڑے بھی تھے،

قومِ ثمود کی تباہ شدہ بستی کے پاس سے گذر اور مجاہدین کو ہدایت؛

اس سفر پر روانگی کے بعد لشکرِ اسلام کا گذر اس مقام سے ہوا جہاں قومِ ثمود پر اللہ کا عذاب نازل ہوا تھا، جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں پہونچے تو آپؐ نے اپنی سواری کو تیز کر دیا، اور چہرۂ مبارک پر کپڑا ڈال لیا، اور مجاہدین کو ہدایت فرمائی:

"کوئی آدمی اس تباہ شدہ بستی کے مکانوں میں داخل نہ ہو اور نہ یہاں کا پانی پیے، نہ یہاں کے پانی سے وضو کرے"

بعض حضرات نے لاعلمی میں پانی لے لیا تھا، اور آٹا گوندھ لیا تھا تو آپؐ نے حکم دیا کہ وہ پانی گرا دیں اور آٹا اونٹوں کو کھلا دیں، پھر آپؐ نے اس مقام کی زہریلی آب و ہوا کے اثر سے حفاظت کے لئے ایک تریاق تجویز فرمایا، کہ اس جگہ سے سر جھکا کر اور روتے ہوئے گذر جائیں، یعنی تخشع اور تضرع گریہ وزاری اور اپنے گناہوں پر ندامت اور شرمساری اس جیسے مقام کی زہریلی آب و ہوا سے بچنے کے لئے تریاق اور اکسیر کا حکم رکھتی ہے،

(سیرۃ المصطفیٰ بحوالہ بخاری)

○ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاء سے بارش؛

جب آپؐ نے ثمود کی تباہ شدہ بستی کے پانی کے استعمال تک سے منع فرما دیا تو حکم ملتے ہی صحابہؓ رک گئے، مگر اس کی وجہ سے پینے اور استعمال کرنے کے پانی کی تکلیف ہو گئی، تو صحابہ نے شکایت کی، آپؐ نے دعاء فرمائی اللہ تعالیٰ نے دعاء قبول فرمائی اور ایسی بارش ہوئی کہ سب لوگوں نے اپنی ضروریات پوری کر لیں،

(ابن ہشام)

○ اُونٹنی گم ہو جانے پر ملنے کا پتہ؛

اسی سفر میں آپؐ کی اونٹنی گم ہو گئی، تو ایک منافق نے طعنہ دیتے ہوئے کہا، آپؐ تو آسمانوں تک کی خبریں

بیان کرتے رہتے ہیں اور خود اپنی اونٹنی کی خبر نہیں، پھر آپؐ نے دعاء کی تو اللہ تعالیٰ نے الہام فرمایا کہ اونٹنی فلاں وادی میں ہے اور اس کی نکیل ایک درخت میں اٹک گئی ہے، صحابہ نے جاکر دیکھا تو واقعی اٹکی ہوئی تھی، اس کے بعد نکال کر لے آئے،

○ تبوک پہنچنے سے ایک روز پہلے آپؐ نے صحابہ کو خوش خبری سُنائی کہ کل چاشت کے وقت انشاء اللہ تعالیٰ تم لوگ تبوک کے ایک چشمہ پر پہونچو گے وہاں پانی کم ہے، تم میں سے اگر کوئی مجھ سے پہلے پہونچ جائے تو اس میں سے پانی نہ لے، جب آپؐ وہاں پہنچے تو قطرہ قطرہ اس میں سے ٹپک رہا تھا، بڑی مشکل سے تھوڑا سا پانی ایک برتن میں جمع ہوا، اُس پانی سے آپؐ نے ہاتھ مُنھ دھو کر وہ پانی اسی چشمہ میں واپس ڈال دیا، پانی ڈالتے ہی اس چشمہ سے فوارہ کی طرح پانی بہنے لگا، اور خدا جانے کہاں سے اتنے سوت کھُل گئے کہ جب تک تیس ہزار مجاہدین وہاں مقیم رہے اس پانی سے وضو، غسل وغیرہ ضروریات اس سے پوری کرتے رہے، اور چشمہ کے پانی میں ذرا بھی کمی نہیں آئی،

مصنف تاریخ اسلام مولانا میرٹھی اس چشمہ کے متعلق لکھتے ہیں:

"اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ بندہ نے بھی اس چشمہ کی زیارت کی اور آنکھوں سے دیکھا ہے اور اس کے سُوت حیرت انگیز جوش کے ساتھ بے شمار پانی دیئے چلے جارہے ہیں، سارا قصبہ اس سے سیر ہوتا ہے مگر اس میں ایک قطرہ کی بھی کمی نہیں آتی"

رومیوں کو جب معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تیس ہزار مجاہدین کا لشکر جرار لے کر آرہے ہیں تو اُن پر ایسا رُعب چھایا کہ آپؐ کے پہونچنے سے پہلے ہی میدان چھوڑ کر بھاگ گئے، جب آپؐ تبوک پہنچے تو میدان صاف تھا اس لئے لڑائی کی نوبت ہی نہیں آئی، اس کے بعد آپؐ تبوک میں پندرہ بیس روز ٹھہرے رہے،

آپؐ کے اس لشکر کی خبر سے صرف رومی ہی نہیں گھبرائے بلکہ رومی اتنی بڑی طاقت کا میدان چھوڑ کر بھاگ جانے کا آس پاس کی چھوٹی ریاستوں کے حکمرانوں پر ایسا اثر ہوا کہ ایلہ کا امیر یوحنا بن رؤبہ اور اس کے ساتھ اہلِ جربا، اذرح، اور مینا وغیرہ نے حاضرِ خدمت ہو کر صلح کی درخواست کی، اور اسلام کا باج گزار (جزیہ دینے والا) بن کر رہنے میں اپنی عافیت سمجھی، آپؐ نے اُن کی درخواست قبول فرمائی اور صلح نامہ لکھکر اُن کے حوالہ کیا،

مسجدِ ضرار آگ کی نذر

یہ نام کو مسجد تھی جو منافقین نے مسجدِ قباء کے مقابلہ میں اسلام کو نقصان پہنچانے کے لئے ابوعامر فاسق کے اشارہ پر بنائی تھی، ہجرت سے پہلے اس شخص نے نصرانی بن کر راہبانہ زندگی اختیار کرلی تھی، مدینہ اور اس کے آس پاس کے لوگ خصوصاً قبیلۂ خزرج کے لوگ اس کے زہد و درویشی کے معتقد ہوگئے تھے، اور اس کی بڑی تعظیم کرتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کرکے مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو وہاں ایمان و عرفاں کا آفتاب روشن ہوا، تو اس طرح کے درویشوں کا بھرم کھلنے لگا، بھلا نورِ آفتاب کے سامنے چراغِ مُردہ کو کون پوچھتا؟ ابوعامر یہ دیکھ کر چراغ پا ہوگیا، اور مدینہ سے بھاگ کر مکہ آگیا، تاکہ کفارِ مکہ کو حضورؐ کے مقابلہ میں چڑھا کر لائے، چنانچہ معرکۂ اُحد میں قریش کے ساتھ یہ بھی آیا، جس کی تفصیل غزوۂ اُحد کے بیان میں گذر چکی، غزوۂ حنین کے بعد جب ابوعامر نے سمجھ لیا کہ اب عرب کی کوئی طاقت اسلام کو ختم کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکتی تو بھاگ کر شام پہنچا، وہاں سے منافقینِ مدینہ کو خط لکھا کہ میں قیصرِ روم سے مل کر ایک لشکرِ جرار محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مقابلہ میں لے کر آنے والا ہوں، جو چشم زدن میں اُن کے سارے منصوبے خاک میں ملادے گا، اور مسلمانوں کا نام و نشان مٹا کر چھوڑے گا، (العیاذ باللہ) تم فی الحال ایک عمارت مسجد کے نام سے بنالو، جہاں نماز کے بہانے جمع ہوکر اسلام کے خلاف ہر قسم کے سازشی مشورے ہوسکیں، اور قاصد تم کو اسی عمارت میں میرے خطوط وغیرہ پہنچا دیا کرے، ان خبیث مقاصد کے لئے مسجدِ ضرار تعمیر ہوئی،

تعمیر کے بعد منافقین کی ایک جماعت آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی، اور غلط بیانی سے کام لیتے ہوئے عرض کیا، یارسول اللہؐ! ہم لوگ مسجدِ قباء سے دُور رہتے ہیں، بوڑھے اور بیمار لوگ وہاں سے نماز پڑھنے قباء نہیں آسکتے، اس مجبوری کی وجہ سے ہم نے ایک مسجد بنالی ہے، اگر حضورؐ برکت کے لئے ایک نماز پڑھا دیں تو بہت اچھا ہوگا، (یعنی لوگوں کو دھوکہ آسانی سے دیا جاسکے گا)، اس وقت آپؐ تبوک جانے کی تیاری میں تھے، اس لئے آپؐ نے فرمایا، تبوک سے آنے کے بعد دیکھا جائے گا، آپؐ تبوک سے واپس تشریف لارہے تھے تو یہ آیتیں نازل ہوئیں جن میں منافقین کے مکر و فریب کا پردہ چاک کردیا گیا،

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا	"اور کچھ منافق وہ ہیں جنھوں نے اس غرض سے
وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ	ایک مسجد بنا کھڑی کی کہ مسلمانوں کو نقصان پہنچائیں
وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ	اور کفر کو تقویت دیں اور اہلِ ایمان میں تفریق

مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَيَحْلِفُنَّ إِنْ أَرَدْنَا إِلَّا الْحُسْنَىٰ ۖ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ۝	پیدا کریں اور اس مسجد کو اس شخص کا اڈا مقرر کریں جو ایک عرصہ سے اللہ اور اس کے رسولؐ سے برسرِ پیکار ہے وہ ضرور قسمیں کھا کھا کر یوں کہیں گے کہ ہمارا مقصد تو سوائے بھلائی کے اور کچھ نہیں تھا، اور اللہ گواہ ہے کہ یہ لوگ یقیناً جھوٹے ہیں۔

ساتھ ہی آپؐ نے فرمایا ــــــ لَا تَقُمْ أَبَدًا "اے پیغمبرؐ آپ اس مسجد میں کبھی جا کر کھڑے نہ ہوں"۔

حق تعالیٰ کی طرف سے جب منافقین کے مکر و فریب کا پردہ چاک کر دیا گیا اور آپؐ کو فرما دیا گیا کہ، آپ وہاں جا کر بھی کھڑے نہ ہوں،

تو آپؐ نے دو صحابہ کو بلا کر حکم دیا کہ جا کر اس مکان کو جلا ڈالو، صحابہ نے حکم ملتے ہی اس مصنوعی مسجد کو آگ لگا کر خاک کا ڈھیر کر دیا، منافق لوگوں نے جب یہ منظر دیکھا تو اس مصنوعی مسجد کو بچانے کی بجائے جانیں بچا کر اِدھر اُدھر بھاگ گئے، اور اس جگہ کو کوڑا کرکٹ اور غلاظت ڈالنے کی جگہ میں تبدیل کر دیا گیا، (یعنی کوڑا گھر بنا دیا)

○ مدینہ میں داخل ہونے پر استقبال؛

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب تبوک سے مدینہ واپس پہونچے تو اہلِ مدینہ آپؐ کے استقبال کے لئے اسی طرح باہر نکل آئے جس طرح ہجرت کے وقت نکلے تھے، اور وہی اشعار پڑھ کر والہانہ استقبال کیا،

○ غزوہ میں شرکت نہ کرنے والوں کی معذرت؛

اس غزوہ میں شرکت نہ کرنے والے اور لوگوں کو بہکانے والے منافقین تھے، ان کا سردار عبداللہ بن اُبی رئیس المنافقین تھا، یہ لوگ دوسرے لوگوں کو یہ کہہ کر روک رہے تھے کہ،

لَا تَنْفِرُوا فِي الْحَرِّ "ایسی سخت گرمی میں مت نکلو"

چنانچہ عبداللہ بن اُبی آپؐ کے روانہ ہونے سے پہلے "ثنیۃ الوداع" پر پہونچا ہوا تھا، پھر وہیں سے واپس لوٹ آیا،

○ منافقین کے علاوہ بعض غریب مسلمان ایسے تھے کہ اپنی غربت کی وجہ سے سواری وغیرہ کا انتظام نہ کر سکے، اس لئے ایسے لوگ شرکت سے محروم رہ گئے، قرآن کریم نے ان لوگوں کے متعلق فرمایا:

وَلَا عَلَى الَّذِينَ إِذَا مَا أَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَا أَجِدُ مَا أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَأَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا	"اور نہ اُن لوگوں پر کوئی گناہ اور الزام ہے جو آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ آپؐ اُن کو کوئی سواری دیں، اور آپؐ نے فرمایا کہ میں اپنے پاس کوئی ایسی سواری

اَلَّا اَجِدُ مَا اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ (پ۱۰، ع۱۸)	نہیں پاتا کہ جس پر تم کو سوار کردوں تو وہ یہ سُنکر

واپس آگئے اور ان کی حالت یہ تھی کہ اُن کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے کہ اُن کو خرچ کرنے کے لئے کچھ میسّر نہیں"

غزوۂ تبوک میں شریک نہ ہونے والوں کی توبہ :

منافقین کے علاوہ پانچ مخلص مسلمان ایسے تھے کہ ان میں سے دو کو اپنی کوتاہی کا احساس ہوا تو وہ فوراً تبوک پہونچ گئے، یہ دونوں حضرات ابوذر غفاریؓ اور حضرت خیثمہؓ تھے، مگر تین حضرات کعبؓ بن مالکؓ، ہلالؓ بن اُمیہؓ اور مرارہؓ بن ربیعؓ اخیر وقت تک نہ پہونچ سکے، قرآن کریم کی اس آیت میں ان ہی تین حضرات کی توبہ کا بیان کیا گیا ہے:

وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ؕ حَتّٰۤى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَ ضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْۤا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّاۤ اِلَيْهِ ؕ	"اور ان تین شخصوں پر بھی خدا نے مہربانی کے ساتھ توجہ فرمائی جن کا معاملہ آئندہ کے لئے ملتوی رکھا گیا تھا، یہاں تک کہ جب زمین باوجود اپنی فراخی کے ان تینوں اشخاص پر تنگ ہوگئی اور خود اُن کی زندگی اُن پر شاق

ہوگئی، اور انھوں نے سمجھ لیا کہ اللہ کی گرفت کے مقابلہ میں بجز اس ذات کے اور کوئی پناہ گاہ نہیں ہے"

اس آیت میں ثلثہ سے کعب بن مالکؓ، ہلال بن امیہؓ، مرارہ بن ربیعؓ یہی تینوں حضرات مراد ہیں، مختصر یہ کہ جب آپؐ تبوک سے واپس مدینہ منورہ تشریف لائے تو جو لوگ غزوہ میں شریک نہیں ہوئے تھے خاصکر منافقین کا گروہ اس نے حاضرِ خدمت ہوکر مختلف حیلے بہانے پیش کئے، آپؐ سُنکر خاموش ہوتے رہے اور کسی کو کچھ نہ کہا،

حضرت کعب بن مالکؓ اپنی کیفیت بیان کرتے ہیں تبوک کی مہم چونکہ بہت سخت اور دشوار گذار تھی اسی وجہ سے حضورؐ نے عام تیاری کا حکم دیدیا تھا، اور آپؐ کا حکم سُنکر لوگ تیاری میں لگ گئے تھے اس وقت خدا کے فضل سے میں آسودہ حال تھا، میرے پاس ایک چھوڑ دو دو سواریاں تھیں، میں اسی نشہ میں رہا کہ اگلی منزل پر آپؐ سے جاملوں گا، اسی آجکل میں وقت نکل گیا، کعب کا بیان ہے مدینہ میں آپؐ کے تبوک تشریف لے جانے کے بعد سناٹا ہوگیا، اور بچے منافق یا معذور مسلمان کے سوا مجھے مرد کوئی نظر نہ آتا جس سے مجھے وحشت ہوتی تھی، کہ لوگ میرے متعلق خیال کریں گے کہ یہ بھی شاید منافق ہوگیا، اب میں نے دل میں طرح طرح کے جھوٹے سچے منصوبے بنانے شروع کردیئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری پر یہ عذر پیش کروں گا وہ کروں گا، مگر ایک دن جب یہ معلوم ہوا کہ حضورؐ خیر وعافیت سے واپس تشریف لے آئے تو دل سے جھوٹ فریب کی ساری باتیں محو ہوگئیں، اور طے کرلیا کہ سچ کے سوا کوئی بات اس بارگاہ سے نجات دلانے والی نہیں، اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سچ بات عرض کردوں گا، آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے سلام عرض کیا، آپؐ نے غضب آمیز تبسم فرمایا اور تبوک سے

غیر حاضر رہنے کی وجہ دریافت کی، میں نے عرض کیا، یا رسول اللہؐ! اگر اس وقت میں کسی دنیا دار آدمی کے پاس ہوتا تو چرب زبانی اور چکنی چپڑی باتیں کر کے اپنے آپ کو صاف بچا لیتا، مگر میرا ایمان ہے اگر آپؐ سے غلط بیانی کر کے آپؐ کو راضی بھی کر لوں تو خداوند کریم میری غلط بیانی سے آپؐ کو مطلع کر کے مجھ سے ناراض کر دے گا،

اس کے بعد کعبؓ نے اپنی غیر حاضری کی وجہ آسودہ حالی بتلا کر عرض کیا، یا رسول اللہؐ واقعی میں مجرم ہوں آپؐ کو اختیار ہے میرے حق میں جو چاہیں فیصلہ فرما دیں، آپؐ نے فرمایا، یہ شخص ہے جس نے سچی بات کہی، اس کے بعد فرمایا، اچھا جاؤ اور خدائی فیصلہ کا انتظار کرو،

اور آپؐ نے تمام مسلمانوں کو حکم دیا کہ کعب اور ہلال بن اُمیہ اور مرارۃ بن ربیع ان تینوں سے قطع تعلق کر لیں، کیونکہ انھوں نے مسلمانوں کا ساتھ نہ دیا، مسلمان دشمنِ اسلام سے جنگ کرنے کے لئے اپنے گھروں سے نکل کر گئے اور یہ لوگ اپنے گھروں میں آرام سے بیٹھے رہے، پیغمبرِ خداؐ کا حکم ملتے ہی تمام مسلمانوں حتیٰ کہ اُن کے گھر والوں تک نے اُن کا بائیکاٹ کر دیا، میں نے لوگوں سے پوچھا میرے جیسا کسی اور کا بھی جُرم ہے؟ تو لوگوں نے بتلایا، ہاں! ہلال بن امیہ اور مرارۃ بن رُبیع دو آدمی تمھارے جیسے اور ہیں، وہ دونوں تو صدمہ کی وجہ سے گھر میں بیٹھ گئے، اور گھر میں رات دن رونے میں گذارتے، حضرت کعبؓ کا بیان ہے میں ذرا سخت اور قوی تھا مسجد میں نماز پڑھنے آتا، حضورؐ کو سلام کر کے دیکھتا تو آپؐ میری طرف سے مُنہ پھیر لیتے، مخصوص اقارب اور محبوب ترین اعزہ بھی مجھ سے بیگانہ ہو گئے تھے، اسی دوران ایک شخص نے مجھے بادشاہِ غسان" کا خط دیا جس میں میری مصیبت پر اظہارِ ہمدردی کے بعد دعوت دی تھی کہ میں اُس کے ملک میں آجاؤں، اور بہت کچھ لالچ دیا تھا، میں نے خط پڑھ کر کہا کہ ایک امتحان میں تو میں پہلے سے گھرا ہوا ہوں، اب یہ دوسرا امتحان اور، آخر میں نے وہ خط نذرِ آتش کر دیا،

چالیس دن گذرنے کے بعد دربارِ رسالتؐ سے جدید حکم پہونچا کہ میں اپنی عورت سے بھی علیحدہ رہوں، چنانچہ میں نے اپنی بیوی سے کہدیا کہ اپنے میکہ چلی جائے اور جب تک میرے متعلق کوئی خدائی فیصلہ ہو وہیں رہے،

حضرت کعبؓ فرماتے ہیں، مجھے سب سے بڑا فکر یہ تھا کہ اگر اسی حالت میں موت آگئی تو حضورؐ میرا جنازہ بھی نہ پڑھیں گے، اور بالفرض ان دنوں میں آپؐ کی وفات ہو گئی تو مسلمان ہمیشہ مجھ سے یہی معاملہ رکھیں گے، میری میّت کے قریب بھی کوئی نہ آئے گا، غرض پچاس دن اسی حالت میں گذرے کہ خدا کی زمین مجھ پر باوجود فراخی کے تنگ معلوم ہوتی تھی، اور زندگی سے بیزار ہو گیا، اسی حالت میں یکایک "جبلِ سلع" سے آواز آئی "یَاکَعْبَ بْنَ مَالِكٍ ابْشِرْ (اے کعب بن مالک خوش ہو جا) میں سنتے ہی سجدہ میں گر پڑا، معلوم ہوا کہ اخیر شب میں حق تعالیٰ کی طرف سے پیغمبر علیہ السلام کو خبر دی گئی کہ ہماری توبہ قبول ہو گئی ہے، جس کا قرآن میں یوں ذکر ہے:

ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوبُوا إِنَّ اللَّهَ	"پھر خدا نے اُن پر مہربانی سے توجہ فرمائی تاکہ وہ لوٹ

هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝ (پ ۱۱، ع ۳)	آئیں، بیشک اللہ توبہ کا بہت قبول کرنے والا نہایت مہربان ہے۔

حضرت کعبؓ فرماتے ہیں توبہ کی قبولیت کی بشارت ملنے پر میں خدمتِ نبویؐ میں حاضر ہوا، تو کل تک جو لوگ میرے سلام کا جواب دینا گوارا نہ کرتے تھے اب وہی لوگ مجھے مبارکباد دینے میں ایک دوسرے سے سبقت کرتے نظر آتے تھے، اور سب سے پہلے حضرت طلحہؓ نے کھڑے ہو کر مصافحہ کیا، حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ انور خوشی سے چاند کی طرح چمک رہا تھا، آپؐ نے ارشاد فرمایا، کعبؓ! اللہ نے تیری توبہ قبول فرمائی، میں نے عرض کیا یارسول اللہؐ! جس مال کی وجہ سے مجھ پر یہ افتاد پڑی ہے اب میں وہ سارا مال وجائداد خدا کی راہ میں صدقہ کرتا ہوں، آپؐ نے فرمایا سب مال وجائداد نہیں کچھ اپنی گذر بسر کے لئے روک لو، اس کے بعد میں نے خیبر کا حصہ روک کر باقی مال صدقہ کر دیا، چونکہ سچ بولنے کی وجہ سے اللہ نے مجھے نجات دی تھی اس لئے میں نے عہد کر لیا آئندہ کچھ بھی ہو کبھی جھوٹ نہ بولوں گا،

حضرت کعب بن مالکؓ اور اُن کے ساتھیوں کے اس واقعہ سے سمجھدار آدمی بہت کچھ سبق حاصل کر سکتا ہے،

○ مشروعیتِ حج: ——— ذیقعدہ ۹ھ مطابق ۶۳۱ء

فرضیتِ حج کے بعد خدا نے کیا مسلمانوں کو اسلامی تعلیمات کے مطابق پہلی مرتبہ حج کرنے کا موقع نصیب ہوا، ورنہ فتح مکہ سے پہلے اس پاک گھر کا مادرزاد ننگے طواف ہوتا تھا اور تین سو ساٹھ بُت رکھے ہوئے تھے، ماہ ذیقعدہ ۹ھ مطابق ۶۳۱ء کی پہلی فرصت میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو امیر الحج بنا کر تین سو صحابۂ کرام کا قافلہ حج کو بھیجا، گویا نزولِ اسلام کے بعد اسلامی تعلیمات کے مطابق یہ پہلا حج تھا، جس سے اسلامی شان وشوکت اور خدا کے مقدس گھر کی عظمت وادب واحترام کا مشاہدہ ہو رہا تھا اور کل کے کفار نے مسلمان ہونے کے بعد یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا،

○ مشرکین کا حرمِ پاک میں داخلہ بند؛

جب حضرت ابوبکر صدیقؓ حج پر روانہ ہو گئے تو سورۂ براءۃ نازل ہوئی، آپؐ نے حضرت علیؓ کو بھیجا کہ حضرت ابوبکرؓ کو بتلا دیں، اور سورۂ براءۃ کی ابتدائی چالیس آیتیں سُنا دیں اور اعلان کر دیں:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ج (پ ۱۰، ع ۱۰)	اے ایمان والو! مشرک لوگ ناپاک ہیں، سو یہ لوگ اس سال کے بعد سے مسجد حرام کے قریب (بھی) نہ آنے پائیں۔

قرآن کریم کے اس اعلان کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جزیرۃ العرب سے مشرکین اور یہود

وانصاری سب کو نکل جانے کا حکم دیدیا، اور آپؓ کی وصیت کے مطابق یہ حکم عملاً نافذ ہوا، (فوائدِ عثمانیؒ)

پہلے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مسلمانوں کو مسائلِ حج بتلائے، اس کے بعد اسی مجلس میں حضرت علیؓ سے فرمایا اب آپ سورۂ براءۃ کی آیتیں اور احکامات لوگوں کو سُنادیں تاکہ مشرکین بھی سُن لیں، حضرت ابوبکرؓ نے چند صحابہ کو حضرت علیؓ کا اعلان دور تک پہنچانے کے لئے مقرر کیا، علامہ شبلیؒ لکھتے ہیں حضرت ابوہریرہؓ وغیرہ نے اس اعلان کی اس زور زور سے منادی کی کہ گلا بیٹھ گیا، (سیرۃ النبیؐ ج ۱)

عامُ الوُفود

وفود کی آمد کا سال

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۝ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۝

ویسے تو اسلام کی ترقی خدا کے فضل وکرم سے پہلے دن سے ہی شروع ہوگئی تھی، مشرکینِ مکہ کی اس ترقی سے رات کی نیند اور دن کا چین ختم ہوگیا تھا، اور ہر وقت اس کے ختم کرنے کی تدبیریں سوچتے اور کرتے رہتے تھے، مگر دشمنوں کی ساری تدبیریں اُلٹی ہوتی رہتیں، حتیٰ کہ ۸ھ سے لوگ وفود کی صورت میں داخلِ اسلام ہونا شروع ہوگئے، اور فتح مکہ کے بعد تو وفود کی آمد کا لامتناہی سلسلہ شروع ہوگیا، اور ۹ھ میں انتہا کو پہونچ گیا، اسی لئے اصحابِ سیر اس سنہ کو "عام الوفود" کہتے ہیں، قرآن کریم کے پارۂ عمّ کی سورۂ اِذَا جَآءَ میں اسی طرف اشارہ ہے،

ان وفود کی تعداد بہت ہے، بعض حضرات نے ان کی تعداد بیتیس ۳۲ سے لے کر ساٹھ تک بیان کی ہے، ہم صرف اُن ناموں پر اکتفاء کرتے ہیں جن کو حکیم الامت مولانا تھانویؒ نے نشر الطیب میں بیان کیا ہے،

① وفد ثقیف	② وفد بنی تمیم	③ وفد طے	④ وفد عبد القیس	⑤ وفد بنی حنیفہ
⑥ وفد کندہ	⑦ وفد اشعریین	⑧ وفد ازد	⑨ وفد بنی الحارث	⑩ وفد ہمدان
⑪ وفد مُزَینہ	⑫ وفد دُوس	⑬ وفد نجران[۵]	⑭ وفد بنی سعد	⑮ طارق بن عبداللہ مع قوم
⑯ وفد مُحارب	⑰ وفد بنی سعد	⑱ وفد بنی فزارہ	⑲ وفد بنی اسد	⑳ وفد بکر
㉑ وفد عُذرہ	㉒ وفد بَلِی	㉓ وفد بنی مُرّہ	㉔ وفد خولان	㉕ وفد محارب
㉖ وفد صُداء	㉗ وفد غسّان	㉘ وفد سلامان	㉙ وفد بنی عَبْس	㉚ وفد ازد
㉛ وفد بنی منتفق	㉜ وفد نخع، یہ آخری وفد ہے جو محرم الحرام ۱۰ھ میں خدمتِ نبوی میں حاضر ہوا،			

[۵] یہ وہی وفد ہے جس کے مباہلہ کا قرآن پاک کے پارہ نمبر ۳ میں ذکر ہے، اس کا مختصر بیان وفود کے ناموں کے بعد آگے آرہا ہے،

○ وفد نجران؛

نجران یمن کے ایک شہر کا نام ہے، یہاں کے عیسائیوں نے ایک کلیسا بنا کر اس کو (معاذ اللہ) کعبہ کا درجہ دیا ہوا تھا، اس میں بڑے بڑے پادری رہتے تھے، ان کے لاٹ پادری کا نام عبدالمسیح تھا، اور یہ سب نصرانی المذہب تھے، حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے قبائل کی طرح اہلِ نجران کو بھی دعوتِ اسلام دی تو ۹ھ میں ساٹھ افراد پر مشتمل ایک وفد خدمتِ نبویؐ میں حاضر ہوا، اور یہ لوگ عصر کی نماز کے بعد مسجد نبویؐ میں داخل ہوئے، اور اپنے عقیدہ کے مطابق مشرق یعنی بیت المقدس کی طرف مُنہ کر کے نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہو گئے، صحابۂ کرام نے چاہا کہ اُن کو روک دیں مگر حضورؐ نے منع فرما دیا، اپنی نماز سے فارغ ہو کر ان لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق آپ کا کیا عقیدہ ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے سورۂ آلِ عمران کی ابتدائی اسّی آیتیں اس سلسلہ میں نازل فرمائیں، جن میں اُن لوگوں کے سوال کا جواب اور مذہبِ اسلام کی حقانیت کا بیان ہے، مگر انھوں نے ماننے کے بجائے آپ سے حجت شروع کر دی،

○ مباہلہ کی دعوت؛

حق تعالیٰ کی طرف سے فرمایا گیا، اگر یہ لوگ سیدھی طرح نہیں مانتے تو اُن کو مباہلہ کی دعوت دیں،

فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ۝

(پ ۳، ع ۱۴)

پھر آپؐ کے پاس صحیح علم آجانے کے بعد جو شخص آپؐ سے کج بحثی کرے تو آپؐ فرما دیجئے اچھا آجاؤ ہم تم مل کر اپنے اپنے بیٹوں کو اور اپنی اپنی عورتوں کو بلالیں، اور خود ہم اپنے آپ کو بھی شریک کریں، پھر ہم سب مل کر خدا کی جناب میں اس طور پر دُعا کریں کہ اُن پر اللہ کی لعنت ہو جو جھوٹے ہیں،،

دعوتِ مباہلہ سُن کر وفد نے مہلت چاہی کہ ہم آپس میں مشورہ کر کے جواب دیں گے، آخر مشورہ کیا اور ان میں جو سمجھدار لوگ تھے یہ طے کیا مباہلہ کی بجائے بہتر یہ ہے کہ صلح کر لی جائے، یہ پاس کر کے حضورؐ کی خدمت میں پہنچے، آپؐ حضرت حسنؓ، حسینؓ، حضرت فاطمہؓ، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ساتھ لئے باہر تشریف لا رہے تھے، یہ نورانی صورتیں دیکھ کر اُن کا لاٹ پادری بولا، میں ایسے پاک چہرے دیکھ رہا ہوں جن کی دعاؤں سے پہاڑ بھی اپنی جگہ سے ہٹ سکتے ہیں، اس لئے ان سے مباہلہ کر کے ہلاک نہ ہو، ورنہ زمین پر ایک نصرانی بھی باقی نہ رہے گا، آخر انھوں نے مقابلہ کا خیال چھوڑ کر سالانہ جزیہ دینا قبول کیا، اور صلح کر کے واپس چلے گئے،

حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر مباہلہ کرتے تو وادی آگ بن کر ان پر برستی، اور

خدا تعالیٰ نجران کا بالکل استیصال کر دیتا، ایک سال کے اندر اندر تمام نصاریٰ ہلاک ہو جاتے،

(خلاصہ تفسیر عثمانیؒ)

○ ۹ھ کے کچھ اور واقعات:

○ اسی سال سود کی حرمت کا حکم نازل ہوا جس کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ۱۰ھ میں حجۃ الوداع کے موقع پر اعلان فرمایا،

○ اسی سال بنتِ رسول حضرت اُمِ کلثومؓ زوجۂ حضرت عثمان ذی النورین کا انتقال ہوا،

○ اسی سال ماہ ذیقعدہ میں عبداللہ بن اُبی رئیس المنافقین کا انتقال ہوا،

○ اسی سال عدی بن حاتم اسلام لائے، یہ مشہورِ زمانہ سخی حاتم طائی کے بیٹے تھے، ان سے پہلے ان کی بہن سفانہ اسلام لائیں، ۹ھ میں یمن کے قبیلہ بنی طے نے بغاوت کی، اس وقت اس علاقہ کے حاکم حضرت علیؓ تھے، انھوں نے ان باغیوں کو گرفتار کر کے مدینہ منورہ بھیجدیا، ان میں حاتم طائی کی بیٹی سفانہ بھی تھی، اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنے باپ کی تعریف کی، اور آپؐ سے رحم کی درخواست کی، آپؐ نے اس کو بہت کچھ انعام دے کر رخصت کر دیا، سفانہ آپؐ کے انعام واکرام کے سامنے اپنے باپ حاتم کی سخاوت کو بھول گئیں اور واپس جا کر اپنے بھائی عدی سے آپؐ کے حسنِ سلوک اور اخلاقِ کریمانہ کا ذکر کیا، بہن کی زبان سے آپؐ کی تعریف سُنکر عدی نے مدینہ منورہ حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔

سنہ ۱۰ ہجری مطابق سنہ ۶۳۲ء

حجۃ الاسلام یا حجۃ الوداع

حج اسلام کا آخری رکن ہے، فرضیت حج کے بعد سنہ ۹ھ میں آپؐ نے پہلے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو امیر الحج بنا کر تین سو صحابہ کرام کو ان کی زیر امارت حج کے لئے بھیجا، کہ ان کو اسلامی تعلیم و ہدایت کے مطابق حج ادا کرائیں جس کا بیان مشروعیت حج کے ضمن میں گذر چکا ہے،

حضرت ابوبکرؓ کے روانہ ہونے کے بعد سورۂ برارۃ کی چالیس آیتیں نازل ہوئیں، تو آپؐ نے حضرت علیؓ کو بھیجا، آپ نے جا کر حضرت ابوبکر صدیقؓ کو بتلایا تو صدیق اکبرؓ نے ۱۰ ذی الحجہ کو منیٰ میں حضرت علیؓ سے اعلان کرایا کہ:

- اس سال کے بعد حرم پاک میں مشرکین کا داخلہ بند،
- آئندہ کوئی شخص بھی بیت اللہ شریف کا ننگے طواف کرتے نہ پایا جائے،
- آئندہ کوئی مشرک حج کے لئے منیٰ اور عرفات میں داخل نہ ہو سکے گا،

خدا کے فضل و کرم سے فتح مکہ کے وقت کعبۃ اللہ کو بتوں کی نجاست سے پاک و صاف کر دیا گیا تھا، اب مشرکین کا داخلہ، ننگے طواف اور مشرکین کو حج کی ممانعت کر دی گئی،

جن باتوں کی ممانعت کی گئی یہ سب باتیں ایسی تھیں جو عبادت یکسوئی سے ادا کرنے میں مخل ہوتی ہیں، اُدھر آپ کو حق تعالیٰ کی طرف سے بذریعہ وحی بتلا دیا گیا تھا کہ آپؐ کی بعثت کا مقصد پورا ہو گیا، اس لئے آپ اپنے رب سے ملاقات کی تیاری کریں،

آگے خطبۂ حج میں اس کی تفصیل بیان کی گئی ہے،

○ حج کے لئے روانگی:

آپؐ ۲۵ ذیقعدہ سنہ ۱۰ھ مطابق سنہ ۶۳۲ء کو ہفتہ کے دن بعد نماز ظہر مدینہ طیبہ سے روانہ ہوئے، راستہ میں جو قبائل آباد تھے وہ بھی آپؐ کے ساتھ شامل ہوتے رہے، مدینہ سے روانہ ہونے کے بعد آپؐ نے ذوالحلیفہ میں قیام فرمایا، یہ جگہ مدینہ سے پانچ چھ میل کے فاصلہ پر ہے، آجکل اس کو "ابیارِ علیؓ" یا "بیرِ علیؓ" کہتے ہیں، یہاں پہنچکر آپؐ نے پہلے عصر کی نماز پڑھی، یہیں رات گذاری، اتوار کو بعد ظہر آپؐ نے "قصواء" اونٹنی پر سوار ہو کر احرام باندھا، تاکہ صحابۂ کرام کا جمِ غفیر دیکھ لے کہ احرام کیسے باندھا جاتا ہے؟ کیونکہ آپؐ کا یہ فعل قیامت آنیوالے

لوگوں کے لئے شریعت اور اسوۂ حسنہ بننے والا تھا، آپؐ کی متابعت کرتے ہوئے صحابہ کرام نے بھی احرام باندھ لیا، احرام کے کپڑے پہن کر دو رکعت نمازِ احرام پڑھی، سلام پھیر کر حجِ قرانؔ کی نیت فرمائی، اور بلند آواز سے تلبیہ (لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ، لَبَّیْکَ لَاشَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ، اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَۃَ لَکَ وَالْمُلْکَ لَاشَرِیْکَ لَکَ ط) پڑھا، حنفیہ کے ہاں حجِ قران افضل ہے،

اس روح پرور اجتماع کا نقشہ کا اندازہ حضرت جابرؓ کے اس بیان سے کیا جاسکتا ہے، کہ میں نے نگاہ اٹھا کر دیکھا تو آگے پیچھے، دائیں بائیں غرض جدھر بھی نگاہ اٹھا کر دیکھتا تھا انسانوں کا جنگل ہی جنگل تھا، آپ جب تلبیہ پڑھتے تو آپؐ کی متابعت میں صحابہ بھی تلبیہ پڑھتے، تو دشت وجبل تک گونج اٹھتے تھے، اور عجیب روح پرور منظر ہوتا تھا، کیونکہ ایک لاکھ سے زائد توحید پرستوں اور شمع رسالت کے پروانوں کا یہ مجمع تھا،

۴ ذی الحجہ کو آپؐ طلوعِ آفتاب کے وقت مکہ معظمہ میں نویں دن داخل ہوئے، داخل ہوتے ہی بیت اللہ پر نظر پڑی، تو بلند آواز سے پڑھا، اَللّٰھُمَّ زِدْ بَیْتَکَ ھٰذَا تَشْرِیْفًا وَّتَعْظِیْمًا وَّتَکْرِیْمًا وَّمَھَابَۃً، اس کے بعد حجرِ اسود کو بوسہ دیا اور رملؔ واضطباعؔ کے ساتھ طوافِ قدوم فرمایا،

طواف سے فارغ ہو کر مقامِ ابراہیم پر تشریف لائے اور آیت وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰھِیْمَ مُصَلًّی ط پڑھکر دو رکعت واجب طواف پڑھیں، نمازِ طواف سے فارغ ہو کر پھر حجرِ اسود کو بوسہ دیا، پھر سعی کے لئے صفا پہاڑی پر تشریف لے گئے، اور اونٹنی پر سوار ہو کر صفا مروہ کی سعی فرمائی، سعی سے فارغ ہو کر آپؐ نے بحالتِ احرام اتوار، پیر، منگل، بدھ، چار روز مکہ معظمہ میں قیام فرمایا، ۷ ذی الحجہ یعنی بدھ کو مناسکِ حج حرم پاک میں تعلیم فرمائے، ۸ ذی الحجہ یعنی جمعرات کو مکہ سے منیٰ پہنچے، منیٰ سے ظہر، عصر، مغرب، عشاء، فجر پانچ نمازیں ادا فرمائیں،

منیٰ میں جمعہ یعنی ۹ ذی الحجہ کو فجر کی نماز پڑھ کر اشراق کے وقت عرفات کے لئے روانہ ہوئے، عرفات پہنچکر نمرہ (جہاں اب مسجدِ نمرہ ہے) میں لگے ہوئے خیمہ میں قیام فرمایا، یہیں آپؐ نے خطبۂ حج ارشاد فرمایا، خطبہ کے بعد

ؔ قران کا مطلب ہے عمرہ اور حج دونوں کا ایک ساتھ احرام باندھنا، جس کی نیت یوں کی جاتی ہے، اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُرِیْدُ الْحَجَّ وَالْعُمْرَۃَ فَیَسِّرْھُمَا لِیْ وَتَقَبَّلْھُمَا مِنِّیْ ط،

ؔ رمل اور اضطباع حج کی خاص اصطلاح ہے، رمل کا مطلب ہے طواف کے پہلے تین پھیروں میں اکڑ کر مونڈھے ہلاتے ہوئے قریب قریب قدم رکھ کر ذرا تیز قدم چلنا،

اور اضطباع کا مطلب یہ ہے احرام کی چادر کا جو حصہ داہنے مونڈھے پر رہتا ہے اس کو مونڈھے سے اُتار کر بائیں کندھے پر ڈالنا، جس طواف کے بعد سعی کرتے ہیں اس میں اضطباع کیا جاتا ہے، جس طواف کے بعد سعی نہ ہو تو اس طواف میں رمل نہیں ہوتا،

حضرت بلالؓ کو اذان کا حکم دیا، اذان کے بعد تکبیر ہوئی، تکبیر کے بعد نمازِ ظہر پڑھائی، نمازِ ظہر سے فارغ ہو کر فوراً دوسری تکبیر سے نمازِ عصر پڑھائی، (اس کو جمع بین الصلوٰتین کہتے ہیں) نماز سے فارغ ہو کر آپؐ قصویٰ پر سوار ہو کر جبلِ رحمت پر تشریف لائے، اور وقوف فرمایا، اونٹ پر بیٹھے بیٹھے غروب آفتاب تک دعاء، خدا کے حضور تضرع وزاری میں مصروف رہے، یہ جگہ ایک پہاڑی پر ہے، اس پر آپ کے وقوف کی جگہ نشان بنا ہوا ہے،

الوداعی ـــــ اور ـــــ تاریخی خطبہ

آپؐ نے ۹ ذی الحجہ یوم جمعہ کو بعد از زوال قبل از جمع بین الصلوٰتین عرفات کے میدان میں کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار[۴۴۰۰۰] صحابۂ کرام کے جمِ غفیر کے سامنے یہ تاریخی خطبہ دیا جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ امت کے والی اور نگہبان اپنے رخصت ہونے سے پہلے الوداعی خطبہ ارشاد فرما رہے ہیں، اور آپؐ نے صحابۂ کرام کے سامنے یہ بات اشارۃً بار بار فرمائی بھی، چنانچہ آپؐ نے ارشاد فرمایا:

خُذُوْا مَنَاسِكَكُمْ فَإِنِّيْ لَا أَدْرِيْ لَعَلِّيْ لَا أَحُجُّ بَعْدَ حَجَّتِيْ هٰذِهٖ (مسلم شریف)	"تم مجھ سے مناسک (حج) سیکھ لو، مجھے نہیں معلوم شاید اس حج کے بعد کوئی اور حج نہ کر سکوں"

چنانچہ حج فرض ہونے کے بعد آپؐ کا یہ پہلا اور آخری حج تھا، اس حج سے فراغت کے بعد آپ صرف تین ماہ اس دنیائے فانی میں رہے، اور ۱۲ ربیع الاوّل بروز دوشنبہ (پیر) کو اس دنیائے فانی سے پردہ فرما گئے،

اگرچہ یہ "تذکرہ" خلافِ توقع طویل ہوتا جا رہا ہے، لیکن دل چاہتا ہے یہ تاریخی خطبہ مختصراً پیش کرنے کی سعادت حاصل کر دوں،

آپؐ نے ارشاد فرمایا:

① إِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ حَرَامٌ عَلَيْكُمْ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ فِيْ بَلَدِكُمْ هٰذَا فِيْ شَهْرِكُمْ هٰذَا،	"لوگو! تمہارے خون اور تمہارے مال اور عزتیں ایک دوسرے پر بالکل اسی طرح حرام ہیں جس طرح آج عرفہ کے دن اور ذی الحجہ کے مہینہ اور اس مقدس شہر (مکہ) کی حرمت"

یعنی جس طرح آج عرفہ کے دن اور اس مہینہ ذی الحجہ اور اس شہر (مکہ) میں کسی کا ناحق قتل کرنا یا کسی کا ناحق

[۴۴۰۰۰] تعداد میں مختلف اقوال ہیں، بعض حضرات چوالیس ہزار کہتے ہیں، بعض حضرات کہتے ہیں آپؐ کے ساتھ مدینہ سے چلنے والے ایک لاکھ چودہ ہزار تھے، راستہ سے شریک ہونے والوں کی تعداد اس کے علاوہ تھی،

اور ناجائز طریقہ پر مال کھانا اور مال لینا حرام سمجھتے ہو، ایسے ہی آئندہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہر جگہ یہ افعال مسلمانوں کے لئے حرام کر دیئے گئے ہیں، پھر فرمایا:

② اَلَا كُلُّ شَيْءٍ مِّنْ اَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ تَحْتَ قَدَمَيَّ مَوْضُوْعَةٌ،	(اے لوگو!) خوب غور سے سن لو! آج سے زمانۂ جاہلیت کی تمام رسوم میرے قدموں کے نیچے دفن کر دی گئیں۔

یعنی آج سے زمانۂ جاہلیت اور اسلام کی روشنی سے پہلے کی تمام کفریہ باتیں منسوخ اور ختم کر دی گئیں، پھر فرمایا:

③ وَدِمَاءُ الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوْعَةٌ وَّاِنَّ اَوَّلَ دَمٍ اَضَعُ مِنْ دِمَائِنَا دَمُ ابْنِ رَبِيْعَةَ بْنِ الْحَارِثِ، وَكَانَ مُسْتَرْضِعًا فِيْ بَنِيْ سَعْدٍ فَقَتَلَهُ هُذَيْلٌ۔	"اور زمانۂ جاہلیت کے تمام خون بھی معاف ہیں، اور سب سے پہلے میں اپنے خاندان کے ربیعہ بن الحارث کے خون (کے بدلہ) ختم اور معاف کرتا ہوں جو قبیلہ بنی سعد کے ایک گھر میں دودھ پیتے تھے، اور اُس کو ہُذیل نے قتل کر ڈالا۔"

ربیعہ بن الحارث جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی تھے، ان کا ایک شیر خوار بچہ قبیلہ بنی سعد کی ایک عورت نے دودھ پلانے کے لئے اپنے گھر میں رکھ لیا تھا، وہ بچہ ہُذیل اور بنی سعد کے گھر لڑائی جھگڑے میں قتل کر دیا گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر لانے کو اس کا بدلہ لینے کا (اس زمانہ کے رواج کے مطابق) حق تھا، لیکن آپؐ نے اپنے اس خطبہ میں سب سے پہلے اس حق سے دستبرداری اور معافی کا اعلان فرمایا، تاکہ دوسرے لوگ اس سے سبق حاصل کر کے اپنے اپنے حق سے دستبردار ہو کر آپس میں شیر و شکر ہو کر رہنا سیکھیں، پھر آپؐ نے فرمایا:

④ وَرِبَا الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوْعٌ وَّاَوَّلُ رِبًا اَضَعُ مِنْ رِّبَانَا رِبَا عَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَاِنَّهٗ مَوْضُوْعٌ كُلُّهٗ،	"اور زمانۂ جاہلیت کا سودی لین دین ملیا میٹ کر دیا گیا۔ اور سب سے پہلے میں اپنے سودی کاروبار کے خاتمہ کا اعلان کرتا ہوں جو عباس بن عبد المطلب کا ہے وہ سب کا سب چھوڑ دیا۔"

سودی کاروبار جو زمانۂ جاہلیت میں نہ معلوم کب سے چلا آرہا تھا، اس کے خاتمہ کی ابتداء بھی آپؐ نے اپنے گھر (یعنی چچا) کے سودی مطالبات کی منسوخی اور دستبرداری سے کی،

آج کا مسلمان ذرا ٹھنڈے دل سے غور کرے کہ جس فعل کو قرآن پاک اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام قرار دیا تھا آج وہی ہمارے معاشرہ میں داخل ہو گیا ہے، کہ اس سے بچنا ناممکن ہوتا جا رہا ہے، اور جو

اللہ کے نیک بندے اس سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں ان کو آجکل بیوقوف سمجھا جاتا ہے، اور دقیانوسی اور جامد خیالی اور متعصب اور نہ معلوم کیا کیا کہا جاتا ہے،

⑤ فَاتَّقُوا اللّٰهَ فِي النِّسَآءِ وَإِنَّكُمْ أَخَذْتُمُوهُنَّ بِأَمَانِ اللّٰهِ وَاسْتَحْلَلْتُمْ فُرُوجَهُنَّ بِكَلِمَتِ اللّٰهِ وَلَكُمْ عَلَيْهِنَّ أَنْ لَّا يُوطِئْنَ فُرُشَكُمْ أَحَدًا تَكْرَهُونَهُ فَإِنْ فَعَلْنَ ذٰلِكَ فَاضْرِبُوهُنَّ ضَرْبًا غَيْرَ مُبَرِّحٍ،

آے لوگو! اپنی بیویوں کے حقوق کے بارے میں اللہ سے ڈرو کیونکہ ان کو تم نے اللہ کی امانت بطور بیوی بنایا ہے اور خدا کے حکم سے اُن کا جسم تمہارے لئے حلال ہوا ہے، اور ان عورتوں پر تمہارا خاص حق یہ ہے کہ وہ تمہارے بستر پر کسی غیر کو نہ آنے دیں، اور جن کا بستر پر بیٹھنا شرعاً تم کو پسند نہ ہو وہ اُن کو نہ بیٹھنے دیں، اور اگر وہ ایسا کریں تو پھر اُن کو ایسی مار مارو جو ظاہر نہ نظر آئے و

⑥ وَلَهُنَّ عَلَيْكُمْ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ،

"اور عورتوں (بیویوں) کا تم پر یہ حق ہے کہ اُن کو اچھی طرح کھلاؤ اور پہناؤ"

اس نمبر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میاں بیوی کے حقوق بتلائے اور آپس میں مل جل کر رہنے کا طریقہ کس بہترین انداز میں تعلیم فرمایا، دوسرے معنی میں آپؐ نے بیوی کے حقوق دلا کر اُس کو گھر کی ملکہ بنا دیا، جبکہ زمانۂ جاہلیت میں (اسلام سے پہلے) عورت کی کوئی وقعت نہ تھی، اور نہ کوئی اس کا مقام تھا، اور اس کی حیثیت پاؤں کی جوتی کی طرح تھی، اس پر بھی یہ کہنا کہ اسلام عورتوں کو آزادی سے روکتا ہے، اسلامی تعلیمات سے ناواقفیت کی دلیل ہے، یا تجاہلِ عارفانہ،

پھر ارشاد فرمایا:

⑦ وَقَدْ تَرَكْتُ فِيكُمْ مَا لَنْ تَضِلُّوا بَعْدَهُ إِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِهِ كِتَابَ اللّٰهِ،

اور میں تمہاری رہنمائی کے لئے) تم میں اپنے بعد وہ چیز چھوڑ رہا ہوں کہ اگر اسے مضبوطی سے پکڑ لو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے، وہ کتاب اللہ یعنی قرآن ہے"

یعنی میں اپنے انتقال کے بعد مسلمانوں کی رُشد و ہدایت کے لئے روشنی کا ایسا مینار چھوڑ رہا ہوں کہ اگر اس پر عمل کرتے رہے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے،

افسوس! مسلمان آج اس کتاب پر عمل چھوڑ کر دنیا کی رسوائی و تباہی اور آخرت کی بربادی خود خرید رہے ہیں، ایک حدیث میں آپؐ نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ أَقْوَامًا وَيَضَعُ بِهِ آخَرِينَ (مسلم شریف)

"اللہ تعالیٰ اس قرآن کے ذریعہ کسی قوم کو ترقی عطا فرمائے گا اور کسی قوم کو تنزلی"

گویا اس مبارک حدیث میں قوموں کے عروج و زوال کا راز بتلا دیا گیا ہے،

ان زریں نصائح کے بعد آپؐ نے ارشاد فرمایا،

○ وَاَنْتُمْ تُسْئَلُوْنَ عَنِّیْ فَمَا اَنْتُمْ قَائِلُوْنَ ۝	(اے لوگو! قیامت کے دن) تم سے میرے متعلق دریافت کیا جائے گا تو بتاؤ تم اس وقت کیا جواب دو گے؟

یعنی تم سے یہ پوچھا جائے گا کہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہمارے احکامات تم لوگوں تک پہنچائے تھے یا نہیں؟

میدانِ عرفات میں جمع تمام صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بیک زبان جواب دیا:

قَالُوْا نَشْهَدُ اَنَّكَ قَدْ بَلَّغْتَ وَاَدَّيْتَ وَنَصَحْتَ	سب حاضرین نے جواب دیا ہم گواہ ہیں کہ آپؐ نے اللہ کے احکامات ہم کو پہنچا دیئے اور رہنمائی و تبلیغ کا حق ادا کر دیا۔

○ صحابہ کے جواب پر اظہارِ مسرت:

پیغمبرِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے جاں نثار صحابہ کے جواب سے مسرت ہوئی، اس کا اندازہ ان مسرت بھرے الفاظ سے کیا جا سکتا ہے کہ آپؐ نے انگشتِ شہادت آسمان کی طرف اُٹھا کر تین مرتبہ فرمایا:

اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ	اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ	اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ
"اے اللہ تو گواہ رہ"	"اے اللہ تو گواہ رہ"	"اے اللہ تو گواہ رہ"

اس کے بعد آپؐ نے صحابۂ کرام کو دین کے معاملہ میں اُن کی ذمہ داری کی طرف متوجہ کرتے ہوئے فرمایا:

فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ فَرُبَّ مُبَلَّغٍ اَوْعٰى مِنْ سَامِعٍ، (بخاری، مسلم)	جو لوگ یہاں موجود ہیں وہ میری باتیں اُن لوگوں تک پہونچا دیں جو یہاں موجود نہیں، کیونکہ بہت سے وہ لوگ جن کو کسی سننے والے سے کوئی بات پہونچے سننے والے سے زیادہ یاد رکھنے والے ہوتے ہیں۔

تکمیلِ دین اور اتمامِ نعمت کی بشارت

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اور صحابۂ کرام پر گذرے ہوئے پُرتشدد زمانہ اور صحابہ کے اتنے بڑے مجمع کو دیکھ کر اللہ کا شکر ادا فرما رہے تھے اور قیامت تک آنے والی نسلوں کے لئے خطبۂ ہدایت دے کر فارغ ہی ہوئے تھے کہ حق تعالیٰ کی طرف سے حضرت جبرئیل علیہ السلام پیغامِ بشارت لے کر نازل ہوئے اور خوش خبری سنائی:

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا	"آج کے دن میں نے تمہارے دین کو کامل کر دیا، اور میں نے اپنی نعمت تم پر پوری کر دی ہے، اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کیا۔"

بعض یہود نے حضرت عمرؓ سے عرض کیا، امیر المؤمنین! اگر یہ آیت ہم پر نازل ہوتی ہوتی تو ہم اس کے یوم نزول کو جشن عید منایا کرتے، حضرت عمرؓ نے جواب دیا تمہیں معلوم نہیں کہ جس روز یہ آیت نازل ہوئی تو مسلمانوں کی دو عیدیں جمع ہو گئی تھیں، یہ آیت "حجۃ الوداع" کے موقع پر "عرفہ" کے روز "جمعہ" کے دن عصر کے وقت نازل ہوئی تھی، تو ہمیں عید منانے کی کیا ضرورت؟ جبکہ نزول آیت عرفات کے میدان میں حج کے مبارک موقع پر جمعہ کے دن پھر عرفہ، یہ سب خوشیاں ایک دن جمع ہو گئی تھیں،

جس دین کی خاطر صحابۂ کرامؓ نے ماریں کھائیں، تکلیفیں اٹھائیں، اپنوں سے جنگ کی، گھر بار اور وطن چھوڑا تھا اس کی تکمیل کی خبر سنکر خوشی کی لہر دوڑ گئی، اور واقعی بات یہ ہے ایک مسلمان کے لئے اس سے بڑھکر خوشی کا موقع ہو بھی نہیں سکتا، لیکن اس خوشی کے موقع پر صحابہ نے دیکھا کہ ایک بزرگ اداس اور سست علیحدہ کو بیٹھے ہوئے رو رہے ہیں، یہ بزرگ راز دار اسرار نبوت اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یار غار حضرت ابوبکر صدیقؓ تھے، لوگوں کو دیکھ کر تعجب ہوا، سمجھدار لوگوں نے ان کی یہ کیفیت دیکھی تو کہنے لگے کوئی خاص بات ہے، اس لئے پوچھنا چاہئے،

ہمت کر کے پوچھا کہ ایسی خوشی کے موقع پر آپؓ کا یہ بے موقع رونا کیسا؟ راز دار اسرار نبوت مہر خاموشی توڑ کر بولے:

"میرے بھائیو! تم نے غور نہیں کیا کہ اس تکمیل دین کے اعلان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت جلد ہم کو داغ مفارقت دے جانے کا اشارہ پوشیدہ ہے"

صدیق اکبرؓ کی یہ بات سنکر لوگوں کے ہوش گم ہو گئے، اور یہ بات ان کے دل میں تیر کی طرح لگی، تھوڑی دیر کے لئے خوشی رنج میں بدل گئی، صحابہ اٹھ کر حضورؐ کی خدمت میں پہونچے، اور آپؐ سے حضرت صدیق کا خیال ظاہر کیا، تو آپؐ نے فرمایا، صدیق اکبرؓ ٹھیک سمجھے، (وفات النبیؐ بحوالہ صحیحین)

غروب آفتاب کے بعد عرفات سے مغرب کی نماز پڑھے بغیر مزدلفہ کے لئے روانہ ہو گئے، مزدلفہ پہنچکر حضرت بلالؓ کو اذان کا حکم فرمایا، سواریاں بٹھانے اور سامان اتارنے سے پہلے مغرب کی نماز ادا فرمائی اس کے بعد فوراً دوسری تکبیر سے نماز عشاء ادا فرمائی، نماز عشاء پڑھکر آرام فرمانے کے لئے لیٹ گئے، اور فجر تک آرام فرمایا، علماء نے لکھا ہے آپؐ کا رات میں اٹھ کر تہجد پڑھنے کا ہمیشہ معمول رہا، مزدلفہ

کی اس شب میں آپؐ نے تہجد نہیں پڑھی، کیونکہ عرفات میں تھکان زیادہ ہوگئی، پھر اس شب کے بعد منیٰ کے دوسرے معمولات مثلاً رمی، قربانی اور طوافِ زیارت وغیرہ تھے، مزدلفہ میں اوّل وقت نمازِ فجر ادا فرمائی، پھر سواری پر سوار ہو کر مشعرِ حرام پہونچے، اور ذکر اذکار، تسبیح و تقدیس، استغفار وغیرہ میں مشغول رہے، جیسا کہ قرآن پاک میں حکم ہے،

فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفَاتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ص

"اور جب تم نکلو عرفات سے تو یاد کرو اللہ کو مشعر حرام (مزدلفہ) کے پاس"

جب روشنی ہوگئی تو طلوعِ آفتاب سے پہلے، ۱۰ ذی الحجہ کو منیٰ کے لئے روانہ ہوئے، راستہ میں "وادیِ محسر" پڑی تو وہاں سے سواری کو تیز چلا کر جلدی سے اس وادی سے نکل گئے، یہ جگہ وہ ہے جہاں اصحابِ فیل پر عذاب نازل ہوا تھا،

حتیٰ کہ آپؐ "منیٰ" پہنچے، اور "جمرۂ عقبہ" کی رمی فرمائی، یعنی بڑے شیطان کی رمی کی، اور سات کنکریاں ماریں، (جیسا کہ حاجی اس سنت پر دس ذی الحجہ کو عمل کرتے ہیں) آپؐ نے یہ رمی سواری پر سوار ہو کر کی تاکہ سب لوگ دیکھ لیں، آپؐ کا چونکہ حجِ قران تھا اور ذوالحلیفہ سے ۲۶ ذیقعدہ کو احرام باندھ کر جو تلبیہ شروع فرمایا تھا، ۱۰ ذی الحجہ کو جمرۂ عقبہ پر پہلی کنکری مارنے پر موقوف فرمایا، اور ہر حاجی کو یہی حکم ہے خواہ اس کا احرام کیسا ہی ہو، منیٰ میں بھی آپؐ نے ایک اور اہم خطبہ ارشاد فرمایا اور یوم النحر کی فضیلت و حرمت بیان فرمائی، اس خطبہ میں یہ بھی ارشاد فرمایا:

اُعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَصَلُّوْا خَمْسَكُمْ وَصُوْمُوْا شَهْرَكُمْ وَاَدُّوْا زَكٰوةَ اَمْوَالِكُمْ طَيِّبَةً بِهَا اَنْفُسُكُمْ وَتَحُجُّوْنَ بَيْتَ رَبِّكُمْ،

"(اے لوگو!) اپنے پروردگار کی عبادت کیا کرو، پنج وقتہ نماز ادا کیا کرو، (سال میں ایک مہینہ رمضان کے) روزے رکھا کرو، اور اپنے اموال کی زکوٰۃ خوش دلی کے ساتھ ادا کیا کرو، اور خانۂ خدا (بیت اللہ) کا حج کیا کرو"

ان کے علاوہ آپؐ نے اور بہت سی زریں نصائح فرمائیں،

رمیِ جمار کے بعد آپؐ نے قربان گاہ میں اپنے دستِ مبارک سے تریسٹھ ۶۳ اونٹ ذبح فرمائے، علماء نے لکھا ہے کہ اس تعداد میں اس طرف اشارہ ہے کہ آپؐ کی عمرِ مبارک تریسٹھ سال ہوگی،

پھر حضرت علیؓ سے فرمایا، باقی تم ذبح کر کے سو کی تعداد پوری کر دو،

قربانی سے فارغ ہو کر آپؐ نے حجام کو بلا کر حلق کرا کر احرام کھول دیا، پھر اسی دن یعنی ۱۰ ذی الحجہ کو

مکہ معظمہ جاکر طوافِ زیارت فرمایا، طوافِ زیارت کے بعد واپس منیٰ تشریف لے آئے، اور گیارہ، بارہ، تیرہ (جو ایام تشریق کہلاتے ہیں) یہ دن منیٰ میں گذارے، ایامِ قیام میں تینوں جمرات کی رمی فرمائی، اسی سنت کے مطابق حاجی حضرات ان جمرات پر سات سات کنکریاں مارتے ہیں، تینوں دنوں کی رمی سے فارغ ہوکر ۱۳ ذی الحجہ کو بعد ظہر مکہ معظمہ واپس تشریف لے آئے، ۱۴ ذی الحجہ کو بروز بدھ طوافِ وداع فرماکر لوگوں کو واپس مدینہ چلنے کی تیاری کا حکم دیا،

اس کے بعد "وفاتُ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا باب ہے،

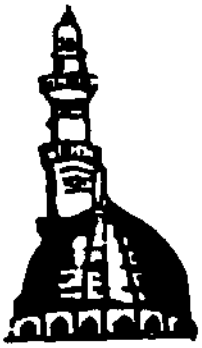

۱۱ھ ہجری

وفاتِ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

حجۃ الوداع کے بیان میں گذر چکا ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے ہی یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ اب میری وفات کا وقت قریب ہے، اسی لئے آپؐ نے خطباتِ حج میں فرمایا:

"مجھ سے مناسکِ حج سیکھ لو، شاید اس حج کے بعد آئندہ میں اور کوئی حج نہ کر سکوں"

چنانچہ اس حج کے بعد صرف اکیاسی دن آپؐ اس دنیا میں رہے، آپؐ کو اپنی وفات کا قریب ہونے کا اندازہ پہلی بار مندرجہ ذیل سورت سے ہوا،

وفات کی پہلی بار اطلاع:

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۝ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۝ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ۝ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۝ (سورۂ فتح، پ۳۰)

"اے نبیؐ! جب اللہ تعالیٰ کی مدد اور فتح آپہونچے، اور آپؐ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے دین میں جوق در جوق داخل ہوتا ہوا دیکھ لیں تو پھر آپؐ اپنے پروردگار کی حمد و ثنا کے ساتھ پاکی بیان کیجئے، اور اس سے استغفار کیجئے، بیشک وہ بڑا معاف کرنے والا ہے"

○ حضرت جابرؓ سے روایت ہے جب آپؐ پر اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ نازل ہوئی تو آپؐ نے جبرئیل علیہ السلام سے فرمایا مجھ کو اس سورت میں میری موت کی اشارۃً خبر دی گئی ہے، تو جبرئیل علیہ السلام نے جواب دیا:

وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ۝

یعنی دنیا سے زیادہ آخرت آپؐ کے لئے زیادہ بہتر ہے"

اس سورت کے شانِ نزول کے ضمن میں مصنف "رحمۃ للعالمین" لکھتے ہیں کہ یہ سورت آپؐ کی وفات سے چھ مہینے پہلے نازل ہوئی، اور تفسیر کشف الرحمٰن میں ہے اس سورت کے بعد حضورؐ پر کوئی مستقل سورت نہیں نازل نہیں ہوئی، جیسا کہ حضرت ابن عمرؓ سے منقول ہے کہ اس سورت کے بعد اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ کی آیت نازل ہوئی، چنانچہ اس آیت کے بعد پچاسی دن حضورؐ زندہ رہے، اس کے بعد وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى

اللہ کی آیت نازل ہوئی اس آیت کے سات یا آٹھ دن بعد وفات ہوگئی،

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ،

اس سورت میں فتح سے فتح مکہ مراد ہے، جو رمضان المبارک ۸ھ میں حاصل ہوئی، اور اس فتح کے بعد تقریباً تمام حجاز پر اسلام کا غلبہ ہوگیا تھا، اور فوج در فوج لوگوں کا اسلام میں داخل ہونا فتح مکہ کے بعد اتنی تیزی سے ہوا، طائف، یمن اور قبیلہ ہوازن وغیرہ کے لوگ اسلام میں قافلوں کی شکل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام میں داخل ہونے لگے، ان انعاماتِ خداوندی پر آپکو حکم ہوا فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ "آپ اپنے پروردگار کی حمد و ثناء کے ساتھ پاکی بیان کیجئے"

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ اس سورت کے نازل ہونے کے بعد آپ اٹھتے بیٹھتے کثرت کے ساتھ یہ دعاء فرمانے لگے:

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ ط	خدایا! میں تیری پاکی بیان کرتا ہوں اور تیری حمد ثناء کرتا ہوں، تجھ سے معافی طلب کرتا ہوں، اور تیری طرف رجوع کرتا ہوں۔

○ دوسری بار اطلاع؛

ماہِ رمضان میں دو دور اور دو اعتکاف

آپؐ سے ہر سال رمضان المبارک میں جبرئیل علیہ السلام قرآن مجید کا ایک مرتبہ دَور کیا کرتے تھے، دَور کا مطلب یہ ہے کہ آپؐ کو جبرئیل علیہ السلام سنایا کرتے اور آپؐ جبرئیلؑ کو سنایا کرتے تھے، اس سے آیت و سورت کی ترتیب محفوظ ہو جاتی تھی،

مگر ۱۰ھ کے رمضان میں جو آپؐ کا آخری رمضان تھا دو مرتبہ دَور فرمایا، اسی طرح ہر رمضان میں آپ آخری عشرہ کا اعتکاف فرمایا کرتے تھے مگر اس آخری رمضان میں بجائے ایک عشرہ کے آپؐ نے دو عشرے کا اعتکاف فرمایا، آپؐ نے فرمایا:

اس مرتبہ جبرئیل علیہ السلام نے مجھ سے بجائے ایک دَور کے دو دَور کیے، اس سے مجھے اندازہ ہوتا ہے کہ میری وفات کا وقت قریب ہے، (بخاری)

رمضان کے بعد آپؐ شوال اور ۲۴ ذیقعدہ تک مدینہ میں گزار کر ۲۵ ذیقعدہ کو حج کے لئے روانہ ہوگئے، حج سے واپس تشریف لاکر محرم اور صفر مدینہ میں لوگوں کو دین کی تعلیم اور تزکیۂ نفس فرماتے رہے، اور عبادتِ خداوندی میں پہلے سے زیادہ جد و جہد فرمانی شروع کر دی،

○ تیسری بار اطلاع ؛

تیسری مرتبہ اطلاع حجۃ الوداع کے وقت عرفات کے میدان میں آیت کریمہ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ کے نزول کے وقت ہوئی جس کا تفصیلی بیان پہلے گذر چکا ہے،

○ مرض الوفات کی ابتداء اور شدت ؛

آپؐ کی بیماری کا سلسلہ ۲۸ صفر بروز پیر دردِ سر سے شروع ہوا، چودہ[۱۴] دن بیمار رہے، سترہ نمازیں مسجد میں پڑھا سکے، دردِ سر کے ساتھ بخار کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا، بخار بھی اتنا شدید کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں میں آپؐ سے ملنے گیا تو آپؐ کو بڑا تیز بخار تھا، میں نے عرض کیا حضور! آپؐ کو تو بڑا تیز بخار ہے، آپؐ نے ارشاد فرمایا، ہاں تمہارے دو شخصوں کے برابر ہے، عبداللہ بن مسعودؓ نے عرض کیا یہ دوگنی تکلیف اس لئے ہے کہ آپؐ کا اجر بھی دوگنا ہوگا، آپؐ نے فرمایا ہاں! یہی بات ہے، پھر فرمایا اگر کسی مؤمن کے پاؤں میں کانٹا بھی چبھ جاتا ہے تو خدا تعالیٰ کانٹے کی تکلیف کو بھی گناہوں کا کفارہ بنا دیتا ہے، (بخاری، مسلم)

جب بیماری کا سلسلہ شروع ہوا تو اس روز حضرت میمونہؓ کے ہاں باری تھی، آپؐ بار بار دریافت فرماتے تھے کہ کل کیا دن ہے؟ پرسوں کس کے ہاں باری ہے؟ آپؐ کے بار بار سوال سے ازواج مطہراتؓ سمجھ گئیں کہ آپؐ کو حضرت عائشہؓ کی باری کا انتظار ہے، اس لئے سب ازواج نے اپنی باری کے بجائے آپؐ کے آرام و سکون کو مقدم سمجھا اور سب نے متفقہ طور پر عرض کیا، آپؐ حضرت عائشہؓ کے ہاں قیام فرمائیں، آپؐ کی راحت ہماری راحت ہے،

اجازت کے بعد آپؐ حضرت عائشہؓ کے ہاں منتقل ہو گئے، ضعف اتنا ہو گیا تھا کہ خود چل نہیں سکتے تھے، حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ بمشکل حجرۂ عائشہ میں لائے، یہاں پہونچ کر بخار میں اتنی شدت ہوئی کہ آپؐ کا مسجد میں تشریف لے جانا مشکل ہو گیا، آپؐ نے گھر والوں سے فرمایا میرے سر پر ٹھنڈے پانی کی سات مشکیں ڈالو تاکہ بخار کی شدت کم ہو،

حضرت انسؓ فرماتے ہیں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر بار بار بیہوشی کے دورے پڑ رہے تھے، باپ کی بے چینی اور گھبراہٹ دیکھ کر نورِ نظر "فاطمہؓ" سے رہا نہ گیا، بے قرار ہو کر بولیں، ہائے میرے ابا جان کی تکلیف! آپؐ سے بھی بیٹی کی بے قراری دیکھی نہ گئی، اور فرمایا: فاطمہ! آج کے بعد پھر کبھی تیرے باپ کو تکلیف نہ ہوگی، (بخاری)

○ حضرت فاطمہ کو وفات کی اطلاع ؛

آپؐ کی بیماری دیکھ کر صاحبزادی حضرت فاطمہؓ بڑی بے چین تھیں، جیسا کہ ابھی بیان کیا گیا باپ سے

ع۵ ایک روایت یہ بھی ہے کہ آپؐ نے خود ازواج مطہراتؓ سے اجازت لی، ش

لاڈلی بیٹی کی بے قراری دیکھی نہ گئی، بُلا کر پاس بٹھایا اور آہستہ سے کوئی بات کان میں کہی، جس کو سنکر صاحبزادی کی حالت اور غیر ہو گئی، دوبارہ کان میں کوئی اور بات فرمائی، تو صاحبزادی مُسکرا دیں، یہ سب واقعہ حضرت عائشہ صدیقہؓ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی تھیں، آپنے فرمایا بیٹی! کیا بات تھی؛ میری آنکھوں نے نہ آجتک ایسا رونا دیکھا جس کے ساتھ ساتھ ہنسی ہو اور نہ ایسا ہنسنا دیکھا جس کے ساتھ رونا ہو، یہ کیا معاملہ ہے؛ صاحبزادی نے جواب دیا اماں جان! اس بات کو میں جانتی ہوں یا ابا جان، بس یہ ایک راز کی بات ہے، جس کو میں ظاہر نہیں کر سکتی۔ حضرت فاطمہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اس کو راز ہی رکھا، (بخاری و مسلم)

وفاتِ نبویؐ کے بعد اس راز سے پردہ اٹھایا کہ پہلی مرتبہ ابا جان نے میرے کان میں جو بات فرمائی تھی اور میں رونے لگی تھی وہ آپؐ کی وفات حسرت آیات کی خبر تھی، جس کو سُنکر میری حالت غیر ہو گئی تھی، ابا جان نے جب میری یہ حالت دیکھی تو بلا کر کان میں فرمایا، بیٹی رو نہیں، میرے گھر والوں میں پہلے تم ہی مجھ سے ملو گی، یعنی پہلے تمہارا انتقال ہو گا، چنانچہ چھ ماہ بعد حضرت فاطمہؓ کا انتقال ہو گیا،

آپؐ کے مرض کی شدت اور بار بار کی بیہوشی میں اُس زہر کے اثر کو بڑا دخل تھا جو جنگِ خیبر میں ایک یہودیہ عورت نے گوشت میں ملا کر آپؐ کو دیا تھا، جس کا بیان خیبر کے ضمن میں گذر چکا ہے،

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ آپؐ اس مرض میں فرمایا کرتے تھے "اے عائشہؓ! میں اُس زہر کی تکلیف اب تک محسوس کرتا ہوں جو خیبر میں کھلایا گیا تھا، اس کی وجہ سے آپؐ کی پسلیوں اور پہلوؤں میں درد ہوتا تھا،

○ حضرت ابو بکرؓ کو نماز پڑھانے کا حکم؛

مرض الوفات میں ہی ایک روز آپ نے حکم دیا، مسجد (نبویؐ) کی طرف جن لوگوں کے گھروں کے دروازے ہیں سوائے ابو بکرؓ کے دروازہ کے سب بند کر دیں، موجودہ مسجد نبویؐ میں باب ابو بکر صدیقؓ اسی جگہ ہے، اور اندر کے حصہ میں "هٰذِهٖ خَوْخَةُ اَبُوْ بَكْرِ الصِّدِّيْقِ" کے الفاظ لکھے ہوئے ہیں،

۸ ربیع الاوّل یوم پنجشنبہ (جمعرات) کو آپؐ نے اُمت کو مسجد میں نماز مغرب پڑھائی، عشاء کی نماز پڑھانے کے لئے آپؐ نے تین مرتبہ جانے کی کوشش کی، وضو کر کے جانے کی تیاری فرماتے تو بیہوشی کا غلبہ ہو جاتا، آخر آپؐ نے فرمایا، ابو بکرؓ سے کہو نماز پڑھائیں، اس حکم کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے آپؐ کی حیاتِ پاک میں سترہ نمازیں پڑھائیں،

علماءِ کرام نے آپ کے گھر کا دروازہ مسجد کی طرف کھُلا رکھنے اور نماز کی امامت کے حکم سے یہ مطلب لیا ہے کہ ان دونوں فرمان سے آپ کا اس طرف اشارہ تھا کہ میرے بعد ابو بکر صدیقؓ میرے خلیفہ ہوں گے، اسی بناء پر حضرت علیؓ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بکرؓ کو ہمارے دین کے لئے منتخب فرمایا ــــــ یعنی نماز کا

امام بنایا ہم نے اسی کو اپنا دنیا (خلافت) کے لئے منتخب کر لیا،

حضرت عائشہ صدیقہؓ بڑی زکی اور عاقلہ خاتون تھیں، وہ سمجھتی تھیں میرے والد رقیق القلب ہیں، جب وہ مصلیٰ نبویؐ پر نماز پڑھانے کھڑے ہوں گے تو اپنے اوپر قابو نہ رکھ سکیں گے اور نماز پڑھانا مشکل ہو جائے گا، پھر یہ بھی خیال ہوا لوگ حسد کرنا شروع کر دیں گے، کوئی میرے باپ کو منحوس سمجھے گا کوئی یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ حضورؐ کے بیمار پڑنے کے منتظر تھے کہ فوراً مصلے پر کھڑے ہو گئے، آپ چاہتی تھیں حضورؐ امامت کی یہ اہم ذمہ داری کسی اور کے سپرد فرما دیں، اس لئے عرض کیا:

یارسول اللہؐ! میرے والد ابوبکرؓ کمزور دل کے ہیں، آپؐ کی جگہ نماز پڑھانے کھڑے ہوں گے تو اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکیں گے، اور نماز پڑھانا مشکل ہو جائے گا، آپ بجائے اُن کے حضرت عمرؓ یا کسی اور کو حکم دیں تو یہ بہتر ہوگا، مگر حضورؐ نے تین مرتبہ یہی فرمایا کہ: ابوبکرؓ سے کہو وہ نماز پڑھائیں، ساتھ ہی یہ بھی فرمایا "اَنْتُنَّ صَوَاحِبُ یُوْسُفَ" (تم عورتیں تو یوسفؑ کو بہکانے والی عورتوں کی طرح ہو) پھر فرمایا، اللہ اور مسلمان ابوبکرؓ کے علاوہ کسی اور کی امامت پر راضی نہیں، اس لئے وہی نماز پڑھائیں،

آپؐ نے حضرت بلالؓ سے فرمایا تھا کہ ابوبکرؓ سے جا کر کہو کہ نماز پڑھائیں، حضرت بلالؓ نے مسجد میں آ کر ابوبکرؓ کو دیکھا تو وہ نظر نہ پڑے اس لئے حضرت عمرؓ کو نماز پڑھانے کے لئے آگے کر دیا، حضرت عمرؓ کی آواز بلند تھی، ان کی آواز آپؐ کے کانوں تک پہونچ گئی، تو آپؐ نے فرمایا: ابوبکر کہاں ہیں؟ حضرت عمرؓ کو جب معلوم ہوا تو بڑا افسوس ہوا، اور حضرت بلالؓ سے کہا، تم نے میرے ساتھ بڑا ظلم کیا، اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے امامت فرمائی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے، لیکن ابوبکرؓ چونکہ رقیق القلب تھے اس لئے مصلے پر کھڑے ہوتے ہی حالت غیر ہونے لگی،

○ صحابہ میں بے چینی:

صحابۂ کرام آپؐ کی بیماری سے پہلے ہی بے چین تھے، اب حضرت ابوبکرؓ کے نماز پڑھانے سے بے چینی اور بڑھ گئی، حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عباسؓ کا انصار کی ایک مجلس کے پاس سے گذر ہوا، تو دیکھا انصار رو رہے ہیں، ان حضرات نے دریافت کیا آپ لوگ کیوں رو رہے ہیں؟

ان حضرات نے جواب دیا، ہم حضورؐ کی محبت و شفقت بھری صحبتیں یاد کر کے رو رہے ہیں،

انصار کی یہ حالت دیکھ کر دونوں حضرات نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا کر کیفیت بیان کی، نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنے جاں نثار صحابہ کی بے چینی کا حال سُنا تو شدید بیماری اور کمزوری کے باوجود حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کے کاندھوں پر سہارا لئے ہوئے اتنی دقت سے تشریف لائے کہ دونوں پاؤں

زمین پر گھسٹ رہے تھے، گویا پاؤں میں چلنے کی طاقت نہ تھی، جب آپؐ مسجد میں پہونچے تو صدیق اکبرؓ ظہر کی نماز پڑھا رہے تھے، آپؐ نے مصلے سے پیچھے ہٹنا چاہا تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ سے منع فرمادیا، آپؐ حضرت ابوبکرؓ کے بائیں جانب ذرا آگے ہوکر بیٹھ گئے، اور باقی نماز آپؐ نے بیٹھے بیٹھے پڑھائی، حضرت ابوبکرؓ مکبر بنکر تکبیریں پکارتے رہے، اس سے پہلے آپؐ نے مرض الوفات میں ایک روز جمعرات کو مغرب کی نماز پڑھائی تھی جس میں آپؐ نے سورۃ "والمرسلات" پڑھی، اس کے بعد ایک روز آپؐ نے ظہر کی نماز پڑھائی جس کا اوپر ذکر ہوا، یہ ظہر کی نماز کا وفات سے ایک یا دو روز پہلے کا واقعہ ہے، یعنی ہفتہ یا اتوار کا،

○ الوداعی خطبہ؛

جب آپؐ صحابہ کو تسلی وتشفی دینے تشریف لائے تو درد سر اتنا شدید تھا کہ سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی اور کمزوری کا حال ابھی بیان کیا جاچکا ہے، اس حالت میں نماز سے فارغ ہوکر منبر مبارک کی پہلی سیڑھی پر بیٹھ کر امت کے سامنے پاک زندگی کا آخری خطبہ دیا، جس میں سب سے پہلے خداوند کریم کی حمد وثناء فرمائی، پھر شہدائے اُحد کا ذکر فرمایا اُن کے لئے دعاءِ مغفرت فرمائی،

○ اپنی وفات کی خبر؛

اس کے بعد اپنی وفات کی خبر دیتے ہوئے فرمایا:

"لوگو! اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک بندے کو اختیار دیا ہے کہ وہ دنیا کی نعمتوں کو اختیار کرلے یا آخرت کی لازوال نعمتوں کو، اس بندے نے دنیا کی فانی نعمتوں کے مقابلہ میں آخرت کی لازوال اور فانی نعمتوں کو پسند کیا ہے"

پھر فرمایا:

"ابوبکرؓ میرے بڑے محسن ہیں، دنیا میں جس کسی نے میرے ساتھ احسان کیا ہے میں نے ان سب کے احسان کا بدلہ دنیا میں ہی چکا دیا ہے، لیکن ابوبکرؓ کے احسانات کا بدلہ اور صلہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ہی دے گا، اگر میں دنیا میں اپنی امت کے کسی شخص کو دوست بناتا تو ابوبکرؓ کو بناتا، اسلامی رشتہ اخوت دوستی سے بڑھکر ہے"

مزید فرمایا:

"ابوبکرؓ کے دروازہ کے سوا مسجد کی طرف واقع سب لوگوں کے گھروں کے دروازے بند کردیئے جائیں، (بخاری)

(حضرت ابوبکرؓ کو اس لئے مستثنیٰ فرمایا کہ لوگ سمجھ لیں کہ میرے بعد خلافت کے مستحق ابوبکرؓ ہیں)۔

○ انصار و مہاجرین کو نصیحت ؛

لوگو! مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم میری وفات کے تصور سے بہت گھبرا رہے ہو، مجھے بتاؤ کہ مجھ سے پہلے خدا کے اتنے نبی اور پیغمبر آئے کیا وہ دائمی زندگی لے کر آئے تھے؟ کہ تم میری دائمی زندگی کی تمنا کرتے ہو؟ میری بات غور سے سُن لو، میں اپنے خدا کے پاس جانے والا ہوں اور تم بھی میرے مرنے کے بعد مجھ سے ملو گے"

اس کے بعد ارشاد ہوا:

"اے انصار! میں تم کو مہاجرین کے ساتھ حسنِ سلوک کی وصیت کرتا ہوں ——— اور اے مہاجرین! میں تمہیں بھی وصیت کرتا ہوں کہ آپس میں الفت و محبت کا معاملہ رکھنا، اپنے بھائی انصار کا بھی خیال رکھنا، یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے تمہیں پناہ دی، اور اپنی ہر ضرورت کے مقابلہ میں تمہاری ہر ضرورت کو مقدم رکھا، اس لئے ان کے اچھے اور نیک لوگوں کی بات قبول کرنا اور قصوروار سے درگذر کرنا" (بخاری)

○ جیشِ اسامہ کے متعلق ہدایت ؛

آپؐ نے حضرت اُسامہؓ کو ایک لشکر کا سالار بنا کر شام بھیجا تھا، حضرت اُسامہؓ کی عمر کم تھی جس کی وجہ سے لوگوں نے اعتراض کرنا شروع کر دیا، کہ ایک بچہ کو سالار بنا دیا، اُسامہؓ حضرت زید بن حارثہؓ کے صاحبزادے ہیں، حضرت زیدؓ کو آپؐ نے بیٹے کی طرح پالا تھا، آپؐ نے فرمایا لوگوں نے اُسامہؓ کے والد حضرت زیدؓ پر بھی اسی قسم کا اعتراض کیا تھا، تو دشمنوں کی یہ کوئی نئی بات نہیں، حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیاتِ پاک میں یہ آخری لشکر روانہ فرمایا تھا، حضرت اسامہؓ لشکر لے کر مدینہ سے دو تین میل کے فاصلہ پر "جُرف" نامی مقام پر پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے کہ حضورؐ کی طبیعت زیادہ بگڑ گئی، آپؐ کی وفات کے بعد صدیق اکبرؓ نے اس ہدایت کی تکمیل فرمائی، لوگوں نے آپؓ سے کہا کہ ملکی حالات ڈانواڈول ہیں، مگر آپ نے فرمانِ نبویؐ پر عمل کیا،

○ مرض الوفات میں کچھ اور ارشادات ؛

آپؐ نے یہ بھی فرمایا "حلال و حرام کی نسبت میری طرف نہ کی جائے، میں نے وہی چیز حلال بتلائی ہے جو خدا نے اپنی کتاب میں حلال کی ہے اور وہ چیز حرام بتلائی ہے جو خدا نے حرام کی ہے"

پھر فرمایا:

○ انسان کی جزاء و سزا کا دار و مدار خود اس کے اپنے عمل پر موقوف ہے، یعنی جیسا عمل کرے گا ویسا ہی اس کا صلہ پائے گا" (سیرۃ النبیؐ، ج ۲)

یہ بھی ارشاد فرمایا:

"لوگو! خوب یاد رکھو! جب لوگ نیکوکار ہوتے ہیں تو ان کے سربراہ اور حکام ان کے ساتھ حُسنِ سلوک سے پیش آتے ہیں، اور جب فسق و فجور میں مبتلا ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اُن پر سخت اور ظالم سربراہ مسلط کر دیتا ہے"

پھر فرمایا:

میری بات خوب غور سے سنو! جو شخص مجھ سے حوضِ کوثر پر ملاقات کا متمنی ہو تو اس کو چاہیے اپنی زبان اور ہاتھوں کو فضول باتوں سے محفوظ رکھے، (نور البصری سیرۃ خیر البشر، مولانا سیوہاروی)

○ صاحبزادی اور پھوپھی کو نیک کام کرنے کی تاکید:

آپؐ نے اپنی صاحبزادی "حضرت فاطمہؓ" اور پھوپھی "حضرت صفیہؓ" سے فرمایا:

"خدا کے ہاں کام آنے (یعنی آخرت) کے لئے کچھ (نیک کام) کر لو، میں تمھیں (خدا کے ہاں) نہیں بچا سکتا"، (سیرۃ النبیؐ ج ۲)

○ یہود و نصاریٰ کے متعلق ہدایت، ——— آپؐ نے ارشاد فرمایا:

لَعَنَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَآءِهِمْ مَسَاجِدَا، (بخاری، مسلم)	"یہود و نصاریٰ پر خدا کی لعنت و پھٹکار ہو کہ انھوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ یعنی عبادت گاہ بنا لیا"

○ مرض الوفات کی آخری شب:

پیر کی رات آپؐ کی دنیا کی زندگی کی آخری رات تھی، اس رات میں آپؐ کو بار بار بیہوشی کے دورے پڑ رہے تھے، اُدھر گھر کے چراغ میں تیل بھی نہ تھا، اُم المؤمنین حضرت عائشہؓ نے خادمہ سے کہا، جاؤ زوجہ کے گھر میں تیل ہو تو چراغ میں ڈلوا کر لے آؤ،

○ اسی شب کا واقعہ ہے آپؐ کے پاس کہیں سے چھ سات دینار آئے تھے وہ گھر میں رکھے ہوئے تھے، نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا وہ دینار کہاں ہیں؟ زوجۂ محترمہ نے جواب دیا، میرے پاس رکھے ہوئے ہیں فرمایا، انھیں خیرات کر دو، یہ فرما کر آپؐ بیہوش ہو گئے، آپؐ کی بیماری کی پریشانی میں زوجۂ محترمہ کے بات نکل گئی، ہوش آتے ہی آپؐ نے پھر وہی پوچھا دینار کہاں ہیں؟ جواب ملا ابھی رکھے ہوئے ہیں فرمایا، ابھی میرے پاس لاؤ، حضرت عائشہؓ نے لا کر پیش کر دیے، آپؐ نے ہاتھ رکھ کر فرمایا:

"عائشہؓ! کیا تم یہ سمجھتی ہو کہ "محمد" (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے رب سے اس حال میں ملاقات کرے کہ

گھر میں سونا ہو، اس کے بعد حضرت علیؓ کو بلا کر وہ سب دینار خیرات کر دیئے۔

○ آخری وصیت؛

اسی حالت میں آپؐ نے بار بار فرمایا: اَلصَّلٰوۃَ وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ "نماز کی پابندی رکھو اور اپنے ماتحت (ملازموں وغیرہ) کے حقوق کا خیال رکھو"

حضرت انسؓ فرماتے ہیں، آپؐ کی آخری وصیت یہی تھی، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں آپؐ اس وصیت کو بار بار دُھراتے رہے، (بخاری)

○ آخری عمل؛

اسی دوران حضرت عائشہؓ کے بھائی عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ گھر میں آئے تو اُن کے ہاتھ میں پیلو کی تازہ مسواک تھی، آپؐ نے مسواک کی طرف اس طرح دیکھا جیسے آپؐ مسواک کرنا چاہتے ہیں، حضرت عائشہؓ نے اپنے بھائی سے مسواک لے کر دریافت کیا کیا اس کو نرم کر دوں؟ آپؐ نے فرمایا ہاں، حضرت عائشہؓ نے نرم کر کے پیش کر دی، حضرت صدیقہؓ بعض مرتبہ فخریہ طور پر فرمایا کرتی تھیں کہ اللہ تعالیٰ کا انعام ہے کہ اس نے اخیر وقت میں آپؐ کے لعابِ دہن سے میرا لعابِ دہن ملا دیا،

○ یومِ وفات؛

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ط

"محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) صرف اللہ کے رسول ہیں، آپؐ سے پہلے بھی رسول آئے اور چلے گئے"

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم میں جب تک طاقت و ہمت رہی بیماری کے ایام میں برابر نماز پڑھانے تشریف لاتے رہے، سب سے آخری اور پوری نماز آپؐ نے جمعرات کو مغرب کی پڑھائی، جس میں سورۃ "والمرسلات" تلاوت فرمائی، اس کے بعد آپؐ جمعہ، ہفتہ، اتوار دنیا میں رہ کر چوتھے روز پیر کو اس دنیائے فانی سے دارالبقاء کی طرف تشریف لے گئے،

پیر کو آپؐ کی طبیعت میں کچھ ٹھیراؤ اور سکون محسوس ہوا، صدیق اکبرؓ فجر کی نماز پڑھا رہے تھے، اُن کی قرأت کی آواز کانوں میں پڑی، حجرۂ مبارک کا دروازہ مسجد نبویؐ کے ریاض الجنۃ میں کھلتا تھا، اسی دروازہ سے آپ نماز پڑھانے تشریف لایا کرتے تھے، اس دروازہ پر پردہ پڑا رہتا تھا، طبیعت میں ٹھیراؤ کی وجہ سے حجرۂ مبارک کا پردہ اٹھا کر کھڑے ہو گئے، امت کو اپنے رب کے حضور صف بستہ کھڑا دیکھ کر خدا کا شکر ادا کرتے رہے، جس طرح کوئی باغبان اپنے باغ کے رنگ برنگ پھولوں کو دیکھ کر خوش ہوتا ہے، آپؐ اپنی امت کے باغ کو دیکھ کر

خوش ہوتے رہے، صدیق اکبرؓ سمجھے کہ آپؐ نماز پڑھانے تشریف لا رہے ہیں، اس لئے مصلے سے ہٹنے کا ارادہ کیا تو آپؐ نے اشارہ سے منع فرمادیا، اُدھر صحابہ کی خوشی سے یہ کیفیت ہوگئی کہ نیتیں ٹوٹنے کے قریب ہوگئیں، مگر نقاہت وکمزوری کا اتنا غلبہ تھا کہ آپؐ زیادہ دیر کھڑے نہ رہ سکے، اور پردہ چھوڑ کر واپس تشریف لے گئے، (بخاری، مسلم)

یہ آپؐ کی حیاتِ پاک کا آخری دن اور امت پر شفقت ومحبت کی آخری نگاہ تھی، ہم لوگ آپ کی اس وقت کی خوشی کا تصور بھی نہیں کرسکتے، جب آپؐ کی ۲۳ سالہ زمانۂ نبوت کی محنت کا نتیجہ ریاض الجنۃ میں آپکی نگاہوں کے سامنے ہوگا،

آج تک صدیق اکبرؓ بھی سترہ نمازیں پڑھا چکے تھے، انھوں نے بھی خدا کا شکر ادا کیا کہ آپؐ کے مرض میں تخفیف کے آثار نظر آئے، اور جلد صحت یاب ہوکر پہلے کی طرح نماز پڑھانا شروع کردیں گے، نماز فجر پڑھا کر مزاج پُرسی کے لئے حاضرِ خدمت ہوئے، افاقہ دیکھ کر آپ نے اجازت چاہی، کہ میں تھوڑی دیر کے لئے گھر ہوآؤں، آپ کا ایک گھر عوالی مدینہ میں "سنح" مقام پر تھا، جو مدینہ سے تقریباً ایک میل کے فاصلہ پر تھا، اجازت لے کر وہاں گئے، لیکن حضرت صدیقؓ کو یہ علم نہ تھا کہ یہ میرا آپؐ سے آخری کلام اور آخری سلام ہے،

دوسرے صحابہ نے بھی جب افاقہ دیکھا تو وہ بھی اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے، کیونکہ ان میں بہت سے ایسے حضرات تھے جو آپؐ کے بیمار ہونے کے وقت سے گھروں کو گئے ہی نہ تھے، پھر گھروں میں عورتیں بھی آپؐ کی بیماری کی وجہ سے فکرمند تھیں، اس لئے بھی لوگ اپنے گھروں کو گئے کہ آپؐ کے مرض میں افاقہ کی خوش خبری سُنا آئیں، لیکن یہ کسی کو خبر نہ تھی کہ طبیعت کی بہتری اور مرض میں افاقہ یہ سنبھالا ہے جیسا کہ عام مریض لیا کرتے ہیں، ان حضرات کے چلے جانے کے بعد آپؐ کی حالت بگڑنی شروع ہوگئی، چہرۂ مبارک پر ایک رنگ آنا اور ایک جانا شروع ہوگیا،

○ حضرت جبرئیلؑ وعزرائیلؑ کی آمد؛

بیماری کے ایام میں مزاج پرسی کے لئے جبرئیل علیہ السلام روزانہ حاضر ہوا کرتے تھے، ۱۲ ربیع الاول جو آپؐ دنیا کی زندگی کا آخری دن تھا، جبرئیلؑ حاضر ہوئے، اور عرض کیا، یارسول اللہؐ! میرا بحیثیت پیغامبرِ وحی آج آخری آنا ہے، جناب کا بھی یہ آخری دن ہے، آج کے بعد میں وحی لے کر زمین پر نہ اُتروں گا، میرا آخری سلام قبول فرمائیے،

حضرت عزرائیلؑ نے عرض کیا، یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں بحکم خداوندی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا ہوں، تاکہ آپؐ کی مرضی مبارک معلوم کروں، کہ دنیا میں رہنا پسند ہے یا ربّ العالمین سے ملاقات؟

آپؐ نے جواب دیا، عزرائیل! مرضیِ مولا میں میری بھی مرضی ہے، حکمِ الٰہی میں پس و پیش اور دیر کی ضرورت نہیں،

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں جوں جوں وقت گزرتا گیا، تکلیف میں اضافہ ہوتا رہا، کبھی رخسارِ مبارک اس پہلو رکھتے کبھی اُس پہلو، جب میں نے اتنی تکلیف دیکھی تو آپ کا سر مبارک اٹھا کر اپنی ران پر رکھ لیا، تاکہ سکون ہو، آپؐ کے پاس پانی کا پیالہ رکھا ہوا تھا، آپؐ پانی میں ہاتھ بھگو کر بار بار منہ پر پھیرتے اور فرماتے جاتے:

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، اِنَّ لِلْمَوْتِ سَكَرَاتٌ

"اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، بیشک موت کی بڑی سخت تکلیف ہے"

پھر فرماتے:

اَللّٰهُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی سَكَرَاتِ الْمَوْتِ، اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ وَارْحَمْنِیْ وَاَلْحِقْنِیْ بِالرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی

"اے اللہ! سکراتِ موت میں میری مدد فرما، اے اللہ! میری مغفرت فرما، مجھ پر رحم فرما، اور مجھے اچھے لوگوں کے ساتھ ملا دے"

اس کے بعد آپؐ نے دونوں ہاتھ اوپر اُٹھائے اور تین دفعہ فرمایا:

فِی الرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی ـــــ فِی الرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی ـــــ فِی الرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی ـــــ

اے میرے رب سب سے اعلیٰ رفیق کے پاس، سب سے اعلیٰ رفیق کے پاس، سب سے اعلیٰ رفیق کے پاس،

یہ فرماتے فرماتے آپؐ بروز دوشنبہ (پیر) ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ ہجری کو لوگوں کو مُرغِ بسمل کی طرح تڑپتا ہوا چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہو گئے، اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ وفات کے وقت قمری حساب سے عمر مبارک ۶۳ سال اور شمسی حساب سے ۶۱ سال چوراسی دن ہوتے ہیں،

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰی حَبِیْبِكَ خَیْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

حضرت عائشہؓ گھبرا گئیں، کلیجہ اُچھلنے لگا، ہاتھ کانپنے لگے، آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا، کانپتے ہاتھوں سے سر مبارک آہستہ تکیہ پر رکھ دیا، آنکھیں بند کر دیں، اور چادرِ مبارک سے رُخِ انور کو ڈھک دیا،

وفات کا اثر

○ مدینہ میں اندھیرا؛

حضرت انسؓ فرماتے ہیں جس دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (ہجرت کرکے) مدینہ تشریف لائے تھے تو مدینہ کے در و دیوار تک روشن ہوگئے تھے اور جس دن آپؐ کی وفات ہوئی تو مدینہ کے در و دیوار اور ہر چیز پر تاریکی اور اُداسی چھائی ہوئی تھی،

○ وفات کا سنکر لوگوں پر کیا گذری؛

پیر کی صبح کو آپؐ کی حالت روبصحت نظر آنے لگی، تو صدیق اکبرؓ اور دوسرے صحابہ کچھ دیر کے لئے اپنے گھروں کو چلے گئے، ان حضرات کے جاتے ہی ایک دم طبیعت بگڑی اور دیکھتے ہی دیکھتے وفات ہوگئی، یہ وحشتناک خبر ذرا سی دیر میں بجلی کی طرح مدینہ کے گلی کوچوں میں قرب وجوار تک میں پھیل گئی، جس نے سُنا سکتہ میں رہ گیا کسی کے ہوش وحواس گم ہوگئے، کچھ لوگوں کو دیر تک یقین ہی نہیں آیا، کیونکہ ابھی صبح کی نماز میں آپؐ کے رُخِ انور کی زیارت کی تھی، لیکن جن لوگوں کو آپؐ سے قرب تھا اور انھوں نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا تھا وہ سمجھ گئے کہ واقعی آپؐ کی وفات ہوگئی ہے اُن لوگوں کی حالت غیر ہوگئی، حقیقت یہ ہے آپؐ کی وفات کے بعد کے حالات کا نقشہ لفظوں میں بیان نہیں کیا جاسکتا، بڑے بڑے صحابہ کے قدم لڑکھڑا گئے اور اپنے ہوش وحواس کھو بیٹھے،

● حضرت عثمان غنیؓ پر ایسا سکتہ طاری ہوا کہ دیوار سے لگے گم بیٹھے رہے، نہ کسی سے بات کرتے، نہ کسی کی بات کا جواب دیتے،

● حضرت علیؓ بیٹھے کے بیٹھے رہ گئے اور صدمہ سے اتنے بدحال ہوئے کہ خاموشی اختیار کرلی،

● حضرت عبداللہ بن انیسؓ تو صدمہ ہی برداشت نہ کرسکے اور اسی صدمہ میں انتقال کرگئے،

○ حضرت عمرؓ کی وارفتگی، حضرت ابوبکرؓ کی آمد؛

حضرت فاروق اعظمؓ جیسے مدبّر جن کی زبان ترجمانِ حق تھی اور جو بڑے مضبوط دقوی، اکیلے کئی پر بھاری تھے اُن کے قدم بھی ڈگمگا گئے، اور ایسے ہوش گم ہوئے کہ تلوار میان سے نکال کر کھڑے ہوگئے کہ اگر کوئی یہ کہے گا کہ آپؐ کی وفات ہوگئی ہے تو اس کی گردن اُڑادوں گا،

● حضرت سالم بن عبداللہؓ کہتے ہیں آپؐ کی وفات سے لوگ ویسے ہی حواس باختہ تھے کہ حضرت عمرؓ کے اس اعلان سے لوگوں میں اور زیادہ ہیجان پیدا ہوگیا، لوگوں نے مجھ سے کہا سالمؓ! ابوبکرؓ کو تلاش کرو، حضرت سالمؓ نے مسجد میں تلاش کیا، مگر آپ وہاں نہ ملے، پتہ چلا کہ آپ اپنے گھر "سُنح" گئے ہوئے ہیں، حضرت سالمؓ

وہاں پہونچے تو اگرچہ آپ حضورؐ سے اجازت لے کر گھر گئے تھے مگر دل اِدھر ہی لگا ہوا تھا، حضرت سالمؓ کو دیکھتے ہی سمجھ گئے، صدیق اکبرؓ بولے کیا بات ہے؟ کیا جناب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی وفات ہوگئی ہے؟ وفات کا معلوم ہوتے ہی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے، اور ہچکیاں بندھ گئیں، فوراً تیز رفتار سواری پر مدینہ حاضر ہوئے، لوگوں کی نگاہ ابوبکرؓ پر پڑی، تو جان میں جان آئی، پردہ کرا کر فوراً حجرۂ مبارک میں تشریف لے گئے، (پردہ اس لئے کرایا حضرت عائشہؓ کے علاوہ غیر عورتیں بھی تھیں)، صدیق اکبرؓ جب حجرۂ مبارک میں داخل ہوئے تو سانس پھولا ہوا تھا، آنکھوں سے آنسو جاری تھے، حضور انورؐ کے قریب جا کر دوزانو بیٹھ گئے، رُخِ انور سے چادر ہٹائی، پیشانی کو بوسہ دے کر جذبۂ محبت میں اپنا چہرہ حضورؐ کے چہرۂ مبارک پر رکھ دیا، اس کے بعد چہرۂ انور کو چادر سے ڈھک دیا، حجرۂ مبارک سے باہر آئے تو عاشقانِ رسولؐ نے آپ کو گھیر لیا، اور پوچھنے لگے، یارفیقِ رسول اللہ یاصاحبِ رسول اللہ کیا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی واقعی وفات ہوگئی ہے؟

صدیق اکبرؓ کی استقامت ـــــــــــــــ خطبۂ صبر واستقامت

حضرت ابوبکر صدیقؓ خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے تو سارا مجمع سمٹ کر آپ کے پاس آگیا، آپ نے حُسنِ تدبیر، جرأت اور مستقل مزاجی سے لوگوں کے جذبات کو قابو میں کیا، حضرت عمرؓ جو تلوار نکالے کھڑے تھے اور لوگ اُن کی جوش بھری دھمکی سے مرعوب تھے اب وہ حضرت ابوبکرؓ کا خطاب سننے کے لئے آپ کی طرف آگئے، اس خطبہ میں آپ نے شکستہ دل صحابہ کو صبر واستقامت کی تلقین کی، رفیقِ رسولؐ نے خداوند کریم کی حمد وثناء کے بعد فرمایا:

اَمَّا بَعْدُ مَنْ كَانَ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَاِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ، وَمَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ حَيٌّ لَّا يَمُوْتُ، قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۚ اَفَاِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ۚ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا ۗ	تم میں جو شخص محمدؐ کی پرستش کیا کرتا تھا تو اسے معلوم ہونا چاہئے کہ محمدؐ وفات پاگئے، اور جو شخص خدا کی عبادت کرتا تھا تو بلاشبہ وہ زندہ ہے جو کبھی نہیں مرے گا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) صرف خدا کے رسول ہیں، آپ سے پہلے بھی رسول آئے اور چلے گئے کیا اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مرجائیں یا قتل کردیئے جائیں تو تم لوگ دین سے پھر جاؤ گے؟ اور جو شخص دین سے پھر جائے گا تو وہ خدا تعالیٰ کی ذرہ برابر بھی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

سیرۃ ابن ہشام میں ہے، حضرت ابوبکرؓ نے جب یہ خطبہ دیا اور قرآن کریم کی یہ آیت کریمہ تلاوت کی تو حاضرین کو یہ محسوس ہو چلے یہ آیت ابھی نازل ہوئی ہے، اور حضرت صدیقؓ نے لوگوں کے دل کی بات کہدی،

خود حضرت عمرؓ کا بیان ہے میں نے حضرت ابوبکرؓ کو یہ آیت تلاوت کرتے سُنا تو میں حیرت زدہ ہو کر زمین پر گر پڑا، میرے قویٰ جواب دے گئے، اس کے بعد میں نے تلوار نیام میں رکھی اور وفاتِ نبویؐ کے متعلق حضرت ابوبکرؓ کی رائے سے اتفاق کر کے ان کی طرح میں بھی مستقبل کے متعلق سوچنے لگا، کہ اب کیا کرنا چاہیے؟

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں روتے روتے ہماری ہچکیاں بندھ گئیں، ہر شخص یہ محسوس کر رہا تھا کہ یہ آیت ابوبکرؓ پر ابھی ابھی اُتری ہے، گویا اس سے پہلے ہمیں معلوم ہی نہ تھا کہ قرآن کریم میں یہ آیت بھی موجود ہے جب مجمع منتشر ہوا تو ہر شخص کی زبان پر یہ آیت جاری تھی اور وہ پڑھتا ہوا چلا جا رہا تھا، (وفات النبی بحوالہ مدارج النبوۃ)

حقیقت یہ ہے کہ آپؐ کی وفات سے اسلام اور مسلمانوں پر ایسا پریشان کن امتحان کا وقت آگیا تھا کہ ہم لوگ اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے، اس کٹھن وقت کا اندازہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے بیان سے کیجئے:۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد ہم ایک ایسے خطرناک مقام پر پہونچ گئے تھے کہ قریب تھا ہم ہلاک ہو جائیں، مگر اللہ تعالیٰ نے صدیق اکبرؓ کو کھڑا کر کے ہم پر احسان فرمایا، ہم لوگوں نے متفقہ طور پر مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ ہم اونٹ کے بچے کے واسطے جنگ نہ کریں گے چین سے عربی دعوت کھائیں گے، اور روزہ نماز کریں گے یہاں تک کہ اسی چین اور راحت میں ہم کو موت آجائے"

یہود و منافقین نے آپؐ کی وفات سے ناجائز فائدے اٹھانے کے منصوبے بنانے شروع کر دیئے تھے، جس کا اندازہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے اس قول سے کیا جا سکتا ہے کہ ان دشمنانِ اسلام کی سازشوں سے کیسے کیسے لوگ متاثر ہو گئے تھے،

اللہ تعالیٰ نے اس رقیق القلب بندے سے جو مصلائے نبویؐ پر کھڑا ہوتے ہی رونے لگا اور قدم ڈگمگانے لگے تھے اسی کمزور انسان سے ایسا زبردست کام لیا کہ قوم کی ڈگمگاتی کشتی کو منجدھار سے نکال کر کنارے لگا دیا، دشمن انگشت بدنداں رہ گئے، اور انتخابِ نبویؐ کا اعتراف کرتے ہوئے اپنی شکست تسلیم کر لی، اور یہ کہنے پر مجبور ہوئے کہ آپؐ نے ابوبکرؓ کو نماز کا امام بنا کر امت کی رہنمائی فرما دی، کہ میرا خلیفہ اور جانشین ابوبکرؓ ہی ہے، اور وہی اس کشتی کو پار لگا سکتا ہے،

خلیفۂ راشد حضرت ابوبکر صدیقؓ کا یہ وہ زندۂ جاوید کارنامہ اور احسان ہے کہ ساری اُمت مل کر بھی اس احسان کا بدلہ اُتار نہیں سکتی، اور اُمت کیا اُتار سکتی ہے جبکہ پیغمبرِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"جس کسی کا مجھ پر احسان تھا میں نے سب کا بدلہ چکا دیا، مگر ابوبکرؓ کے احسان کا بدلہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ہی اُتارے گا"، (ترمذی شریف)

مسئلۂ خلافت اور سقیفۂ بنی ساعدہ؛

وفات النبیؐ کے بعد جو واقعات پیش آئے اُن کا بیان ہو چکا ہے، حالات ایسے دگرگوں ہو گئے تھے کہ مخالفینِ اسلام اس تلاش و فکر میں تھے کہ آپؐ کی وفات سے جو خلا پیدا ہو گیا ہے اس سے فائدہ اٹھایا جائے، شیطان بھی اپنے ہتھکنڈے استعمال کر رہا تھا، لوگوں کے دلوں میں طرح طرح کے وسوسے ڈال رہا تھا، اور کچھ نہیں تو مسئلۂ خلافت ہی کھڑا کر دیا، قریب تھا کہ انصار و مہاجرین اس مسئلہ پر دست و گریبان ہو جائیں، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ اور دوسرے صحابہ تجہیز و تکفین کے انتظام میں مصروف تھے کہ ان حضرات کو معلوم ہوا کہ انصار و مہاجرین کے کچھ لوگ سقیفۂ[1] بنی ساعدہ میں خلافت کے مسئلہ پر جھگڑ رہے ہیں، یہ حضرات فوراً وہاں پہونچے، حالات کا جائزہ لیا، حضرت عمرؓ نے افضلیت صدیقؓ پر ایک تقریر فرمائی، اس کے بعد آگے بڑھکر سب سے پہلے خود حضرت صدیقؓ کے ہاتھ پر بیعت کر کے لوگوں کی رہنمائی کی، اور جس مسئلہ پر کشت و خون کا بازار گرم ہونے کا خطرہ تھا وہ فراستِ فاروقی سے ذرا سی دیر میں ختم ہو گیا، اور صحابۂ کرام نے حضرت صدیقؓ کو زبردستی اپنا خلیفہ مقرر کر لیا، اگرچہ حضرت صدیقؓ اس ذمہ داری سے انکار کرتے رہے،

غسل کی تیاری؛

مسئلۂ خلافت خوش اسلوبی سے طے ہو گیا تو غسل کی تیاری شروع کی گئی، اس مسئلہ میں بعض حضرات کی رائے تھی کہ آپؐ کو غسل نہ دیا جائے، کیونکہ آپ تو خود طیب و طاہر ہیں، ——— پھر یہ سوال پیدا ہوا کہ آپؐ کو غسل جسم سے کپڑے اُتار کر دیا جائے یا پہنے پہنے؟

غیبی ہدایت؛

یہ اختلاف چل ہی رہا تھا کہ ایک دم سب حاضرین پر نیند مسلط ہو گئی، اور ایک غیبی آواز سب کے کانوں میں آئی ——— "حضورؐ کو کپڑوں سمیت غسل دو"

اسی غیبی ہدایت پر سب اختلاف ختم ہو گیا، اور غسل کی تیاری کی گئی، قبا سے تقریباً نصف میل کے فاصلہ پر ایک کنواں "بیر غرس" تھا، حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر اس کا پانی پیا کرتے تھے، آپؐ کی وصیت کے مطابق اس کے پانی سے آپ کو غسل دیا گیا،

مصنفؒ تاریخِ اسلام لکھتے ہیں، جب بدن مبارک پر پانی ڈالنا شروع کیا تو ایک خوشبودار ہوا اٹھی جس سے سارا حجرۂ عائشہؓ مہک گیا، ایسی خوشبو اس سے پہلے کبھی نہ دیکھی گئی تھی، حضرت علیؓ بدنِ مقدس کو کرتہ

---

[1] اس جگہ اب پارک بنا ہوا ہے،

سے ملتے جاتے اور عرض کرتے جاتے "میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ بحالتِ حیات و ممات کس قدر معطر ہیں"، اس کے بعد آپؐ کے بدن کا کرتہ اتار کر نچوڑ دیا گیا، اور تین یمنی چادروں کا کفن پہنایا گیا،

○ غسل دینے والے حضرات:

آپؐ نے وصیت فرمائی تھی کہ حضرت علیؓ کے سوا اور کوئی شخص مجھے غسل نہ دے، کیونکہ میرے ستر پر جس کی نگاہ پڑ جائے گی وہ اندھا ہو جائے گا، اس وصیت کے مطابق حضرت علیؓ نے غسل دیا، حضرت عباسؓ اور اُن کے دونوں بیٹے فضلؓ اور قثمؓ اور حضورؐ کے خادم حضرت اُسامہؓ اور حضرت شقرانؓ حضرت علیؓ کی امداد کر رہے تھے، اُس وقت اوس بن خولی انصاریؓ نے باہر سے آواز دی "علیؓ! میں آپ سے خدا کے واسطے رسولؐ کی خدمت میں اپنا حصہ مانگتا ہوں"، اُن کی بیتابی دیکھ کر اندر آنے کی اجازت دیدی، لوگوں کے داخلہ میں احتیاط اس لئے کی گئی کہ جگہ کم ہونے کی وجہ سے دیر میں دیر ہوتی، غسل کے بعد آپؐ کے اعضاء پر خوشبو لگائی گئی اور عود کی دھونی دی گئی،

○ نمازِ جنازہ کیسے پڑھی گئی؟

لوگوں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے دریافت کیا، کیا آپؐ کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی؟ تو آپ نے جواب دیا ہاں پڑھی جائے گی، حضرت علیؓ نے فرمایا آپ کی نماز میں امام کوئی نہیں ہوگا، کیونکہ زندگی میں جیسے آپؐ ہمارے امام تھے وفات کے بعد بھی آپؐ ہمارے امام ہیں،

اس کے بعد آپؐ کے جسم مبارک کو ایک تخت پر رکھ کر نماز کے لئے حجرۂ عائشہ میں رکھ دیا گیا، اور سب سے پہلے حضرات اہلِ بیت کرام نے نماز پڑھی، پھر مہاجرین نے، پھر انصار نے، پھر عام مسلمان مردوں نے، ان کے بعد عورتوں نے، پھر بچوں نے ترتیب وار نماز ادا کی، حجرہ میں جتنی گنجائش تھی اتنے آدمیوں کی جماعت اندر جا کر نماز پڑھ کر واپس آجاتی، پھر اسی طرح اور لوگ چلے جاتے، اسی طرح تیس ہزار افراد نے نماز پڑھی (سیرۃ المصطفیٰ ج ۳)

جب اہلِ بیتِ کرام نے نماز پڑھ لی تو عام لوگوں نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے دریافت کیا ہم لوگ نماز میں کیا پڑھیں؟ تو آپ نے جواب دیا: حضرت علیؓ سے دریافت کرو تو آپ نے یہ دعا بتلائی:-

اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝ لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَسَعْدَيْكَ صَلَوٰتُ	"اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) پر درود بھیجتے ہیں، اے ایمان والو! تم بھی درود بھیجو، الٰہی ہم حاضر ہیں خدمت گزار بن کر، خدائے مشفق

اللّٰهِ الْبَرِّ الرَّحِيْمِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ الْمُقَرَّبِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۝ وَمَا سَبَّحَ لَكَ مِنْ شَيْءٍ يَا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ عَلٰى مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ خَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ وَسَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَاِمَامِ الْمُتَّقِيْنَ وَرَسُوْلِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ الشَّاهِدِ الْبَشِيْرِ النَّاعِيْ اِلَيْكَ بِاِذْنِكَ السِّرَاجِ الْمُنِيْرِ وَعَلَيْهِ السَّلَامُ

(ما ثبت بالسنۃ، وفات النبیؐ)

ہربان کی رحمتیں اور ملائکہ مقربین کی، تمام رسولوں کی، صدیقین کی، شہداء اور نیک لوگوں کی، اور اس تمام کائنات کی جو اے رب تسبیح کرتی ہیں تیری اے رب العالمین ان سب کی طرف سے درود و سلام نازل ہو محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر جو خاتم الانبیاء ہیں، امام الاتقیاء ہیں، رب العالمین کے رسول ہیں، شاہد ہیں، بشیر ہیں، تیری طرف تیرے حکم سے بلانے والے ہیں، روشن آفتاب ہیں اُن پر سلام ہو"

○ تدفین:

نماز جنازہ سے فراغت کے بعد حضرت علیؓ، حضرت عباسؓ، حضرت فضلؓ، حضرت قثمؓ ان چاروں حضرات نے پاؤں کی طرف سے قبر میں اُتارا، جسم مبارک قبر میں سپرد کرنے کے بعد سب سے اخیر میں حضرت قثمؓ باہر آئے، اس کے بعد ۹ اینٹوں سے بند لگا کر اوپر سے مٹی ڈال دی گئی، اور زمین سے تھوڑی اونچی رکھ کر اونٹ کے کوہان کی طرح کر دیا گیا، اس کے بعد حضرت بلالؓ نے آپؐ کے سرہانے کی طرف ایک مشکیزہ پانی ڈالا جو بہتا بہتا پاؤں کی طرف آ گیا،

پیر کے روز زوال سے پہلے یا زوال کے بعد آپؐ کی وفات ہوئی اور منگل بدھ کی درمیانی شب میں تدفین عمل میں آئی، سوال پیدا ہوتا ہے کہ تدفین میں اتنی تاخیر کیوں ہوئی؟ تو اس کی کئی وجوہ بیان کی گئی ہیں؛

اوّل: - وفات کے بعد اتنا وقت نہ رہا تھا کہ غروب آفتاب سے پہلے تجہیز و تکفین سے فراغت ہو جائے،

دوم: - اس مسئلہ میں اختلاف ہوا کہ دفن کہاں کیا جائے، مقام دفن کے متعلق حضرت ابوبکر صدیقؓ نے کہا میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنا ہے کہ پیغمبروں کی جس جگہ روح قبض ہوتی ہے اسی جگہ دفن ہوتے ہیں (ترمذی، ابن ماجہ)

سوم: - اس فیصلہ کے بعد سوال پیدا ہوا قبر کیسی ہو؟ مہاجرین کی رائے تھی کہ مکہ کے دستور کے مطابق بغلی قبر ہو، انصار کہتے تھے مدینہ کے دستور کے مطابق "لحد" ہو، قبر کھودنے کا کام مدینہ میں دو حضرات کیا کرتے تھے، ایک ابو عبیدہ بن جراحؓ، دوسرے ابو طلحہؓ، ابو عبیدہؓ بغلی کھودنے کا اور ابو طلحہؓ لحد

کھودنے کے ماہر تھے، فیصلہ یہ ہوا کہ دونوں کے پاس آدمی بھیجا جائے جو پہلے آجائے اس سے کام شروع کرادیا جائے، اُدھر آپؐ کے چچا حضرت عباسؓ نے خدا سے دعا کی، "خدایا جو صورت آپ کے حبیب پاک کے لئے بہتر ہو اسی کے ماہر آدمی کو پہلے بھیجدے، خدا نے کیا ابو طلحہؓ پہلے آگئے تو انھوں نے "لحد" کھودی،

چہارم: نمازِ جنازہ پڑھنے والے بہت تھے، جگہ چھوٹی تھی، تھوڑے تھوڑے آدمی حجرۂ مبارک میں جاکر نماز پڑھتے، اور باہر آجاتے، پھر دوسرے لوگ جاتے وہ پڑھکر آجاتے، اس طرح بہتر مرتبہ نماز پڑھی گئی، انسانوں کے علاوہ کتنے فرشتوں نے نماز پڑھی وہ خدا ہی جانے،

وفات النبیؐ کے بیان کے بعد سکونِ قلب حاصل کرنے کے لئے قرآن کریم کی یہ آیت کریمہ پڑھ لیجئے:

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ ط

واقعہ یہ ہے کہ جس طرح آپؐ کا دنیا میں تشریف لانا باعثِ رحمت تھا اسی طرح دنیا سے پردہ فرمالینا بھی دنیا کے لئے باعثِ رحمت ہے، اس حکمت کو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں یوں واضح فرمایا ہے:

"جب خداوند کریم کسی قوم پر رحم کرنا چاہتا ہے تو اس قوم کے سامنے ہی اس کے نبی کو وفات دیدیتا ہے، اور جب کسی اُمت کو اس کے گناہوں کے بدلہ میں ہلاک و برباد کرنا چاہتا ہے تو نبی کی زندگی میں اس امت پر عذاب نازل کرکے نبی کی آنکھیں ٹھنڈی کردیتا ہے"

(مسلم شریف)

اس لئے ہم نے کہا آپؐ کا دنیا میں تشریف لانا اور تشریف لے جانا دونوں باعثِ رحمت ہیں،

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَنَبِيِّنَا وَشَفِيْعِنَا وَحَبِيْبِنَا مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَبَدًا اَبَدًا ط

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ط اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ط وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ط بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِيْنَ ط

اٰمِيْنَ ط

تتمہ

"تذکرۃ الانبیاء" خلافِ توقع زیادہ طویل ہو گیا، اور طوالت کے باوجود پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ باقی رہ گیا، جس کے بغیر تمام تذکرہ ہی نامکمل نظر آیا، اس کمی کو دیکھ کر یہ فیصلہ کیا کہ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات علیحدہ لکھ کر اس کا نام "تذکرۂ خاتم الانبیاء" رکھا جائے اور اس کو "تذکرۃ الانبیاء" کا حصہ دوم کر دیا جائے،

اپنی نااہلی کی وجہ سے ڈرتے ڈرتے ذریعۂ نجات سمجھ کر بنامِ خدا قلم اٹھایا، ارادہ یہ تھا کہ اس کو مختصر رکھا جائے، مگر جب لکھنا شروع کیا تو غلبۂ محبت میں قلم نہ رُک سکا، اس کے باوجود بھی یہ حقیقت اپنی جگہ ہے اور اس میں مبالغہ بالکل نہیں کہ بہت سے واقعات طوالت کے خوف سے بادلِ ناخواستہ قصداً ترک کر دیئے ورنہ آپؐ کے حالات و سیرتِ پاک کا سلسلہ تو اتنا لامتناہی ہے کہ انسان اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا ؎

دامانِ نگہ تنگ گلِ حسنِ تو بسیار ؎ گل چینِ حسن از تنگیٔ داماں گلہ دارد

میں نے اس تذکرہ کے شروع میں لکھا ہے پیغمبرِ اسلام سید الانبیاء والمرسلین نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کی اُمت کو یہ فخر حاصل ہے کہ چودہ سو صدیاں گذر جانے کے باوجود بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کل کے واقعات و حالات ہیں جو ہم پڑھ رہے ہیں یا سُن رہے ہیں، اور پروردگارِ عالم کے اس فرمان وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ کی تفسیر آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے، یعنی پیغمبروں اور فرشتوں میں آپ کا نام بلند ہے، دنیا کے عقلاء آپؐ کا نام نامی ادب سے لیتے ہیں، آپؐ کا ذکر عزت و وقعت سے کرتے ہیں، اذان، اقامت، خطبہ، کلمۂ طیبہ وغیرہ میں اللہ تعالیٰ کے نام کے بعد آپؐ کا نام نامی لیا جاتا ہے، اس کے ساتھ آپؐ کی اطاعت و فرمانبرداری کو اپنی رضاء کا ذریعہ فرمایا، ارشاد باری ہے:

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ ط (پ۳، ع ۱۲)	"(اے نبیؐ) آپ لوگوں سے کہدیجئے اگر تم واقعی اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی اختیار کرو، اس پر اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا۔"

جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی نرینہ اولاد نہ رہی تو عاص بن وائل سہمی قریشی اور آپ کے دشمنوں نے طعنہ دیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو (العیاذ باللہ) "ابتر" ہوگیا، اہلِ عرب ابتر اس شخص کو کہتے تھے جس کی نرینہ اولاد باقی نہ رہے، کیونکہ سلسلۂ نسب نرینہ اولاد سے چلتا ہے، اللہ تعالیٰ نے آپ کے بلند مرتبہ کو سورۂ کوثر میں ان الفاظ میں ذکر فرمایا:

اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ط

"بے شک آپ کا دشمن ہی بے نام و نشان ہو جانیوالا ہے"

چنانچہ دنیا دیکھ سکتی ہے کہ آپ کا دین یعنی اسلام آج تک کتنا ترقی پذیر اور آپ کا نام نامی کیسا روشن ہے؟ ابوجہل، ابولہب، عتبہ، شیبہ جیسے اسلام دشمنوں کا کوئی نام لیوا بھی نظر نہیں آتا، اور آپ کا ذکر خیر لوگوں کے سینوں میں اور زبانوں پر جاری و ساری ہے، اور انشاء اللہ تاقیامت دنیا میں جاری رہیگا، پھر آخرت میں یہی ذکر ذریعۂ نجات بنے گا،

یہ تتمہ تین فصلوں پر مشتمل ہے:

فصل اوّل:-

آپ کا حُلیۂ مبارک اور اخلاقِ حسنہ،

فصل دوم:-

آپ کے رشتہ دار،

فصل سوم:-

اُمہات المؤمنین یعنی ازواج مطہراتؓ اور اولاد،

فصل اوّل ——— آپ کا حسن و جمال اور حُلیۂ مبارک اور اخلاقِ حسنہ

(ماخوذ از شمائل ترمذی و نشر الطیب)

احادیث میں بہت سے صحابہ نے آپ کا حُسن و جمال، حلیۂ مبارک، اخلاقِ حسنہ کو بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے، اور یہ واقعہ ہے کہ ان حضرات سے بڑھکر آپ کے اخلاقِ حسنہ اور اوصافِ حمیدہ کا بیان کوئی نہیں کر سکتا،

حضرت انسؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت براء بن عازبؓ، اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ، حضرت ابوجحیفہؓ، حضرت جابر بن سمرہؓ، حضرت اُم معبدؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت معوض بن معیقیبؓ،

حضرت ابو الطفیلؓ، حضرت عدا بن خالدؓ اور دیگر صحابۂ کرام نے آپؐ کے اخلاقِ حسنہ، حسن و جمال وغیرہ کا مفصل ذکر کیا ہے،

ان حضرات سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگِ مبارک چمکتا ہوا تھا، چشم مبارک کی پتلیاں سیاہ تھیں، آنکھیں بڑی بڑی تھیں، آنکھوں میں سُرخ ڈورے تھے، پلکیں دراز تھیں، دونوں ابروؤں کے درمیان والی جگہ ذرا کشادہ تھی، ابرو خمدار تھے، ناک مبارک بلند تھی، دندانِ مبارک میں کچھ درخشی تھیں، یعنی دانت ایک دوسرے پر چڑھے ہوئے نہ تھے، چہرۂ مبارک ایسا گول تھا جیسا چاند کا ٹکڑا، ریش مبارک ایسی گھنی تھی کہ سینۂ مبارک کو بھر دیتی تھی، شکم مبارک اور سینہ ہموار تھے اور سینۂ مبارک چوڑا تھا، دونوں شانے (مونڈھے) بڑے تھے، دونوں ہاتھوں کی کلائیاں اور بازو اور پنڈلیاں وغیرہ بھرے ہوئے تھے، دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیاں اور قدم مبارک کشادہ تھے، سینہ سے ناف تک بالوں کا ایک باریک خط تھا قد مبارک درمیانہ تھا، نہ بہت لانبا نہ بہت پستا، کہ اعضاء ایک دوسرے میں دھنسے ہوئے ہوں، اور رفتار میں آپؐ کے ساتھ کوئی نہ رہ سکتا تھا، (یعنی رفتار میں قدرتی طور پر کچھ تیزی ہوتی تھی)، بال قدرے بل دار تھے، ہنسی کے وقت دندانِ مبارک نظر آجاتے تو یہ معلوم ہوتا جیسے بجلی کی روشنی ہوگئی، یا جیسے بارش میں اولے برس پڑے جب آپؐ کلام فرماتے تو سامنے کے دانتوں کے بیچ میں سے ایک نور سا نکلتا معلوم ہوتا، گردن نہایت خوبصورت تھی، چہرۂ مبارک پھولا ہوا نہ تھا، بدن مبارک گٹھا ہوا گوشت ہلکا تھا،

○ مہرِ نبوت؛

حضرت سمرہؓ اور حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ آپؐ کے دونوں شانوں (مونڈھوں) کے درمیان مہرِ نبوت تھی جو سُرخ اور اُبھرے ہوئے گوشت کی شکل میں کبوتر کے انڈے کی طرح تھی، حضرت جابرؓ فرماتے ہیں ایک مرتبہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سواری پر اپنے پیچھے بٹھالیا تو میں نے مہرِ نبوت کو مُنہ میں لے لیا، اس میں سے مُشک کی لپٹیں آرہی تھیں،

○ حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ حسین کوئی نہیں دیکھا، یہ معلوم ہوتا تھا جیسے آفتاب چل رہا ہے،

○ اُمِّ معبدؓ کہتی ہیں کہ آپؐ دور سے سب سے زیادہ جمیل اور قریب سے سب سے زیادہ شیریں اور حسین معلوم ہوتے تھے،

○ حضرت انسؓ فرماتے ہیں میں نے عنبر اور مُشک میں بھی وہ خوشبو نہیں دیکھی جو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک سے مہکتی تھی، اگر کوئی آپؐ سے مصافحہ کرتا تو دن بھر اس شخص

کے ہاتھوں سے خوشبو آتی رہتی تھی،

○ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس راستہ سے گذرتے اور کوئی شخص آپؐ سے ملاقات یا تلاش کے لئے اس راستہ سے جاتا تو وہ خوشبو سے پہچان لیتا کہ آپؐ اس راستہ سے تشریف لے گئے ہیں (یہ خوشبو مصنوعی نہ تھی بلکہ قدرتی تھی)،

اسی تذکرہ "خاتم الانبیاءؐ" کے گلہائے عقیدت کے ضمن میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ ایک مرتبہ آپؐ حضرت انسؓ کے گھر میں سوئے ہوئے تھے کہ آپؐ کے بدن مبارک سے پسینہ بہہ رہا تھا، حضرت انسؓ کی والدہ نے اس پسینہ کو ایک شیشی میں جمع کرنا شروع کر دیا، آپؐ نے ان سے دریافت فرمایا یہ کیا کر رہی ہو؟ تو انھوں نے جواب دیا ہم اس کو اپنی خوشبو میں ملائیں گے،

فصل دوم

آپؐ کے چچا، تایا اور پھوپھیاں،

آپؐ کے چچا اور تایا کے یہ نام بیان کئے گئے ہیں:-

① سید الشہداء حضرت حمزہؓ، ② حضرت عباسؓ ③ حارث ④ قثم ⑤ زبیر ⑥ ابوطالب ⑦ ابولہب ⑧ عبدالکعبہ ⑨ حجل ⑩ ضرار ⑪ غنداق،

ان میں سے سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ ۶ سنہ نبوی میں ایمان لائے اور حضرت عباسؓ جنگ بدر میں کفار کے ساتھ تھے اور دوسرے کفار کے ساتھ یہ بھی قیدیوں میں شامل تھے، حضورؐ کے ہجرت فرمانے کے بعد مسلمان ہو گئے، مگر اپنا اسلام کسی پر ظاہر نہیں کیا، بحکم نبیؐ آپ مکہ میں رہتے رہے، کفار کی خبریں آپؐ کے پاس مدینہ میں پہنچاتے رہتے تھے،

ان سب بھائیوں میں حارث بڑے تھے، گویا یہ حضورؐ کے تایا ہوئے، جناب ابوطالب نے اپنے والد جناب عبدالمطلب کی وفات کے وقت سے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی تربیت میں لیا، اس وقت حضورؐ کی عمر مبارک آٹھ سال تھی، اس وقت سے ۱۰ سنہ نبوی تک آپؐ کی خدمت کرتے رہے، آپؐ نے بہت کوشش کی کہ چچا جان اخیر وقت میں ایمان قبول کر لیں، مگر ابوجہل وغیرہ عار دلاتے رہے، اور کھڑے ہوئے یہ کہتے رہے کہ ابوطالب اگر تو نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے کہنے میں آکر اخیر وقت میں اس کا دین (اسلام) قبول کر لیا تو مکہ کا بچہ بچہ یہ کہے گا کہ ابوطالب اپنا آبائی دین چھوڑ کر مر گیا،

خلاصہ یہ کہ گیارہ چچاؤں میں سے صرف دو نے اسلام قبول کیا،

پھوپھیاں؛

اسی طرح آپؐ کی چھ پھوپھیاں تھیں، حضرت صفیہؓ، عاتکہؓ، برہؓ، اروٰیؓ، امیمہؓ، ام حکیم بیضاء، مگر ان میں سے صرف حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا ایمان لائیں، ان کی بہادری کا ذکر غزوۂ خندق کے بیان میں گذر چکا ہے، حضرت زبیر بن عوامؓ انہی کے صاحبزادے تھے،

حضرت صفیہؓ کے علاوہ عاتکہ اور اروٰی ان دونوں کے اسلام لانے میں اختلاف ہے،

فصل سوم

اُمہات المؤمنینؓ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کو "امہات المؤمنین" یعنی مسلمانوں کی مائیں کہا جاتا ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں فرمایا گیا:

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ، (پ ۲۱، ع ۱۷)	"نبی مسلمانوں کے ساتھ خود اُن کی جان سے بھی زیادہ تعلق رکھتا ہو اور نبی کی بیویاں مسلمانوں کی مائیں ہیں"

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پچیس سال کی عمر تک جو جوانی اور شباب کا زمانہ ہوتا ہے بغیر شادی کے گذار دیا، پھر حضرت خدیجہؓ کی درخواست اور عزیز و اقارب کے مشورہ پر ان سے عقد فرمایا، جو دو مرتبہ کی بیوہ اور عمر سے ڈھل چکی تھیں، اور چالیس سال کی عمر ہو چکی تھی، ترپن سال کی عمر تک آپؐ نے اپنی شباب کی زندگی بڑے سکون سے حضرت خدیجہؓ کے ساتھ گذاری، یعنی تقریباً پچیس سال آپؐ کے نکاح میں رہیں، اور ان کی زندگی میں دوسرا نکاح نہیں کیا، سنہ ۱۰ نبوی میں جب اُن کا انتقال ہو گیا تو حضرت سودہؓ بنت زمعہ سے نکاح فرمایا،

آپؐ کی گیارہ ازواج تھیں، ان میں سے دو حضرت خدیجہؓ اور زینبؓ بنت خزیمہ کا آپؐ کی حیات ہی میں انتقال ہو گیا تھا، آپؐ کی وفات کے وقت نو ازواج حیات تھیں، اور حضرت عائشہؓ کے علاوہ باقی سب بیوہ تھیں، تعددِ ازواج بھی صرف دین کے لئے اور بحکم خداوندی تھا، آپؐ کے تعددِ ازواج پر غیر مسلم اور ان سے مرعوب ہو کر بعض مسلمان اپنی ناسمجھی کی وجہ سے اعتراض کرتے ہیں، اس کا جواب بھی آئندہ صفحہ پر پڑھ لیجئے،

حضورؐ کے تعددِ ازواج پر دشمنانِ اسلام کا اعتراض اور اس کا جواب

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تعددِ ازواج پر بہت سے دشمنانِ اسلام اعتراض کرتے رہتے ہیں، ہمارا مشاہدہ ہے اور ہم بعض سادہ لوح مسلمانوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ بھی دشمنانِ اسلام کی ریشہ دوانیوں کا شکار ہو کر اُن جیسی باتیں کرنے لگتے ہیں،

حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ اور مصنف رحمۃ للعالمینؐ اور بہت سے علماء نے ایسے دریدہ دہن لوگوں کے بڑے مسکت جواب دیئے ہیں،

مولانا تھانویؒ لکھتے ہیں:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاحوں کے متعلق عیسائیوں وغیرہ میں بڑی غلط فہمی ہے، حالانکہ آپؐ کی اُن نکاحوں سے اصلی غرض یا تو محض ہمدردی یا ترحم تھا یا مختلف قوموں میں اتفاق و اتحاد پیدا کرنا تھا، ان کے علاوہ ملکی مصالح اور دینی اغراض تھیں، مگر ہمارے مخالفین ان نکاحوں کی بناء نفسانی خواہشیں بتاتے ہیں، (نعوذ باللہ)

تاریخ شاہد ہے کہ جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پچیس ۲۵ برس کی عمر میں نکاح فرمایا تو آپؐ عفت اور پرہیزگاری میں تمام عرب میں مشہور تھے، پھر اس (نکاح) کے بعد تقریباً پچیس ۲۵ برس یعنی جب تک حضرت خدیجہؓ زندہ رہیں آپؐ نے دوسرا نکاح نہیں کیا، حالانکہ عرب میں تعددِ ازواج کی رسم بلا قید کسی شرط کے رائج اور عام تھی، پس اُن لوگوں کا جو کہ نیک افعال میں اغراض بد تلاش کرتے ہیں یہ فرض ہے کہ وہ اس کا سبب تلاش کریں، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پچپن ۵۵ سال کی عمر تک جب آپؐ بوڑھے ہو چکے تھے ایک سے زیادہ بیوی سے نکاح نہیں کیا، اگر نفسانی خواہشیں کسی وقت ایک شخص کے دل پر غلبہ پا سکتی ہیں تو وہ جوانی کا وقت ہوتا ہے، جبکہ جذبات جوانی جوش میں ہوتے ہیں، مگر اس جوانی میں ایک بی بی پر ایسا اکتفاء کیا کہ جس وقت قریش نے جمع ہو کر آپؐ سے یہ کہا کہ آپؐ بتوں کی برائی کرنا چھوڑ دیں تو ہم آپؐ کو اپنا سردار بنا لیں گے، اور خوبصورت سے خوبصورت لڑکیاں آپؐ سے نکاح کے لئے حاضر کر دیں گے، تو آپؐ نے اُن کی یہ بات ایک کان سے سُنی دوسرے کان سے نکال دی»

(المصالح العقلیہ)

مصنف رحمۃ للعلمینؐ ایسے ہی دریدہ دہن لوگوں کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جس قدر نکاح کئے ان کی بنیاد فوائد کثیرۂ دین اور مصالحِ جمیلۂ ملک اور مقاصدِ حسنۂ قوم پر قائم تھی، ان فوائد و مصالح و مقاصد کا اس قدیم ترین زمانہ میں اور عرب جیسے جمود پسند ملک میں حاصل ہونا تدریج کے بغیر ممکن ہی نہ تھا،

- مثلاً ام المؤمنین حضرت صفیہؓ کے نکاح پر غور کرو کہ اس سے پیشتر جس قدر لڑائیاں مسلمانوں کے ساتھ کفار نے کیں ان میں سے ہر ایک میں یہود کا تعلق سرّاً یا علانیۃً ضرور ہوتا تھا، مگر تزویج (نکاح) صفیہؓ کے بعد یہود مسلمانوں کے خلاف کسی جنگ میں شامل نہ ہوئے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ نکاح کس قدر ضروری تھا،
- اسی طرح ام المؤمنین حضرت اُم حبیبہؓ کے نکاح پر غور کرو، ان کا باپ ابوسفیان عمائدِ قریش میں سے تھا، اور قوم کا نشانِ جنگ اس کے گھر میں رکھا رہتا تھا، جب یہ نشان باہر کھڑا کیا جاتا تو تمام قوم پر آبائی ہدایات اور قومی روایات کے اتباع میں لازم ہو جاتا تھا کہ سب کے سب اس جھنڈے کے نیچے فوراً جمع ہو جائیں، جنگِ اُحد، حمراء الاسد، بدر الاخریٰ، احزاب وغیرہ لڑائیوں میں ابوسفیان ہی اس نشان کو لئے ہوئے قائدِ قریش بنا نظر آتا تھا، اُمِّ حبیبہؓ کے نکاح کے بعد دیکھو وہ کسی جنگ میں مسلمانوں کے خلاف فوج کشی کرتا نظر نہیں آتا، بلکہ تھوڑے ہی عرصہ بعد خود بھی اسلام کے جھنڈے کے نیچے آکر پناہ لیتا ہے، کیا اب بھی کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ نکاح غیر ضروری تھا؟
- اسی طرح ام المؤمنین حضرت جویریہؓ کے نکاح پر غور کریں، ان کا باپ مشہور رہزن اور پیشہ ور ڈاکو تھا، مسلمانوں سے خاص اور دلی عداوت رکھتا تھا، قبیلہ بنو مصطلق مشہور اور طاقتور جو مختلف برادریوں میں پھیلا ہوا تھا وہ اس کے اشارہ پر کام کرتا تھا، اور یہی وجہ ہے کہ اس نکاح سے پہلے ہر ایک جنگ میں جو مسلمانوں کے خلاف ہوئی یہ قبیلہ اس میں شریک نظر آتا ہے، لیکن اس نکاح کے بعد یہ مخاصمتیں یکسر ختم ہو جاتی ہیں، تمام قبیلہ چوری ڈکیتی چھوڑ کر مہذب زندگی اختیار کر لیتا ہے، اور مسلمانوں کے خلاف پھر کسی جنگ میں شریک نہیں ہوتا، انصاف سے کہو کہ یہ نکاح ضروری تھا یا نہیں؟
- علیٰ ہذا القیاس ام المؤمنین حضرت میمونہؓ کے نکاح پر غور کیا جائے، ان کی بہن سردارِ نجد کے گھر میں تھی، اس نکاح سے ملکِ نجد میں صلح اور امن اور اسلام کے پھیلنے میں بہترین

نتائج پیدا کئے، حالانکہ اس نکاح سے پہلے یہی اہلِ نجد تھے جنھوں نے ستر مبلغینِ اسلام اور حفاظ و قراء کو دھوکا دے کر شہید کر دیا تھا، جو واقعہ "بیرِ معونہ" کے نام سے مشہور ہے، یہ نکاح بڑا بابرکت ثابت ہوا،

- اسی طرح ام المؤمنین حضرت زینبؓ بنت جحش کے نکاح سے ابنیت کا بُت توڑا اور تثلیث کا درخت کھوکھلا ہو گیا جس سے مشرکین اور اہلِ کتاب کے دماغ درست ہو گئے،

ان چند امہات المؤمنین کے نکاح سے ہر منصف مزاج شخص فیصلہ کر سکتا ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے تعدد ازواج کی مصلحت کیا تھی؟ ورنہ حدیث میں آپ کا صاف ارشاد پاک موجود ہے: مَالِیْ فِی النِّسَاءِ مِنْ حَاجَةٍ "کہ مجھے عورتوں کی کوئی حاجت نہیں"، (خلاصہ از رحمۃ للعالمین، ص ۱۳۱ ج ۲)

معارف القرآن جلد ۲ میں مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ زیرِ عنوان "رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تعددِ ازدواج" لکھتے ہیں:

"تعلیم و تبلیغ کی دینی ضرورت کے پیشِ نظر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کثرتِ ازواج ایک ضروری امر تھا، صرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے احکام و مسائل، اخلاق و آداب اور سیرتِ نبویؐ سے متعلق دو ہزار دو سو دس (۲۲۱۰) روایات مروی ہیں جو کتبِ حدیث میں پائی جاتی ہیں،

- حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کی مرویات کی تعداد تین سو اٹھہتر (۳۷۸) تک پہنچی ہوئی ہے"، پھر لکھتے ہیں:

"اگر حضرت اُم سلمہؓ کے فتاویٰ جمع کئے جائیں جو انھوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد دیئے ہیں تو ایک رسالہ مرتب ہو سکتا ہے"،

- حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا روایت و درایت اور فقہ و فتاویٰ میں جو مرتبہ ہے وہ محتاجِ بیان نہیں، ان کے شاگردوں کی تعداد دو سو (۲۰۰) کے لگ بھگ ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مسلسل اڑتالیس (۴۸) سال تک علمِ دین پھیلایا (۱۷ رمضان المبارک ۵۸ھ ہجری کو وفات پائی، اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ ۝)

باقی نو ازواج مطہرات کے نام یہ ہیں؛

(۱) اُم المؤمنین حضرت سودہؓ بنت زمعہ
(۲) اُم المؤمنین حضرت عائشہؓ بنت ابوبکرؓ،
(۳) اُم المؤمنین حضرت حفصہؓ بنت عمرؓ بن الخطاب
(۴) اُم المؤمنین حضرت اُم سلمہؓ بنت ابی امیہ،
(۵) اُم المؤمنین حضرت زینبؓ بنت جحش
(۶) اُم المؤمنین حضرت جویریہؓ بنت حارث
(۷) اُم المؤمنین حضرت اُم حبیبہؓ بنت ابی سفیانؓ
(۸) اُم المؤمنین حضرت صفیہؓ بنت حی اخطب
(۹) ام المؤمنین حضرت میمونہؓ بنت الحارث۔

نقشہ معلوماتِ نکاح، وفات، عمر، مدفن ازواج مطہرات رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین

نمبر شمار	نام ازواج	سنہ نکاح	عمر بوقت نکاح	حضورؐ کی عمر مبارک	سنہ وفات	مدفن
۱	ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضؓ	قبل از نبوت	۴۰ سال	۲۵ سال	سنہ نبوی	جنت المعلیٰ، مکہ معظمہ
۲	حضرت سودہؓ	سنہ نبوی	۵۰ سال	۵۰ سال	سنہ ۱۹ ہجرت	جنت البقیع، مدینہ منورہ
۳	حضرت عائشہؓ	سنہ ۱۱ " رخصتی شوال	۶ سال بعمر ۹ سال	۵۴ سال	۱۷ رمضان سنہ ۵۷ھ	جنت البقیع، مدینہ منورہ
۴	حضرت حفصہؓ	شعبان سنہ ۳ھ	۲۲ سال	۵۵ سال	سنہ ۴۱ھ	جنت البقیع، مدینہ منورہ
۵	حضرت زینبؓ بنت خزیمہ	سنہ ۳ "	۳۰ سال تقریباً	۵۵ سال	سنہ ۳ھ نکاح سے صرف ۳ ماہ بعد	جنت البقیع، مدینہ منورہ
۶	حضرت ام سلمہؓ	سنہ ۴ "	۲۴ سال	۵۶ سال	سنہ ۶۰ھ	جنت البقیع، مدینہ منورہ
۷	حضرت زینبؓ بنت جحش	سنہ ۵ "	۳۶ سال	۵۷ سال	سنہ ۲۰ھ	جنت البقیع، مدینہ منورہ
۸	حضرت جویریہؓ	سنہ ۵ "	۲۰ سال	۵۷ سال	سنہ ۵۶ھ	جنت البقیع، مدینہ منورہ
۹	حضرت ام حبیبہؓ	سنہ ۶ "	۳۶ سال	۵۸ سال	سنہ ۴۴ھ	جنت البقیع، مدینہ منورہ
۱۰	حضرت صفیہؓ	سنہ ۷	۱۷ سال	۵۹ سال	سنہ ۵۰ھ	جنت البقیع، مدینہ منورہ
۱۱	حضرت میمونہؓ	سنہ ۷ "	۳۶ سال	۵۹ سال	سنہ ۵۱ھ	موضع سرف، مکہ معظمہ

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام اولاد (سوائے صاحبزادہ حضرت ابراہیمؓ کے) ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے پیدا ہوئیں، اُن کے نام یہ ہیں:

صاحبزادے:

○ حضرت قاسمؓ ○ حضرت طاہرؓ، سب سے پہلے حضرت خدیجہؓ سے حضرت قاسمؓ پیدا ہوئے، حضورؐ کی کنیت "ابوالقاسم" ان ہی کے نام پر ہے، ابھی پاؤں چلنے ہی لگے تھے کہ انتقال فرما گئے،

دوسرے صاحبزادہ حضرت طاہرؓ ہیں، ان کا دوسرا نام عبداللہؓ بھی مشہور ہے، یہ دونوں صاحبزادے

نبوت ملنے کے بعد مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے اور مکہ ہی میں انتقال کر گئے،

○ حضرت ابراہیمؓ: یہ تیسرے صاحبزادہ حضرت ماریہ قبطیہؓ سے مدینہ میں پیدا ہوئے تھے، اور شیر خوارگی کے زمانہ میں ہی وفات پا گئے،

صاحبزادیاں:

آپؐ کے چار صاحبزادیاں پیدا ہوئیں، اور چاروں حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے بطن (پیٹ) سے تھیں، اور سب مکہ معظمہ میں پیدا ہوئیں،

① حضرت زینبؓ: حضرت قاسمؓ سے چھوٹی اور سب بہنوں سے بڑی تھیں،

② حضرت رقیہؓ: زینبؓ سے چھوٹی تھیں،

③ حضرت اُم کلثومؓ: رقیہؓ سے چھوٹی تھیں،

④ حضرت فاطمہؓ: اُم کلثومؓ سے چھوٹی یا یوں کہہ لیجئے کہ سب بہنوں سے چھوٹی تھیں،

حضورؐ نے حضرت رقیہؓ کا نکاح مکہ معظمہ میں حضرت عثمان غنیؓ سے کر دیا تھا، حضرت رقیہؓ کے چیچک مدینہ میں نکلی، آپ جنگ بدر میں تشریف لے گئے، اور حضرت عثمانؓ غنی کو ان کی تیمارداری کے لئے چھوڑ گئے، زید بن حارثہؓ جنگ بدر میں فتح کی خبر لے کر مدینہ پہنچے تو اُس وقت حضرت رقیہؓ کی وفات ہو چکی تھی، اور لوگ مٹی دے رہے تھے، سیدہ رقیہؓ کی وفات اکیسؔ سال کی عمر میں ہوئی،

سیدہ ام کلثومؓ:

سیدہ رقیہ کے انتقال کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ۳ھ ہجری میں ان کا بھی نکاح حضرت عثمان غنیؓ سے کر دیا تھا، اسی وجہ سے حضرت عثمانؓ کو ذی النورین کے لقب سے بھی یاد کیا جاتا ہے،

سیدہ حضرت فاطمہؓ:

آپ حضرت خدیجہؓ کی سب سے چھوٹی صاحبزادی ہیں، اُن کی پیدائش کے وقت حضورؐ کی عمر مبارک ۳۱ سال کے قریب تھی، سیدہ فاطمہؓ حضرت علیؓ کی زوجۂ محترمہ اور حضرات حسنینؓ کی والدۂ ماجدہ ہیں، حضورؐ کو آپ سے بڑی محبت تھی، آپؐ نے ارشاد فرمایا میری بیٹی جنت کی عورتوں کی سردار ہوگی، آپؐ جب کسی سفر پر تشریف لے جاتے تو واپس آکر پہلے مسجد شریف میں دو رکعت نفل پڑھتے، اس کے بعد صاحبزادی کے پاس تشریف لے جاتے، پھر اپنے گھر تشریف لاتے،

ان کے علاوہ حدیث میں آپ کے بہت فضائل ہیں، اختصار کے پیش نظر اسی پر اکتفا کرتے ہیں،

یہ ہیں آپؐ کے تریسٹھ سالہ حیاتِ پاک کے چیدہ چیدہ واقعات جن کو ہم نے بیان کیا، مجھ جیسا سیاہ کار تفصیل واقعات کو کیا بیان کر سکتا ہے، بادلِ ناخواستہ قلم روکتا ہوں ؎

ایں سخن را نیست ہرگز اختتام ؎ پس سخن کوتاہ باید والسلام

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ وَ سَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ۝ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَبِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِيْنَ ۝

ایک سال قبل ۱۵ شعبان کو مکی زندگی کے حالات مکمل ہوئے تھے،

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ

آج ایک سال بعد شعبان کی پندرہویں شب کو یہ کتاب پایۂ تکمیل کو پہونچی، خداوند کریم سے التجا ہے مجھ سیاہ کار سے اگر کوئی غلطی ہو گئی ہو تو اس کو معاف فرمائے، اور اس تذکرہ کو قبول فرما کر میری نجات کا ذریعہ بنادے، آمین بجاہ سید الاولین والآخرین امام الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم،

قاری شریف احمد کان اللہ لہٗ

مورخہ ۱۵ شعبان المعظم ۱۴۰۶ھ

بوقت ۴ بجے شب

کتبہ سید نثار حسین کاظمی ۸۶ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لقد کان فی قصصھم عبرۃ لاولی الالباب

"بے شبہ ان کے قصہ میں سمجھدار لوگوں کے لیے عبرت ہے"

تذکرۃ الانبیاء علیہم السلام

حصہ اوّل

جس میں آدم علیہ السلام سے لے کر نبی آخر الزمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک کے مشہور انبیاء کرامؑ کے حالات اور اُن کے ماننے والوں کی نجات تکذیب کرنے والوں کا انجام تفصیلاً بیان کیے گئے ہیں

مرتبہ

قاری شریف احمد صاحب خطیب

مکتبہ رشیدیہ

صاحبِ تصنیف

نام : قاری شریف احمد ابن حاجی نیاز احمد (مرحوم)

پیدائش : ۱۳۳۲ھ مطابق ۱۹۱۴ء، ضلع مظفر نگر۔ یوپی۔ انڈیا

تعلیم : حفظ قرآن، ۱۳۴۲ھ مطابق ۱۹۲۴ء (حافظ رحمت اللہ کیرانویؒ سے)

درس نظامی، ۱۳۵۱ھ مطابق ۱۹۳۳ء (مدرسۂ امینیہ۔ دہلی)

موقوف علیہ، ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۹۳۸ء (مدرسۂ عالیہ فتح پوری۔ دہلی)

دورۂ حدیث، ۱۳۵۷ھ مطابق ۱۹۳۹ء (جامعہ تعلیم الدین۔ ڈابھیل)

تجوید و قراءت، ۱۳۵۸ھ مطابق ۱۹۳۹ء (مدرسۂ فرقانیہ۔ لکھنو)

اساتذۂ کرام: حضرت مفتی کفایت اللہ دہلویؒ، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا سید بدر عالم میرٹھیؒ، مولانا سراج احمد رشیدیؒ، مولانا حافظ عبدالرحمٰن امروہویؒ، مولانا فخر الحسن دیوبندیؒ، مولانا قاضی سجاد حسین دہلویؒ، قاری عبدالمالک علی گڑھیؒ، قاری سید حامد حسینؒ وغیرہ

بیعت و ارادت: شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ

شیخ طریقت حضرت مولانا سید حامد میاں نور اللہ مرقدہ (خلیفہ حضرت مدنیؒ)

مناصب : خطیب جامع مسجد سٹی اسٹیشن۔ کراچی

مدیر جامعہ تعلیم القرآن شریفیہ۔ کراچی

بانی صدر مجلس یادگار شیخ الاسلامؒ۔ پاکستان، کراچی

سرپرست اعلیٰ تنظیم القراء والحفاظ ٹرسٹ پاکستان

رکن مجلس شوریٰ جامعہ مدنیہ (جدید) رائے ونڈ

مکتبہ شریفیہ

قاری شریف احمد اسٹریٹ، پاکستان چوک، کراچی